ونزلنا علیک الکتب تبیانا لکل شیء وهدی ورحمة وبشری للمسلمین (القرآن)

المعروف جواہر قرآنیہ

الیواقیت الحسان فی علوم القرآن

علومِ قرآنیہ کا نایاب تحفہ

جلد اوّل

حضرت مولانا کریم بخش صاحب مدظلہ

مدیر جامعہ عمرؓ بن الخطابؓ ملتان

مکتبہ عمر بن الخطابؓ

نئی چوک شاہ رکن عالم کالونی ملتان موبائل: 0301-7574977

Marfat.com

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ (القرآن)

الیواقیت الحسان فی علوم القرآن

علومِ قرآنیہ کا نایاب تحفہ

جلد اوّل

"قرآن مجید کی تعریف، تفسیر و تاویل، تفسیر بالرائے، وحی اور نزولِ قرآن، تدوینِ قرآن، خصوصیاتِ قرآن حفاظتِ قرآن، اعجازِ قرآنی، فصاحت و بلاغتِ قرآن، قرآنی احکام کے بنیادی اصول، قرآن مجید کے اہداف و مقاصد، قرآن مجید کے حقوق، عظمتِ قرآن، فضائلِ قرآن، تلاوتِ قرآن کے فضائل و آداب، مسائلِ قرآن، ختمِ قرآن، اور ان جیسے اور بہت سارے فوائد و نکات"۔

حضرۃ مولانا کریم بخش صاحب دامت فیوضہم

ناشر
مکتبہ عمرؓ بن الخطابؓ ملتان
سیدنا عمرؓ فاروق چوک شاہ رکن عالم کالونی ملتان پاکستان
0301-7574977, 0300-7345151 , 061-6775251
Muaaz5151@gmail.com

M-33728

Marfat.com

جملہ حقوق طباعت بحق مکتبہ عمر بن الخطاب ملتان محفوظ ہیں

عرض ناشر: الحمد للہ اگرچہ مکتبہ عمر بن الخطاب ملتان نے

الیواقیت الحسان فی علوم القرآن

کی تصحیح وطباعت میں ہر ممکن احتیاط سے کام لیا ہے لیکن پھر بھی
کتابت، طباعت اور جلد سازی میں سہواً غلطی ہو جاتی ہے۔
اگر کسی صاحب کو ایسی کسی غلطی کا علم ہو تو براہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں۔

مکتبہ عمر بن الخطاب ملتان
E-Mail: maktabaumerbinalkhattab@gmail.com

297.11
ک 45 ی
162781
جلد 1

نام کتاب: الیواقیت الحسان فی علوم القرآن

تالیف: مولانا کریم بخش صاحب عفا الکریم عنہ

ناشر: مکتبہ عمر بن الخطاب ملتان

فون: 061-6775251
0301-7574977, 0300-7345151
ای میل: Muaaz5151@gmail.com

ملنے کے پتے

☆...... مکتبہ حقانیہ، ملتان
☆...... مکتبہ امدادیہ، ملتان
☆...... مکتبہ مجیدیہ، ملتان
☆...... مکتبہ اشاعت الخیر، ملتان
☆...... تالیفات اشرفیہ، ملتان
☆...... مکتبہ ادارہ اسلامیات، لاہور
☆...... مکتبہ حبیبیہ رشیدیہ، لاہور
☆...... مکتبہ قاسمیہ، لاہور
☆...... مکتبہ الحسن، لاہور
☆...... مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ
☆...... قدیمی کتب خانہ، کراچی
☆...... مکتبہ لدھیانوی، کراچی
☆...... مکتبہ عمر فاروق، کراچی
☆...... مکتبہ شیخ، کراچی
☆...... مکتبہ اسلامیہ، لاہور/ فیصل آباد
☆...... جامعۃ الحبیب، فیصل آباد
☆...... مکتبہ عمر فاروق، راولپنڈی
☆...... مکتبہ صفدریہ، راولپنڈی
☆...... مکتبہ الحرمین، سرگودھا
☆...... مکتبہ حرمین، سرگودھا
☆...... مکتبہ علمیہ، اکوڑہ خٹک
☆...... مکتبہ رشیدیہ، اکوڑہ خٹک
☆...... مکتبہ فاروقیہ، وہاڑی
☆...... مکتبہ دار المطالعہ، حاصل پور

Marfat.com

فہرست مضامین (جلد اوّل) الیواقیت الحسان

عنوان	صفحہ
فہرست	3
مقدمہ	17
قرآن مجید، مالک کے ارشادات وفرمودات کا مجموعہ	17
قرآن، نسخۂ کیمیا ہے	18
امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کا خوبصورت ارشاد	18
قرآن کی اصل دعوت، سعادتِ ابدی ہے	19
حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد	20
قرآن مجید کا اصل موضوع	20
فلسفی اور صاحب قرآن کے نقطۂ نظر میں فرق	21
قرآن مجید نے پستی سے اُٹھا کر اوجِ ثریا تک پہنچایا	22
امت مسلمہ آج کہاں کھڑی ہے؟	22
اپنے طرزِ عمل اور معمولاتِ زندگی پر نظر ڈالیں	23
ہر شخص اپنے حقوق کا متلاشی ہے	24
اسلام کے نام لیوا اور قرآن کے محب	24
قرآن مجید ہدایت ونور کا سرچشمہ	24
قرآن، ذریعہ نجات	24
قرآن، زندہ وجاوید معجزہ	25
یواقیتُ الحِسان کی تصنیف	26
قرآن مجید کی تعریف	28
قرآن مجید کی لغوی تعریف	29
قرآن مجید کی اصطلاحی تعریف	31
مکی اور مدنی آیات وسُوَر	31
فائدہ مہمہ	32
تفسیر وتاویل کی تعریف	33
علمِ تفسیر کا تعارف	33
لفظِ تفسیر وتاویل کی معنوی تحقیق	33
تفسیر وتاویل کے شرعی اور اصطلاحی معنی	33
شرائطِ تفسیر	34
ا۔ علم اللغۃ یا علم اللسان	34
۲۔ علم السنۃ	35
۳۔ علم الآثار	37
۴۔ علم القواعد واصول الاستنباط	38
۵۔ علم قواعد الالٰہیات	39
ازالہ شبہہ	39

Marfat.com

۶۔علم الموہبۃ	40
تفسیر بالرائے اور اُسکے متعلقات کا بیان	42
تفسیر بالرائے کی تحقیق	42
ازالہ شبہ،تفسیر صوفیہ اور تفسیر باطنیہ میں فرق	43
تفسیر بالرائے کی قسمیں	46
اقسام تفسیر	46
تاویلِ محمود کی شرائط	47
اردو تراجم	50
آزاد ترجمانی	51
ترجمہ اور ترجمانی میں فرق	51
صاحب تفہیم القرآن اور تفسیر بالرائے	51
صاحب تفہیم القرآن کی کتابوں سے چند اقتباسات	51
اقتباسات ذکر کرنے کی وجوہات	53
صاحب تفہیم کی کچھ تقصیرات بطور نمونہ	55
صفتِ خداوندی ''الرحیم'' کی ایک گستاخانہ تشبیہ و مثال	57
سات آسمانوں کے متفقہ مصداق سے انکار	57
بنی اسرائیل پر حقیقی رفعِ طُور کا انکار	58
حضرت مریمؑ کے پاس میوؤں کے آنیکی کرامت کا انکار	58
زکریا کفیلِ مریم کی نبوت کا انکار	58
یوسف کا شاہد گہوارہ کا بچہ نہیں بلکہ کوئی مجسٹریٹ تھا	59

حور و غلمان، کفار کی نابالغ اولاد ہیں	59
وحی کی تعریف اور اس کی حقیقت	60
وحی کے معنی	60
وحی لغوی کی تین قسمیں	60
وحی شرعی کی حقیقت	62
وحی نبوت	62
چشم دید واقعہ	62
نزول قرآن کی حقیقت اور اُس کا مقصد	64
نزولِ قرآن کی حقیقت	64
انزال اور تنزیل میں فرق	65
نزولِ قرآن کے مراحلِ ثلاثہ	65
پہلا نزول	65
لوحِ محفوظ	66
لوحِ محفوظ پر پہلی چیز کا اندراج	66
دوسرا نزول	67
تیسرا نزول	69
بخلاف دیگر کتبِ سماوی	70
قرآن کے لئے دونوں نزول جمع ہونے کی حکمت	70
جبرائیل علیہ السلام نے قرآنی الفاظ کیسے حاصل کئے؟	70
منزل الفاظِ قرآن	71

Marfat.com

حدیثِ قدسی کی تعریف	72
قرآن اور حدیثِ قدسی کا فرق	72
حدیثِ قدسی اور حدیثِ نبوی میں فرق	72
حدیثِ قُدسی اور حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم	73
پہلی صورت	73
دوسری صورت	73
تیسری صورت	74
وحی حکمی	75
در شبستان حراء خلوت گزید	75
ایک شبہ کا دفعیہ	77
اقوالِ مختلفہ میں تطبیق	77
نزولِ قرآن رات میں کیوں ہوا؟	78
رات افضل ہے یا دن؟	79
نزولِ قرآن کا مطلب	79
نزول وحی کی قسمیں	80
بالذات وحی کی دو قسمیں	81
نزولِ وحی کی مختلف صورتیں	81
نزولِ قرآن کریم کی کل مدت	82
فوائدِ عظیمہ	83
نزولِ قرآن کے مقاصدِ ثلاثہ	85
پہلا مقصد تلاوتِ آیات	85
قرآن کے الفاظ کی قرأت بھی موجب ثوابِ عظیم ہے	87
دوسرا مقصد، تعلیمِ کتاب	88
تعلیمِ حکمت	90
تیسرا مقصد، تزکیہ	90
ہدایت واصلاح کے دوسلسلے ''کتاب اللہ، رجال اللہ''	91
تعلیماتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی قیامت تک محفوظ رہیں گی	94
اصلاحِ انسان کیلئے اخلاقی تربیت بھی ضروری ہے	95
کتابت وتدوینِ قرآن	99
کتابتِ قرآن	99
کاتبانِ وحی	103
سامانِ کتابت	103
قرآن کی حفاظت کا مکمل انتظام کیا گیا	104
صدری حفاظت کا انتظام	105
محرک اوّل	105
محرک دوم	106
محرک سوم	106
محرک چہارم	106
محرک پنجم	108
محرک ششم	108

Marfat.com

حفظِ قرآن اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم	108
قرآن حکیم کی تحریری حفاظت	109
عہدِ صدیقی میں قرآن کی تدوین	110
دستور جمع صدیقی	112
قرآن جمع کرنے کا طریقہ	113
عہدِ عثمانی میں قرآن کی تدوین	114
دستور جمع عثمانی	116
عہدِ صدیقی میں قرآنی خدمت کی صحیح نوعیت کا خلاصہ	117
عہدِ عثمانی میں قرآنی خدمت کی نوعیت کا خلاصہ	120
عربی لب ولہجہ کا اختلاف	121
حضرت عثمانؓ جامع الناس علی القرآن تھے	124
خصوصیاتِ قرآن	125
۱۔کلامِ الٰہی	126
۲۔کلام معجز	126
۳۔کامل ہدایت	127
۴۔عالمگیر کتاب	128
۵۔فصیح وبلیغ کلام	128
۶۔تضاد سے پاک	128
۷۔پُرتاثیر کلام	129
۸۔محفوظ کلام	129
حفاظتِ قرآن	130
قرآن مجید کی دو بڑی خصوصیات	131
آسمانِ دنیا پر طاقتور فرشتوں کا پہرہ	133
محافظ فرشتوں کا ایک دستہ	133
جبرائیلؑ کا شرف وتقدس اور دیانت وامانت	134
ثقل وحی الٰہی	135
اللہ کے نبی مکرمؐ کا قلب ہی یہ وزن اُٹھا سکتا ہے	136
عقولِ سلیمہ کا فیصلہ	136
مُنزّل علیہ کی فضیلت	137
قرآن کے تحریف وتبدیل سے محفوظ ہونے کی دلیل	137
تحریف سے پاک کتاب	141
حفاظتِ قرآن کا ایک بڑا ذریعہ، حفظِ قرآن	141
حفاظتِ قرآن کا ایک عجیب واقعہ	144
موجودہ زمانے میں حفّاظِ قرآن	146
امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور حفاظتِ قرآن	146
امام احمد بن حنبلؒ کا ابتلاء اور تکلیفیں برداشت کرنا	147
امام احمد بن حنبلؒ کے قید وبند اور کوڑوں کی سزا کا قصہ	149
مجلس مناظرہ	151
امام احمدؒ کے جنازے میں پچیس لاکھ انسان	157
امام احمدؒ کے جنازہ کو دیکھ کر بیس ہزار کافروں نے کلمہ پڑھ لیا	158

Marfat.com

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق بشارت	158
امام احمد بن حنبلؒ کے متعلق ایک سبق آموز واقعہ	159
امام احمد بن حنبلؒ کو خواب میں سو مرتبہ اللہ کی زیارت	159
فتنہ خلقِ قرآن میں شیخ احمد بن نصر خزاعیؒ کی شہادت کا قصہ	160
قرآن مجید کی چار اہم خصوصیات	162
پہلی خصوصیت: مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ	163
دوسری خصوصیت: شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ	163
تیسری اور چوتھی خصوصیت "ہدایت و رحمت"	164
قرآن باعثِ فرحت و مسرت	165
فائدہ	166
اعجازِ قرآنی	167
کلامِ الٰہی اعجاز و برھان کی اعلیٰ ترین شان کا حامل ہے	167
کتابِ الٰہی میں موتیوں کی طرح جڑاؤ	169
قرآن کی زبان	171
صداقت و اعجازِ قرآن	172
معجزہ اور اعجاز کی تشریح	173
فوائدِ مہمہ	175
فیضی کی تفسیر بے نقط معجزہ نہیں	175
مسیلمہ کی تک بندی	175
ابن الراوندی زندیق یہودی	176
متنبی کی تک بندی	177
اعجاز القرآن کا فہم	177
اعجازِ قانونی	179
اعجازِ تاثیری	180
انجذابی تاثیر	183
شخصیتی نزولی اثر	184
قرآن کی تاثیر شخصیتی قلبی	185
تاثیر قابلی	186
قرآن کا سیاسی اعجاز	187
سیاسی اقتدار و غلبہ کے اسباب؟	188
قرآن کی فصاحت و بلاغت کا مختصر نمونہ	190
قرآن مجید کو سمجھنے کے درجات	190
قرآن کے مضامین (علوم پنجگانہ)	190
(۱) علم تذکیر بآلاء اللہ	190
(۲) علم تذکیر بایام اللہ	[illegible]
(۳) علم تذکیر بالموت و مابعد الموت	[illegible]
(۴) علمِ احکام	191
(۵) علمِ مخاصمات	191
قرآن، اپنی فصاحت و بلاغت میں بے مثال	192
قرآن مجید کے مقناطیسی اثرات کی چند مثالیں	193

Marfat.com

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ میں حیرت انگیز فصاحت	195
عجائبات القرآن	199
علمِ معانی	199
علمِ بیان	199
علمِ بدیع	199
معارف ولطائف	202
ا۔علمِ بیان کی رو سے	202
مجاز	203
استعارہ	203
کنایہ	204
۲۔علمِ معانی کی رو سے	204
کلمات کی ترتیب کے محاسن	204
جملوں کی ترتیب کے محاسن	207
فصاحتِ معنوی	208
فصاحتِ لفظی	208
حورِ عین	209
تشریح وتوضیح	210
فصاحت وبلاغت سے معمور آیت	211
لطیفہ	212
تمام مکارمِ اخلاق کو جامع آیت	212

چالیس فرقوں پر رد ایک آیت میں	213
دو کلموں میں زمین سے نکلنے والی تمام چیزوں کا ذکر	213
شراب کے تمام عیوب کو جامع آیت	214
ایک آیت اصولِ کلام اور پوری طب کو جامع	214
فصاحت کے اعتبار سے قرآن کی عظیم ترین آیت	215
فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ میں حیرت انگیز فصاحت	215
کلامِ الٰہی کے دو لفظ تمام چیزوں کو جامع	216
صرف ایک آیت میں دنیا وآخرت کے تمام مسائل	216
حسن وجمال سے مزین شیریں کلام	216
جرمن مستشرقین عاجز آگئے	217
اعجازِ قرآن کی حیرت انگیز مثال	218
سورۃ الکوثر کا شانِ نزول	218
مفہومِ کلام	218
فصاحتِ لفظی	219
فصاحتِ کلامی	219
حسنِ بلاغت	219
محاسنِ معنوی	220
نتیجہ	223
قرآن کریم کی شاہکار فصاحت	224
دینِ حق کی نشانی وثبوت	224

Marfat.com

قرآن، خالقِ کائنات کی بے مثل و یگانہ کتاب ہے	225
قرآن کے ظاہری الفاظ وعبارات اپنی مثال آپ ہیں	226
قرآن میں پچاس زبانیں	227
لفظِ "صاحب" اور "ذو"	227
کلام الٰہی کی چند اہم خصوصیات	228
قرآن کلام الٰہی ہے نہ کہ کلامِ انسانی	229
قرآن کریم کے کلام الٰہی ہونے کا دعویٰ اور دلیل	229
قرآن مجید کی پیشین گوئیاں	230
(۱) فتح بدر کے متعلق پیشین گوئی	230
(۲) غزوۂ احد کے متعلق دو پیشین گوئیاں	232
(۳) غزوہ خندق کے موقع پر پیشین گوئی	235
(۴) صلح حدیبیہ کے موقع پر پیشین گوئی	236
(۵) سراقہ بن مالک اور کسریٰ کے کنگن	238
(۶) سردارانِ مکہ کے کفر پر مرنے کی پیشین گوئی	239
(۷) یہودی کبھی بھی موت کی تمنا نہیں کریں گے	240
(۸) یہ پیشین گوئی کہ قحط سالی کا عذاب دور ہو جائے	241
(۹) عیسیٰؑ کے ماننے والے قیامت تک غالب رہیں گے	242
(۱۰) بعض لوگوں کے مرتد ہونے کی پیشین گوئی	242
(۱۱) عرب کی زمین بت پرستی سے پاک ہو جائے گی	243
(۱۲) قرآن مجید قیامت تک محفوظ رہے گا	245
(۱۳) سات مشرکینِ مکہ کے متعلق حضور ﷺ کی بددعا	246
(۱۴) مسلمانوں کو تونگری و دولتمندی عطا کرنے کا وعدہ	247
(۱۵) ولید بن مغیرہ کے متعلق ذلت ورسوائی کی پیشین گوئی	248
(۱۶) رئیسِ مکہ کے متعلق مفلسی و ناداری میں مرنے کی پیشینگوئی	249
ایسی آیات جن میں دل کے چھپے رازوں کو ظاہر کیا گیا	249
مخالفین کی پوشیدہ اور چھپی ہوئی باتوں کا بیان	253
تحدّی بالقرآن (قرآنی چیلنج)	255
بے مثل و بے مثال کتاب	257
ایک اور پہلو سے قرآن کا دلپذیر اعجاز	258
واہ! کیا کہنے قرآن کے	260
الم سے والناس تک فصاحت و بلاغت	263
ہر قسم کا مضمون اعلیٰ درجہ کی فصاحت و بلاغت میں ادا کیا گیا	265
مضامینِ قرآن میں ذرہ برابر بھی جھوٹ کی آمیزش نہیں	266
تکرار کے باوجود کلام کی خوبی و حسن میں کسی جگہ بھی فرق نہیں	267
فائدہ عظیمہ	268
قرآن کے قوانین وضابطے قیامت تک کے لئے ہیں	269
انسان کے فطری اور پیدائشی جذبات کی عکاسی	270
قرآن کی بعض خصوصیات کا ذکر	274
یہود و نصاریٰ اور مشرکین کا قرآن کے سامنے عاجز ہونا	275
یہود و نصاریٰ، مشرکین کا قرآن کی عظمت، بزرگی کو تسلیم کرنا	276

Marfat.com

قرآنی احکام کے بنیادی اصول	277
۱۔اجمال واختصار	277
۲۔تدریج	278
۳۔آسانی اور سہولت	280
۴۔عدم حرج	281
قرآن مجید کے اہداف ومقاصد	283
۱۔حصولِ علم کے لئے قرآن پڑھنا	283
۲۔ثواب کی نیت سے قرأتِ قرآن	284
۳۔عمل کی غرض سے قرآن پڑھنا	286
۴۔اللہ تعالیٰ سے مناجات کیلیے تلاوت کرنا	289
قرآن مجید کے حقوق	293
پہلا حق: قرآن مجید پر ایمان لایا جائے	293
قرآن مجید پر ایمان لانے کا مطلب	294
صرف ایک سبحان اللہ، ہزار تختِ سلیمانی سے بہتر	295
دوسرا حق: قرآن مجید کو پڑھا جائے	296
ٹی وی اور اخبارات کی نحوست	297
پریشانیوں کا سبب	297
تلاوت کی برکات	299
قرآن مجید کو ترتیل سے پڑھنے کی اہمیت وضرورت	300
علمِ تجوید کی اہمیت وضرورت	303
استاد کی اہمیت وضرورت	306
قرآن کو یاد کیا جائے اور روزانہ کا معمول بنایا جائے	307
قرآن مجید کو دل لگی سے جب تک چاہو پڑھو	311
تلاوت قرآن سے کسی کو بیزار نہ کریں	313
ایک ضروری تنبیہ	314
تیسرا حق: قرآن مجید کو سمجھا جائے	315
چوتھا حق: قرآن مجید پر عمل کیا جائے	319
پانچواں حق: قرآن مجید کو آگے پہنچایا جائے	326
قول وفعل میں موافقت	333
قرآن ہمیں کیا حکم دیتا ہے؟ انطباقِ عمل	338
کتابِ الٰہی انسان کی سب سے بڑی ضرورت	345
پہلی دلیل، دلیلِ بقائی ہے	346
دلیلِ قانونی	348
دلیلِ غذائی	350
دلیلِ دوائی	353
دلیلِ نوری	354
دلیلِ حِسّی	355
دلیلِ اتباعی	356

Marfat.com

دلیلِ نفسیاتی	358
دلیلِ تخلیقی	359
دلیلِ ترحمی	360
قرآن کے الفاظ اور معانی دونوں مقصود ہیں	362
قرآن کے متعلق یہود و نصاریٰ کا تصوّر	362
کتابِ الٰہی کے الفاظ اولاً مقصود ہیں	363
کوئی کتاب اتنی نہیں پڑھی جاتی جتنا قرآن پڑھا جاتا ہے	363
تلاوت اپنی جگہ مقصود ہے	364
دشمنانِ اسلام یہود و نصاریٰ کو ہمنوائی کا دم	364
تلاوتِ قرآن اُمتِ محمدیہ ﷺ کی خصوصیت	365
تلاوتِ الفاظِ قرآنی کی افضلیت و فوقیت	366
قرآن میں الفاظ کا درجہ معانی سے بھی مقدم اور فائق ہے	367
بغیر معنی سمجھے تلاوت کا مفید ہونا	367
پہلی دلیل	368
دوسری دلیل	368
تیسری دلیل	368
چوتھی دلیل	369
پانچویں دلیل	369
چھٹی دلیل	370
ساتویں دلیل	370
آٹھویں دلیل	370
قرآن فہمی اور قرآن سے نفع حاصل ہونیکی اہم شرط	370
کتابِ الٰہی سمجھ کر پڑھیں	371
عظمتِ قرآن	373
قرآن مجید کی تعظیم و تکریم	373
قرآن کا ادب واحترام	374
قرآن مجید، حجت اور واجب الاطاعت ہے	374
قرآن کے ادب واحترام کا حیرت انگیز واقعہ	375
قرآن کے طفیل عثمان کو ترکی میں سلطنت عثمانیہ حاصل ہوئی	376
قرآن مجید، عظیم الشان نعمت	377
مباحثہ شاہ جہان پور میں اسلام کی عظمت	377
بائبل میں پانچ لاکھ غلطیاں	377
حضرت جبرائیلؑ ہر رمضان میں قرآن کا دور کرتے	379
ستّر ہزار آدمی بغیر حساب و کتاب جنت میں	379
میدانِ محشر میں انبیاء کرامؑ شفاعت سے انکار کردینگے	382
شفاعتِ نبوی ﷺ	383
قرآن کریم کی قدر و منزلت پہچانیں	384
قرآن پاک کو اپنے حق میں سفارشی بنالیں	384
قرآن پر ایمان نہیں لائیں گے تو کس پر ایمان لائیں گے	385
جہادِ کبیر	386

Marfat.com

فائدہ	386
پادری بھاگ گیا	387
قرآن مجید کا حفظ ہو جانا، سعادتِ عظمیٰ ہے	388
حافظ کو موت نہیں آتی	388
روح کی غذا جس سے ابدی حیات ملتی ہے	388
حافظ قرآن کے والدین کی تاج پوشی	389
بے مثال جشن تاج پوشی	389
قرآن حکیم کی ابدی حکومت	390
ہماری آواز فضا گھیر لیتی ہے، کلام اللہ فضا کو گھیر لیتا ہے	391
حافظ قرآن کا حق شفاعت	392
ابدی سربلندی	392
عظمتِ قرآن کے سینکڑوں پہلو	393
منصبِ نبوت کے چار شعبے	393
ا۔ تلاوتِ آیات	393
۲۔ تزکیہ نفس	394
نزولِ قرآن کا اہم ترین مقصد	394
حضرت ضرار رضی اللہ عنہ کا واقعہ	394
حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ میں تبدیلی	395
حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کی زندگی میں انقلاب	396
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان چاروں صفات کے جامع تھے	397
تابعین و تبع تابعین رحمہم اللہ کا دور	397
دورِ انحطاط	397
تربیت و تزکیہ	398
تجدید سلوک	398
حاملِ قرآن کی ذمہ داریاں	398
جنگ یمامہ میں حاملینِ قرآن کی جاں نثاری	399
حاملینِ قرآن کا بلند مرتبہ	399
حاملینِ قرآن کیلئے عبرت آموز واقعہ	400
قرآن کی دولت سب سے بڑی دولت ہے	401
در سینہ تو ماہ تمامے نہادہ اند	402
میری جنت میرے سینہ میں ہے	403
عظمتِ قرآن کا استحضار	403
قربِ الٰہی کا سب سے بڑا ذریعہ قرآنِ کریم ہے	405
قرآن کو بطور پیشہ پڑھنا گناہ ہے	405
فضائل قرآن	407
کلام الٰہی تو صرف قرآن مجید ہی ہے	407
قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا مظہر ہے	409
عبادت کا مقصد دیدارِ الٰہی ہے	410
اہلِ محشر کے مختلف گروہ	411

Marfat.com

میدانِ محشر میں علماء کا مقام و مرتبہ	411
فصیح و وسیع اور منضبط و پر شوکت کلام	413
احسن القصص اور بے شمار حقائق	414
فائدہ عظیمہ	415
عظیم الشان و جلیل القدر کتاب	416
وسعتِ قلبی اور قساوتِ قلبی	417
قرآن ہی احسن الحدیث اور احسن الکلام ہے	418
فائدہ	419
قرآن، انقلابی کتاب ہے	420
قرآن، اللہ کی رسی ہے	420
تجلیاتِ الٰہی کا مرکز	421
قرآن، قربِ الٰہی کا قریب ترین ذریعہ ہے	421
قرآن اپنا تعارف خود کراتا ہے	421
اوصافِ قرآن	424
قرآن، نور اور ہدایت کا منبع و مصدر ہے	425
قرآن کا باطن، جنت	425
لوحِ محفوظ میں ہر حرف، کوہِ قاف کے برابر	427
لبید بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کا حفظِ قرآن کے بعد شاعری ترک کرنا	427
فضیلتِ قرآن کے بارے میں ایک جامع حدیث	428
قرآن کے ایک حرف پر دس نیکیاں	429
قرآن کریم سے محبت	430
قرآن مجید کا معلم و متعلّم پوری کائنات سے افضل	431
فوائدِ عظیمہ	432
شبہ، جواب	432
قرآن ہر فتنے کا علاج	433
ہر مسلمان پر اللہ کا حق	434
قرآن کو مضبوطی سے پکڑنے والا کبھی گمراہ نہیں ہوسکتا	434
عمل کرنیوالے اہلِ قرآن کے حق میں قرآن کی سفارش	435
قرآن مجید بہترین سفارشی	435
فضائلِ قرآن کے متعلق اقوالِ صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ	436
کچھ احادیثِ ضعیفہ کے بارے میں	439
فضائل میں احادیثِ ضعیفہ کا حکم	440
ایک وہم کا ازالہ	443
واقعہ عجیبہ	444
ضعیف حدیث پر عمل کرنے کی شرائط	444
فضائل میں ضِعاف کے معتبر ہونے کا راز	445
احکام میں ضعیف حدیثوں سے استدلال کے جوابات	446
فائدہ: البانی صاحب کا طریقہ کار	446
تلاوتِ قرآن کے فضائل	448
فرائض کے بعد تلاوتِ قرآن افضل ترین عبادت ہے	448

Marfat.com

کثرتِ تلاوت پر حضور علیہ السلام کی دعا مبارک	448
تلاوتِ قرآن دعا سے افضل	448
تلاوتِ قرآن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی کا شرف	449
تلاوتِ قرآن، اللہ اور رسول سے محبت کی دلیل ہے	449
قرآن کی تلاوت زمین وآسمان میں عزت کا باعث ہے	449
ترکی میں چار سو سال تک مسلسل تلاوتِ قرآن مجید	450
قرآنی، علمی اور ذکری حلقات	451
ایک آیت کی تلاوت عرش کے علاوہ ہر شئے سے افضل	451
تلاوتِ قرآن میں اللہ جل جلالہ کی طرف سے آسانی	451
قرأت سبعہ کے ساتھ تلاوتِ قرآن	453
قرآن کو اُمت کی آسانی کیلئے سات حروف میں نازل کیا	453
حروفِ سبعہ سے مراد، قراءاتِ سبعہ ہیں	456
رات کے وقت تلاوتِ قرآن کی اہمیت وفضیلت	459
دواءِ دل	460
نمازِ تہجد میں تلاوتِ قرآن کے فضائل	460
نمازِ تہجد کی چار رکعتوں میں سوا چھ پارے پڑھنا	461
نمازِ تہجد میں خوش آوازی سے تلاوت کرنیوالے کی تعریف	461
قرآنی آوازوں کی سمت سے صحابہ کرامؓ کے مکانات کی پہچان	462
نمازِ تہجد میں تلاوتِ قرآن کے بعد دعا کی قبولیت	462
نمازِ تہجد میں قرأت کی آواز معتدل ہونی چاہیے	463
نمازِ تہجد میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قراءت کی کیفیت	464
نمازِ تہجد کی قراءت میں آواز کتنی اونچی ہونی چاہیے	465
فرشتوں کے اُترنے کا واقعہ	465
نمازِ تہجد میں تلاوت کرنے والے کی مثال	466
طولِ قیام افضل ہے یا طولِ سجدہ	467
مافات کی تلافی	467
تہجد کی برکت سے صبح کو آدمی ہشاش بشاش ہوتا ہے	468
تہجد کے وقت دعا اور نماز مقبول ہوتی ہے	468
تہجد کے وقت کی ایک خاص دُعا	469
نمازِ تہجد میں ۴۰ تا ۵۰۰ آیات پڑھنے کے فضائل	470
ہزار آیات کی تلاوت پر عظیم اجر	470
نمازِ تہجد میں قرآن کریم پڑھنے کے بعض فضائل	471
تلاوتِ قرآن کے آداب	476
تلاوتِ قرآن کے وقت ہنسنے اور باتیں کرنیکی ممانعت	478
پانچ چیزیں دیکھنا عبادت	480
قرآن کا دیکھ کر پڑھنا نگاہ کیلئے مفید ہے	480
حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا معمول	480
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور امام شافعیؒ کا معمول	480
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا معمول	481
تلاوت میں اطمینان وٹھہراؤ اور ترتیل وتدبُّر کا استحباب	484

Marfat.com

قِیَامَۃ، مُرْسَلَات اور وَالتِّیْن کے ختم پر کیا کہے	486
حزن وبُکاء اور رونے کی شکل بنانا	487
تلاوتِ قرآن کے وقت گریہ اور رونے کی فضیلت	489
تلاوت کے وقت خشوع وتاثر کے غلبہ سے رونا	491
نفل نماز میں کسی آیت کے بار بار پڑھنے کا استحباب	493
آیت کا جواب اور مضمون کی گواہی دینے کا استحباب	493
تلاوتِ قرآن میں حُسنِ صَوت	496
اچھی آواز سے قرآن شریف کا حسن دوبالا ہو جاتا ہے	497
خوش آوازی، قرآن کی تلاوت کا زیور ہے	497
خوش آوازی کے ذریعہ قرآن کی تحسین وتزئین کا استحباب	498
حدیث کا مطلب	502
الحان محرمہ	502
فوائدِ مہمہ	504
اونچی آواز سے قرأت کی ممانعت	505
اجتماعی طور پر تلاوتِ قرآن	505
قرآن کریم کو سیکھ کر پڑھنے کے فضائل	507
قرآن کریم کی انفرادیت	508
ایک آیت سیکھنے کا ثواب	508
دورِ حاضر کی رسم	509
سب سے آسان اور مشکل کتاب	510
عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کی حکمت	510
اللہ جل جلالہٗ کا انعام	510
ہر عمر والا قرآن سیکھے	511
دین داری اور فہمِ دین	511
مطالعہ کا علم	512
میدانِ حشر میں مقالے کام نہیں آئیں گے	512
فقہ میں لطف	513
قرآن سے شفاء	513
آیاتِ شفاء	514
قرآن، امراضِ روحانی وجسمانی کے لئے شفاء	514
سنوار کر تلاوت کریں	515
قرآن میں ہر چیز کا بہترین بیان	515
تلاوت کی مقدار مقرر کریں	515
قرآن مجید میں غور وفکر کا ثمرہ	516
بوقتِ تلاوت سوچنے کی چیزیں	516
غور سے قرآن سنیں	517
قرأت خلف الامام	517
نماز اور خطبے میں خاموش رہیں	518
امام کے پیچھے خاموش رہنا چاہئے	518

Marfat.com

مقتدی کو فاتحہ پڑھنے کا حکم نہیں دیا گیا	519
آمین کہنے والا گویا تلاوت میں شامل ہے	519
سورۂ فاتحہ دعا ہے	520
تلاوت پر خاموشی سے رحمت	521
امام ابوحنیفہؒ کا مسئلہ فاتحہ خلف الامام پر مکالمہ	521
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قرآن سیکھنا اور اس پر عمل کرنا	522
صحابہؓ اور بعد کے لوگوں کے قرآن سیکھنے میں فرق!	523
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے استاذ و معلم؟	524
قرآن سے ایمان کی زیادتی	525
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قرآن پر عمل کرنا	525
عمل کی اہمیت	528
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی چار نصیحتیں	528
تلاوتِ قرآن کے متعلق چند مسائل	530
تلاوتِ قرآن مجید پر چند سوالات مع جواب	533
دوسرا سوال، جواب	540
تیسرا سوال، جواب	541
چوتھا سوال، جواب	545
ختمِ قرآن پر کھانا کھلانا	548
نوافل کی جماعت کے ساتھ شبینہ	549
ٹیپ ریکارڈر سے تلاوتِ قرآن	549
ٹیپ ریکارڈ کی تلاوت کا ثواب نہیں، گانوں کا گناہ کیوں؟	549
نامحرم حافظِ قرآن سے قرآن پڑھنا	552
سینماؤں میں قرآن خوانی اور سیرت کے جلسے	552
مردے کے ساتھ قبر میں قرآن یا مقدس کلمات رکھنا	552
ایک مسجد کے قرآن دوسری مسجد میں لے جانا	553
ختمِ قرآن کے بارے میں	554
دن رات میں قرآن کریم کی کتنی مقدار تلاوت کی جائے؟	554
سات راتوں میں ختمِ قرآن کا معمول	555
ایک آیت کا سوچ کر پڑھنا دو ختموں سے بہتر ہے	555
سب سے افضل قرأت	556
قرآن مجید ختم کرنے کا بہترین وقت	556
ختمِ قرآن کرنیوالے بزرگوں کے چار گروہ	557
ختمِ قرآن کے متعلق چند اہم مسائل	559
کیا ختمِ قرآن پر سورۃ الاخلاص کو تین دفعہ پڑھا جائے؟	560
ختمِ قرآن میں معمولی اجتماع	561
ختمِ قرآن کی دعا	562
ختمِ قرآن کی ایک اور دعا اور اس کی وضاحت	564
ختمِ قرآن کی ایک جامع دعا	565
دعاءِ قنوت	579
حضرت مولانا کریم بخش صاحب کی تالیفات	580

Marfat.com

مقدمہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَ الْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی
خَاتَمِ الْاَنْبِیَآءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ وَ اَتْبَاعِہٖ اَجْمَعِیْنَ

اَمَّا بَعْدُ!

اللہ تعالیٰ نے دنیا کی ہر چیز کو انسان، جو کائنات کی معزز ترین ہستی ہے، کی خدمت پر مامور فرمایا ہے، اس کی حفاظت کے لئے مکرم فرشتوں کو مقرر کیا اور اسے ہدایت کا سیدھا اور سچا راستہ بتانے کے لئے انہی میں سے انبیاء کرام علیہم السلام منتخب کئے، جن کی براہِ راست نگرانی کے ساتھ ساتھ انہیں صحیفے اور کتابیں بھی عنایت فرمائیں، اسی سلسلہ نبوت کے آخری مینارۂ نور ہمارے رہبر اعظم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور ہماری رہنمائی کے لئے آخری آسمانی کتاب، قرآن مجید ہے۔

قرآن مجید، مالک کے ارشادات وفرمودات کا مجموعہ

قرآن مجید ہمارے خالق و مالک کے ارشادات وفرمودات کا مجموعہ ہے، اس کی حفاظت خود اللہ جل جلالہ نے اپنے ذمے لی ہے، یہ ہر قسم کی تحریف سے پاک ہے اور ہر طرح کے تغیر وتبدل سے محفوظ ہے، یہ آج بھی اپنی اصلی صورت میں جلوہ گر ہے، یہ خالق ومخلوق کے مابین رابطے کا وہ محکم اور لازوال ذریعہ ہے جسے "حَبْلُ اللّٰہِ الْمَتِیْنُ" کہا گیا ہے، اس کا ایک سرا خالقِ کائنات کے پاس ہے اور دوسرا کنارہ مخلوق کے ہاتھ میں ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا ادراک واحاطہ انسان کے بس کی بات نہیں ہے، مگر اس کی رحمت بے انتہا کا کتنا عجیب کرشمہ ہے کہ اس نے قرآن مجید کے پس پردہ اپنی صفت کلام کی دولت لازوال سے بندوں کو سرفراز فرمایا اور ان کو اپنے اس کمالِ ذاتی اور وصفِ ازلی سے ربط وتعلق کا موقع عنایت فرمایا۔

حضرت مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ اِس نعمتِ عظمیٰ کا تذکرہ بہت ہی دل آویز انداز میں کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

Marfat.com

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی صفاتِ ازلیہ میں سے ایک صفت ہے جس کو اس عالمِ امکان سے کوئی مناسبت ہی نہیں، اللہ تعالیٰ نے محض اپنی مہربانی سے اس کمالِ ذاتی اور وصفِ ازلی کو عربی زبان کا جامہ پہنا کر نازل فرمایا اور اس کو اپنے اور اپنے بندوں کے درمیان واسطہ بنایا۔[1]

ذاتِ حق کے ساتھ قرآن مجید کی اسی نسبت کا نتیجہ ہے کہ اس کی بلاغت، مضامین کی عظمت اور اس کے اسلوب بیان کی شوکت کے سامنے انسان کو اپنے عجز و درماندگی کا اقرار کرنا پڑا اور اسی رابطہ بے کیف کا فیض ہے کہ نہ تو قرآن کے الفاظ کی حلاوت ختم ہوتی ہے، نہ اس کے کلمات کی ترکیب اور فقروں کی بندش کے اسرار کی انتہا معلوم ہوتی ہے، اور نہ اس کے معانی کی بلندی کی کوئی حد مقرر کی جاسکتی ہے۔

قرآن، نسخۂ کیمیا ہے

قرآن کی جامعیت و کاملیت کا یہ عالم ہے کہ یہ مبارک صحیفہ چودہ سو برس سے ہمارے ہاتھوں میں ہے، اس عرصہ میں انسانی ذہن و فکر کے زمین و آسمان بدل گئے، نظریات و خیالات میں کیسے کیسے انقلاب آئے؟ معاشرے میں کتنی تبدیلیاں رونما ہوئیں؟ کبھی یونانی علوم کا سیلاب آیا؟ کبھی ہندی فلسفہ کا سامنا ہوا، کبھی ایرانی تہذیب نے اپنے دم خم دکھائے، آج مغربی تہذیب و تمدن کا دور دورہ ہے، مگر حیرت ہے کہ ہر دور میں منصف مزاج انسانوں کو اپنی قلبی تسکین کے لئے اگر کوئی نسخۂ کیمیا ملا، تو وہ یہی قرآن مجید تھا۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کا خوبصورت ارشاد

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ پر اللہ کی بے شمار رحمتیں ہوں، انہوں نے صحیح ارشاد فرمایا:

"میں نے علمِ کلام کے سارے مباحث اور فلسفہ کے تمام ابواب پر پوری طرح غور کیا، تو اس نتیجہ پر پہنچا کہ ان سے نہ بیمار تندرست ہوتا ہے، اور نہ پیاسا سیراب، میں نے پایا کہ منزلِ مقصود تک لے جانے والا سب سے قریب راستہ قرآن پاک کا ہے"۔

---

[1] صراطِ مستقیم۔

Marfat.com

البتہ ہمارا ذہن اس معاملہ میں بالکل صاف ہونا چاہیے کہ ہمارے کن سوالات کے جوابات کی ذمہ داری قرآن مجید نے لی ہے؟ اس کا موضوع اور مقصدِ تنزیل کیا ہے؟ اس بارہ میں ذہن صاف نہ ہونے کی وجہ سے اس راہ کے کتنے مسافر قرآن کی روشنی سے محروم رہ کر منزلِ مقصود تک نہیں پہنچ سکے؟ وہ سراب کو اپنی تشنہ لبی کا سامان سمجھے، اور نتیجہ میں حیرانی و پریشانی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آیا۔

قرآن کی اصل دعوت، سعادتِ ابدی ہے

اس حقیقت کو خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ قرآن مجید کی اصل دعوت انسان کو سعادت ابدی کی طرف بلانا ہے، وہ انسان کے ظاہر و باطن کی ایسی تعمیر کرنا چاہتا ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو اور حیاتِ اُخروی میں پورا پورا چین نصیب ہو۔

بلاشبہ قرآن مجید نے دنیاوی زندگی کے تمام اصول و قواعد مرتب فرمائے، قوموں کے عروج و زوال کے اسباب سے بحث کی، انفرادی اور اجتماعی زندگی کے قوانین، عادات و اخلاق، معاملات، حقوق اور آداب، ان سب مباحث پر گفتگو فرمائی، مگر ان تمام امور میں اس کا بنیادی نقطہ نظر اُخروی سعادت ہے، یہی وجہ ہے کہ جن آیات میں ان مباحث کا ذکر آتا ہے، ان کے اول آخر یا درمیان میں جنت، دوزخ اور عذاب و ثواب کا ذکر ضرور ہوتا ہے، یا موقع و محل کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے اسماء حسنیٰ میں سے کسی اسم و صفت کا تذکرہ ضرور ہوتا ہے، تا کہ پڑھنے والا یہ بات سمجھتا رہے کہ ان قوانین کی پیروی کے نتیجہ میں اَبدی راحت اور نافرمانی کی صورت میں اخروی ذلت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ نے الموافقات میں بڑے کام کی بات کہی ہے، فرماتے ہیں:

”قرآن مجید کے اصل علوم تین ہیں: (۱) ذاتِ حق کی معرفت (۲) حق تعالیٰ کے رضا کی صورتیں (۳) انسان کا انجام۔

”پہلے علم یعنی ذاتِ حق کی معرفت میں اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے اسماء، صفات اور افعال کا علم داخل ہے اور اسی

Marfat.com

سلسلہ میں نبوت سے بھی بحث ہے، اس لئے کہ عبد و معبود کے درمیان یہی واسطہ ہے، دوسرے علم میں عبادات اور معاملات وغیرہ داخل ہیں، تیسرے علم میں موت اور اس کے احوال، قیامت اور اس کے مشتملات اور جنّت و دوزخ کے احوال داخل ہیں، اسی قسم میں ترہیب و ترغیب کی آیات اور وہ آیتیں جن میں نیکوکاروں کی نجات اور بدکاروں کے بُرے انجام کے واقعات بیان کئے گئے ہیں، وہ بھی شامل ہیں''۔

مقصود یہ ہے کہ قرآن مجید کا اصل موضوع انسان کی وہ رہنمائی ہے جس سے دنیا میں وہ ایسی زندگی گزار سکے جو آخرت میں اس کے لئے نفع بخش ہو اور رضائے الٰہی اس کے نصیب میں آئے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''الفوز الکبیر'' میں صراحت کے ساتھ فرمایا:

''قرآن مجید کے نزول کا اصلی مقصد انسانوں کی تہذیب و تربیت اور ان کے عقائدِ باطلہ اور اعمالِ فاسدہ کی اصلاح ہے''۔

اسی مفہوم کو شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تفہیمات میں اس طرح ادا فرمایا:

''اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے مجھ کو تفسیر کا علم مختصر الفاظ میں عنایت فرمایا، جس کی حقیقت یہ ہے کہ ایمان حقیقی ہر انسان کے قلب کے اندر ودیعت ہے، لیکن مادی زندگی کی سرمستیوں نے انسان پر قبضہ پالیا، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید نازل فرمایا، تاکہ اس کے ذریعہ ان کی طبیعتوں کو مغلوب فرمائے''۔ [1]

قرآن مجید کا اصل موضوع

قرآن مجید کا اصل موضوع یہی ہے کہ عبد اور معبود کے رشتہ کو صحیح اصولوں پر استوار کیا جائے اور دنیاوی زندگی کو اخروی زندگی کی بنیاد بنایا جائے، اب کس قدر ستم ہے کہ لوگ قرآن مجید میں قدیم و جدید فلسفہ کے مباحث، ہیئت کے مسائل، سائنس کے کرشموں اور تاریخ و جغرافیہ کے نکات کی تلاش و جستجو کرتے ہیں اور اسی

[1] الفوز الکبیر، ج:۲، ص:۱۲۲۔

Marfat.com

اعتبار سے قرآن کی صداقت اور اسی معیار سے اس کی عظمت کو جانچنا چاہتے ہیں۔

ہم کو اس سلسلہ کے ضمنی فوائد سے انکار نہیں، لیکن ظاہر ہے کہ یہ چیزیں قرآن کا موضوع نہیں ہیں، اس کا مقام تو اس سے کہیں ارفع واعلیٰ ہے، بلاشبہ قرآن مجید نے کائنات اور اس کے حوادث سے تعرض کیا ہے، مگر غور کرنے کی بات یہ ہے کہ اس کی نوعیت کیا ہے۔

فلسفی اور صاحبِ قرآن کے نقطۂ نظر میں فرق

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

"قرآن مجید علوم طبعیہ کا بھی ذکر فرماتا ہے، لیکن فلسفی اور صاحبِ قرآن کے نقطۂ نظر میں فرق ہے، مثلاً ایک طبیب جانوروں کو دیکھتا ہے تو وہ ان کے خواص پر غور کرتا ہے اور صاحبِ دولت جب جانوروں کو دیکھتا ہے تو وہ سوچتا ہے کہ ان میں سے سواری کے لائق کون ہے اور بار برداری کے لائق کون ہے؟ اسی طرح صاحبِ قرآن بھی کائنات سے تعرض کرتا ہے، مگر اس کا مقصود اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرت اور اس کے علم وحکمت کا اظہار ہوتا ہے، اس کے سوا اور کچھ مقصود نہیں ہوتا"۔[1]

یہ تو دنیاوی علوم کا مسئلہ ہے، شاہ صاحب رحمۃ اللہ کو تو اس باب میں ان لوگوں سے بھی شکایت ہے جو دینی علوم میں اس قدر غلو کرتے ہیں کہ مقصود ان سے گم ہو جاتا ہے، قرآن کے قصص کے سلسلے میں الفوز الکبیر میں فرماتے ہیں:

"قرآن مجید نے جن قصص کو بیان فرمایا ہے اُن کے صرف ضروری حصوں کا تذکرہ کیا ہے، ان کے تمام اجزاء کا ذکر کرنے سے احتراز کیا ہے، اس کی حکمت یہ ہے کہ اگر پورا واقعہ بیان کیا جائے تو لوگ ان واقعات میں پڑ جاتے ہیں اور عبرت پذیری جو مقصودِ اصلی ہے اس سے غافل ہو جاتے ہیں، اسی لئے قرآن مجید نے ضروری حصوں کو لیا، باقی کو چھوڑ دیا، ایک

[1] قطعات، ص:۱۱۔

Marfat.com

عارف نے کہا ہے کہ جب سے لوگ تجوید کے قواعد میں (غلو کے ساتھ) لگے، تلاوتِ قرآنی میں خشوع باقی نہ رہا، اور جب سے اہل تفسیر نے تفسیروں میں دراز کار مباحث کو چھیڑ دیا اصل فنِ تفسیر ختم ہوگیا''۔

قرآن مجید نے پستی سے اُٹھا کر اوجِ ثریّا تک پہنچایا

اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے اپنے کلام کو توجہ اور احترام سے پڑھنے اور اس پر عمل کرنے والوں کو پستی سے اُٹھا کر اوج ثریا پر پہنچایا اور اس سے روگردانی کرنے والوں کو ذلیل ورسوا کر دیا، ہمارے اسلاف قرآن کریم کا نور ہدایت لے کر اُٹھے تو انہوں نے ہر جگہ نیکی کا اُجالا پھیلا دیا اور ساری دنیا ان کے قدموں میں سرنگوں ہوگئی، شومئ قسمت پھر وہ وقت آیا کہ مسلمان اپنی فکری اور عملی کوتاہیوں کی وجہ سے قرآن سے دور ہوتے گئے، نتیجۃً وہ زوال کا شکار ہوگئے اور ذلت کے کنویں میں جا گرے۔

اُمتِ مسلمہ آج کہاں کھڑی ہے؟

آج امت مسلمہ من گھڑت روایات، بدعات اور خرافات میں کھو چکی ہے، اس نے عزت اور فتح مندی کی مسنون روحانی راہیں گم کر دی ہیں اور اب صرف مادی، سائنسی علوم وفنون کے حصول میں سرگرداں ہے، قرآن کی تعلیم کو پس پشت ڈال دینے کا نتیجہ یہ ہے کہ آج ہم اپنے خورشیدِ ہدایت پر سائے پھیلا کر، اغیار سے مٹی کے ٹمٹماتے ہوئے چراغ مانگتے پھرتے ہیں، اس گمراہی اور بے عملی نے مسلمانوں کو اتنی پستی تک پہنچا دیا ہے کہ وہ اس انقلابی کتاب کو جس نے دنیا کا دھارا بدل دیا تھا محض اوراد ووظائف کی کتاب سمجھ بیٹھے ہیں۔

حالانکہ قرآن مجید ایک ایسا لائحہ عمل، نصب العین اور نوشتہ بے مثال ہے کہ جس نے بھی اسے سینے سے لگایا، اس کی جہالت دور ہوگئی اور وہ پریشانیوں اور مصائب وآلام سے نجات پا گیا۔ قرآن اللہ کی نازل کردہ آخری کتاب ہے، اس کتاب کے بعد دوسری کوئی کتاب نازل نہیں ہوئی، نہ ہوگی، اس کتاب میں ہماری زندگی کے تمام مسائل کا حل موجود ہے۔

۱۸۲۴۸۱
Marfat.com

قرآن بے مثل و مثال ہے، قرآن بے نظیر و باکمال ہے، قرآن سراپا جمال و جلال ہے، قرآن کا حرف حرف اپنے اندر معانی کا ایک جہاں آباد رکھتا ہے، قرآن کی ہر آیت روشنی ہے، ہر صفحہ نور ہے، ہر سورت رہنمائی ہے، ہر پارہ کہکشاں اور ہر جز خورشیدِ جہاں ہے۔

قرآن ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، دل کا قرار ہے، روح کی غذا ہے، ایک مسلمان کی زندگی اس کے بغیر ادھوری، نامکمل، بے مقصد، فضول اور بے کار ہے، وہ مسلمان ہی کیا جو قرآن سے لگاؤ نہ رکھتا ہو؟ وہ مسلم ہی کیسا جو قرآن کو نہ مانتا ہو؟ قرآن کو چومنا بھی ثواب، ہاتھ میں لینا بھی ثواب، محبت بھری نظروں سے دیکھنا بھی اجر سے خالی نہیں، ہم قرآن کریم کی تعظیم بھی کرتے ہیں، تکریم بھی کرتے ہیں، احترام بھی کرتے ہیں اور اکرام بھی کرتے ہیں۔

اپنے طرز عمل اور معمولات زندگی پر نظر ڈالیں

اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن پر ایمان لانا، قرآن کی تعظیم و تکریم اور احترام کرنا اور اس کو اللہ جل جلالہ کی نازل کردہ آخری مقدس کتاب سمجھنا بھی ہمارے دین کے بنیادی عقائد میں شامل ہے اور اس کا بھی اللہ کے ہاں بہت بڑا اجر و ثواب ہے، لیکن کیا صرف یہی کافی ہے؟ یہ وہ بات ہے جس کی طرف ہم سب کو متوجہ ہونا چاہیے، ہم ذرا اپنے طرز عمل، معمولاتِ زندگی پر نظر ڈالیں اور دیکھیں کہ کیا ہم قرآن مجید کے حقوق ادا کر رہے ہیں یا نہیں؟

ہم ذرا اپنے رویّوں پر غور کریں کہ اگر کسی کا انٹرنیٹ ایک دن کیلئے بند ہو جائے تو ہم کتنے فکر مند اور بے چین ہو جاتے ہیں؟ دوسری طرف ہفتے اور مہینے گزر جاتے ہیں لیکن ہمیں قرآن کھولنے کی توفیق نہیں ہوتی اور اس سے بھی زیادہ افسوس کی بات یہ ہے کہ ہمیں کوئی فکر بھی نہیں ہوتی، یعنی ہمیں یہ احساس بھی نہیں ہوتا کہ ہم سے کوئی چیز چھوٹ گئی ہے۔ یہ انتہائی خطرناک اور مہلک بات ہے، اللہ تعالیٰ جل جلالہ ہماری اور ہماری نسلوں کی اس سے حفاظت فرمائے۔ آمین۔

Marfat.com

ہر شخص اپنے حقوق کا متلاشی ہے

اس عالمِ فانی میں ہر شخص اپنے حقوق کا متلاشی اور متقاضی ہے، حتیٰ کہ حیوانات کے حقوق کے حصول کیلئے دسیوں پروگرام منعقد کئے جاتے ہیں، اپنے حقوق کو حاصل کرنے کے لئے ہر شخص ممکن وغیر ممکن کاوشیں کرتا دکھائی دیتا ہے، دوسروں کے حقوق اور اپنے فرائض سے وہ یکسر غافل ہے، حتیٰ کہ اپنے خالق سے بھی اپنے حقوق کا شکوہ کرنے سے گریز نہیں کرتا، وہ یہ بھول جاتا ہے کہ مسلمان ہونے کے ناتے اس پر کیا کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔

ان حقوق واجبہ میں سے جو ہر مسلمان پر لاگو ہوتے ہیں قرآن کریم کے حقوق بھی ہیں، اسے یہ سوچنے کی فرصت نہیں کہ میں اُن کو بھی ادا کر رہا ہوں یا صرف اپنے بناوٹی حقوق کا رونا ہی رو رہا ہوں۔

اسلام کے نام لیوا اور قرآن کے محبّ

آج اسلام کے نام لیوا اور قرآن مجید کے محبّ تو ہیں لیکن اس کے حقوق سے یا تو بے خبر ہیں یا ان کی حقیقت سے دور ہیں، اور بشری غلط فہمیوں کا شکار ہو کر انہیں فراموش کر چکے ہیں، اور دنیائے فانی میں محو و مگن ہو کر جنت کی ان لذّتوں کو بھول چکے ہیں جو لذّتیں حدیث کے مطابق نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہیں اور نہ ان کے بارے میں کسی کان نے سنا ہے اور نہ ہی کسی کے دل میں ان کا خیال آیا ہے۔

قرآن مجید ہدایت و نور کا سرچشمہ ہے

میرے عزیزو! آج کل کے مادہ پرست دور میں ہر شخص افراط و تفریط کا شکار نظر آتا ہے، ضرورت اس امر کی ہے کہ قرآن پاک جو ہدایت و نور کا سرچشمہ ہے اور زندگی کے جملہ معاملات کا حل ہے، اسی کو مشعلِ راہ بنایا جائے اور اِس پُرفتن دَور میں قرآن سے رہنمائی حاصل کی جائے۔

Marfat.com

قرآن، ذریعہ نجات ہے

مخبر صادق ﷺ نے صدیوں پہلے فرمایا تھا:

خبردار رہو! عنقریب فتنہ وفساد برپا ہوگا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اس فتنہ سے ذریعہ نجات کیا ہوگا؟ فرمایا اللہ جل جلالہ کی کتاب! اس میں تم سے پہلی قوموں کے حالات ہیں، تم سے بعد ہونے والی باتوں کی خبر ہے اور تمہارے آپس کے معاملات کا فیصلہ ہے، اور یہ ایک اٹل بات ہے، محض دل لگی نہیں۔ جو سرکش اس کو چھوڑ دے گا اللہ جل جلالہ اس کی کمر توڑ دے گا اور جو کوئی اسے چھوڑ کر کسی اور بات کو ذریعہ ہدایت بنائے گا اللہ اُسے گمراہ کردے گا۔

یہ اللہ جل جلالہ کی مضبوط رسّی ہے، حکمتوں سے بھرپور یاد دہانی ہے، یہی بالکل سیدھی راہ ہے، اس کے ہوتے ہوئے خواہش ٹیڑھی اور بے راہ نہیں ہوتی اور زبانیں گڈمڈ نہیں ہوسکتیں (بلکہ سب بیک زبان اسی کے موافق قول اختیار کریں گے) اہل علم کا دل کبھی اس سے سیر نہیں ہوتا۔

بار بار دُہرانے سے وہ کبھی پرانا محسوس نہیں ہوتا، اس کے عجائبات کبھی ختم نہ ہوں گے، یہ وہی کلام ہے جسے سنتے ہی جنات پکار اُٹھے تھے کہ بلاشبہ ہم نے عجیب و غریب قرآن سنا ہے جو ہدایت کی طرف رہنمائی کرتا ہے، لہٰذا ہم اس پر ایمان لاتے ہیں۔

جس نے اس کی سند پر کوئی بات کہی سچ بات کہی، جس نے اس پر عمل کیا ماجور ہوا، جس نے اس کی بنیاد پر فیصلہ کیا اس نے انصاف کیا، جس نے اس کی طرف دعوت دی اس نے سیدھی راہ کی طرف رہنمائی کی۔

Marfat.com

قرآن، زندہ وجاوید معجزہ

بہر حال !اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی نازل کردہ کتابوں میں قرآن وہ زندہ وجاوید معجزہ ہے جوتقریباً پندرہ سوسالوں سے دنیائے عالم کی ہدایت ورہنمائی کررہاہے، اللہ جلّ جلالہٗ کے اس کلام نے بے شمار لوگوں کی زندگیوں میں انقلاب برپا کیا، اَن گنت لوگوں کو انسانی زندگی کا مقصد اور زندگی گزارنے کا سلیقہ سکھلایا، بے شمار لوگوں کی اصلاح وتربیت کرکے انہیں صراطِ مستقیم پر رواں دواں کیا، اور بے حد وحساب افراد کی ذہن سازی کرکے انہیں ہدایت وکامرانی سے سرفراز کیا۔

اور پھر صرف یہیں تک نہیں بلکہ طرزِ معاشرت کی تعلیم، رہن سہن کا سلیقہ، والدین کے ساتھ حسنِ سلوک، پڑوسیوں کی اہمیت، رشتہ دار اور عزیز واقارب کے ساتھ صلہ رحمی، وراثت کی تقسیم، اخوت وبھائی چارہ، اور اس جیسے بہت سے احکامات دیئے ہیں، جن کی تفصیل وتشریح حضور سرورِ کائنات فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اَلَمۡ نَشۡرَحۡ کی طرح بیان فرمائی ہے، اور جن پر عمل کرکے انسان حقیقی طور پر انسان کہلانے کا حقدار ہے۔

الیواقیتُ الحِسان کی تصنیف

اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے اس معجزانہ کلام پر اور اس میں موجود وسیع وعمیق گوشوں پر علمائے امت نے تفاسیر وعلومِ قرآن کی صورت میں لاتعداد کتابیں لکھ کر اُمتِ مسلمہ پر بہت بڑا احسان کیا ہے، کتب نگاری کا یہ سنہری سلسلہ صدیوں سے چلا آرہا ہے اور رہتی دنیا تک بہت سے لوگوں کی بہت سی کوششیں تشنگانِ علم کے لئے بھرپور معلومات اور نت نئی تحقیقات سامنے لاتی رہیں گی۔

یہ قرآن کا ایک بہت بڑا اعجاز ہے کہ قرآنی علوم کا نئے سے نیا پہلو سامنے آتا ہے، قرآن مجید اس قدر

Marfat.com

معلومات کا ذخیرہ ہے کہ ان کا مکمل احاطہ ممکن ہی نہیں، آپ کے ہاتھوں میں موجود ''الیواقیتُ الحِسان''علم کی پیاس رکھنے والوں کے لئے اس کڑی کی ایک ادنیٰ سی سعی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے محض اپنے فضل وکرم سے اس ناکارہ کو اپنے کلام پاک کے جواہرات ولؤلؤ (موتی) جمع کرنے کی توفیق عطا فرمائی، جو اس وقت آپ حضرات کے سامنے ہیں۔

آج سے چند سال پہلے کچھ احباب نے خیال ظاہر فرمایا کہ اگر آپ قرآن مجید کے مختلف مضامین کو ایک جگہ جمع فرمادیں، تو یہ ایک گراں قدر خدمتِ قرآن بھی ہے، اور بہت بڑی عظیم سعادت بھی ہے، تاکہ عام مسلمان اس سے فائدہ اُٹھاسکیں۔

اس خیال کے پیش نظر بندہ نے کلامِ الٰہی میں سے مختلف مضامین وجواہرات کو اکٹھا کرنے کا اہتمام کیا، قرآن مجید اللہ تعالیٰ جَلَّ جَلَالُہٗ کی وہ کتاب ہے جو حقیقتاً خود ایک عظیم معجزہ ہے، اس لئے اس کا حق ادا کرنا تو بالکل ناممکن ہے، لیکن اپنی بساط کی حد تک جلد اول میں

''قرآن مجید کی تعریف، تفسیر وتاویل کی تعریف واقسام، تفسیر بالرائے اور اس کے متعلقات کا بیان، وحی کی تعریف اور اس کی حقیقت، نزولِ قرآن کی حقیقت اور اس کا مقصد، کتابت و تدوینِ قرآن ، خصوصیاتِ قرآن ، حفاظتِ قرآن، اعجازِ قرآنی، فصاحت و بلاغتِ قرآن ، قرآنی احکام کے بنیادی اصول ، قرآن مجید کے اہداف و مقاصد، قرآن مجید کے حقوق، عظمتِ قرآن، فضائل قرآن، تلاوتِ قرآن کے فضائل، تلاوتِ قرآن کے آداب، قرآن کریم کو سیکھ کر پڑھنے کے فضائل ، مسائلِ قرآن، ختمِ قرآن، اوران جیسے اور بہت سارے فوائد ونکات''۔

الغرض! مختلف مضامین کو اکٹھا کرنے کی کوشش کی ہے، اگرچہ اسے بھرپور اور مکمل کتاب نہیں کہا جاسکتا، اس جیسی بہت سی کتابیں لکھی جاسکتی ہیں، تاہم کوشش یہ کی گئی ہے کہ اس میں قرآن مجید کے بارے میں زیادہ

Marfat.com

سے زیادہ معلومات اکٹھی کر دی جائیں، تاکہ امتِ مسلمہ زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھا سکے۔

قرآن کریم کی یہ حقیری سی خدمت ، اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے قبول فرمائے ، اگر اس خدمت میں کوئی بات اچھی اور درست ہے تو وہ صرف اُسی کی توفیق سے ہے، اور اگر کوئی کوتاہی ہے تو وہ میری کم سمجھی وعلمی بے مائیگی کی وجہ سے ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہِ عالی میں التجا ہے کہ وہ اس خدمت کو اپنے فضل وکرم سے قبول فرما کر تمام مسلمانوں کے لئے مفید بنائے ، اور میرے لیے اور میرے والدین ، اولاد ، اور تمام معاونین ومحسنین کے لئے ذریعہ نجات بنائے ، آمین۔

محتاج الی الکریم **کریم بخش** عفا الکریم عنہ

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆

Marfat.com

قرآن مجید کی تعریف

قرآن مجید کی لغوی تعریف

علماء کرام کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ لفظ قرآن اسم جامد وغیر مہموز (بغیر ہمزہ کے) ہے اور اسی کو سامنے رکھ کر ابن کثیر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے قُرَان پڑھا ہے، چنانچہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل شدہ کتاب کا نام تورات ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل شدہ کتاب کا نام انجیل ہے، اسی طرح جو کتاب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کی گئی اس کا نام قرآن مجید ہے۔ ان علماء میں سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں، جو کہ قرآن کو اسم جامد تصور کرتے ہیں۔

علماء کی دوسری جماعت کا کہنا ہے کہ قرآن اسم جامد نہیں، اسم مشتق ہے، پھر قرآن کے مشتق ہونے میں علماء کے چار گروہ ہیں:

۱۔ علماء کی ایک جماعت، جن میں امام اشعری رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں، کا قول ہے کہ لفظ قرآن قَرِنَتِ الشَّیُٔ بِالشَّیْءِ (ایک چیز کا دوسری کے ساتھ مل جانا) سے مشتق ہے، چنانچہ قَرْنُ الثَّوْرَیْنِ کا لفظ اس وقت بولا جاتا ہے جب جوئے میں دو بیلوں کو جوتا جائے اور قَرْنُ الْبَعِیْرَیْنِ کا لفظ اس وقت بولا جاتا ہے جب دو اُونٹوں کو ایک رسی میں باندھ دیا جائے اور أَقْرَنَتِ الثُّرَیَّا اس وقت بولا جاتا ہے جب مخاطب بلندی میں ثریا کے ساتھ متصل ہو۔ اسی لئے حج و عمرہ کا اکٹھا احرام جب باندھا جائے تو اس کو حجِ قِرَان کہتے ہیں، چنانچہ قرآن کو قرآن اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں آیات وسُوَر، کلمات والفاظ اور حروف کو ایک دوسرے کے ساتھ ملایا گیا ہے۔

۲۔ علماء کی دوسری جماعت، جن میں امام فراء رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں، کا کہنا ہے کہ لفظ قرآن قرائن سے مشتق ہے اور قرائن قرینہ کی جمع ہے جس کے معنی دلیل و برہان کے ہیں، جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ یہ بات قرائن

Marfat.com

(دلائل) سے ثابت ہے، چنانچہ قرآن کو قرآن اس لئے کہتے ہیں کہ اس کی آیات دلائل و براہین اور صدق وحقانیت میں ایک دوسری کے مشابہ ہیں۔

۳۔ علماء کی تیسری جماعت جن میں امام لحیانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، کا کہنا ہے کہ لفظ قرآن یہ قَرَأَ بمعنی تَلَا سے مصدر ہے اور غُفْرَان کے وزن پر ہے جس کے معنی پڑھنا یا تلاوت کرنا اور ملانا ہے، جیسا کہ قرآن میں ہے اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ [۱] یعنی ”اس (قرآن مجید) کا جمع کرنا اور (آپ کی زبان سے) پڑھوانا ہمارے ذمے ہے“۔ چنانچہ قرآن کو قرآن اس لئے کہتے ہیں کہ اس کو پڑھا جاتا ہے، اس کی تلاوت کی جاتی ہے اور اس کی پیروی کی جاتی ہے اور اس کی محبت سے انسان کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ مل جاتا ہے۔

۴۔ علماء کی چوتھی جماعت، جن میں امام زجاج رحمۃ اللہ علیہ ہیں، کا کہنا ہے کہ لفظ قرآن القرء سے مشتق ہے اور فعلان کے وزن پر وصف ہے جس کے معنی اَلْجَمْعُ وَالضَّمُّ وَالْاِجْتِمَاعُ ہے (جمع کرنا اور ملانا) چنانچہ قَرْءُ الْمَاءِ فِي الْحَوْضِ اس وقت بولا جاتا ہے جب پانی حوض میں جمع ہو جائے اور قَرْءُ الْمَرْأَةِ کا لفظ اس وقت بولا جاتا ہے جب عورت کے رحم میں خون جمع ہو جائے اور اسی سے لفظ قَرْيَةٌ ہے جو کہ مختلف لوگوں کو جمع کرنے والی جگہ کو کہتے ہیں اور اسی لئے أَقْرَاءٌ (جو کہ القرء کی جمع ہے)، قافیہ شعر کے مقاصد و انواع اور بحروں کو کہا جاتا ہے، کیونکہ قافیہ میں ہر شعر کے آخر میں ایک طرح کے لفظ جمع ہو جاتے ہیں، ایک طرح کا ترنم ہو جاتا ہے۔

چنانچہ قرآن کو قرآن اس لئے کہتے ہیں کہ یہ سابقہ اُمم کے قصص اور اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے اوامر و نواہی، وعد و وعید، ترغیب و ترہیب کو جمع کرنے والی کتاب ہے، یا پھر سابقہ کتب کے علوم و فنون و ثمرات کو جمع کرنے والی اگر کوئی کتاب اس وقت ہے تو وہ قرآن مجید ہے، جیسا کہ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ [۲] وَتِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ [۳] کے اوصاف اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں، یا پھر قرآن کو قرآن اس لئے کہتے ہیں کہ پوری دنیا میں پھیلے تمام مسلمانوں کو متحد اور جمع کرنے والی اگر کوئی کتاب ہے تو وہ قرآن مجید ہے۔

---

[۱] القیامۃ: ۱۷۔ [۲] الیوسف: ۱۱۱۔ [۳] النحل: ۸۹۔

Marfat.com

قرآن مجید کی اصطلاحی تعریف

اصطلاحی زبان میں قرآن مجید کی تعریف یوں کی جاتی ہے:

هُوَ كَلَامُ اللهِ تَعَالَى الْمُنَزَّلُ عَلَى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِوَاسِطَةِ جِبْرِيْلَ الْمَبْدُوْءُ بِسُوْرَةِ الْفَاتِحَةِ وَالْمَخْتُوْمُ بِسُوْرَةِ النَّاسِ وَالْمَكْتُوْبُ فِي الْمَصَاحِفِ وَالْمُتَعَبَّدُ بِتِلَاوَتِهٖ

"قرآن مجید اللہ تعالیٰ جل جلالہ کا وہ کلام ہے جو جبرائیل علیہ السلام کے واسطے سے پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا، جس کی ابتداء سورۂ فاتحہ سے اور انتہاء سورۂ ناس پر ہوتی ہے، جو کہ (۱۲ ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع سے) مصاحف میں (سات حروف پر مشتمل) لکھا گیا اور اس کی تلاوت کرنا عبادت ہے"۔

بعض علماء نے اس کی درج ذیل تعریف کی ہے:

اَلْقُرْاٰنُ هُوَ كَلَامُ اللهِ الْمُعْجِزُ الْمُنَزَّلُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِوَاسِطَةِ جِبْرِيْلَ، اَلْمَكْتُوْبُ فِي الْمَصَاحِفِ، اَلْمُتَعَبَّدُ بِتِلَاوَتِهٖ، وَالْمَنْقُوْلُ بِالتَّوَاتُرِ

"قرآن مجید اللہ جل جلالہ کا وہ کلام ہے جو معجز ہے، جسے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے، جو صحیفوں میں لکھا ہوا ہے، جس کی تلاوت کرنا عبادت ہے اور جو تواتر سے نقل ہوتا چلا آرہا ہے"۔

مکی اور مدنی آیات وسُوَر

مکی اور مدنی آیات اور سورتوں کے بارہ میں مشہور اصطلاح یہ ہے کہ جو حصہ قرآن کا ہجرت سے پہلے نازل ہوا وہ مکی ہے اور بعد ہجرت کے جس قدر قرآن کا نزول ہوا وہ مدنی، بعد از ہجرت نازل ہونے والے حصہ میں اُن تمام سورتوں کی حالت یکساں مانی جاتی ہے جو عام الفتح اور عام حجۃ الوداع میں بمقام مکہ یا اور کسی سفر

Marfat.com

میں نازل ہوئیں۔

عثمان بن سعید رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یحییٰ بن سلام رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے اس حدیث کی تخریج کی ہے کہ ”خاص مکہ میں اور سفر ہجرت کے اثناء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ پہنچنے سے قبل جس قدر حصہ کلام اللہ کا اُترا وہ تو مکی ہے اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ میں آجانے کے بعد آپ کے سفروں کی حالت میں جس حصہ کا نزول ہوا، وہ مَدَنی ہے۔

فائدہ مہمہ

چند ضوابط ہیں جن سے مکی و مدنی سورتوں کا علم ہوتا ہے:

(۱) جس سورۃ میں کَلَّا آیا ہے، وہ مکی ہے۔ لفظِ کَلَّا ۳۳ جگہ ۱۵ سورتوں میں آیا ہے، جو سب قرآن کے نصف اخیر میں ہے، گویا نصف اخیر کا اکثر حصہ مکی ہے، چند مستثنیات مدنی ہیں۔

(۲) جس سورۃ میں سجدہ ہے، وہ مکی ہے۔

(۳) جن سورتوں کے شروع میں حروف تہجی ہیں سوائے سورۂ بقرہ و آل عمران کے، وہ سب مکی ہیں۔

(۴) مفصل یعنی قرآن کا آخری ساتواں حصہ اکثر مکی ہے (طلاق، تحریم، نصر مَدَنی ہیں)۔

(۵) جن سورتوں میں حدود و فرائض ہیں، وہ مَدَنی ہیں۔

(۶) جن سورتوں میں جہاد کا بیان ہے، وہ مَدَنی ہیں۔

(۷) جن سورتوں میں منافقوں کا بیان ہے، وہ مَدَنی ہیں۔ [1]

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆

[1] مناہل العرفان، ج:۱، ص:۱۸۹، ۱۹۰۔

Marfat.com

تفسیر و تاویل کی تعریف اور ان کے متعلقات کا بیان

علمِ تفسیر کا تعارف

علمِ تفسیر سے مراد وہ علم ہے جس سے قرآن کریم کا فہم حاصل ہو اور اس کے معنی کی وضاحت اور اس کے احکام اور حکمتوں کا استنباط کیا جا سکے"۔[1]

یعنی علمِ تفسیر وہ علم ہے جس میں الفاظِ قرآن کی ادائیگی کے طریقے، ان کے مفہوم، ان کے افرادی اور ترکیبی احکام، اور ان کے معانی سے بحث کی جاتی ہے۔ نیز ان معانی کا تکملہ، ناسخ و منسوخ، شانِ نزول اور مبہم قصوں کو توضیح کی شکل میں بیان کیا جاتا ہے۔[2]

لفظ تفسیر و تاویل کی معنوی تحقیق

لفظ "تفسیر" دراصل "فسّر" سے ہے جس کا معنی ہے "کھولنا"، اس میں چونکہ قرآن کریم کے مفہوم کو کھول کر بیان کیا جاتا ہے اس لئے اسے "علمِ تفسیر" کہتے ہیں۔

تاویل عربی لغت میں اول سے ماخوذ ہے، جس کے معنی رجوع کے ہیں۔

تفسیر و تاویل کے شرعی اور اصطلاحی معنی

تفسیر و تاویل کے شرعی اور اصطلاحی معنی میں چند اقوال ہیں:

۱۔ امام راغب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تفسیر عام لفظ ہے، کلامِ الٰہی کی تشریح کو بھی شامل ہے اور کلامِ انسانی کی تشریح کو بھی، مگر تاویل صرف کتبِ الٰہیہ کی تشریح کا نام ہے۔

۲۔ جب کہ امام ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ تفسیر، قرآن مجید کی مراد کو قطعی طور پر متعین کرنے کا نام ہے۔[3]

---

[1] البرہان، ج:۱،ص:۱۳۔ [2] روح المعانی، ج:۱،ص:۴۔ [3] روح المعانی، ج:۱،ص:۳، الاتقان، ج:۴،ص:۷۳۔

Marfat.com

متقدمین کی اصطلاح ہے کہ وہ تفسیر و تاویل کو ایک ہی معنی میں استعمال کرتے ہیں اور تفسیر کے موقع پر لفظ تاویل استعمال کرتے ہیں، جبکہ متاخرین کی اصطلاح وہی ہے جو امام ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کی ہے کہ تفسیر، کسی قطعی دلیل سے مرادِ الٰہی کو متعین کرنے کا نام ہے اور تاویل، معانی محتملہ میں سے ایک معنی کو ظن و اجتہاد سے متعین کرنے کا نام ہے۔

مختصر تعریف یہ ہے کہ علم تفسیر قرآن سے متعلق اس تحقیق کا نام ہے جس سے مرادِ الٰہی متعین ہو سکے، قرآن نے قدماء کی اصطلاح کے مطابق تفسیر اور تاویل کو ایک ہی معنی میں استعمال کیا ہے، سورہ فرقان میں ہے:

وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا [1]

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ [2]

شرائطِ تفسیر

حضرات علماء کرام نے تفسیر کرنے کے لئے پندرہ علوم ضروری قرار دیئے ہیں جو یہ ہیں: لغت، نحو، صرف و اشتقاق، معانی، بیان، بدیع، قرأت، اصولِ دین (علم کلام)، اصولِ فقہ، اسبابِ نزول، واقعات کی تفصیلات، ناسخ ومنسوخ، علم فقہ، وہ احادیث جن میں قرآن کے اجمال و ابہام کی وضاحت ہے، اور تفسیر کی خداداد صلاحیت۔

ان پندرہ کو اگر سمیٹا جائے تو چند علوم ضروری ٹھہرتے ہیں، مثلاً:

۱۔ علم اللغۃ یا علم اللسان

مفسر قرآن کے لئے قرآن کی زبان جو عربی ہے، اس کی پوری مہارت ضروری ہے، یہ مہارت مندرجہ ذیل

---

[1] الفرقان: ۳۳۔ [2] آل عمران: ۷۔

Marfat.com

علوم کے ذریعے حاصل ہوتی ہے:

۱۔ مفرداتِ قرآن کے مدلولات اور موقع استعمال کی تحقیق، جو علم اللغۃ کے ذریعے حاصل ہوگی۔

۲۔ مفرداتِ قرآن کے لسانی تغیرات وتصرفات کا علم، جو علم الصرف والاشتقاق کے ذریعے حاصل ہوگا۔

۳۔ مرکبات اور قرآن کے جملوں کے تغیرات وتصرفات، حرکات اور اعرابات کا تبدل، جو علم النحو سے معلوم ہوگا۔

۴۔ قرآنی الفاظ کے انتخاب اور محل استعمال کے نکات واسرار، جو علم البلاغۃ سے معلوم ہوں گے۔

قرآن کے اولین مخاطب یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور وہ عرب جو نزول قرآن کے وقت موجود تھے، ان کو ان علوم کی ضرورت نہ تھی، کیونکہ وہ صاحب اللسان ہونے کی وجہ سے ذوق فطری اور مہارت طبعی کی وجہ سے ان علوم کے مقاصد کے ماہر تھے، لیکن غیر عربوں اور نیز مابعد زمانے کے عربوں کے لئے فہم قرآن کے پیش نظر ان علوم کی مہارت ضروری ٹھہری کہ خود عربوں کو بھی مابعد زمانے میں دیگر اقوام کے ساتھ اختلاط کی وجہ سے وہ فطری ذوق نہ رہا، اس شرط کی ضرورت خود قرآن سے ثابت ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ. بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ [۱] اسی طرح اللہ تعالیٰ جل جلالہ کا فرمان ہے: اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ [۲]. ان آیات میں تصریح ہے کہ یہ کتاب عربی زبان اور اس کے قواعد کے تحت اتاری گئی ہے، اس لئے فہمِ قرآن کے لئے علم اللّسان یعنی عربی کے تمام شعبوں کا جان لینا ضروری ہے۔

۲۔ علم السنّۃ

فہمِ قرآن کے لئے علم السنۃ بھی ضروری ہے اور صاحبِ قرآن علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بغیر، فہمِ قرآن ممکن نہیں، جس کے لئے علم السنۃ وعلم الحدیث کی ضرورت ہے، تاکہ اسباب نزول، تشریحِ مجملات قرآن، تعین مبہمات وغیرہ کا علم ہوسکے، ورنہ قرآن میں صلوٰۃ وزکوٰۃ کا حکم دیا گیا ہے لیکن یہ وضاحت موجود نہیں کہ نماز کی

---

[۱] الشعراء: ۱۹۵۔ [۲] یوسف: ۲۔

Marfat.com

کل تعداد کتنی ہے، ہر نماز کا وقت کب شروع ہوتا ہے اور کب ختم ہوتا ہے، خود ہر نماز کی رکعات کی تعداد کتنی ہے، نماز کے اجزاء ترکیبی کتنے ہیں اور ان اجزاء کی ترکیب کیسی ہے، نماز کے شرائط کتنے ہیں اور کون کون سے ہیں۔ اسی طرح زکوٰۃ کا حال ہے، زکوٰۃ کن اموال میں ہے اور کن میں نہیں، ماہوار ہے یا سالانہ، مال کی ہر جنس میں اس کی مقدار کس قدر ہے، زکوٰۃ کے شرائط کیا ہیں اور مصارف جہاں وہ خرچ ہو وہ کون سے ہیں، ان سب کی تشریح جو درحقیقت، تشریح قرآنی ہے، علم السنّۃ کے بغیر ناممکن ہے۔ اسی طرح حج وروزہ ودیگر احکام کا حال ہے، جس طرح ہم الفاظ قرآن کے مطالب سمجھنے میں لغت عرب کے محتاج ہیں، اسی طرح احکام قرآن کی عملی شکل متعین کرنے میں حدیث وسنت کے محتاج ہیں۔

اور یہ ہماری محتاجی ہے، قرآن کی محتاجی نہیں کہ ہم کو قرآن سے استفادہ کیلئے قدرتی طور پر ان امور کی ضرورت ہے، ہم اگر پانی سے استفادہ کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں کنواں کھودنے یا نہر لانے کی ضرورت ہے جس کا قطعاً یہ معنی نہیں کہ پانی محتاج ثابت ہوا یا کنواں یا نہر بلکہ ہم استفادہ میں ان دونوں کے محتاج ہیں، پانی بے نیاز ہے، یہی وجہ ہے کہ خود قرآن حکیم نے حدیث وسنّت کی ضرورت کو جو حضور ﷺ کے قول وعمل کا نام ہے فہم قرآن کیلئے ضروری قرار دیا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ [1]

”حضور ﷺ کا منصب یہ ہے کہ وہ لوگوں کو قرآن وحکمت کی تعلیم دیں“۔

دوسری آیت میں ہے:

لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ [2]

”تاکہ آپ وضاحت اور تشریح کردیں ان کو نازل کردہ کتاب کی“۔

اسی طرح بہت سی آیتیں اس بارہ میں موجود ہیں جس سے فہم قرآن کا علم الحدیث پر موقوف ہونا ثابت ہے۔

[1] آل عمران: ۱۶۴، الجمعہ: ۲۔ [2] النحل: ۴۴۔

Marfat.com

۳۔ علم الآثار

فہمِ معانی قرآن کے لئے آثارِ صحابہ وتابعین کا علم ہونا ضروری ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو بالذات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شاگرد ہیں اور تابعین ایک واسطہ سے شاگرد ہیں، لہٰذا ان کا فہمِ قرآن مابعد والوں سے صحیح تر ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ''الرسالۃ'' میں لکھتے ہیں: اِجْتِهَادُهُمْ فَوْقَ اِجْتِهَادِنَا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجتہاد ہمارے اجتہاد سے بڑھ کر ہے، پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق قرآن کا ارشاد ہے:

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ [1]

''اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں''۔

رضائے الٰہی کی آسمانی سند اتنی بڑی سند ہے کہ اس کے ساتھ یہ احتمال باقی نہیں رہتا کہ بحیثیت مجموعی ان کی تفسیر غلط ہو سکے اور امت کے لئے گمراہی کا سبب بن جائے، رضا الٰہی کے بعد اس قسم کے احتمالات کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

نیز علم الآثار سے اقوال صحابہ وتابعین کا علم ہو جاتا ہے، اور مفسرِ قرآن ایسی تفسیر کرنے سے محفوظ ہو جاتا ہے جو ان سب کے خلاف ہو اور تحریفِ قرآن کے جرم کا سبب بنے، جس پر قرآن میں دوزخ کی وعید وارد ہوئی ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۱۱۵﴾ [2]

''جو پیغمبر کی مخالفت کرتے ہیں اور مومنین کے خلاف راہ پر چلتے ہیں تو ہم ان کو، ان کی پسندیدہ راہ چلنے دیں گے اور جہنم میں داخل کرینگے جو برا ٹھکانہ ہے''۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جس طرح مخالفتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم جرم ہے، مخالفتِ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی جرم ہے، کیونکہ نزولِ قرآن کے وقت مومنین وہی ہیں اس لئے ایسی تفسیر جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مجموعی رائے کے خلاف ہو،

---

[1] البینہ:۸۔ [2] النساء:۱۱۵۔

Marfat.com

تحریف اور جرم ہے، جس کی سزا دوزخ ہے۔

سوال

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ تابعین جو تفسیر بیان کرتے ہیں، وہ ان کی اپنی آراء ہوتی ہیں، ان کا کوئی مستند نہیں ہوتا، پس کیا وہ بھی تحریفِ قرآن کے زمرہ میں آتی ہیں؟

جواب

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا بڑا عمدہ جواب دیا ہے کہ ان حضرات نے اپنی طرف سے کچھ نہیں کہا، انہوں نے یہ باتیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سنی ہیں، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے وہ باتیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لی ہیں، خود حضرت قتادہ سے مروی ہے کہ میں نے قرآن کی ہر آیت کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کچھ نہ کچھ سنا ہے، اور مجاہد کہتے ہیں کہ اگر مجھے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی شاگردی کا موقع ملتا تو مجھے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے وہ بہت سی باتیں نہ پوچھنی پڑتیں جو میں نے ان سے پوچھی ہیں، ان روایات سے معلوم ہوا کہ ان حضرات کی تفسیریں نقل پر مبنی ہیں، عقل پر مبنی نہیں، لہٰذا وہ تفسیر بالرائے یا تحریفِ قرآن کے زمرے میں نہیں آتیں۔

۴۔ علم القواعد واصول الاستنباط

عربی زبان کے ان قوانین کا علم بھی مفسر کے لئے ضروری ہے جس سے وہ مجمل، مفصل، عام، خاص، مطلق، مقید، امر، نہی وغیرہ کے حقائق اور مقتضیات کو معلوم کر سکے، تاکہ تفسیر کے وقت احکام اور نتائج کے استخراج میں غلطی نہ کرے، ایسے قواعد علم اصول الفقہ سے معلوم ہو سکتے ہیں، یہ زبان عربی کا ایک عمیق علم ہے جس کو خاص اہلِ علم جان سکتے ہیں، جن کو اہلِ استنباط کہا جاتا ہے، جو، ان قواعد کی مہارت کی وجہ سے استخراجِ احکام کی قابلیت رکھتے ہیں، قرآن میں ایک خاص طبقے کا ذکر ہے:

وَاِذَا جَآءَهُمۡ اَمۡرٌ مِّنَ الۡاَمۡنِ اَوِ الۡخَوۡفِ اَذَاعُوۡا بِهٖ ؕ وَلَوۡ رَدُّوۡهُ اِلَى

Marfat.com

الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓی اُولِی الْاَمْرِ مِنْھُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْھُمْ ط [1]

"یعنی امن اور خوف کے متعلق کوئی امر پیش آجائے تو وہ اگر اس کو اللہ و رسول کے حوالے کرتے تو اجتہاد والے اس کی حقیقت جان لیتے"۔

۵۔علم قواعد الالٰہیات

مفسّر کا فرض ہے کہ اس کو ذاتِ الٰہی کے متعلق جائزات اور غیر جائزات کا علم حاصل ہو، وہ یہ جانتا ہو کہ اللہ ایک ایسی ہستی ہے کہ وہ جسمیت، جہت، مکان اور زمان سے منزہ اور پاک ہے اور ان قیود سے بالاتر ہے، اسی طرح وہ ایسے کمالاتِ ذاتیہ سے موصوف ہے جو لامحدود ہیں، تاکہ قرآن کی ان آیات کی تفسیر میں ٹھوکر نہ کھائے جو الٰہیات و ذات و صفات باری سے متعلق ہیں، اور ان امور کیلئے علم الکلام کی ضرورت ہے تاکہ مسائلِ الٰہیات میں گمراہی سے محفوظ رہ سکے۔

ازالہ شبہ

یہ شبہ پیدا ہوسکتا ہے کہ مہارت تفسیر قرآن کے لئے جن علوم کے جان لینے اور ان میں ماہر ہونے کی شرط رکھی گئی ہے، وہ علوم، نزولِ قرآن کے زمانے میں نہ تھے، بلکہ ان کی تدوین بعد میں ہوئی، مثلاً علم صرف، نحو، لغت، بلاغۃ، علم الحدیث والآثار، علم العقائد والکلام واصول الفقہ، یہ سب نزولِ قرآن کے بعد مدون ہوئے، تو ان علوم کی مہارت، قرآن کے فہم کے لئے کیونکر ضروری ہوسکتی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ وجودِ علوم اور تدوینِ علوم میں فرق ہے، یہ سب علوم جو زبان عربی سے متعلق ہیں، نزولِ قرآن کے وقت سے بلکہ اس سے پہلے موجود تھے اور عربی زبان سے وابستہ تھے اور بول چال میں ان کو استعمال کیا جاتا تھا، اگرچہ ان علوم نے تصنیف وتدوین کی شکل اختیار نہیں کی تھی، مثلاً فاعل کو مرفوع اور

---

[1] النساء: ۸۳۔

Marfat.com

مفعول وغیرہ کو منصوب پڑھنا اور عام وخاص، مطلق ومقید کا فرق، اسی طرح صرف ونحو کے تغیرات بلاغتی، مواقع استعمال، یہ سب امور عربی زبان کے وقت سے موجود تھے اور عرب ان کو استعمال کرتے تھے، اگرچہ تصنیف کے قالب میں بعد کے زمانے میں ڈھالے گئے۔

لہٰذا اگرچہ ان قواعد کی تدوین پیچھے ہوئی لیکن ان قواعد کا وجود زمانہ نزول قرآن سے قبل عرب میں موجود تھا اور عربی بول چال میں ان قواعد کو برتتے تھے اور استعمال میں لاتے تھے، علم الحدیث اور علم الآثار بحیثیت تشریح قرآن، قرآن کے ساتھ ساتھ وجود میں آئے، اگرچہ تدوین وتصنیف کی نوبت بعد میں آئی، اس لئے ان قواعد کی تصنیفی صورت کے مابعد زمانے میں ہونے سے ان کی شرطِ قرآن دانی ہونے پر شبہ نہیں کیا جا سکتا۔

۶۔علم الموہبۃ

مہارتِ تفسیر اور فہمِ قرآن کے لئے علمِ وہبی یا بقول شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ علمِ لدنی کا ہونا بھی ضروری ہے، جو نور ایمانی اور تقویٰ سے پیدا ہوتا ہے، قرآن کا ارشاد ہے:

لَّا يَمَسُّهُۥٓ إِلَّا ٱلْمُطَهَّرُونَ ۝ [1]

''قرآن کے ظاہری الفاظ اور نقوش کو صرف پاک ہی چھو سکتے ہیں''۔

یعنی جس شخص کو طہارت اور وضو نہ ہو تو وہ قرآن ظاہری پر ہاتھ نہیں لگا سکتا، اسی طرح جس کو طہارت باطنی و قلبی نہ ہو، وہ باطن قرآن اور معانی قرآن کو نہیں پا سکتا، یہ طہارت باطنی اور قلبی نور، طاعت الٰہی اور تقویٰ سے پیدا ہوتا ہے۔ ظاہری قرآن کے مساس (چھونے) اور رسائی کے لئے ظاہری طہارت اور معانی و مطالب قرآن، جو باطن قرآن ہیں اس کے مساس اور رسائی کے لئے قلبی اور باطنی طہارت ضروری ہے، امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اتقان جلد ۲، ص:۱۸۱ میں، امام زرکشی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''البرہان فی علوم القرآن'' سے نقل کیا ہے:

''قرآن کے معانی واسرار اس شخص کو حاصل نہیں ہو سکتے جس کے دل میں بدعت، تکبر اور خود داری اور محبت دنیا ہو، یا گناہ پر مصر ہو، یا اس کا ایمان پختہ نہ ہو، یا اس کی تحقیق کمزور ہو، یا غیر

[1] الواقعہ:۷۸۔ [۲] الاعراف:۱۴۶۔

Marfat.com

عالم مفسر پر اعتماد کرتا ہو، یا اپنی عقل کی پیروی کرتا ہو، یہ سب امور فہمِ قرآن کی رکاوٹیں ہیں، بعض دوسرے سے بڑھ کر ہیں، یہی معنی ہے قرآن کے اس ارشاد کا: سَاَصۡرِفُ عَنۡ اٰیٰتِیَ الَّذِیۡنَ یَتَکَبَّرُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ ﴿۳﴾ کہ میں قرآنی آیات کے مقاصد سے ہٹاؤں گا ان کو جو زمین میں ناحق بڑائی کرتے ہیں۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ ان سے فہمِ قرآن کی روشنی نکال لوں گا، سفیان الثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حکام پرستی اور فہمِ قرآن، دونوں مؤمن کے دل میں جمع نہیں ہوسکتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ فہمِ قرآن کے لئے قلبی روشنی کی ضرورت ہے جو اس سے محروم ہو وہ فہمِ قرآن سے بھی محروم ہوگا، وہ روشنی ان امور سے پیدا ہوتی ہے جو مذکورہ بالا عبارت میں درج ہیں اور جو اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی طرف سے فیض حاصل کرنے کے لئے شرط ہے، اسی کا نام علم الموھبۃ ہے جس سے قرآن کا دروازہ کھلتا ہے۔ ان علوم کے بغیر تفسیرِ قرآن پر اقدام کرنا اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالنا ہے۔

Marfat.com

تفسیر بالرائے اور اُس کے متعلقات کا بیان

تفسیر کرنے کے لئے صلاحیت اور علم ضروری ہے، علم کے بغیر جو تفسیر کرے گا وہ تفسیر بالرائے ہوگی، حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

مَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ بِرَأْيِهٖ، فَأَصَابَ، فَقَدْ أَخْطَأَ [1]

جس نے قرآن میں اپنی رائے سے گفتگو کی، پس اگر اس نے درست بات کہی تو بھی اس نے یقیناً غلطی کی۔

یعنی اگر اس کی بات اتفاقاً درست ہوگئی تو بھی یہ طریقہ غلط ہے، کیونکہ ضروری نہیں کہ مفسر کی ایسی ہر بات درست ہو، جب آدمی کو ایسا کرنے کی عادت پڑ جاتی ہے تو پھر وہ قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتا ہے۔

سنن ترمذی کی دوسری روایت میں ہے:

مَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ بِغَيْرِ عِلْمٍ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ [2]

جس نے قرآنِ کریم میں علم کے بغیر گفتگو کی، اس کو چاہیے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

یعنی تفسیر بالرائے کرنے والا دوزخ کا مستحق ہے، اس لئے تفسیر بالرائے کے مذموم ہونے پر علماء متفق ہیں۔

تفسیر بالرائے کی تحقیق

تفسیر بالرائے سے کیا مراد ہے؟ یہ معنی تو قطعاً مراد نہیں کہ تفسیر قرآن میں رائے و فکر کو استعمال ہی نہ کیا جائے، کیونکہ اس کے بغیر تفسیر کرنا ممکن نہیں اور خود قرآن نے لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ [3] کہ لوگ قرآن میں فکر کریں، اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ [4] یہ لوگ قرآن میں کیوں غور نہیں کرتے، کے الفاظ میں فکر و تدبر فی القرآن کی طرف ترغیب دی ہے، اس لئے نفسِ رائے اور فکر، مذموم نہیں، بلکہ مراد تفسیر بالرائے سے یہ ہے:

[1] ابوداؤد، ترمذی، نسائی۔ [2] سنن ترمذی، باب ماجاء فی الذی یفسر القرآن برأیہ، رقم الحدیث: ۲۹۵۰۔ [3] الحشر: ۲۱۔ [4] النساء: ۸۲۔

Marfat.com

۱۔ اپنی پہلی ٹھہرائی ہوئی رائے کو اصل قرار دے اور قرآن کو اپنی اس رائے پر منطبق کرنے کی کوشش کرے، ایسی صورت میں رائے اصل ہوئی اور قرآن کو تابع کے درجہ میں رکھا گیا، جو قلبِ موضوع ہے اور مذموم اور سببِ دوزخ ہے۔ تو تفسیر بالرائے میں، اس صورت میں لفظ باء سببیت کے لئے ہے، اور رائے کو استعمال کر کے سیاق و سباق اور قواعدِ عربیت کے تحت ایسی تفسیر کرنا کہ قرآن اور اسلام کے بنیادی مقاصد کے خلاف نہ ہو تو یہ تفسیر محمود ہے، مذموم نہیں اور نہ تفسیر بالرائے میں داخل ہے، اس کو اگر تفسیر بالرائے کہا جائے تو لفظ باء کَتَبْتُ بِالْقَلَمِ کی طرح، رائے صرف ایک آلہ تفسیر ہے، تفسیری عمل کا ایک محور و مرجع نہیں۔

۲۔ قرآن کے مفردات کے معانی کا تعین، اسبابِ نزول، ناسخ منسوخ اور بیان مجملات اور قرأت مختلفہ ایسی چیزیں ہیں، جو محض نقل سے معلوم ہو سکتی ہیں، رائے کو ان میں دخل نہیں، لہٰذا ان امور میں رائے کی مداخلت وہ تفسیر بالرائے ہے جو مذموم ہے، باقی رائے کے ذریعے آیت کے معانی متعددہ میں سے کسی ایک معنی کا تعین یا اس سے استنباطِ حکم، قواعدِ استنباط کے تحت یا قرآنی حکم کی حکمت و سر وغیرہ کا استخراج، یہ تفسیر بالرائے میں داخل نہیں، کیونکہ یہ سب امور دائرہ رائے و عقل سے متعلق ہیں، نہ کہ نقل و روایت سے۔ [1]

تو تفسیر بالرائے سے اس صورت میں یہ مراد ہے کہ رائے دائرہ نقل میں مداخلت کرے اور موضع نقل میں بجائے تفسیر بالنقل والروایۃ کے، تفسیر بالرائے کر ڈالے، جو تجاوز عن الحد ہے۔

ازالہ شبہ، تفسیر صوفیہ اور تفسیر باطنیہ میں فرق

قرآن مجید کی تفسیر کے سلسلے میں صوفیہ اسلام نے بھی تفسیریں کی ہیں اور ملاحدہ باطنیہ نے بھی، لیکن اوّل کو تحریف اور تفسیر بالرائے نہیں کہا جاتا اور باطنیہ اور دیگر ملحدین کی تفسیر کو تحریف میں شامل کر دیا جاتا ہے، اس فرق کی کیا وجہ ہے؟

اس فرق کو صاحبِ برہان، صاحبِ الاتقان، صاحبِ روح المعانی بلکہ تفتازانی نے بھی بیان کیا ہے، جس کا

[1] الاتقان، ج:۲، ص:۷۹۔

Marfat.com

خلاصہ یہ ہے کہ صوفیہ کرام ظاہری معانی کو تسلیم کرتے ہوئے ان کی مماثل اور مناسب اشیاء کا تذکرہ کرتے ہیں، تا کہ پروازِ ذہن کا دائرہ وسیع ہو اور وہ مناسب اشیاء اسلامی مسلمات کے خلاف نہیں ہوتیں، ان کی تفسیر سے اسلامیات کا انکار لازم نہیں آتا، بخلاف تفاسیر باطنیہ کے کہ وہ باطنی معانی کو اصل مرادِ الٰہی قرار دیتے ہیں اور قرآن کے ظاہری معنی سے انکار کرتے ہیں، علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''تفسیر قرآن کے سلسلے میں صوفیہ کا کلام اشارات کے باب سے ہے جو سالکین پر منکشف ہوتے ہیں اور وہ اشارات قرآن کے ظاہری معانی پر منطبق کئے جا سکتے ہیں، یہ کمال ایمان و معرفت کے آثار ہیں، ان حضرات کا یہ مقصد نہیں کہ ظاہری معانی مراد نہیں بلکہ صرف باطنی معنی مراد ہیں، ایسا عقیدہ، ملحدین باطنیہ کا ہے، جس سے وہ شریعت کو ختم کرنا چاہتے ہیں اور ہمارے بزرگ اس سے بری ہیں، انہوں نے خود ظاہری تفسیر کے یاد کرنے پر زور دیا ہے، اور کہا ہے جس کو ظاہری تفسیر پختہ نہ ہو وہ باطن کی طرف نہیں پہنچ سکتا اور جو شخص ظاہری تفسیر کی پختگی کرنے سے قبل قرآن کے اسرار کو حاصل کرنا چاہے تو وہ اس شخص کی مانند ہے جو گھر کے اندر داخل ہونے کا دعویٰ کرے، دروازہ سے گزر جانے کے بغیر۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ صوفی کی تفسیر میں چند امور ملحوظ ہوتے ہیں جو اس کو باطنی تفسیر سے علیحدہ کرتے ہیں:

۱۔ مرادِ الٰہی صرف ظاہری تفسیر ہے، نہ کہ باطنی اشارات۔

۲۔ باطنی اشارات تک رسائی، ظاہری تفسیر کی مہارت پر موقوف ہے۔

۳۔ باطنی اشارات کا ظاہری تفسیر کے ساتھ مطابق ہونا ضروری ہے۔

۴۔ باطنی اشارات مناسب اشیاء کا انکشاف ہے جو معرفتِ الٰہی کا ثمرہ ہے، نہ کہ الحاد اور اتباع ہوا کا اور

حدیث میں جو

Marfat.com

لِكُلِّ اٰيَةٍ ظَهْرٌ وَبَطْنٌ وَّلِكُلِّ حَرْفٍ حَدٌّ وَّلِكُلِّ حَدٍّ مَطْلَعٌ [1]

آیا ہے، اس میں ظاہر سے مراد ظاہری معنی ہے اور باطن سے اسرار مراد ہیں۔

صوفیہ اور باطنیہ کے معنی میں فرق کے لئے ہم ایک مثال پیش کرتے ہیں تاکہ فرق خوب واضح ہو جائے، حدیث میں آیا ہے:

اِنَّ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا تَدْخُلُ بَيْتًا فِيْهِ كَلْبٌ وَّلَا صُوْرَةٌ [2]

''یعنی جس گھر میں کتا اور تصویر ہو اس میں ملائکہ رحمت داخل نہ ہوں گے''۔

یہی ظاہری معنی ہیں، اب اگر ایک شخص اس اصلی معنی کو برقرار رکھتے ہوئے بوجہ مناسبت یہ بیان کرے کہ بیت ظاہری سے مراد دل ہے اور کتے سے مراد اخلاق سبعیہ ہیں اور صورت سے محبتِ دنیا ہے، یعنی جس دل میں کتے والے اخلاق اور محبتِ دنیا موجود ہو، اس میں مَلَکی نور داخل نہیں ہوتا، تو اس شخص نے اصل معنی قائم رکھ کر اس کی نظیر کی طرف متوجہ کرنے کی غرض سے معنوی اور باطنی چیزوں کو بیان کیا، لیکن بغیر ضرورت کتے کو اور جاندار کی تصویر رکھنے کو حرام جانتا ہے تو یہ مثال صوفیہ کرام کی باطنی تفسیر کی ہے، کہ ظاہری تفسیر کو مراد سمجھ کر مناسب امور کو ذکر کرتے ہیں۔

لیکن اگر کوئی دوسرا شخص مذکور حدیث کا یہ مطلب بیان کرے کہ اس سے ظاہری کتا اور تصویر مراد ہی نہیں اور نہ وہ شرع میں منع ہے، بلکہ مرادِ حدیث کتے والی صفات ہیں اور صورت سے محبتِ دنیا ہی مراد ہے تو یہ باطنی اور الحادی تفسیر یا تحریف ہے۔

اسی طرح سورۂ بقرہ میں بنی اسرائیل کے سلسلے میں آیا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً [3] اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم ایک گائے ذبح کرو۔

بنی اسرائیل کے مقتول شخص کے قاتل معلوم کرنے کے لئے ان کو حکم ہوا کہ بقرہ ذبح کرو اور پھر اس کے جزء کو مقتول سے لگا دو، مقتول زندہ ہو کر اپنا قاتل بتا دے گا۔ اس آیت کی یہ تفسیر کرنا کہ بقرہ سے گائے یا بیل مراد

---

[1] روح المعانی، ج:۱، ص:۷۔ [2] سنن ابن ماجہ، بابُ الصُّوَرِ فِی البیتِ۔ [3] البقرۃ:۶۷۔

Marfat.com

نہیں بلکہ نفس بہیمیہ مراد ہے، یعنی خود ان لوگوں کا نفس حیوانی، اور اس کے ذبح کرنے سے مراد یہ ہے کہ ریاضت اور عبادت سے نفس کشی اختیار کرو، تاکہ نفس بہیمی کی سرکشی ختم ہو جائے اور جب اس کی سرکشی ختم ہو گی تو وہ زندہ ہو جائے گا، اور اس کو روحانی حیات نصیب ہو کر اصل قاتل یعنی خواہشات نفس کو بتلا دے گی، کہ یہی ملکیت اور روحانیت کے قاتل ہیں اور فی الحقیقت کسی گائے کو ذبح کرنے کی نوبت نہیں آئی، یہی الحادی اور باطنی تفسیر ہے، لیکن اگر اصل واقعہ کو صحیح تفسیر قرار دیتے ہوئے بوجہ مناسبت ان امور کی طرف انتقال ہو تو کوئی حرج نہیں، جیسے قاضی بیضاوی نے اپنی تفسیر میں مذکورہ اشارات کو نکاتِ معرفت کے درجہ میں نقل کیا ہے۔

تفسیر بالرائے کی قسمیں

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اتقان میں ابن النقیب سے نقل کیا ہے:

تفسیر بالرائے جو شرع میں ممنوع ہے، اس کی پانچ صورتیں ہیں، (۱) یہ کہ قرآن کی تفسیر کے لئے جس قدر علوم کی ضرورت ہے ان کے حصول کے بغیر قرآن کی تفسیر کی جائے۔
(۲) آیات صفات و مقطعات اور متشابہ کی تفسیر کی جائے جن کا علم اللہ جل شانہٗ سے مخصوص ہے۔ (۳) ایک اپنی ٹھہرائی ہوئی غلط رائے کے لئے قرآن کی تفسیر کی جائے، جس میں رائے اصل ہو اور قرآن کو اس کا تابع بنایا جائے۔ (۴) اس طرح تفسیر کرنا کہ یقینی دعویٰ کیا جائے کہ اللہ کی مراد یہ ہے اور اسکی دلیل موجود نہ ہو۔ (۵) قرآن کی کسی آیت کی تفسیر اپنی پسند اور میلان کے تحت کی جائے۔[1]

یہ سب صورتیں تفسیر بالرائے میں داخل ہیں جن پر دوزخ کی سزا کی وعید آئی ہے۔ آج تک جدید رنگ کی تفسیروں میں بہت کم ایسی ہوں گی، جو ان پانچ صورتوں میں سے کسی نہ کسی صورت میں داخل نہ ہوں۔ العیاذ باللہ۔

اقسامِ تفسیر

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے تفسیر کی چار قسمیں قرار دی ہیں:

---

[1] الاتقان، ج:۲،ص:۱۸۳۔

Marfat.com

(۱) وہ جو صرف عربی زبان کی خاص مہارت اور قواعد جاننے سے معلوم ہو سکے۔

(۲) وہ واضح احکام اعتقادی و عملی جو قرآنی الفاظ کے سن لینے سے معلوم ہو سکیں، جیسے:

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ [۱] "جان لو کہ کوئی معبود نہیں بجز اللہ کے"۔

اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ [۲] "نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو"۔

(۳) وہ جس کو صرف علماء مجتہدین ہی جانتے ہیں اور عام طور پر اس کو تاویل کہا جا سکتا ہے، مثلاً استنباطِ احکامِ فقہیہ، بیانِ مجمل و تخصیصِ عام و تقییدِ مطلق، حقیقتِ شرعیہ کو حقیقتِ لغویہ پر ترجیح دینا، اور حقیقتِ عرفیہ کو حقیقتِ لغویہ پر ترجیح دینا، اور اس صورت میں کہ اس کے خلاف پر دلیل موجود ہو جیسے وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّھُمْ [۳] میں معنی لغوی پر دلیل قائم ہے۔

(۴) وہ تفسیر جس کا علم اللہ تعالیٰ سے مختص ہے جیسے علمِ متشابہات، وقتِ قیامت و روح وغیرہ۔[۴]

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ [۵] میں قرآن کی جس آسانی کا ذکر ہے اس سے قسم دوم مراد ہے، جس پر لفظ ذکر قرینہ ہے کہ صرف ان مضامینِ قرآن کو آسان کہا گیا ہے جو پند و موعظت سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ صرف قسم دوم ہیں۔

تاویلِ محمود کی شرائط

اس تقسیم میں علماء سے جو تفسیر مختص کی گئی ہے اس کو تاویل محمود کہتے ہیں، وہ مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ مشروط ہے:

(۱) تاویل جس آیت کی کی جائے وہ ماقبل آیت کے مطابق ہو۔

(۲) اور مابعد آیت کے بھی موافق ہو۔

(۳) لغتاً آیت کے مفہوم میں اس کی گنجائش ہو۔

(۴) کتاب و سنت کے خلاف نہ ہو۔

---

[۱] محمد: ۱۹۔ [۲] البقرۃ: ۴۳۔ [۳] التوبۃ: ۱۰۳۔ [۴] الاتقان، ج: ۱، ص: ۱۸۲۔ [۵] القمر: ۱۷۔

Marfat.com

(۵) امام زرکشی رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ سے پانچویں شرط یہ نقل کی ہے کہ اس تاویل وتفسیر سے قرآن کی معجزانہ بلاغت میں نقص واقع نہ ہوتا ہو، بلکہ بلاغتِ اعجازی برقرار رہے۔ [1]

(۶) کتاب وسنت میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ ایک آسمانی حق ہے اور حق ناقابلِ تقسیم ہے، اس لئے قرآن کی جس آیت کی بھی تفسیر کی جائے، اس میں دیکھنا ہوگا کہ وہ تفسیر یا وہ مراد قرآن کے دیگر مقامات پر سنت نبوی کے مطالب سے ٹکراتی تو نہیں، اگر ٹکراتی ہے تو یہ اس امر کی دلیل ہے کہ یہ تفسیر خود ساختہ اور تحریف ہے، حق ایک دوسرے سے نہیں ٹکراتا۔

(۷) اسی طرح صحابہ وتابعین وتبع تابعین جن کا زمانہ خیر القرون کا زمانہ ہے اور فہمِ قرآن کی نعمت سے ممتاز حصہ رکھتے ہیں، مابعد کی کوئی تفسیر جو ان کی تفاسیر کی مجموعی روح کے خلاف ہو، تحریف ہے اور قابلِ پذیرائی نہیں۔ البتہ اگر کوئی ماہر مفسر شرائطِ تفسیر کے تحت ایسے مطالب بیان کرے جو سلف نے بیان نہیں کئے لیکن سلف نے ان کے خلاف بھی بیان نہیں کیا، تو ایسے تحت الضوابط معارفِ قرآنیہ کا دروازہ مابعد کے لوگوں کے لئے بھی بند نہیں اور تدبر فی القرآن کے ذریعے استخراجِ معارف واسرار کا سلسلہ رہتی دنیا تک جاری رہے گا، حدیث میں آیا ہے: لَا تَنْقَضِیْ عَجَائِبُہٗ قرآن کے مضامینِ عجیبہ ختم نہ ہوں گے۔ [2]

اس کے متعلق امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے:

ائمہ مجتہدین نے جو احکام اجتہاد سے نکالے ہیں، وہ شرح حدیث وسنت ہے اور پوری سنت، قرآن کی شرح ہے اور قرآن اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے اسماءالحسنیٰ اور صفاتِ عالیہ کی شرح ہے۔

اوران اسرار کے متعلق حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

مَنْ اَرَادَ الْعِلْمَ فَلْیُثَوِّرِ الْقُرْاٰنَ فَاِنَّ فِیْهِ عِلْمَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ [3]

”جو علم چاہے تو قرآن کی جستجوئے مضامین کرے، اس میں اولین وآخرین کا علم ہے، مراد

---

[1] البرہان، ج:۱، ص:۳۱۱۔ [2] تفسیر رازی، مفاتیح الغیب او التفسیر الکبیر، ج:۲، ص:۲۵۱۔ [3] رواہ البیہقی فی المدخل، المعجم الکبیر للطبرانی، ج:۹، ص:۱۳۶۔

Marfat.com

اصول علم ہے"

روح المعانی جلد ا، ص: ۷ میں اس قسم کے فیوضات کو تفسیرِ اشاری کہا گیا ہے، باطنیہ کی تفسیرِ اشاری میں چونکہ ظاہری معنی کا انکار ہے، اس لئے وہ مردود ہے، اور اہل السنۃ کے صوفیہ نے جو اشاری تفسیریں کی ہیں ان میں اہم چار ہیں:

(۱) تفسیر نیشاپوری، (۲) تفسیر التستری سہل بن عبداللہ التستری المتوفی ۲۸۳ھ ولم یتم، (۳) تفسیر الآلوسی المتوفی ۱۲۷۰ھ، (۴) تفسیر محی الدین ابن العربی المتوفی بدمشق ۶۳۸ھ۔

یہ سب حضرات ظاہری معنی قرآن کو تسلیم کرنے کے بعد اشاری تفسیر کرتے ہیں، جن کے متعلق زرکشی رحمۃ اللہ علیہ برہان میں لکھتے ہیں:

"صوفیہ کا کلام تفسیر نہیں بلکہ واردات اور وجدانیات ہیں جو وہ تلاوتِ قرآن کے وقت محسوس کرتے ہیں"۔

ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں:

میں نے ابوالحسن الواحدی رحمۃ اللہ علیہ سے معلوم کیا کہ ابوعبدالرحمن السلمی نے حقائق التفسیر لکھی ہے، اگر وہ اس کو تفسیر سمجھتا ہے تو کافر ہے، ابن الصلاح فرماتے ہیں کہ انہوں نے بطور تفسیر اس کو ذکر نہیں کیا ہے اور نہ کسی لفظ کی تشریح قرار دی گئی، اگر ایسا ہوتا تو یہ باطنیت ہے، بلکہ قرآنی مدلول کی نظیر کو ذکر کیا گیا ہے، کہ نظیر سے نظیر یاد آتی ہے۔

ان اقوال سے معلوم ہوا کہ صوفیہ تفسیر کو نہیں بلکہ مقاصدِ قرآن کی نظیر کو بیان کرتے ہیں، اس سے باطنیہ اور صوفیہ کی تفسیر کا فرق معلوم ہوا، اول ظاہرِ قرآن کا انکار کرتے ہیں لیکن صوفیہ ظاہرِ قرآن کو تسلیم کرتے ہیں، مناہل العرفان میں ہے:

Marfat.com

یہاں سے صوفیہ اور باطنی ملحدین کا فرق معلوم ہوا، صوفیہ ظاہری معنی کا انکار نہیں کرتے، بلکہ ترغیب دیتے ہیں، اور ضروری سمجھتے ہیں جو ظاہری مراد کی پختگی کے بغیر اسرارِ قرآن کا دعویٰ کرے، تو یہ ایسا ہے جیسا کوئی کہے کہ میں دروازے سے گزرے بغیر اندر گیا۔[1]

صاحب مناہل نے تفسیرِ اشاری کے مقبول ہونے کے لئے پانچ شرطیں بیان کی ہیں:

(۱) ظاہر معانی قرآن کے برخلاف نہ ہوں۔

(۲) یہ دعویٰ نہ کیا جائے کہ اشاری معنی مراد ہے اور ظاہر معنی نہیں۔

(۳) الفاظ قرآنی کی تاویل بعید نہ ہو کہ الفاظ من حیث العربیۃ اس کے خلاف ہوں۔

(۴) اشاری تفسیر شرع اور عقل کی معارض نہ ہو۔

(۵) اشاری مضمون شرعی دلیل سے مؤیّد ہو۔

مناہل العرفان ج:۱ص:۵۴۹ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن کی ہر اُس تفسیر کو غلط قرار دیا ہے جو صحابہ اور تابعین کی تفسیر کے خلاف ہو، اصول التفسیر میں لکھتے ہیں:

> ہر وہ تفسیر جو صحابہ و تابعین کی تفسیر کے خلاف ہو اس کا مفسر غلطی کا مرتکب ہے اور بدعتی ہے، کیونکہ قرآن کی تفسیر اور معانی کے وہ سب سے بڑا علم رکھنے والے ہیں، جیسے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے حق کے وہ بہت بڑے عالم ہیں۔

اردو تراجم

ہندوستان میں اردو تراجم قرآن پاک کی ابتداء خاندان شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے سے ہوئی، اس وقت کی اردو کو دیکھا جائے اور موجودہ زمانہ کی اردو کو دیکھا جائے تو زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اس خاندان میں شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اردو زبان میں ایسا ترجمہ کر دیا کہ اس سے زیادہ بہتر ترجمہ نہیں ہو سکتا، اور آج کی ترقی یافتہ اردو میں بھی اس کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے۔ زبان اور محاورہ میں امتدادِ زمانہ کے اعتبار سے جو

[1] مناھل العرفان، ج:۱،ص:۵۴۷۔

Marfat.com

فرق پیدا ہو گیا ہے، اس کو حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے انتہائی شستہ اردو زبان میں ڈھال دیا ہے۔

آزاد ترجمانی

آزاد ترجمانی کی مثالیں ہمیں مولانا مودودی صاحب، ڈپٹی نذیر احمد صاحب، سر سید احمد خان صاحب اور مولانا آزاد کے تراجم میں ملتی ہیں۔ ان حضرات نے ترجمہ نہیں بلکہ ترجمانی ہی کے رنگ کو اختیار کیا ہے۔

ترجمہ اور ترجمانی میں فرق

ترجمہ اور ترجمانی میں فرق ہے، ترجمانی میں اس قدر گنجائش ہے جس قدر ترجمہ میں تنگی ہے، یعنی ترجمانی کا دامن بہت وسیع ہے، جبکہ ترجمہ کا دامن تنگ ہے۔ ترجمہ ہر ایک کے بس کا کام نہیں ہے، جبکہ ترجمانی زبان کی معمولی واقفیت کے ساتھ بھی کی جاسکتی ہے۔

صاحبِ تفہیم القرآن اور تفسیر بالرائے

صاحبِ تفہیم القرآن، تفسیرِ قرآن کے بارے میں کیا مسلک رکھتے ہیں:

(۱) قرآن وسنتِ رسول کی تعلیم سب پر مقدم ہے مگر تفسیر وحدیث کے پرانے ذخیروں سے نہیں۔

(۲) قرآن کے لئے تفسیر کی حاجت نہیں، ایک اعلیٰ درجہ کا پروفیسر کافی ہے جس نے قرآن کا بنظرِ غائر مطالعہ کیا ہو اور جو طرزِ جدید پر قرآن پڑھانے اور سمجھانے کی اہلیت رکھتا ہو۔

(۳) (اپنی تفسیر کی ابتداء میں لکھتے ہیں) اس میں جس چیز کی کوشش میں نے کی ہے وہ یہ ہے کہ قرآن کو پڑھ کر جو مفہوم سمجھ میں آتا ہے اور جو اثر میرے قلب پر پڑتا ہے حتیٰ الامکان جوں کا توں اپنی زبان پر منتقل کر دوں۔

صاحبِ تفہیم القرآن کی کتابوں سے چند اقتباسات

ذیل میں ہم بطور نمونہ صاحبِ تفہیم القرآن کی ترجمانی کے کچھ اقتباس ذکر کر رہے ہیں، کہ صاحبِ تفہیم القرآن کو جہاں بھی ذرا سا موقع ملا وہیں اس پر اچھی خاصی بحث چھیڑ دی، مثلاً:

Marfat.com

۱۔ قصہ نمرود اور فرعون میں بہت جگہ بلکہ جتنی جگہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ آیا ہے، وہاں انہوں نے یہ ضرور کہا ہے، مثلاً:

الف۔ نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سیاسی جرمِ بغاوت میں نکالا تھا۔

ب۔ نمرود کو اللہ تعالیٰ کی الوہیت کا انکار نہیں تھا۔

ج۔ فرعون تو اپنی سیاسی ربوبیتِ خداوندی کا مدعی تھا، وہ اللہ تعالیٰ کا منکر نہ تھا۔

د۔ ہلاک ہونے والی قومیں منکرینِ خدا نہیں تھیں، بلکہ وہ کافر و مشرک تھیں۔

س۔ یہودیوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت میں شک نہ تھا۔

اسی نوعیت کے ہزار ہا جملے نہیں بلکہ مسلسل عبارتیں ان کی تشریحات میں پائی جاتی ہیں۔

۲۔ مدینہ کی اسلامی ریاست۔

۳۔ مسلمانوں کی چھوٹی سی جماعتِ اسلامی۔

۴۔ مشرکین تحریکِ اسلامی کو دبانا چاہتے تھے۔

۵۔ فلاں قوم، فلاں رسول کی لیڈری سے انحراف کر رہی تھی۔

اسی قسم کے ہزار ہا جملے ان کی تفسیر میں ملتے ہیں۔ سطور ذیل میں صاحبِ تفہیم القرآن کی متفرق کتابوں سے چند اقتباسات پیش کئے جا رہے ہیں:

۱۔ رسولِ خدا کے سواء کسی انسان کو معیارِ حق نہ بنائے، نہ کسی کو تنقید سے بالاتر سمجھے، کسی کی ذہنی غلامی میں مبتلا نہ ہو، ہر کو خدا کے بتائے اسی معیار کامل پر جانچے اور پرکھے، اور جو اس معیار کے لحاظ سے جس درجہ میں ہو اس کو اسی درجہ میں رکھے''۔

۲۔ موسیٰ علیہ السلام کی مثال اس جلد باز فاتح کی سی ہے جو اپنے اقتدار کا استحکام کئے بغیر مارچ کرتا ہوا چلا جائے اور پیچھے جنگل کی آگ کی طرح مفتوحہ علاقہ میں بغاوت پھیل جائے۔

Marfat.com

۳۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے فعل میں خواہش نفس کا کچھ دخل تھا، اس کا حاکمانہ اقتدار کے نامناسب استعمال سے بھی کوئی تعلق تھا، اور وہ کوئی ایسا فعل تھا جو حق کے ساتھ حکومت کرنے والے کسی فرمانروا کو زیب نہ دیتا تھا۔

۴۔ حضرت نوح علیہ السلام اپنی بشری کمزوریوں سے مغلوب اور جاہلیت کے جذبہ کا شکار ہو گئے تھے۔

۵۔ عصمت دراصل انبیاء علیہم السلام کے لوازمِ ذات سے نہیں ہے۔ اور یہ ایک لطیف نکتہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بالارادہ ہر نبی سے کسی نہ کسی وقت اپنی حفاظت اُٹھا کر ایک دو لغزشیں ہو جانے دی ہیں، تاکہ لوگ انبیاء علیہم السلام کو خدا نہ سمجھیں اور جان لیں کہ یہ بھی بشر ہیں۔

۶۔ انبیاء کرام علیہم السلام سے قصور بھی ہو جاتے تھے اور انہیں سزا تک دی جاتی تھی۔

۷۔ حضرت یونس علیہ السلام سے فریضۂ رسالت کی ادائیگی میں کچھ کوتاہیاں ہو گئی تھیں اور غالباً انہوں نے بے صبر ہو کر قبل از وقت اپنا مستقر بھی چھوڑ دیا تھا۔

۸۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بھی بشری کمزوریوں کا غلبہ ہو جاتا تھا اور وہ ایک دوسرے پر چوٹیں کر جاتے تھے۔

آگے کی عبارت نقل کرتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔

صاحبِ تفہیم القرآن کی کتابوں کے اقتباسات ذکر کرنے کی وجوہات

صاحبِ تفہیم القرآن کی کتابوں کے اقتباسات ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ علماءِ تفسیر نے جو اصول بیان کئے ہیں اُن کی روشنی میں صاحب تفہیم القرآن کی تشریحات اور ترجمانی کو پرکھا جائے، وہ چند اصول یہ ہیں:

۱۔ قرآن پاک کی تفسیر قرآن ہی کے ذریعہ سے۔ اور یہ تفسیر کا اعلیٰ درجہ ہے، کیونکہ اگر کسی جگہ قرآن پاک میں اجمال ہے تو دوسری جگہ اس کی کوئی تفصیل ہے۔

۲۔ قرآن پاک کی تفسیر سنت مطہرہ کے ذریعہ سے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی حکم ایسا نہیں بیان فرمایا ہے جو آپ نے قرآن پاک سے نہ سمجھا ہو۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

اِنَّآ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَـقِّ لِتَحۡكُمَ بَيۡنَ النَّاسِ بِمَاۤ اَرٰٮكَ اللّٰهُ ؕ [1]

''ہم نے آپ کی طرف کتاب اتاری حق کے ساتھ، تاکہ آپ لوگوں کے درمیان وہ فیصلہ کریں جو اللہ نے آپ کو بتلایا ہے''۔

وَمَا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ [2]

''نہیں اتاری ہم نے آپ کی طرف مگر اس لئے کہ آپ بیان کریں ان سے جو مختلف ہیں، اس میں ہدایت ہے اور رحمت ہے مومنین کیلئے۔

وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ الذِّكۡرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ [3]

''ہم نے قرآن کو آپ کی طرف اتارا تاکہ آپ لوگوں سے بیان کریں''۔

وَمَا يَنۡطِقُ عَنِ الۡهَوٰى اِنۡ هُوَ اِلَّا وَحۡىٌ يُّوۡحٰى [4]

''اور حضور ﷺ اپنی طرف سے نہیں بلکہ وحی ہی کے ذریعہ کلام فرماتے ہیں''۔

اس سے ظاہر ہے کہ جو حکم یا جو معنی حضرت محمد ﷺ نے بیان فرمائے ہیں وہ وہی ہیں جو قرآن پاک میں موجود ہیں، آپ ﷺ کے بیان اور قرآن میں صرف اس قدر فرق ہے کہ قرآن پاک وحی متلو ہے اور آپ ﷺ کے بیان کردہ احکامات و معنی وحی غیر متلو ہیں۔

جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

اِنِّيْ اُوْتِيْتُ الْقُرْآنَ وَمِثْلَهٗ مَعَهٗ [5]

''مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کے مثل اس کے ساتھ''۔

اس سے مراد سنت مطہرہ اور احادیث ہیں۔

---

[1] النساء: ۱۰۵۔ [2] النحل: ۶۴۔ [3] النحل: ۴۴۔ [4] النجم: ۳۔۴۔ [5] مسند احمد۔

Marfat.com

۳۔ اس کے بعد اگر کسی آیت کی تفسیر نہ تو قرآن میں ملے اور نہ سنّت میں ملے، تو اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف رجوع کرنا چاہئے، کیونکہ یہ حضرات نزولِ قرآن کے بارے میں زیادہ واقف کار ہیں، اور ان حضرات کے پاس فہمِ تام اور علمِ کامل اور عملِ صالح ہے۔ خاص طور پر خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اور اجلہ صحابہ رضی اللہ عنہم مثلاً حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔

حضرات تابعین میں سے حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو تین مرتبہ قرآن شریف اوّل سے لیکر آخر تک پڑھ کر سنایا اور ہر ہر آیت پر میں نے ان سے سوال کیا اور اس کے معنی دریافت کیے ہیں۔ اسی وجہ سے حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے بارے میں بیان فرمایا ہے:

اِذَا جَاءَكَ التَّفْسِيْرُ عَنْ مُجَاهِدٍ فَحَسْبُكَ بِهٖ

"جب کوئی تفسیر تمہیں مجاہد کی ملے تو وہی کافی ہے"۔

ان ہی حضرات میں سے سعید بن جبیر، عکرمہ مولی ابن عباس، عطاء بن ابی رباح، حسن بصری، مسروق، سعید بن مسیّب، ابوالعالیہ، ربیع بن انس، قتادہ، ضحاک، ابن مزاحم ہیں۔ ان حضرات کے اقوال میں بعض دفعہ تضاد بھی ہو جاتا ہے، کیونکہ ان میں سے کوئی کسی اعتبار سے معنی بیان کرتا ہے اور کوئی کسی اعتبار سے، اس وجہ سے سمجھدار آدمی کو ایسی جگہ غور و فکر سے کام لینا چاہئے۔

شعبہ بن حجاج رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ فروعات میں تابعین کے اقوال میں اگر اختلاف ہو تو وہ ایک دوسرے پر حجت نہیں ہیں، لیکن اگر یہ حضرات کسی چیز پر متفق ہوں تو پھر اس میں شک کی گنجائش نہیں ہے۔ اختلاف کی صورت میں لغت قرآن، لغت سنت اور لغت عرب کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔[۱]

صاحبِ تفہیم کی کچھ تقصیرات بطور نمونہ

ذیل میں ہم صاحبِ تفہیم القرآن کی کچھ تقصیرات بطور نمونہ پیش کرتے ہیں، جو مذکورہ بالا تفسیر کے اصولوں

---

[۱] ابن کثیر از ص: ۳ تا ۴ مختصراً۔

Marfat.com

سے ہٹ کر تشریح وترجمانی کی گئی ہے۔ مثلاً:

۱۔ سجدہ تلاوت کو بلا وضو جائز قرار دے دیا ہے اور اجماعِ امت کی کوئی پرواہ نہیں کی اور وہاں سنت ثابتہ کا سہارا تلاش کر لیا، حالانکہ ان کے پاس کوئی سنتِ ثابتہ دلیل میں نہیں ہے۔

۲۔ ایسے ہی اذانِ فجر کے بعد سحری کھانے کو جائز قرار دے دیا اور قطعاً صحیح احادیث اور اجماعِ امت کی پرواہ نہیں کی۔

ارشادِ باری تعالیٰ:

كُلُوا وَاشْرَبُوا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ

''نیز راتوں کو کھاؤ پیو، یہاں تک کہ تم کو سیاہی شب کی دھاری سے سپیدہ صبح کی دھاری نمایاں طور پر نظر آجائے''۔ [۱]

صاحبِ تفہیم القرآن اس کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں: آج کل لوگ سحری اور افطار دونوں کے معاملہ میں شدتِ احتیاط کی بناء پر کچھ بے جا تشدد برتنے لگے ہیں، مگر شریعت نے ان دونوں اوقات کی ایسی حد بندی نہیں کی کہ چند سیکنڈ یا چند منٹ ادھر ادھر ہو جانے سے آدمی کا روزہ خراب ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد انہوں نے ایک حدیث کا سہارا لیتے ہوئے تحریر فرمایا:

حدیث میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اگر تم میں سے کوئی شخص سحری کھا رہا ہو اور اذان کی آواز آجائے تو فوراً نہ چھوڑ دے، بلکہ اپنی حاجت بھر کھا پی لے۔

اس جگہ صاحبِ تفہیم القرآن سے فہمِ حدیث میں کوتاہی ہوئی ہے، کیونکہ حضور ﷺ کے زمانہ میں (اور غالباً آج بھی عرب میں) تہجد کی بھی اذان کا طریقہ تھا اور پھر جب صبح صادق ہو جاتی تو پھر دوبارہ اذانِ فجر دی جاتی تھی۔ صاحبِ تفہیم القرآن نے جس اذان کا ذکر کیا ہے اس سے اذانِ تہجد مراد ہے نہ کہ اذانِ فجر۔

۳۔ فَسَجَدُوْا اِلَّا اِبْلِيْسَ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ [۲]

---

[۱] البقرۃ: ۱۸۷۔ [۲] البقرۃ: ۳۴۔

Marfat.com

''پس سجدہ کرلیا فرشتوں نے مگر ابلیس نے انکار کردیا اور وہ متکبر بن گیا اور ہوگیا کافروں میں سے''۔

اس جگہ تشریح میں جناب صاحب تفہیم القرآن نے تحریر فرمایا ہے:

ان الفاظ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غالباً ابلیس سجدے سے انکار کرنے میں اکیلا نہ تھا، بلکہ جنوں کی ایک جماعت نافرمانی کے لئے آمادہ ہوگئی تھی۔

۴۔ سورۃ عادیات میں شروع میں، پانچ آیات میں جو قسمیں کھائی گئی ہیں ان کا اشارہ دراصل اس عام کشت وخون اور غارت گری کی طرف ہے جو عرب میں اس وقت برپا تھی، جاہلیت کے زمانے میں رات ایک بہت خوفناک چیز ہوتی تھی، جس میں ہر قبیلے اور بستی کے لوگ یہ خطرہ محسوس کرتے تھے کہ نہ معلوم کون سا دشمن ان پر چڑھائی کرنے کے لئے آرہا ہو، اور دن کی روشنی نمودار ہونے پر وہ اطمینان کا سانس لیتے تھے (الی قولہ)۔

اس ظلم وستم وغارت گری کو جو زیادہ تر گھوڑوں پر سوار ہوکر ہی کی جاتی تھی، اللہ تعالیٰ اس امر کی دلیل کے طور پر پیش کررہا ہے کہ انسان اپنے ربّ کا بڑا ناشکرا ہے، الخ۔۔۔ اندازہ لگائیں جمہور امت سے ہٹ کر تفسیر کی ہے۔

۵۔ صفتِ الٰہی ''الرحیم'' کی ایک گستاخانہ تشبیہ ومثال

اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ میں اللہ کی رحمت اور مہربانی کا حق ادا کرنے کے لئے رحمان کے بعد پھر رحیم کا لفظ مزید استعمال کیا گیا، اس کی مثال ایسی ہے جیسے درازی قد کے ذکر میں جب ''لمبا'' کہنے سے تسلی نہیں ہوتی تو اس کے بعد ''تڑنگا'' بھی کہتے ہیں''۔[1]

۶۔ سات آسمانوں کے متفقہ مصداق سے انکار

سات آسمانوں کی حقیقت کیا ہے اس کا تعین مشکل ہے، بس مجملاً اتنا سمجھ لینا چاہئے کہ یا تو اس سے مراد یہ

[1] تفہیم القرآن، ج:۱، ص:۴۴۔

Marfat.com

ہے کہ زمین سے ماوریٰ جس قدر کائنات ہے اسے اللہ نے سات محکم طبقوں میں تقسیم کر رکھا ہے، یا یہ کہ زمین اس کائنات کے جس حلقے میں واقع ہے وہ سات طبقوں پر مشتمل ہے۔[۱]

۷۔ بنی اسرائیل پر حقیقی رفعِ طور کا انکار

پہاڑ کے دامن میں میثاق لیتے وقت ایسی خوفناک صورتحال پیدا کردی گئی تھی کہ اُن کو ایسا معلوم ہوتا تھا گویا پہاڑ اُن پر آپڑے گا۔[۲]

حالانکہ کوہِ طور کا اپنی جگہ سے اُٹھ کر محاذات میں معلق بصورت چھت اور سائبان ہو جانا، قرآن کریم میں متعدد مقامات پر صاف، صریح اور واضح ترین الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

۸۔ حضرت مریم کے پاس غیر فصلی میوؤں کے آنے کی کرامت کا انکار

حضرت زکریا علیہ السلام جب کبھی حضرت مریم علیہا السلام کے پاس محراب میں جاتے تو ان کے پاس کچھ نہ کچھ کھانے کا سامان موجود پاتے اور جب حضرت مریم سے پوچھتے کہ یہ کہاں سے آیا؟ تو وہ جواب دیتیں کہ خدا کے پاس سے۔ اب رہا یہ امر کہ وہ کھانے کا سامان دراصل گرمی کا میوہ جاڑے میں اور جاڑے کا گرمی میں ہوتا تھا۔ تو یہ نہ قرآن میں مذکور ہے اور نہ کسی حدیثِ صحیح میں، بلکہ یہ قتادہ، عکرمہ، سعید بن جبیر اور ضحاک وغیرہم کا بیان ہے، تو کیا اب ان لوگوں کی رائے سے اختلاف کرنے والے بھی کافر بنائے جائیں گے۔[۳]

گرمی کا میوہ جاڑے میں اور جاڑے کا گرمی میں ملنا بجز خرقِ عادت کے اور کون سی خوبی اپنے اندر رکھتا ہے۔ دوسرے موسم میں اُس میوہ کا (ملنا) اعجوبہ تو ہوسکتا ہے مگر نعمت نہیں۔[۴]

۹۔ زکریا کفیلِ مریم کی نبوت کا انکار

اب اس وقت کا ذکر شروع ہوتا ہے جب حضرت مریم سن رشد کو پہنچ گئیں اور بیت المقدس کی عبادت گاہ (ہیکل) میں داخل کردی گئیں اور ذکرِ الٰہی میں شب و روز مشغول رہنے لگیں، حضرت زکریا علیہ السلام جن کی

---

[۱] تفہیم القرآن، ج:۱، ص:۶۱۔ [۲] تفہیم القرآن، ج:۱، ص:۸۳۔ [۳] تفہیمات، ج:۲، ص:۱۳۴۔ [۴] بحوالہ بالا، ص ۱۳۴ تا ۱۳۵۔

Marfat.com

تربیت میں وہ دی گئی تھیں، غالباً رشتے میں ان کے خالو تھے اور ہیکل کے مجاوروں میں سے تھے، یہ وہ زکریا نبی نہیں ہیں جن کے قتل کا ذِکر بائبل کے پرانے عہدنامے میں آیا ہے۔[1]

۱۰۔ یوسف کا شاہد گھوارہ کا بچہ نہیں بلکہ جج اور کوئی مجسٹریٹ تھا

شاہد نے قرینے کی جس شہادت کی طرف توجہ دلائی ہے وہ سراسر ایک معقول شہادت ہے اور اس کو دیکھنے سے بیک نظر معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ شخص ایک معاملہ فہم اور جہاندیدہ آدمی تھا جو صورتِ معاملہ سامنے آتے ہی اُس کی تہہ کو پہنچ گیا۔ بعید نہیں کہ وہ کوئی جج یا مجسٹریٹ ہو۔[2]

۱۱۔ حور وغلمان، کفار کی نابالغ اولاد ہیں

بعید نہیں ہے کہ یہ وہ لڑکیاں ہوں جو دنیا میں سن رشد کو پہنچنے سے پہلے مرگئی ہوں اور جن کے والدین جنت میں جانے کے مستحق نہ ہوئے ہوں۔ یہ بات اس قیاس کی بناء پر کہی جاسکتی ہے کہ جس طرح ایسے لڑکے اہل جنت کی خدمت کیلئے مقرر کردیئے جائیں گے اور وہ ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے، اسی طرح ایسی لڑکیاں بھی اہل جنت کیلئے حوریں بنادی جائینگی اور وہ ہمیشہ نوخیز لڑکیاں ہی رہیں گی۔ واللہ اعلم بالصواب[3]

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆

---

[1] تفہیم القرآن، ج:۱، ص:۲۴۸، سورۃ آل عمران، آیت:۳۷۔ [2] تفہیم القرآن، ج:۲، ص:۳۹۵۔ [3] حاشیہ تفہیم القرآن، ج:۴، ص:۲۸۷ سورۃ الصفت۔

Marfat.com

وحی کی تعریف اور اس کی حقیقت

وحی کے معنی

وحی کے معنی اَلْاِشَارَۃُ السَّرِیْعَۃُ یعنی اشارہ سے جلد سمجھنا، یا اَلْاِعْلَامُ فِیْ خِفَاءٍ یعنی دوسرے کو پوشیدہ طور پر کچھ بتلانا۔[1] یہ وحی کے لغوی معنی ہیں، شرعی معنی اَلْاِعْلَامُ بِالشَّرْعِ یعنی صرف شرعی احکام بتلانے کا نام وحی ہے۔

وحی لغوی کی تین قسمیں

۱۔فطری ۲۔ایجادی ۳۔عرفانی

۱۔فطری: جیسے الہامِ الٰہی سے شہد کی مکھیاں چھتہ بنا کر اس میں شہد جمع کرتی ہیں، اسی طرح دیگر حیوانات کے کارنامے بھی اسی قسم کی وحی حیوانات سے مختص ہیں، قرآن میں ہے:

وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا [2]

ہم نے شہد کی مکھیوں کو وحی فطری سے بتلایا کہ تم پہاڑوں میں اپنے لئے چھتہ بناؤ۔

۲۔ایجادی: جیسے یورپ کے سائنس دان ایک چیز کی ایجاد کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اس کے لئے جدوجہد کرتے ہیں تو اس مطلوب چیز کی صورت اور نقشہ خالقِ کائنات کی طرف سے ان کے ذہنوں پر فائض ہوتا ہے اور چیز وجود میں آتی ہے، مثلاً پہلا شخص جس نے ہوائی جہاز بنانا چاہا تو اس نے چونکہ قبل از ایجاد ہوائی جہاز نہیں دیکھا تھا، اس لئے اس نے ابتداء میں ایک اوپر کو اڑ جانے والی چیز کے اجمالی تخیل کا مقصد بنا کر کام شروع کیا اور اپنا ذہن اس کی طرف متوجہ کیا، بار بار کے تجربے کی تکلیف اُٹھائی، یہاں تک کہ قدرتِ الٰہی نے

[1] فتح الباری ابتداء جلد اوّل۔ [2] النحل:۶۸۔

Marfat.com

ہوائی جہاز کا مکمل نقشہ اس کے ذہن میں ڈالا، موجد کا کام ذہن متوجہ کرنا تھا، اللہ تعالیٰ کا کام مطلوبہ چیز کا نقشہ ڈالنا، یہی وہ وحی والہام ہے جو عام انسانوں کو ہوتا ہے، چاہے غیر مؤمن ہوں، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

كُلًّا نُّمِدُّ هٰؤُلَآءِ وَهٰؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا [1]

''یعنی مومن اور غیر مومن دونوں جب کوشش کرتے ہیں تو ہم ان کو مدد دیتے ہیں، تیرے رب کی بخشش وفیض کسی سے بند نہیں''۔

۳۔عرفانی: یہ اولیاء سے مختص ہے کہ جب کوئی ولی اتباعِ شریعت اور ریاضت سے تزکیہ قلب حاصل کر لیتا ہے تو اس پر خاص علوم، الہام کی راہ سے فائض ہوتے ہیں، جس کی طرف قرآن نے اشارہ کیا ہے:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا [2]

''جو لوگ راہِ دین اور اطاعت میں مجاہدہ کرتے ہیں تو ہم ان پر ہدایت کی خاص راہیں کھول دیتے ہیں''۔

یہ ہدایت معارفِ الہامیہ سے ہے جو عام ہدایتِ ایمانی کے علاوہ ہے، کیونکہ ایمانی ہدایت تو مجاہدہ کرنے والے کو پہلے سے حاصل ہے۔

یہ تینوں قسمیں باوجود فرقِ مراتب کے، لغوی اور عام معنی میں وحی ہیں، جو غیر انبیاء علیہم السلام میں پائی جاتی ہیں، خواہ حیوان ہوں، یا انسان، یا اولیاء۔

وحی شرعی: چوتھی قسم وحی شرعی ہے جو صرف انبیاء کرام علیہم السلام سے مختص ہے، اگرچہ ہر نبی ولی بھی ہوتا ہے اس لئے وحی عرفانی سے بھی موصوف ہے لیکن نبی کی وحی عرفانی بھی وحی شرعی کی قسم ہے، جو قانونی حیثیت رکھتی ہے، لیکن ولی کا الہام قانونی حیثیت نہیں رکھتا، کتبِ کلام کا عام مسئلہ ہے: وَالْاِلْهَامُ لَيْسَ بِحُجَّةٍ عِنْدَ الشَّرْعِ ''یعنی ولی کا الہام شرعی قانون نہیں بن سکتا''۔

---

[1] بنی اسرائیل: ۲۰۔ [2] عنکبوت: ۱۹۔

Marfat.com

وحی شرعی کی حقیقت

وحی شرعی کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بواسطہ ملک یا براہِ راست خواب یا بیداری میں الٰہی ہدایت، الفاظ کی شکل میں نبی کی ذات میں منتقل ہو جائے، اسی حقیقت کو وحی شرعی کہا جاتا ہے اور یہی نبوت کی روح ہے، اس تعبیر میں وحی کی وہ تمام شکلیں آجاتی ہیں جو اتقان، ج:۱ میں مذکور ہیں، وحی اور نبوت کی یہ حقیقت جو آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ختم ہوئی، کوئی خلافِ عقل یا ناممکن چیز نہیں، انسان جو اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں ہر لحاظ سے ہیچ ہے وہ ایک بے جان آلہ (ٹیپ ریکارڈر) کے ذریعے الفاظ منتقل کر سکتا ہے اور روزانہ ہم اس کا مشاہدہ کرتے ہیں تو کیا خالقِ انسان اور خالقِ عالَم کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ کسی بیجان آلہ میں نہیں بلکہ ایک مقدس انسان میں الفاظ وحی منتقل کر سکے۔

وحی نبوت

وحی نبوت جدید علمی تحقیق کی روح سے بھی ایک ثابت شدہ حقیقت ہے جو منکرینِ وحی تسکینِ قلب کے لئے پیش کرتے ہیں، صاحبِ مناہل العرفان نے ج:۱، ص:۵۹ تا ص:۶۱ میں پہلے تنویم مقناطیسی جو مسمریزم کی ایک قسم ہے اس کے ایک جرمن ماہر ڈاکٹر (مسمر) کے بے شمار تجربات سے چند ثابت شدہ اصولوں کو پیش کیا ہے جن میں سے ایک یہ ہے کہ ایک اکمل ترین انسان کے لئے عام عقل کے علاوہ ایک باطنی بلند تر عقل ہوتی ہے کہ اسی عقل باطنی سے وہ عالَمِ محسوس کے علاوہ عالَمِ غیب سے تعلق پیدا کرتی ہے جس سے وہ الفاظ اور معلومات حاصل کر لیتی ہے اور عالم غیب سے ایسے امور بیان کرتی ہے جو مادی عالَم میں نہیں لیکن وہ بالکل درست ہوتی ہے۔

چشم دید واقعہ

مناہل العرفان کے مصنف نے مصر میں اپنا چشم دید واقعہ ذکر کیا ہے کہ عیسائی مبلغین نے تنویم مقناطیسی کے ذریعے تبلیغِ مسیحیت کیلئے مخصوص شخص پر جو اُن کی نظر میں عامل کے ساتھ مناسبت رکھتا تھا اثر ڈالنا شروع کیا،

Marfat.com

جس کی وجہ سے عامل یعنی اثر انداز نے معمول کو یعنی جس پر اثر ڈالنا مقصود تھا نیم بیہوش کر دیا اور اس سے باتیں شروع کیں کہ تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے اپنا اصلی نام بتلایا۔ عامل نے اپنی روح کی وجہ سے اس میں یہ اثر پیدا کیا کہ تمہارا نام فلاں ہے یعنی اصلی نام کی بجائے مصنوعی نام بتلایا، تھوڑی دیر کے بعد جب وہ معمول اصلی حالت پر آیا تو اس نے وہی مصنوعی نام بتلانا شروع کیا اور اپنے اصلی نام سے انکار کیا۔

جس سے ثابت ہوا کہ ایک مخلوق انسان دوسرے مخلوق انسان کی روح میں اپنے الفاظ کو راسخ اور مضبوط طور پر منتقل کرنے کی قوت حاصل کر سکتا ہے اور ایک انسانی روح کی دوسری انسانی روح پر اثر اندازی ہو سکتی ہے تو کیا قادر علیٰ کل شی و خالق کائنات مخلوق میں خود یا بتوسطِ ملک اور جبرائیل علیہ السلام، جو لاکھوں انسانوں سے قوی تر ہے کسی مخصوص اور ممتاز شخصیت (نبی) میں الفاظِ وحی منتقل نہیں کر سکتا؟ یہی وہ جدید علمی تحقیق ہے جس نے منکرینِ وحی کو حیرت زدہ کر دیا ہے اور ان میں بڑی تعداد ماوراء مادہ یعنی روحانی اثرات کی قائل ہو گئی ہے۔

اب یہ مسئلہ شک وشبہ سے بالاتر سمجھا جاتا ہے:

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ [1]

ہم ان منکرین کو دکھائیں گے بیرونی جہاں میں اور خود انسان کی روح میں دلائل قدرت کہ ان پر یہ حقیقت کھل جائے گی کہ وحی و نبوت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حق ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆

[1] سورہ حم السجدہ: ۵۴۔

Marfat.com

نزولِ قرآن کی حقیقت اور اُس کا مقصد

نزولِ قرآن کی حقیقت

نزول لغتِ عرب میں کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے:

(۱) کسی جسم کا مکان میں ٹھہرنا جیسے نَزَلَ الْاَمِیْرُ الْمَدِیْنَةَ یعنی امیر نے شہر میں قیام کیا، رَبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلًا مُّبَارَكًا [۱] اے میرے رب مجھے برکت والی جگہ میں ٹھہراؤ۔

(۲) کسی جسم کے اوپر سے نیچی جگہ میں اترنا جیسے وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا [۲] ہم نے آسمان سے برکت والا پانی اتارا ہے۔

قرآن حکیم کے الفاظ جسمیت اور مکانیت سے منزہ ہیں، لہٰذا نزولِ قرآن سے اعلام مراد ہے یعنی اللہ کی طرف سے بواسطہ ملک رسول کریم ﷺ کو الفاظِ قرآن بتلانے کا نام نزولِ قرآن ہے، اور اس تعبیر میں قرآن کی عظمت وشان بتلانا مقصود ہے۔ [۳] کہ انسان کے پاس ایک بلند مقام کی چیز آ گئی ہے۔

۳۔ تیسرا معنی نزول کا یہ بھی ہے کہ خود ایک چیز اوپر سے نیچے نہیں آئی لیکن اس کے اسباب عالمِ بالا سے متعلق ہوں خواہ ارادہ الٰہیہ ہو یا آسمانی تاثیرات، اس اعتبار سے لوہے، مویشیوں اور انسانی لباس اور پوشاک پر بھی قرآن حکیم میں نزول کا لفظ استعمال ہوا:

وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ [۴]

''ہم نے لوہے کو اتارا جس سے جنگ کے ہتھیار بھی بنتے ہیں''۔

وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِیَةَ اَزْوَاجٍ [۵]

''ہم نے تمہارے فائدے کے لئے مویشیوں کے آٹھ جوڑے اتارے ہیں''۔

---

[۱] المومنون: ۲۸۔ [۲] ق: ۹۔ [۳] مناہل ج: ۱، ص: ۳۴۔ [۴] الحدید: ۲۵۔ [۵] الزمر: ۶۔

Marfat.com

أَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ [1]

"ہم نے لباس اتارے جو تمہارے بدن پر ہوکر تمہاری شرمگاہوں کو ڈھانکیں"۔

ان تینوں چیزوں کے اسباب سماوی ہیں، اس لئے ان کے لئے بھی نزول کا لفظ استعمال ہوا۔

انزال اور تنزیل میں فرق

نزول سے پھر دو لفظ مزید بنتے ہیں: انزال اور تنزیل، تنزیل تدریجاً مختلف اوقات میں اُتاری ہوئی چیز کے لئے استعمال ہوتا ہے اور انزال کا لفظ عام ہے، خواہ کوئی چیز یکبارگی اور دفعۃً اتاری جائے یا آہستہ آہستہ تدریجاً، چنانچہ عذاب کے لئے بھی انزال کا لفظ استعمال ہوا ہے، جیسے: اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰٓى اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ "ہم اس بستی والوں پر آسمان سے عذاب اتارنے والے ہیں"۔ [2] اور ظاہر ہے کہ عذاب کا نزول دفعۃً ہوا، اور قرآن جس کا اتارنا تدریجاً ہوا، اس کے لئے بھی انزال استعمال ہوا ہے، جیسے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ [3]

"سب خوبیاں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے اپنے بندے پر یہ کتاب نازل فرمائی"۔

نزولِ قرآن کے مراحلِ ثلاثہ

علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

شَرَّفَ اللّٰهُ هٰذَا الْقُرْآنَ بِاَنْ جَعَلَ لَهٗ ثَلَاثَةَ تَنَزُّلَاتٍ [1] مناہل العرفان ج۔۱، ص ۴۳۔

اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے قرآن کو یہ شرف بخشا ہے کہ اُسے تین مراحل میں نازل کیا ہے۔

پہلا نزول

اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے شروع میں اپنا کلام (قرآن حکیم) لوحِ محفوظ میں اتارا، یہ نزول یکبارگی ہوا، اس کا ذکر حسبِ ذیل آیت میں ملتا ہے:

---

[1] الاعراف: ۲۶۔ [2] عنکبوت: ۳۴۔ [3] الکہف: ۱۔

Marfat.com

بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ [۱]

بلکہ یہ قرآن بلند پایہ ہے، اُس لوح میں (نقش ہے) جو محفوظ ہے۔

لوحِ محفوظ

لوحِ محفوظ کو لوحِ محفوظ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ قرآن مجید مکتوب ہے لوح میں اور شیاطین کے وہاں پہنچنے سے محفوظ ہے۔

امام ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے:

لوحِ محفوظ سرخ یاقوت کی ہے، اس کا اوپر کا حصہ عرشِ رحمٰن سے ملا ہوا ہے اور نچلا حصہ ایک فرشتے کی گود میں ہے، جس کا نام ماطریون یا ساطریون ہے۔ اس کی کتابت نور کی ہے اور نورانی قلم سے لکھا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ ہر روز تین سو ساٹھ مرتبہ دیکھتے ہیں، یہ کنایہ ہے کہ لوحِ محفوظ کی ہر چیز، ہر وقت اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ کے سامنے ہے۔ ہر نگاہ میں کسی کو عزت دے رہے ہیں، کسی کو ذلیل کر رہے ہیں، کسی کو ثروت دے رہے ہیں، کسی کو فقر دے رہے ہیں، کسی کو موت دے رہے ہیں، کسی کو حیات دے رہے ہیں "يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ [۲]. لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ [۳]. كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ [۴]"۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے: "لوحِ محفوظ اسرافیل کی پیشانی میں ہے"۔

امام مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ عرش کے دائیں طرف ہے۔

لوحِ محفوظ پر پہلی چیز کا اندراج

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

[۱] البروج۔ [۲] آل عمران: ۴۰۔ [۳] البقرۃ ۱۶۳۔ [۴] الرحمٰن: ۲۹۔

Marfat.com

فَكَتَبَ فِي قُبَالَةِ عَرْشِهٖ پہلی جو چیز اللہ تعالیٰ نے لوحِ محفوظ میں درج فرمائی وہ "اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا وَحْدِيْ، لَا شَرِيْكَ لِيْ وَ مُحَمَّدٌ عَبْدِيْ وَرَسُوْلِيْ" ہے۔ [1]

فرمایا جو میری قضا کو تسلیم کرے گا، میرے ابتلاء پر صبر کرے گا، میری نعمتوں پر شاکر ہوگا، اس کو میں صدّیقین میں شمار کر لیتا ہوں۔

بعض نے ''لُوح'' (لام پر پیش) پڑھا ہے، مطلب یہ ہے کہ لوحِ محفوظ ذو نور ہے، چمکتی رہتی ہے۔ بعض نے لوح کے معنی اس ہوا کے کیے ہیں جو ساتوں آسمانوں کے اوپر ہے، واللہ اعلم۔

دوسرا نزول

شب قدر میں قرآن حکیم کو لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا کے ایک مقام ''بیت العزت'' میں اُتارا گیا، آسمانِ دنیا کی جگہ بیت العزت پر نزولِ قرآن کی وجہ سے آسمانِ دنیا کو شرف عظیم حاصل ہوا۔ اس نزول کا تذکرہ سورۃ البقرۃ، سورۃ الدخان اور سورۃ القدر میں کیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ [2]

رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ [3]

ہم نے اس (قرآن) کو ایک مبارک رات میں اُتارا ہے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ [4]

ہم نے اس (قرآن) کو شبِ قدر میں نازل کیا ہے۔

ان تینوں آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآنِ حکیم ایک رات میں نازل ہوا ہے جو بڑی بابرکت ہے۔ اس کا نام ''لیلۃ القدر'' (قدر و منزلت والی رات) ہے اور یہ رمضان المبارک کے آخری عشرے میں واقع ہوتی ہے۔

یہ نزول بھی یکبارگی ہوا تھا۔

---

[1] العظمۃ لابی الشیخ الاصبہانی۔ [2] البقرۃ:١٨٥۔ [3] الدخان:٣۔ [4] القدر:١۔

Marfat.com

یہ دونوں نزول مجموعی شکل میں یکبارگی اور دفعۃً ہوئے، مذکورہ آیات میں تعارض نہیں، کیونکہ لیلۃ مبارکہ اور لیلۃ القدر ایک ہے اور وہ رمضان المبارک میں ہے، لہٰذا بیت العزۃ میں رمضان کے مہینے میں قرآن لیلۃ المبارکہ یا لیلۃ القدر میں اتارا گیا، اسی نزول کو صراحت کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مستدرک حاکم میں اور اسی طرح نسائی اور بیہقی نے بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے۔

نیز مندرجہ بالا آیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرآن کے نزول کا ذکر نہیں ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کلام اللہ کا نزول ایک رات میں نہیں بلکہ تئیس سال کے عرصے میں تھوڑا تھوڑا (حسبِ ضرورت) ہوا۔ لہٰذا مذکورہ آیات میں دوسرے نزول کی طرف اشارہ ہے کیونکہ ان میں قرآن کے ایک ہی رات میں یکبارگی نزول کا ذکر ہے۔

اس دوسرے نزول کے بارے میں چند روایات بھی منقول ہیں:

الف: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ:

قرآن کو ذکر سے جدا کر کے آسمانِ دنیا کے ''بیت العزۃ'' میں رکھ دیا گیا، پھر وہاں سے جبرائیل امین علیہ السلام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر (جستہ جستہ) اُتارنے لگے۔ ثُمَّ نَزَلَ نَجْمًا نَجْمًا وَاٰيَةً اٰيَةً كَانَتْ بِدَفْعَاتٍ لِاَنَّ نُزُوْلَهٗ فِي الْمَوَاقِعِ الْمُخْتَلِفَةِ فِي مُدَّةِ النُّبُوَّةِ۔ [1]

ب: ''شب قدر میں آسمانِ دنیا پر پورے کا پورا قرآن ایک ہی مرتبہ نازل کر دیا گیا۔ پھر اُس کے بعد (زمین پر) بیس سال کے عرصے میں نازل ہوتا رہا۔ [2]

ج: ''قرآن آسمانِ دنیا پر اکٹھا ایک ہی مرتبہ نازل ہوا۔ یہ ''مواقع نجوم'' کے مطابق تھا (یعنی ستاروں کے گرنے کے مقامات، قرآن حکیم کی آیات کو ستاروں سے تشبیہ دی گئی ہے جس طرح ستارے کبھی ٹوٹتے اور کبھی گرتے دکھائی دیتے ہیں، اسی طرح قرآن کی آیتیں اور سورتیں متفرق طور پر مختلف اوقات میں، مختلف مقامات پر نازل ہوتی رہیں، اس متفرق نزول کو ''مواقع النجوم'' سے تعبیر کیا گیا ہے) پھر اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کے بعد پے در پے نازل کرتا

[1] مستدرک حاکم۔ [2] نسائی، بیہقی، حاکم۔ اگرچہ اس روایت میں نزول قرآن کی مدت بیس سال منقول ہے، لیکن دیگر متعدد احادیث میں تیئیس سال کی صراحت ملتی ہے

Marfat.com

رہا، بِحَسْبِ الْمَصَالِحِ وَالْحَوَائِجِ۔[1]

د: عطیہ بن اسود رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کیا:

''اللہ تعالیٰ کے قول: شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ [البقرۃ:۱۸۵]۔ اور اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ نے میرے دل میں خلجان پیدا کر دیا ہے، جب کہ قرآن تو شوال، ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم، صفر اور ربیع وغیرہ میں بھی نازل ہوتا رہا''۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے جواب دیا:

''قرآن سارے کا سارا یکبارگی شبِ قدر میں نازل ہوا، پھر مواقع نجوم کے مطابق آہستہ آہستہ مختلف مہینوں اور دنوں میں نازل ہوتا رہا''۔[2]

تیسرا نزول

حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے آسمانِ دُنیا سے قرآنِ حکیم کے مختلف حصے (آیتوں اور سورتوں کی شکل میں) حاصل کر کے مختلف اوقات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلبِ اطہر پر نازل کئے۔ ذیل کی آیات میں اسی تیسرے نزول کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ. عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ. بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ۔[3]

اسے روح الامین نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں فصیح عربی زبان میں نازل کیا ہے تاکہ آپ تنبیہ کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔

یہ نزول تقریباً تئیس (۲۳) سال میں مکمل ہوا، اور لفظِ قلب سے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ معانی قرآن کا نزول ہوا ہوگا، بلکہ الفاظِ قرآن کا نزول تھا، اس لئے آیتِ مذکور میں قلب کے بعد یہ تصریح کی گئی ہے: بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ، جس میں الفاظ کے نزول کو لسان عربی کہہ کر واضح کیا گیا ہے۔

---

[1] بیہقی، حاکم۔ [2] بیہقی، ابن مردویہ۔ [3] سورۃ الشعراء: ۱۹۳ تا ۱۹۵، مناہل العرفان ج۔۱ص ۴۷۔

Marfat.com

بخلاف دیگر کتبِ سماوی

قرآن کا دو بار دفعی نزول ہوا، اول لوحِ محفوظ میں اور دوم سماء الدنیا کی بیت العزت میں، تیسری بار تدریجی نزول حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلبِ اطہر پر ہوا، بخلاف دیگر کتبِ سماوی کہ ان کا نزول صرف ایک بار دفعۃً کتابی شکل میں ہوا۔

قرآن کیلئے دونوں نزول جمع ہونے کی حکمت

قرآن کے لئے دونوں نزول جمع ہوئے، جس کی حکمت آسمان کے ملائکہ کو قرآن کی آخری کتاب ہونے کی تعلیم تھی یا سماءِ دنیا پر لانے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اشتیاق کو بڑھانا مقصود تھا کہ محبوب چیز کے قریب ہونے سے شوق میں اضافہ ہوتا ہے، یا کمالِ حفاظت اور شک وشبہ کا ازالہ مقصود تھا۔ [1]

آخری کتاب ہونے کی وجہ سے اس کتاب کی حفاظت کا مکمل انتظام مقصود تھا، ایک بار انتظام عمومی کی صورت میں قرآن کو لوحِ محفوظ میں محفوظ کیا گیا، جو حکومتِ الٰہیہ کا مرکزی محافظ خانہ ہے، دوسری مرتبہ بیت العزت میں سماوی حفاظتِ قرآن کا انتظام کیا گیا، تیسری مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلبِ اطہر پر نازل فرما کر آپ کے قلب مبارک میں ارضی حفاظتِ قرآن کا انتظام کیا گیا، پھر امتِ محمدیہ کے قلوب کو قرآن کی طرف مائل کر کے، چوتھی مرتبہ اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ [2] کے وعدہ کے مطابق امت کے سینوں میں حفاظت قرآن کا انتظام ہوا، بعدہ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کو آمادہ کر کے تحریری صورت میں، پانچویں بار حفاظتی انتظام عمل میں لایا گیا۔

جبرائیل علیہ السلام نے قرآنی الفاظ کیسے حاصل کئے؟

اس میں صحیح قول یہ ہے کہ جبرائیل علیہ السلام نے الفاظِ قرآن کو اللہ جل جلالہ سے سن کر حاصل کیا، جیسے بیہقی نے اِنَّآ اَنۡزَلۡنَا کی تفسیر میں تحریر فرمایا ہے، اس کی مؤید طبرانی کی حدیث ہے جو نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً اس

[1] مناہل العرفان، ج:۱۔ [2] الحجر:۹۔

Marfat.com

نے نقل کی ہے:

اِذَا تَكَلَّمَ اللهُ بِالْوَحْيِ اَخَذَتِ السَّمَآءَ وَجْفَةٌ شَدِيْدَةٌ مِّنْ خَوْفِ اللهِ فَاِذَا سَمِعَ اَهْلُ السَّمَآءِ صَعِقُوْا وَخَرُّوْا سُجَّدًا فَيَكُوْنُ اَوَّلُهُمْ يَرْفَعُ رَأْسَهُ جِبْرَئِيْلُ فَيُكَلِّمُهُ اللهُ بِوَحْيِهٖ مَا اَرَادَ فَيَنْتَهِيْ بِهٖ حَيْثُ اُمِرَ [1]

''یعنی جب اللہ تعالیٰ جَلَّ جَلَالُہٗ وحی کے ساتھ کلام کرتا ہے تو آسمان خوفِ الٰہی سے کانپ جاتا ہے اور جب آسمان کے فرشتے سنتے ہیں تو بیہوش ہو کر سجدے میں گر پڑتے ہیں، سب سے پہلے جبرائیل سر اٹھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ جَلَّ جَلَالُہٗ وحی کے ساتھ اس سے کلام کرتا ہے تو وہ جہاں حکم ہوتا ہے وہیں وحی پہنچا دیتا ہے''۔

جبرائیل کی کیفیت تحصیل وحی غیبی معاملہ ہے، جس میں رائے کی گنجائش نہیں، لہٰذا یہی صورت سب سے ارجح ہے [2]۔ اتقان ج:۱، ص:۴۳ میں جبرائیل علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ جَلَّ جَلَالُہٗ سے روحانی القاء یا لوحِ محفوظ سے حاصل کرنا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

منزل الفاظِ قرآن

جس طرح ایک انسان نفسِ کلام ذہن میں رکھتا ہے اور پھر الفاظِ مرتبہ کی شکل میں اس کو ادا کرتا ہے، تو چاہے اس کو لاکھوں انسان پڑھ لیں، وہ مرتّبِ اوّل کا کلام سمجھا جاتا ہے، مثلاً امرءالقیس کا قصیدہ، یا حریری کی مقامات کوئی بھی پڑھ لے لیکن وہ تدوینِ اُولیٰ کے اعتبار سے کلامِ امرءالقیس وحریری سمجھا جائے گا، اسی طرح اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ نے اپنے نفسِ کلام کو الفاظِ قرآن کی شکل میں ظاہر فرمایا، پھر جبرائیل علیہ السلام اور محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم، اور لاکھوں کروڑوں انسانوں نے اس کو پڑھا، لیکن اس کو کلامِ الٰہی کہا جائے گا، نہ کہ کلامِ جبرائیل علیہ السلام یا کلامِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ قرآن میں ہے حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللهِ [3] اور بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ [4] جس سے الفاظِ قرآن کا منجانب اللہ ہونا اور کلامِ الٰہی ہونا واضح طور پر ثابت ہوتا ہے، اگر مضمون کسی اور کا ہو، مثلاً زید کا اور الفاظِ مضمون کسی

---

[1] فتح الباری لابن حجر، ج:۸، ص:۵۳۸، رقم الحدیث: ۴۸۰۰۔ [2] مناہل العرفان ج:۱، ص:۴۰۔ [3] التوبۃ:۶۔ [4] الشعراء:۱۹۵۔

Marfat.com

دوسرے کے ہوں، مثلاً عمرو کے، تو اس کو کلامِ زید نہیں کہا جائے گا بلکہ کلامِ عمرو کہا جائے گا، اس لئے قرآن کے الفاظ ومعانی ہر دو منجانب اللہ ہیں اور قرآن اسی کا مرتب کردہ ہے۔ واللہ اعلم۔

حدیثِ قدسی کی تعریف

حدیثِ قدسی وہ ہے جس کے الفاظ اللہ کی طرف سے ہوں لیکن معجزنہ ہوں، اور نہ ان کے الفاظ کی تلاوت میں وہ ثواب مرتب ہوتا ہو جو قرآن کے ایک ایک حرف پر مرتب ہوتا ہے، اور نہ نماز میں اس کی قرأت مامور ہے۔ [۱]

قرآن اور حدیثِ قدسی کا فرق

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے امام جوینی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے:

قرآن کے الفاظ اور معانی بتوسطِ جبرائیل دونوں منزل من اللہ ہیں اور حدیث میں مضمون من جانب اللہ ہے اور عبارت اور الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہیں۔ [۲]

حدیثِ قدسی اور حدیثِ نبوی میں فرق

علامہ افغانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حدیثِ نبوی اور حدیثِ قدسی دونوں کے مضامین من جانبِ اللہ ہیں، لیکن حدیثِ نبوی کا انتساب الی اللہ معنوی ہے اور اس کا القاء فی الحقیقت من جانب اللہ ہے، لیکن اس کا انتساب صریح الفاظ میں اللہ تعالیٰ کے حوالہ سے بیان نہیں کیا گیا، لیکن حدیثِ قدسی میں امرِ الٰہی کے تحت صریح الفاظ میں اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس کی طرف انتساب بھی ضروری ہوتا ہے، اسی انتسابِ صریح کی وجہ سے حدیثِ قدسی کے الفاظ کی تبدیلی اور روایت بالمعنی جائز نہیں، لیکن حدیثِ نبوی کی جائز ہے بشرطیکہ اصلی معنوں میں فرق نہ آئے، یہی وجہ ہے کہ حدیثِ قدسی کو

---

[۱] مناہل العرفان فی علوم القرآن، ج:۱، ص:۴۴۔ [۲] اتقان، ج:۱، ص:۴۴۔

Marfat.com

حدیث کہا گیا ہے جو الفاظِ نبوی کے لئے مختص ہے، لفظ قُدسی کا اضافہ انتساب صریح کی وجہ سے کیا گیا ہے، جس میں حدیثِ نبوی سے اس کی مزید خصوصیت اور اہمیت کا اظہار مقصود ہے۔ واللہ اعلم۔

حدیثِ قُدسی اور حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

(از شیخ الحدیث دیوبند)

وحی کی تین صورتیں ہیں:

پہلی صورت

یہ ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا کلام لے کر آتے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے اس کی تلاوت کرتے ہیں، وحی کے الفاظ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دل و دماغ میں محفوظ ہو جاتے ہیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس وحی کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے تلاوت کرتے ہیں اور کاتبینِ وحی میں سے جو موجود ہوتا ہے اس کو بلا کر اس وحی کو لکھوا دیتے ہیں، اس وحی میں نہ جبرائیل علیہ السلام کا کچھ دخل ہوتا ہے نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا، یہ قرآن کریم کی وحی ہے اور یہ وحی کی سب سے اعلیٰ صورت ہے۔

دوسری صورت

اللہ تعالیٰ کے یہاں سے ایک مفصل مضمون آتا ہے، الفاظ نہیں آتے، مضمون کا دل میں القاء کیا جاتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس مضمون کو اپنے الفاظ میں تعبیر کرتے ہیں، مثلاً کوئی اردو کتاب کسی انگریزی جاننے والے کو دی جائے کہ اس کا ترجمہ کر دو، تو اس کے مضمون میں کوئی دخل نہیں ہوگا، وہ صرف زبان بدلے گا، وحی کی یہ صورت ''حدیثِ قدسی'' کہلاتی ہے۔ حدیث بایں معنی کہ الفاظ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہیں، اور قدسی بایں معنی کہ مضمون اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی طرف سے آیا ہے۔

Marfat.com

حدیثِ قدسی کی علامت یہ ہے کہ اس کے شروع میں قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى یا عَنِ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى یا اس کے مانند کوئی جملہ ہوتا ہے۔ احادیثِ قدسیہ دوسو (۲۰۰) سے کچھ زیادہ ہیں، ایک کتاب میں وہ جمع بھی کردی گئی ہیں، اور وہ کتاب چھپ بھی گئی ہے، احادیثِ قدسیہ میں احکام نہیں ہیں، وہ مواعظ و رِقاق سے تعلق رکھنے والی روایات ہیں۔

تیسری صورت

تفہیمی وحی یعنی نزولِ قرآن کے ساتھ ہی حکم خداوندی کی تمام حقیقت نبی کریم ﷺ کو سمجھادی جاتی ہے، پھر آپ ﷺ اس خداداد فہم سے موقع بموقع اس حکم کی تفصیل فرماتے ہیں اور اس کی جزئیات بیان کرتے ہیں۔

اس کی مثال یہ ہے کہ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ کے نزول کے ساتھ ہی اقامتِ الصلوٰۃ کا مطلب سمجھادیا، یعنی دو باتوں کی پوری تفصیل سمجھادی، ایک نماز کی حقیقت کیا ہے؟ دوم: اقامت (سیدھا کرنے) کے کیا معنی ہیں؟ یعنی نماز کا اہتمام کس طرح کیا جائے؟ پھر جیسے جیسے مواقع آئے آپ ﷺ نے دونوں باتوں کی تفصیل کی، نماز کے ارکانِ ستہ کو جوڑ کر اس کی ہیئت کذائی بنائی اور ممبر پر چڑھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نماز پڑھ کر دکھلائی، اور اہتمامِ نماز کے لئے مسجدیں بنائیں، مکی دور میں اس کا موقع نہیں تھا، اس لئے آپ ﷺ کسی گھر میں نماز ادا فرماتے تھے، ہجرت کے ساتھ مدینہ پہنچنے سے پہلے قبا میں مسجد بنائی، پھر مدینہ پہنچے تو اونٹنی اسی جگہ بیٹھی جہاں مسجدِ نبوی بنانی تھی، پھر چونکہ مسجد بستی سے دور تھی اس لئے لوگوں کو جماعت کے لئے بلانے کا انتظام کیا اور اذان کا سلسلہ قائم کیا، پھر مدینہ میں محلہ محلہ مسجدیں بنوائیں، جماعت کا نظام بنایا، نماز کے ارکان و شرائط بیان کئے، مستحبات و مندوبات سکھلائے، مکروہات وممنوعات سے واقف کیا۔ یہ سب احادیثِ نبویہ ہیں، حدیث بایں معنی کہ الفاظ نبی ﷺ کے ہیں، اور نبوی بایں معنی کہ مضمون خود نبی کریم ﷺ نے پھیلایا ہے، یہ احکام تفصیل سے نازل نہیں ہوئے، اجمالاً سمجھائے گئے ہیں۔

Marfat.com

وحی حکمی

وحی حکمی یا وحی خفی کا مطلب یہ ہے کہ وہ وحی تو ہے مگر اس کا وحی ہونا آسانی سے سمجھا نہیں جاتا، یہی مطلب وحی حکمی کا بھی ہے، یہ پانچ چیزیں ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خواب، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اجتہاد، اُمت کا اجماع اور اجتہاد (خواہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ہو یا بعد کے مجتہدین کا)۔

در شبستان حراء خلوت گزید

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر چالیس سال کے لگ بھگ ہوئی تو آپ خلوت پسند ہو گئے، شہر سے باہر غار حراء میں تشریف لے جاتے اور عبادت کرتے تھے، ایک دن آپ حسب معمول عبادت میں مصروف تھے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام پہلی وحی لے کر آپ کے پاس آئے اور کہا:

"اِقْرَأْ" (پڑھیے) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "مَا اَنَا بِقَارِیٍٔ" میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں، فرشتے نے آپ کو گلے سے لگا کر زور سے بھینچا پھر چھوڑ دیا اور کہا "اِقْرَأْ"، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہی جواب دیا، تین بار اسی طرح ہوا، آخر اس نے کہا:

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ، اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ، عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ۔[1]

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِن آیتوں کو دہرایا، اس کے بعد فرشتہ واپس چلا گیا اور آپ کانپتے ہوئے دل کے ساتھ گھر لوٹے، رفیقہ حیات سے فرمایا: "زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ مجھے چادر اوڑھا دو، مجھے چادر اوڑھا دو۔" جب طبیعت بحال ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہلیہ محترمہ سے غار میں پیش آنے والا واقعہ ذکر کیا، اُنھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دی پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ساتھ لے کر اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں، جو ایک عیسائی عالم تھے اور آسمانی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا کرتے تھے، انھوں نے فرشتے والا واقعہ سن کر کہا:

---

[1] سورۃ العلق۔

Marfat.com

"یہ وہی ناموس ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کیا تھا، کاش میں اس وقت جوان ہوتا، کاش میں اُس وقت تک زندہ رہتا، جب آپ کو آپ کی قوم اپنے شہر سے نکال دے گی۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انتہائی تعجب سے فرمایا: "(سچ) کیا وہ مجھے شہر سے نکال دیں گے؟" ورقہ نے جواب دیا: "ہاں (بے شک) وہ نکال دیں گے، جب بھی کسی شخص نے ایسی بات کہی جو آپ کہتے ہیں تو لوگ اس کے دشمن ہو گئے، اگر میں اس وقت تک زندہ رہا تو آپ کی بھرپور مدد کروں گا۔" [۱]

جناب ورقہ بن نوفل نے کتبِ سماوی کی روشنی میں فرمایا کہ آپ پر وہی شریعت اُتری ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر اُتری تھی، آپ وہی نبی ہیں جن کی آمد کی خبر گزشتہ کتابوں میں دی گئی تھی، آپ کو بھی انھیں تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑے گا جن سے گزشتہ انبیاء کرام علیہم السلام دوچار ہوئے تھے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری شریف کی مذکورہ بالا حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے:

فَلَمَّا سَمِعَ كَلَامَهُ أَيْقَنَ بِالْحَقِّ وَاعْتَرَفَ بِهِ۔ [۲]

جب ورقہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتیں سنیں تو انھیں حق کا یقین ہو گیا اور اُنھوں نے (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا) اعتراف کیا۔"

اِسی تصدیق کی بنا پر بعض اکابر علماء نے جناب ورقہ بن نوفل کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں شمار کیا ہے۔ اِس پہلی وحی کے بعد تقریباً اڑھائی سال تک کوئی وحی نازل نہ ہوئی، اِس عرصے کو "فترۃ الوحی" (وحی کے رُک جانے کا زمانہ) کہا جاتا ہے۔ اِس مدت کے بعد سورت "المدثر" نازل ہوئی، پھر وحی کا سلسلہ شروع ہو گیا، حالات اور ضرورت کے مطابق قرآن کی سورتیں اور آیتیں اُترتی رہیں، نزولِ وحی کا یہ تسلسل بغیر کسی انقطاع کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرض الوفات تک متواتر جاری رہا، آخری وحی وفات سے نو دن قبل نازل ہوئی، اِس طرح نزولِ قرآن کا عمل تقریباً تیئیس سال کے عرصے میں مکمل ہو گیا۔

[۱] صحیح بخاری، باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ [۲] فتح الباری، کتاب التعبیر، ج ۱۲، ص ۳۱۷۔

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ پر قرآن حکیم کی آیتیں اور سورتیں جس ترتیب سے نازل ہوئیں اُسے باقی رکھنا مقصود نہیں تھا کیونکہ آیاتِ قرآنی حسبِ موقع اور حسبِ ضرورت نازل ہوتی تھیں جنھیں رسول اللہ ﷺ وحی کی روشنی ہی میں اُس ترتیب کے مطابق مرتب فرمالیتے تھے جو ترتیب لوحِ محفوظ میں ملحوظ رکھی گئی تھی۔ آپ ﷺ اپنی تلاوت میں بھی اُسی ترتیب کو پیش نظر رکھتے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی اُسی ترتیب سے لکھنے اور یاد کرنے کی تلقین کیا کرتے تھے۔ رمضان المبارک میں حضرت جبرائیل امین علیہ السلام کے ساتھ اُسی ترتیب کے مطابق دَور کرتے تھے، آپ ﷺ نے اپنے سالِ وفات میں بھی اُسی ترتیب کے مطابق دو دفعہ دَور کیا تھا اِسے ''عرضہ اخیرہ'' کہا جاتا ہے۔[1]

ایک شبہ کا دفعیہ

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۳۹ھ/ ۱۸۲۲ء) تحریر فرماتے ہیں:

یہاں پر ایک شبہ ہے اور وہ یہ ہے کہ نزول قرآن تئیس برس تک ہے اور شروع اس کے نزول کا ربیع الاوّل کے مہینہ میں ہے کہ نبی کریم ﷺ کی عمر شریف کے چالیسویں برس کا شروع تھا اور قرآن مجید میں قرآن کے نازل ہونے کا اشارہ تین معین وقتوں کی طرف فرمایا ہے، ایک تو رمضان شریف، دوسرے شب قدر اور تیسرے شب مبارک کہ بعض علماء کے نزدیک شب برأت ہے یعنی پندرھویں رات شعبان کی۔

اقوالِ مختلفہ میں تطبیق

اس کا جواب روایتوں میں تامّل کرنے کے بعد جو معلوم ہوا ہے وہ یہ ہے کہ نزول قرآن کا لوحِ محفوظ سے بیت العزت میں (کہ وہ ایک جگہ ہے آسمانِ دنیا پر، گھری ہوئی ہے ملائکہ ذی قدر سے) شب قدر میں ہے جو رمضان کے مہینہ میں واقع ہے اور اندازہ اس کے نزول کا اور لوح

---

[1] صحیح بخاری باب کان جبریل یعرض القرآن علی النبی ﷺ۔

Marfat.com

محفوظ کے نگہبانوں کو حکم فرمانا کہ اس کا نسخہ نقل کر کے آسمانِ دنیا پر پہنچا دیں اسی سال کی شبِ برأت میں تھا، اب اس صورت میں تینوں تعبیریں درست ہوئیں یعنی نزولِ حقیقی شب قدر کو رمضان کے مہینہ میں واقع ہوا، اور نزولِ تقدیری اس سے پہلے شب برأت اور پیغمبر ﷺ کی زبان مبارک پر قرآن کا نزول ربیع الاوّل کے مہینہ میں چالیسویں برس کے شروع میں ہے اور تمام ہونا اس کے نزول کا آخر عمر میں، پس تعارض نہ رہا۔[1]

نزولِ قرآن رات میں کیوں ہوا؟

شیخ اسماعیل حقی البروسوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۳۷ھ) تحریر فرماتے ہیں:

فَاِنْ قُلْتَ مَا الْحِكْمَةُ فِيْ اِنْزَالِ الْقُرْاٰنِ لَيْلًا؟ قُلْتُ: لِاَنَّ اَكْثَرَ الْكَرَامَاتِ وَنُزُوْلَ النَّفَحَاتِ وَالْاِسْرَاءَ اِلَى السَّمٰوٰتِ يَكُوْنُ بِاللَّيْلِ وَاللَّيْلُ مِنَ الْجَنَّةِ لِاَنَّهَا مَحَلُّ الْاِسْتِرَاحَةِ وَالنَّهَارُ مِنَ النَّارِ لِاَنَّ فِيْهِ الْمَعَاشَ وَالتَّعَبَ وَالنَّهَارُ حَظُّ اللِّبَاسِ وَ الْفِرَاقِ وَاللَّيْلُ حَظُّ الْفِرَاشِ وَالْوِصَالِ وَعِبَادَةُ اللَّيْلِ اَفْضَلُ مِنْ عِبَادَةِ النَّهَارِ لِاَنَّ قَلْبَ الْاِنْسَانِ فِيْهِ اَجْمَعُ وَالْمَقْصُوْدُ هُوَ حُضُوْرُ الْقَلْبِ۔[2]

اگر تم یہ سوال کرو کہ قرآن مجید کو رات میں نازل کرنے کے اندر کیا حکمت ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ (اگر دیکھا جائے تو) اکثر کرامات وعطیات یا خیرات و برکات کا نزول اور آسمانوں کی طرف اسراء یہ رات ہی میں ہوا ہے، رات جنت کا سماں ہے کہ محلِ راحت و آرام ہے اور دن، دوزخ کا نقشہ پیش کرتا ہے کہ اس میں آدمی حصولِ معاش کے لئے نکلتا اور تعب ومشقت اٹھاتا ہے، دن میں لباس پہنا جاتا ہے اور محبوب سے فراق ہوتا ہے اور رات میں آدمی بستر پر آرام اور محبوب کا وصال حاصل کرتا ہے، رات کی عبادت دن کی عبادت سے افضل ہے کیونکہ رات میں انسان کو جمعیتِ قلبی حاصل ہوتی ہے اور مقصودِ عبادت بھی یہی ہے کہ قلب حاضر ہو۔

[1] تفسیر عزیزی، ص:۴۳۸۔ [2] تفسیر روح البیان، ج:۱۰، ص:۴۸۰۔

Marfat.com

رات افضل ہے یا دن؟

علامہ حقی رحمۃ اللہ علیہ کے اس بیان سے یہ بھی ثابت ہوا کہ رات افضل ہے دن سے، رات کی افضلیت کی بہت سی وجوہات ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ راتوں میں تو ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں سے افضل ہے لیکن دنوں میں کوئی ایسا دن نہیں جو ہزار مہینوں سے افضل ہو۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ قرآن پاک کا نزول لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا پر رات میں ہوا ہے نہ کہ دن میں۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تجلیات کا ظہور رات میں ہوتا ہے، چنانچہ اکثر احادیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر رات کو آخری تہائی حصہ میں آسمانِ دنیا پر نزول فرماتے ہیں۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ واقعہ معراج بھی رات ہی میں پیش آیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ رات ہی افضل ہے۔ پانچویں وجہ یہ ہے کہ رات راحت و آرام اور امن وسلامتی کا وقت ہے۔ ایک وجہ حیوانات کے رات میں ذبح کرنے کے مکروہ ہونے کی یہ بھی ہے۔ احادیث سے مفہوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جہاد میں دشمن پر رات میں حملہ نہیں فرماتے تھے، رات میں سفر کی ترغیب دی گئی ہے کہ اس میں منزل جلدی کٹتی ہے، نکاح و بیاہ کے رات میں کرنے کو پسند کیا گیا ہے۔

نزولِ قرآن کا مطلب

قرآن، اللہ تعالیٰ کی کلام ہے جو ذاتِ الٰہی کے ساتھ قائم ہے تو اس کے نازل کرنے کی یہ شکل ہوگی کہ اللہ پاک ان معنوں پر دلالت کرنے والے حروف اور کلمات کو ایجاد کر کے انہیں لوحِ محفوظ میں ثبت کر دے اور جو حضرات قرآن کے الفاظ ہونے کے قائل ہیں، ان کے نزدیک قرآن کو نازل کرنے کے یہ معنی قرار دیئے جائیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف اُس کو لوحِ محفوظ میں ثبت کر دیا۔ یہ معنی اس لئے بھی زیادہ مناسب ہے کہ دونوں مذکورہ بالا معنی، لغوی معنی ہی سے منقول ہیں۔

یہ ممکن ہے کہ قرآن کے نازل کرنے سے اس کا لوحِ محفوظ میں ثبت ہو چکنے کے بعد پھر آسمانِ دُنیا میں ثبت کیا جانا مراد ہو اور یہ بات دوسرے معنی (مجازی) کے مناسب حال ہے اور رسولوں پر کتاب کے نازل کئے

Marfat.com

جانے سے مراد یہ ہے کہ پہلے فرشتہ اس کو اللہ تعالیٰ جَلَّ جَلَالُہٗ سے روحانی طور پر سیکھتا یا لوحِ محفوظ میں سے یاد کر لیتا ہے، پھر اس کو لے کر رسولوں کے پاس آتا اور انہیں بتاتا ہے۔

بعض علماء کا قول ہے کہ کلام اللہ لفظ اور معنی دونوں کا نام ہے اور جبرائیل عَلَیْہِ السَّلَام نے قرآن کو لوحِ محفوظ سے یاد کرنے کے بعد اُسے نازل کیا۔ بعض حضرات کا بیان ہے کہ لوحِ محفوظ میں قرآن کے حروف اس قدر بڑے بڑے ہیں جن میں سے ہر ایک کوہِ قاف کے برابر ہے اور ان میں سے ہر ایک لفظ کے نیچے اتنے معانی ہیں جن کا احاطہ اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔

اور بیہقی نے اللہ تعالیٰ جَلَّ جَلَالُہٗ کے قول اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ فِیۡ لَیۡلَةِ الۡقَدۡرِ کے معنی میں بیان کیا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ جَلَّ جَلَالُہٗ اس مقام پر یہ مراد لیتا ہے کہ ہم نے قرآن فرشتے کو سنایا اور اس کو بخوبی سمجھا دیا، تو پھر فرشتہ نے جو کچھ سنا تھا سب کو لے کر اسے نازل کیا، پس اس طرح پر فرشتہ محض کلامِ الٰہی کو بلندی سے پستی کی طرف منتقل کرنے والا ٹھہرتا ہے۔ [1]

نزولِ وحی کی قسمیں

وحی بتوسطِ ملک ہوگی یا بالذات، وحی ملکی کی تین قسمیں ہیں:

(۱) وحی تصلصلی: اس میں حقیقتِ جبرئیلیہ ملکیت پر برقرار رہ کر القاء وحی کرتی ہے، جس کو حدیثِ بخاری میں وَهُوَ اَشَدُّهٗ عَلَیَّ کہا گیا، بشریت اور ملکیت میں عدم تجانس کی وجہ سے بھی اس قسم میں شدت ہے اور حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کے عروج الی الملکیۃ کی وجہ سے بھی ہے کہ ذاتِ نبوی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ میں تصرف کیا گیا جو مُوجبِ شدت ہے۔

(۲) وحی تمثلی: جبرائیل انسانی صورت میں متمثل ہو کر القاء وحی کر دے، اس صورت میں جبرائیل عَلَیْہِ السَّلَام نے ملکیت سے بشریت کی طرف تنزل کیا، عام قرآنی وحی ان دونوں صورتوں میں آئی ہے۔

---

[1] الاتقان اردو، ص:۱۰۸۔

Marfat.com

(۳) رَوعی: تیسری قسم رَوعی ہے کہ جبرائیل قلبِ نبوی میں وحی کا القاء کر دے اور قوۃ سامعہ اور کان کو اس سے تعلق نہ ہو[1]۔ یہ تین اقسام بالواسطہ وحی کی ہیں۔

بالذات وحی کی دو قسمیں ہیں

بالذات وحی کی دو قسمیں ہیں، یا بیداری مثلاً جیسے شبِ معراج میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے براہِ راست رسولِ کریم ﷺ کو وحی ہوئی کَمَا فِي الْوَحْيِ لَيْلَةَ الْإِسْرَاءِ مِنْ إِيجَابِ الصَّلٰوةِ الْخَمْسِ وَخَوَاتِيمِ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ، یا خواب میں، جیسے حدیث معاذ میں آیا ہے: أَتَانِي رَبِّي فِي أَحْسَنِ صُوْرَةٍ فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ! قُلْتُ لَبَّيْكَ رَبِّي وَسَعْدَيْكَ. قَالَ فِيْمَ يَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْأَعْلٰى یعنی خواب میں اللہ تعالیٰ میرے پاس آئے اور فرمایا کہ عالمِ بالا کے فرشتے کس چیز میں بحث کرتے ہیں۔[2]

نزولِ وحی کی مختلف صورتیں

سب سے زیادہ ثقیل، بوجھل اور وقیع چیز قرآنِ مجید ہے جو آپ ﷺ کے قلبِ اطہر پر اترا۔ اللہ کے پاک نبی ﷺ پر جب وحی اترتی تو اس کا ایک زبردست بوجھ ہوتا تھا اور ہر سمت سے آواز آتی تھی۔ سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جیسے شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ ہوتی ہے ایسے ہم آواز سنتے تھے، جس کے وزن سے آپ ﷺ کا سانس مبارک اکھڑ جاتا، حالانکہ نبی میں وہ طاقت ہوتی ہے جو ہزاروں انسانوں میں نہیں۔ حضورِ اقدس ﷺ اکثر اوقات چہرہ ڈھانپ لیتے تھے، پیشانی مبارک پر پسینہ آتا اور اس کے قطرے ٹپکنے شروع ہو جاتے۔ دانت مبارک بجنے لگتے، چہرہ مبارک زرد اور سرخ ہو جاتا، اونٹنی پر بیٹھے ہوئے وحی اترتی تو وہ ٹانگیں چیر لیتی، بعض دفعہ ایسا معلوم ہوتا کہ گر پڑے گی۔ اگر آپ ﷺ کے ساتھ کوئی صحابی بیٹھا ہے اور آپ ﷺ کا گھٹنا ان کی ران پر ہے تو ایسے معلوم ہوتا کہ ران کی ہڈی پس جائے گی۔ وحی الٰہی کا بہت زیادہ بوجھ ہوتا، اللہ پاک خود فرما رہے ہیں:

---

[1] اخرجہ الحاکم۔ [2] سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۳۲۳۴۔

Marfat.com

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ
"یعنی یہ قرآن اگر کسی پہاڑ پر اُترتا تو وہ ریزہ ریزہ ہو جاتا"۔[1]

اِس کو صرف نبی کریم ﷺ کا قلب ہی برداشت کر سکتا ہے، اسی وجہ سے ساتوں آسمان و زمین کہنے لگے: "فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا" [2] کہ ہم اس بوجھ کو نہیں اٹھا سکتے۔ اللہ جل جلالہ نے اپنے نبی میں جو طاقت و قوت رکھی ہے وہ ان میں نہیں۔

نزولِ وحی کی سب سے آسان شکل یہ ہوتی تھی کہ کبھی کبھی جبرائیل امین صحابی رسول حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی شکل میں آتے اور کبھی اللہ پاک براہِ راست اپنے نبی ﷺ کے قلب پر ایک مضمون اتارتے، نزولِ قرآن کی یہ مختلف صورتیں ہوتیں تھیں۔

نزولِ قرآن کریم کی کل مدت

نزولِ قرآن کی کل مدت ۲۲ سال ۲ ماہ ۲ دن ہے، جس میں مکی دور ۱۲ سال ۵ ماہ ۱۳ دن پر مشتمل ہے، مدنی دور ۹ سال ۹ ماہ ۹ دن پر مشتمل ہے۔

حضور ﷺ پر پہلی وحی غارِ حرا میں سورۃ العلق کی ابتدائی ۵ آیات ہیں، آپ ﷺ کی عمر مبارک قمری حساب سے ۴۰ سال ۶ ماہ ۱۵ دن تھی، شمسی حساب سے ۳۹ سال ۳ ماہ ۱۶ دن تھی، فلکیات کے بعض ماہرین نے حساب لگایا ہے۔ آپ ﷺ پر وحی نازل ہوئی آدھی رات کے بعد دو ڈھائی بجے کا وقت، شمسی تاریخ ۲۸ جولائی ۶۱۰ء پیر کا دن شروع ہو چکا تھا۔

اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے آپ ﷺ کے قلب اطہر پر سارا قرآن اکٹھا نہیں اتارا، بلکہ تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا ہے۔ کبھی چھوٹی آیت، کبھی بڑی آیت، کبھی چند آیات اور کبھی بڑی سورت آپ ﷺ پر اترتی۔ سب سے بڑی سورت جو ایک ہی مرتبہ آپ ﷺ پر اتری وہ سورۃ الانعام ہے اور سب سے چھوٹا ٹکڑا "غَیْرُ اُولِی الضَّرَرِ" [3] نازل ہوا ہے۔

---

[1] الحشر: ۲۱۔ [2] احزاب: ۷۲۔ [3] النساء: ۹۵۔

Marfat.com

چوبیس ہزار مرتبہ سے زیادہ جبرائیل امین علیہ السلام کی آمد ہوئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو اصلی شکل میں تین مرتبہ دیکھا ہے:

(۱) ایک مرتبہ سدرۃ المنتہیٰ پر (۲) دوسری مرتبہ غارِ حرا پر دیکھا (۳) تیسری مرتبہ جبرائیل علیہ السلام کو اصلی شکل میں اس وقت دیکھا جب آپ محلہ اجیاد میں تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرائیل امین علیہ السلام سے فرمایا کہ مجھے اپنی اصلی شکل دکھاؤ، حضرت جبرائیل علیہ السلام کے چھ سو (۶۰۰) پَر ہیں، جن میں سے دو پَروں کو کھولا تو مشرق و مغرب کو ڈھانپ لیا، یہ منظر دیکھ کر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بے ہوش ہو گئے۔ [1]

فوائدِ عظیمہ

ف ۱: سیدنا جبرائیل علیہ السلام قرآن کریم لوحِ محفوظ سے آسمانِ دُنیا کے بیت العزت پر لائے اور سفرۃ یعنی ملائکہ کاتبین کو املاء کرایا۔ بیت العزت لوحِ محفوظ کے بعد اشرف المقامات السماویہ میں سے ہے، اسی وجہ سے بعض علماء نے فرمایا آسمانِ دُنیا باقی سموات سے فائق ہے کیونکہ آسمانِ دُنیا وحی ربانی کا مستقر ٹھہرا، نیز شرف مکان بوجہ شرفِ مکین کے ہے، سلطان کا نزول پاکیزہ ترین جگہ پر ہوتا ہے۔

ف ۲: تدریجاً قرآنِ کریم کے نزول میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ہے۔ مُہدِی مُہدیٰ الیہ کی طرف ہدایا غلاموں کے ذریعہ وقتاً فوقتاً بھیجتا رہا ہے، نیز تدریجاً اتارنے میں یاد کرنے میں آسانی ہے کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ۔ [2]

ف ۳: قرآنِ کریم دو چیزوں کا نام ہے اَلنَّظْمُ وَالْمَعْنٰی جَمِیْعًا۔

سیدنا جبرائیل علیہ السلام قرآنِ کریم کے الفاظ کے ساتھ سنت و حکمت بھی آپ علیہ السلام پر اُتارتے تھے کَمَا قَالَ تَعَالٰی: اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ. فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ. ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ [3]

ف ۴: الفاظ جو اتارے گئے اس میں کمالِ اعجاز ہے، تا قیامت کوئی بھی اس کا تبدل نہیں ...

---

[1] التفسیر المظہری، ج:۶، ص:۴۵۱، ط: رشیدیہ، کوئٹہ۔ [2] الفرقان: ۳۲۔ [3] القیمۃ: ۱۷، ۱۸، ۱۹۔

جلالہ کی طرف سے تحدّی ہو چیلنج ہے

ف ۵: قرآنِ کریم نہ صرف الفاظ کا نام ہے اور نہ صرف معانی جو آقا علیہ السلام نے بیان کئے ان کا نام ہے بلکہ دونوں چیزیں الفاظ اور معانی دونوں مقصود بالذات ہیں، معانی بھی وہی معتبر ہونگے جو شارع علیہ السلام نے بیان کئے، جو سنت کہلاتے ہیں۔

ف ۶: کبھی حدیث و سنت میں توافق ہوتا ہے، کبھی حدیث ہوتی ہے سنت نہیں اور کبھی سنت ہے حدیث نہیں مثلاً خلفاء راشدین کی جاری کردہ سنتیں، سنت ہیں حدیث نہیں، جیسے جمع القرآن، تراویح با جماعت، لغتِ قریش پر اجماع، مسلمانوں میں لڑائی ہو جائے تو کسی فریق کو باندی بنانے کا اختیار نہیں ہوتا۔

خود آقا علیہ السلام کا فرمان: عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ وَتَمَسَّكُوا بِهَا [1] بِهِمَا نہیں کہا کیونکہ حضور علیہ السلام کی سنت اور خلفاء راشدین کی سنت ایک چیز ہے۔ الطَّرِيقَةُ الْمَسْلُوكَةُ فِي الدِّينِ، جو چیز حضور علیہ السلام کے زمانے میں تھی اور آپ علیہ السلام کے بعد قانونی شکل اختیار کر گئی۔

ف ۷: إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ [2] میں خدائی حفاظت تا قیامت الفاظِ قرآن اور معانی (معانی) دونوں کی ذمہ داری مالک الملک نے اپنے ذمہ لی ہے۔

ف ۸: سوال: جب قرآنِ کریم لوحِ محفوظ سے بیت العزۃ پر اُتار دیا گیا تو تمام فرشتے کیوں بے ہوش ہو گئے؟

جواب: حضور علیہ السلام کی آمد علاماتِ قیامت میں سے ہے، جو کتاب اُتاری گئی وہ آخری ہے، یہ اُمت آخری، اس کے بعد جہان کی بساط لپیٹ دی جائے گی اور قیامت کا آنا اور اس کا ہولناک منظر بے ہوش کر دینے والا ہے۔

بعض روایات میں آیا ہے اللہ تعالیٰ جل جلالہ کا خطاب فارسی یعنی عبرانی اور سریانی میں ہو تو خطابِ رحمت ہے اور خطاب عربی میں ہو تو یہ عتاب ہے، اس لئے ملائکہ جب عربی سنی تو سمجھے گئے کہ یوم الفصل آ رہا ہے،

[1] سنن ابوداود، رقم الحدیث: ۴۶۰۷۔ [2] الحجر: ۹۔

[illegible] کا عذاب [illegible] لیے کہ ۹۹۹ جہنم میں اور ایک جنت میں جانا ہے [illegible] [illegible] فرماتا [illegible] صحف ابراہیم علیہ السلام رمضان کی پہلی رات کو اترے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحف کے ۷۰۰ سال بعد ۶ رمضان کو تورات اتری۔ پھر تورات کے ۴۸۵ سال بعد ۱۲ رمضان کو داؤد علیہ السلام پر زبور اتری۔ پھر نزولِ زبور کے ۱۲۰۰ سال بعد ۱۸ رمضان المبارک کو سیدنا عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل اُتری تھی اور قرآن مجید لیلۃ القدر میں اتارا گیا ہے۔

نزولِ قرآن کے مقاصدِ ثلاثہ

حضرت مفتی محمد شفیع قدس اللہ سرہ نے نزولِ قرآن کے تین مقاصد کو کس قدر حسین طریقے سے بیان کیا، حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا میں تشریف لانے کے مقاصد یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدۂ نبوت و رسالت کے فرائضِ منصبی تین بیان کیے گئے ہیں، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ [1]

یعنی ایک تلاوتِ آیات، دوسرے تعلیمِ کتاب و حکمت، تیسرے لوگوں کا تزکیۂ اخلاق وغیرہ۔

پہلا مقصد تلاوتِ آیات

یہاں پہلی بات قابلِ غور ہے کہ تلاوت کا تعلق الفاظ سے ہے اور تعلیم کا معانی سے، یہاں تلاوت و تعلیم کو الگ الگ بیان کرنے سے یہ حاصل ہوا کہ قرآن کریم میں جس طرح معانی مقصود ہیں، اس کے الفاظ بھی مستقل مقصود ہیں، ان کی تلاوت و حفاظت فرض اور اہم عبادت ہے۔ یہاں یہ بات بھی قابلِ نظر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بلاواسطہ شاگرد اور مخاطبِ خاص حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے جو عربی زبان کے نہ صرف

---

[1] البقرۃ: ۱۲۹

Marfat.com

جاننے والے بلکہ اس کے فصیح وبلیغ خطیب اور شاعر بھی تھے۔ ان کے سامنے قرآن عربی کا پڑھ دینا بھی بظاہر ان کی تعلیم کے لئے کافی تھا، ان کو الگ سے ترجمہ وتفسیر کی ضرورت نہ تھی، تو پھر تلاوت کو ایک علیحدہ مقصد اور تعلیمِ کتاب کو جداگانہ دوسرا مقصدِ رسالت قرار دینے کی کیا ضرورت تھی؟ جبکہ عمل کے اعتبار سے یہ دونوں مقصد ایک ہی ہوجاتے ہیں، اس میں غور کیا جائے تو دو اہم نتیجے آپ کے سامنے آئیں گے:

اوّل یہ کہ قرآن کریم دوسری کتابوں کی طرح ایک کتاب نہیں جس میں صرف معانی مقصود ہوتے ہیں، الفاظ ایک ثانوی حیثیت رکھتے ہیں، ان میں اگر معمولی تغیر وتبدّل بھی ہوجائے تو کوئی حرج نہیں سمجھا جاتا، ان کے الفاظ بغیر معنی سمجھے ہوئے پڑھتے رہنا بالکل لغو وفضول ہے۔

جبکہ قرآن کریم کے جس طرح معانی مقصود ہیں اسی طرح الفاظ بھی مقصود ہیں، اور الفاظِ قرآن کے ساتھ خاص خاص احکامِ شرعیہ بھی متعلق ہیں، یہی وجہ ہے کہ اصولِ فقہ میں قرآن کریم کی یہ تعریف کی گئی ہے کہ **هُوَ النَّظْمُ وَالْمَعْنٰى جَمِيْعًا** ''یعنی قرآن نام ہے الفاظ اور معنی دونوں کا'' جس سے معلوم ہوا کہ اگر معانی قرآن کو الفاظِ قرآن کے علاوہ دوسرے الفاظ یا دوسری زبان میں لکھا جائے تو وہ قرآن کہلانے کا مستحق نہیں، اگرچہ مضامین بالکل صحیح اور درست ہی ہوں، ان مضامینِ قرآنیہ کو بدلے ہوئے الفاظ میں اگر کوئی شخص نماز میں پڑھ لے، تو نماز ادا نہ ہوگی، اسی طرح وہ تمام احکام جو قرآن سے متعلق ہیں، اس پر عائد نہیں ہوں گے۔

قرآن کریم کی تلاوت کا جو ثواب احادیث صحیحہ میں وارد ہے، وہ بدلی ہوئی زبان یا بدلے ہوئے الفاظ پر مرتّب نہیں ہوگا اور اسی لئے فقہائے اُمّت نے قرآن کریم کا صرف ترجمہ بلا متن قرآن کے لکھنے اور چھاپنے کو ممنوع فرمایا ہے۔ جس کو عرف میں اردو کا قرآن یا انگریزی کا قرآن کہہ دیا جاتا ہے، کیونکہ درحقیقت جو قرآن اردو یا انگریزی میں نقل کیا گیا وہ قرآن کہلانے کا مستحق نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرائضِ منصبی میں تعلیمِ کتاب سے علیحدہ تلاوتِ آیات کو جداگانہ فرض قرار دے کر اس کی طرف اشارہ کردیا کہ قرآن کریم میں جس طرح اس کے معانی مقصود ہیں، اسی طرح اس کے الفاظ بھی مقصود ہیں، کیونکہ تلاوت الفاظ کی ہوتی ہے، معانی کی نہیں، اسی لئے جس طرح رسول

Marfat.com

کے فرائض میں معانی کی تعلیم داخل ہے، اسی طرح الفاظ کی تلاوت اور حفاظت بھی ایک مستقل فرض ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ قرآن کریم کے نزول کا اصل مقصد اس کے بتائے ہوئے نظامِ زندگی پر عمل کرنا اور اس کی تعلیمات کو سمجھنا اور سمجھانا ہے، محض اس کے الفاظ رَٹ لینے پر قناعت کر کے بیٹھ جانا قرآن کریم کی حقیقت سے بے خبری اور اس کی بے قدری ہے۔

قرآن کریم کے الفاظ کی قراءت بھی موجب ثوابِ عظیم ہے

لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ کہنا کسی طرح صحیح نہیں کہ جب تک قرآن کریم کے الفاظ کے معانی نہ سمجھے، طوطے کی طرح اس کے الفاظ پڑھنا فضول ہے، یہ میں اس لئے واضح کر رہا ہوں کہ آج کل بہت سے حضرات قرآن کریم کو دوسری کتابوں پر قیاس کر کے یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک کسی کتاب کے معنی نہ سمجھیں تو اس کے الفاظ کا پڑھنا، پڑھانا وقت ضائع کرنا ہے، مگر قرآن کریم کے متعلق ان کا یہ خیال صحیح نہیں ہے، کیونکہ قرآن الفاظ اور معنی دونوں کا نام ہے، جس طرح ان کے معانی کا سمجھنا اور اس کے دیئے ہوئے احکام پر عمل کرنا فرض اور اعلیٰ عبادت ہے، اسی طرح اس کے الفاظ کی تلاوت بھی ایک مستقل عبادت اور ثوابِ عظیم ہے۔

یہی وجہ ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو معانی قرآن کو سب سے زیادہ جاننے والے اور سمجھنے والے تھے، انہوں نے محض معنی سمجھ لینے اور عمل کر لینے کو کافی نہ سمجھا، سمجھنے اور عمل کرنے کے لئے تو ایک مرتبہ پڑھ لینا کافی ہوتا ہے، انہوں نے ساری عمر تلاوتِ قرآن کو حرزِ جان بنائے رکھا۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم روزانہ ایک قرآن مجید ختم کرتے تھے، بعض دو دن میں اور اکثر حضرات تین دِن میں ختمِ قرآن کے عادی تھے اور ہر ہفتہ میں قرآن ختم کرنے کا تو پوری اُمت کا معمول رہا ہے۔ قرآن کریم کی سات منزلیں اسی ہفتہ واری معمول کی علامت ہیں۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ عمل بتلا رہا ہے کہ جس طرح قرآن کے معانی کا سمجھنا اور عمل کرنا اصلی عبادت ہے، اسی طرح اس کے الفاظ کی تلاوت بھی بجائے خود ایک اعلیٰ عبادت اور موجبِ انوار و

Marfat.com

برکات حاصل ہوں، مقصد یہ ہے کہ تلاوت بذات خود ایک مقصد ہے۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض میں تلاوت آیات کو ایک مستقل حیثیت دی گئی ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو مسلمان قرآن کے معانی نہیں سمجھتے وہ اس کی تلاوت ترک نہ کریں بلکہ الفاظ کی تلاوت جاری رکھیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کی بھی کوشش کرتے رہنا ضروری ہے کہ وہ قرآن مجید کے معانی کو سمجھیں تاکہ قرآن کریم کے حقیقی انوار و برکات کا مشاہدہ کریں اور نزولِ قرآن کا اصلی مقصد پورا ہو، قرآن کو معاذ اللہ جنتر منتر کی طرح صرف جھاڑ پھونک میں استعمال کی چیز نہ بنائیں اور بقول اقبال مرحوم کے کہ ان کا کام صرف یہ نہ رہ جائے کہ کسی کے مرنے کے وقت سورۂ یٰسین پڑھ دیں تاکہ جان آسانی سے نکل جائے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اس آیت میں فرائض رسول صلی اللہ علیہ وسلم بیان کرتے ہوئے تلاوتِ آیات کو ایک مستقل فرض کی حیثیت دی گئی ہے جس سے یہ ثابت ہوا کہ قرآن کریم کے الفاظ کی تلاوت اور ان کی حفاظت اور ان کو ٹھیک ٹھیک ادا کرنا ایک مستقل فرض ہے۔

دوسرا مقصد، تعلیمِ کتاب

اسی طرح تلاوتِ آیات کے فرض کے ساتھ تعلیمِ کتاب کو جداگانہ فرض قرار دینے سے ایک دوسرا اہم نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن فہمی کے لئے صرف عربی زبان کا جان لینا کافی نہیں بلکہ تعلیمِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ضرورت ہے، جیسے کہ تمام علوم و فنون میں یہ بات معلوم و مشاہد ہے کہ محض کسی فن کی کتاب کے مفہوم کو سمجھنے کے لئے اس کی زبان جان لینا کافی نہیں ہوتا جب تک اس فن کو کسی ماہر استاد سے حاصل نہ کیا جائے، مثلاً آج کل ڈاکٹری کی کتابیں انگریزی زبان میں ہیں مگر ہر شخص جانتا ہے کہ محض انگریزی زبان میں مہارت پیدا کر لینے اور ڈاکٹری کی کتابوں کا مطالعہ کر لینے سے کوئی شخص ڈاکٹر نہیں بن سکتا۔ انجینئرنگ کی کتابیں پڑھ کر کوئی انجینئر نہیں بن سکتا۔ یہ تمام فنون تو اپنی جگہ ہیں، معمولی کام بھی محض کتاب کے مطالعہ سے نہیں سیکھے جا سکتے، آج تک صنعت و حرفت کی کوئی

کتابیں لکھی ہوئی ہیں، تصاویر کے ذریعے کام سکھانے کے طریقے بتائے ہیں، لیکن ان کتابوں کو دیکھ کر نہ کوئی درزی بنتا ہے نہ باورچی یا لوہار، اگر محض زبان دانی یا کتاب بینی کسی فن کے حاصل کرنے کے لئے اور ان کی کتاب سمجھنے کے لئے کافی ہوتا تو دُنیا کے سب فنون اس شخص کو حاصل ہو جاتے جو ان کتابوں کی زبان جانتا ہے۔

اب ہر شخص غور کر سکتا ہے کہ معمولی فنون اور اُن کے سمجھنے کے لئے جب محض زبان دانی کافی نہیں، تعلیمِ استاذ کی ضرورت ہے تو مضامین قرآن جیسے علوم الٰہیہ جو طبعیات و فلسفہ تک تمام گہرے دقیق علوم پر مشتمل ہیں، وہ محض عربی زبان جان لینے سے کیسے حاصل ہو سکتے ہیں؟ اور اگر یہ ہوتا تو جو شخص عربی زبان سیکھ لے وہ معارفِ قرآن کا ماہر سمجھا جائے، تو آج بھی ہزاروں یہودی اور نصرانی عرب ممالک میں عربی زبان کے بڑے ماہر ادیب ہیں، وہ بھی سب سے بڑے مفسر قرآن مانے جاتے، اور عہدِ رسالت ﷺ میں ابو جہل، ابولہب قرآن کے ماہر سمجھے جاتے۔

غرض یہ ہے کہ قرآن کریم نے ایک طرف تو رسول کریم ﷺ کے فرائض میں تلاوتِ آیات کو ایک مستقل فرض قرار دیا، دوسری طرف تعلیمِ کتاب کو جداگانہ فرض قرار دے کر بتلا دیا کہ محض تلاوتِ آیات کا سُن لینا فہم قرآن کے لئے عربی زبان جاننے والوں کے واسطے بھی کافی نہیں، بلکہ تعلیمِ رسول ﷺ کے ذریعہ قرآنی تعلیم کا صحیح علم حاصل ہو سکتا ہے۔

قرآن کی تعلیم کو تعلیمِ رسول ﷺ سے جدا کر کے خود سمجھنے کی فکر خود فریبی کے سوا کچھ نہیں، اگر مضامینِ قرآنی کو بتلانے سکھانے کی ضرورت نہ ہوتی تو رسول ﷺ کو بھیجنے کی کوئی حاجت نہ تھی، اللہ جل شانہٗ کی کتاب کسی دوسری طرح بھی انسانوں تک پہنچائی جا سکتی تھی، مگر اللہ تعالیٰ جل جلالہ علیم و حکیم ہیں، وہ جانتے ہیں کہ مضامینِ قرآنی کی تعلیم و تفہیم کے لئے دُنیا کے دوسرے علوم و فنون سے زیادہ تعلیمِ استاد کی ضرورت ہے اور یہاں عام استاد بھی کافی نہیں بلکہ ان مضامین کا استاد صرف وہ شخص ہو سکتا ہے جس کو حق تعالیٰ شانہٗ سے بذریعہ وحی شرف ہمکلامی حاصل ہو، جس کو اسلام کی اصطلاح میں نبی و رسول کہا جاتا ہے۔ اس لئے قرآن کریم میں رسول اللہ ﷺ کو دنیا میں بھیجنے کا مقصد یہ قرار دیا کہ وہ قرآن کریم کے معانی و احکام کی شرح کر کے بیان فرمائیں، ارشاد ہے: [illegible]

Marfat.com

لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيۡهِمۡ [۱]

''یعنی ہم نے آپ ﷺ کو اس لئے بھیجا ہے کہ آپ لوگوں کے سامنے اللہ جل جلالہ کی نازل کردہ آیات کے مطالب بیان فرمائیں''۔

تعلیمِ حکمت

تعلیمِ کتاب کے ساتھ آپ ﷺ کے فرائض میں دوسری چیز تعلیمِ حکمت بھی رکھی گئی ہے، حکمت کے عربی زبان کے اعتبار سے اگرچہ کئی معنی ہو سکتے ہیں، لیکن اس آیت میں اور اس کے ہم معنی دوسری آیات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ نے حکمت کی تفسیر سنتِ رسول اللہ ﷺ سے کی ہے، جس سے واضح ہوا کہ رسولِ کریم ﷺ کے ذمہ جس طرح معانی قرآن کا سمجھانا و بتلانا فرض ہے اسی طرح پیغمبرانہ تربیت کے اصول و آداب جن کا نام سنت ہے، ان کی تعلیم بھی آپ ﷺ کے فرائضِ منصبی میں داخل ہے اور اسی لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

اِنَّمَا بُعِثۡتُ مُعَلِّمًا ''میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں''۔ [۲]

اور یہ ظاہر ہے کہ جب آپ ﷺ کا مقصدِ وجود معلم ہونا ہے تو آپ ﷺ کی اُمت کا مقصدِ وجود متعلم اور طالبِ علم ہونا لازم ہو گیا، اس لئے ہر مسلمان مرد و عورت بحیثیت مسلمان ہونے کے ایک طالب علم ہونا چاہیے جس کو تعلیماتِ رسولِ کریم ﷺ کی لگن ہو، اگر علومِ قرآن و سنت کی مکمل تحصیل اور اس میں مہارت کے لئے ہمت و فرصت نہیں ہے تو کم از کم بقدرِ ضرورت علم حاصل کرنے کی فکر چاہیے۔

تیسرا مقصد، تزکیہ

تیسرا فرض آنحضرت ﷺ کے فرائضِ منصبی میں تزکیہ ہے، جس کے معنی ہیں ''ظاہری و باطنی نجاسات سے پاک کرنا''، ظاہری نجاسات سے تو عام مسلمان واقف ہیں، باطنی نجاسات کفر اور شرک، غیر اللہ پر اعتمادِ کلی اور اعتقادِ فاسد، نیز تکبر و حسد، بغض، حُبِّ دُنیا وغیرہ ہیں۔ اگرچہ علمی طور پر قرآن و سنت کی تعلیم میں ان سب

[۱] النحل: ۴۴۔ [۲] صحیح مسلم، المعجم الکبیر للطبرانی۔

Marfat.com

چیزوں کا بیان آ گیا ہے، لیکن تزکیہ کو آپ ﷺ کا جداگانہ فرض قرار دے کر اس کی طرف اشارہ کر دیا گیا کہ جس طرح محض الفاظ کے سمجھنے سے کوئی فن حاصل نہیں ہوتا، اسی طرح نظری و علمی طور پر فن حاصل ہو جانے سے اس کا استعمال اور کمال حاصل نہیں ہوتا جب تک کسی مربی کے زیرِ نظر اس کی مشق کر کے عادت نہ ڈالے۔ سلوک و تصوّف میں کسی شیخ کامل کی تربیت کا یہی مقام ہے کہ قرآن و سنت میں جن احکام کو علمی طور پر بتلایا گیا ہے، اُن کی عملی طور پر عادت ڈالی جائے۔

ہدایت واصلاح کے دوسلسلے، کتاب اللہ اور رجال اللہ

اب اس سلسلے کی دو باتیں اور قابلِ نظر ہیں:

اوّل یہ کہ اللہ جل شانہٗ نے ابتداءِ آفرینش سے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لئے ہمیشہ ہر زمانے میں خاتم الانبیاء ﷺ تک دو سلسلے جاری رکھے ہیں، ایک آسمانی کتابوں کا، دوسرے اس کی تعلیم دینے والے رسولوں کا۔ جس طرح محض کتاب نازل فرما دینے کو کافی نہیں سمجھا، اسی طرح محض رسولوں کو بھیجنے پر بھی اکتفا نہیں فرمایا، بلکہ دونوں سلسلے برابر جاری رکھے۔ اللہ جل شانہٗ کی اس عادت اور قرآنِ کریم کی شہادت نے قوموں کی صلاح و فلاح کے لئے ان دونوں سلسلوں کو یکساں طور پر جاری فرما کر ایک بڑے علم کا دروازہ کھول دیا کہ انسان کی صحیح تعلیم و تربیت کے لئے نہ صرف کتاب کافی ہے، نہ کوئی مربی انسان، بلکہ ایک طرف آسمانی ہدایات اور الٰہی قانون کی ضرورت ہے جس کا نام کتاب یا قرآن ہے، دوسری طرف ایک معلم اور مربی انسان کی ضرورت ہے جو اپنی تعلیم و تربیت سے عام انسان کو آسمانی ہدایات سے روشناس کر کے ان کا خوگر بنائے، کیونکہ انسان کا اصلی معلم انسان ہی ہوسکتا ہے۔ کتاب معلم یا مربی نہیں ہوسکتی، ہاں تعلیم و تربیت میں معین و مددگار ضرور ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جس طرح اسلام کی ابتداء ایک کتاب اور ایک رسول سے ہوئی اور ان دونوں کے امتزاج نے ایک صحیح اور اعلیٰ مثالی معاشرہ دنیا میں پیدا کر دیا، اسی طرح آگے آنے والی نسلوں کے لئے بھی ایک طرف

Marfat.com

شریعت مطہرہ اور دوسری طرف رجال اللہ کا تسلسل رہا۔ قرآن کریم فرقان حمید نے جگہ جگہ اس کی ہدایتیں دی ہیں، ایک جگہ ارشاد ہوا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ [1]

"اے ایمان والو! اللہ ﷻ سے ڈرو اور صادقین کے ساتھ ہو جاؤ۔"

دوسری جگہ صادقین کی تعریف اور اوصاف بیان کر کے فرمایا:

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۭ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ [2]

"اور یہی لوگ سچے ہیں، اور یہی ہیں پرہیزگار"۔

پورے قرآن کا خلاصہ سورۂ فاتحہ ہے، اور سورۂ فاتحہ کا خلاصہ صراطِ مستقیم کی ہدایت ہے۔ یہاں بھی صراط مستقیم کا پتہ دینے کے لئے بجائے اس کے کہ صراط القرآن یا صراط الرسول یا صراط السنۃ فرمایا جاتا، اللہ والے لوگوں کا پتہ دیا گیا کہ ان سے صراطِ مستقیم حاصل کی جائے، ارشاد ہوا:

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّاۗلِّيْنَ

یعنی صراطِ مستقیم ان لوگوں کا راستہ ہے جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا ہے نہ کہ ان لوگوں کا جو گمراہ ہو گئے۔

دوسری جگہ ان کی مزید تعیین اور توضیح فرما دی جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا ہے:

فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاۗءِ وَالصّٰلِحِيْنَ [3]

تو وہ ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین۔

اسی طرح رسول کریم ﷺ نے اپنے بعد کے لئے کچھ حضرات کے نام متعین کر کے دینی معاملات میں ان کا اتباع کرنے کی ہدایت فرمائی، ترمذی کی صحیح حدیث ہے

[1] التوبہ:۱۱۹۔ [2] البقرہ:۱۷۷۔ [3] النساء:۶۹۔

Marfat.com

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ مَا إِنْ أَخَذْتُمْ بِهِ لَنْ تَضِلُّوا كِتَابَ اللهِ وَعِتْرَتِي أَهْلَ بَيْتِي [1]

اے لوگو! میں تمہارے لئے اپنے بعد میں دو چیزیں چھوڑتا ہوں، ان دونوں کو مضبوطی سے تھامے رہو گے تو تم گمراہ نہ ہوگے، ایک کتاب اللہ، دوسری میری اولاد اور اہل بیت۔

سنن ترمذی ہی کی حدیث میں یہ بھی ہے:

اِقْتَدُوا بِاللَّذَيْنِ مِنْ بَعْدِي أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ [2]

"یعنی میرے بعد ابوبکر (رضی اللہ عنہ) اور عمر (رضی اللہ عنہ) کی اتباع کرو۔"

ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا:

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ [3]

"میرے طریقہ کو اختیار کرو اور خلفائے راشدین کے طریقہ کو۔"

خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرآن کریم کی ان ہدایات اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ قوموں کی اصلاح و تربیت کے لئے ہر قرن ہر زمانے میں دو چیزیں ضروری ہیں، قرآنی ہدایات اور ان کے سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کا سلیقہ حاصل کرنے کے لئے ماہرینِ شریعت اور اللہ والوں کی تعلیم و تربیت اور اگر مختلف علوم و فنون اور ان کے سیکھنے سکھانے کے طریقوں پر ناقدانہ نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ اصولِ تعلیم و تربیت کچھ دین اور دینیات ہی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ تمام علوم و فنون کی صحیح تحصیل اسی پر دائر ہے کہ ایک طرف ہر فن کی بہترین کتابیں ہوں تو دوسری طرف ماہرین کی تعلیم و تربیت، ہر علم و فن کی ترقی اور تکمیل کے یہی دو بازو ہیں، لیکن دین اور دینیات میں ان دونوں بازوؤں سے فائدہ اُٹھانے میں بہت سے لوگ افراط و تفریط کی غلط روش پر پڑ جاتے ہیں، جس کا نتیجہ بجائے فائدہ اُٹھانے کے نقصان اور بجائے اصلاح کے فساد ہوتا ہے۔

[1] ترمذی۔ [2] سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۳۶۶۲۔ [3] سنن ابوداود، رقم الحدیث: ۴۶۰۷۔

Marfat.com

بعض لوگ کتاب اللہ کو نظر انداز کر کے صرف علماء و مشائخ ہی کو قبلہ مقصود بنا لیتے ہیں اور ان کے متبع شریعت ہونے کی تحقیق نہیں کرتے، اور یہ اصلی مرض یہود و نصاریٰ کا ہے کہ:

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ [1]

یعنی ان لوگوں نے اپنے علماء و مشائخ کو اللہ جل جلالہ کے سوا اپنا معبود اور قبلہ مقصود بنا لیا۔

ظاہر ہے کہ یہ راستہ شرک و کفر کا ہے اور لاکھوں انسان اس راستہ میں برباد ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں بعض وہ لوگ بھی ہیں جو علومِ قرآن و حدیث کے حاصل کرنے میں کسی معلم و مربی کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں صرف اللہ جل جلالہ کی کتاب کافی ہے، نہ ماہر علماء کی ضرورت، نہ تربیت یافتہ مشائخ کی حاجت۔ یہ دوسری گمراہی ہے، جس کا نتیجہ دِین و ملت سے نکل کر نفسانی اغراض کا شکار ہونا ہے، کیونکہ ماہرین کی امداد و اعانت کے بغیر کسی فن کا صحیح حاصل ہو جانا انسانی فطرت کے خلاف ہے، ایسا کرنے والا یقیناً غلط فہمیوں کا شکار ہوتا ہے، اور یہ غلط فہمی بعض اوقات اس کو دین و ملت سے بالکل نکال دیتی ہے۔

اس لئے ضرورت اس کی ہے کہ ان دو چیزوں کو اپنے اپنے مقامات اور حدود میں رکھ کر ان سے فائدہ اُٹھایا جائے، یہ سمجھا جائے کہ حکم اصلی صرف ایک وحدہٗ لاشریک لہٗ کا ہے، اطاعت اصل میں اسی کی ہے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس پر عمل کرنے اور کرانے کا ایک ذریعہ ہیں، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت بھی محض اسی نظر سے کی جاتی ہے کہ وہ بعینہٖ اللہ جل شانہٗ کی اطاعت ہے۔ ہاں اس کے ساتھ قرآن و حدیث کے سمجھنے میں اور ان کے احکام پر عمل کرنے میں جو علمی یا عملی مشکلات سامنے آئیں اس کے لئے ماہرین کے قول و فعل سے امداد لینے کو سرمایہ سعادت و نجات سمجھنا ضروری ہے۔

تعلیماتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی مجموعی حیثیت سے قیامت تک محفوظ رہیں گی

آیت مذکورہ میں رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرائضِ منصبی میں تعلیمِ کتاب کو داخل فرمانے سے ایک دوسرا فائدہ یہ

[1] التوبہ: ۳۱۔

Marfat.com

بھی حاصل ہوتا ہے کہ جب قرآن فہمی کے لئے تعلیمِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ضروری ہے اور اس کے بغیر قرآن پر صحیح عمل ناممکن ہے تو جس طرح قرآن قیامت تک محفوظ ہے، اس کا ایک ایک زیر و زبر محفوظ ہے، ضروری ہے کہ تعلیماتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی مجموعی حیثیت سے قیامت تک باقی اور محفوظ رہیں، ورنہ محض الفاظِ قرآن کے محفوظ رہنے سے نزولِ قرآن کا اصلی مقصد پورا نہ ہوگا، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ تعلیماتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہی ہیں جن کو سنت یا حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہا جاتا ہے، اس کی حفاظت کا وعدہ اللہ جل شانہٗ کی طرف سے اگرچہ اس درجہ میں نہیں ہے جس درجہ کی حفاظت قرآن کے لئے موعود ہے:

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰـفِظُوۡنَ [1]

''ہم نے قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں''۔

جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس کے الفاظ اور زیر و زبر تک بالکل محفوظ چلے آئے ہیں، اور قیامت تک اسی طرح محفوظ رہیں گے، سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے الفاظ اگرچہ اس طرح محفوظ نہیں لیکن مجموعی حیثیت سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کا محفوظ رہنا آیتِ مذکورہ کی رُو سے لازمی ہے۔ اور بحمد اللہ آج تک وہ محفوظ چلی آتی ہیں، جب کسی طرف سے اس میں رخنہ اندازی یا غلط روایات کی آمیزش کی گئی، ماہرینِ سنت نے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ نکھار کر رکھ دیا اور قیامت تک یہ سلسلہ بھی اسی طرح رہے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

> میری اُمت میں قیامت تک ایسی جماعت اہلِ حق اور اہلِ علم قائم رہے گی جو قرآن و حدیث کو صحیح طور پر محفوظ رکھے گی اور اُن میں ڈالے گئے ہر رخنہ کی اصلاح کرتی رہے گی۔

اصلاحِ انسان کیلئے تعلیمِ صحیح کے ساتھ اخلاقی تربیت بھی ضروری ہے

تزکیہ کو تعلیم سے جدا کر کے مستقل مقصدِ رسالت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرض منصبی قرار دینے میں اس طرف اشارہ ہے کہ تعلیم کتنی ہی فصیح ہو، محض تعلیم سے عادۃً اصلاحِ اخلاق نہیں ہوتی، جب تک کسی تربیت یافتہ مربی

---

[1] الحجر:۹۔

اسکے زیر نظر عملی تربیت حاصل نہ کرتے، کیونکہ تعلیم کا کام درحقیقت سیدھا اور صحیح راستہ بتا دینا ہے مگر ظاہر ہے کہ منزل مقصود تک پہنچنے کیلئے محض راستہ جان لینا تو کافی نہیں، جب تک اس پر قدم نہ اٹھائے اور راستہ نہ چلے اور ہمت کا نسخہ بجز اہل ہمت کی صحبت اور اطاعت کے اور کچھ نہیں ہے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ جاننے سمجھنے کے بعد بھی یہ حالت ہوتی ہے کہ [illegible]

[illegible]

[illegible] طبیعت [illegible] ادھر [illegible]

عمل کی ہمت وتوفیق کسی کتاب کے پڑھنے یا سمجھنے سے پیدا نہیں ہوتی، اس کی صرف ایک ہی تدبیر ہے کہ اللہ والوں کی صحبت اور ان سے ہمت کی تربیت حاصل کرنا ہے اسی کا نام تزکیہ ہے۔ قرآن کریم نے تزکیہ کو مقاصدِ رسالت میں ایک مستقل مقصد قرار دے کر تعلیماتِ اسلام کی نمایاں خصوصیت کو بتلایا ہے کیونکہ محض تعلیم اور ظاہری تہذیب تو ہر قوم اور ہر ملت میں کسی نہ کسی صورت میں کامل یا ناقص طریق پر ضروری سمجھی جاتی ہے، ہر مذہب وملت اور ہر سوسائٹی میں اس کو انسانی ضروریات میں داخل سمجھا جاتا ہے لیکن اسلام کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس نے صحیح اور مکمل تعلیم پیش کی جو انسان کی انفرادی زندگی سے لے کر عائلی پھر قبائلی زندگی اور اس سے آگے بڑھ کر سیاسی وملکی زندگی پر حاوی ہے اور بہترین نظام کی حامل ہے جس کی نظیر دوسری اقوام وملل میں نہیں پائی جاتی۔ اس کے ساتھ تزکیہ اخلاق اور باطنی طہارت ایک ایسا کام ہے جس کو عام اقوام اور سوسائٹیوں نے سرے سے نظر انداز کر رکھا ہے، انسانی لیاقت واستعداد کا معیار اس کی تعلیمی ڈگریاں سمجھی جاتی ہیں، انہی ڈگریوں کے وزن کے ساتھ انسانوں کا وزن گھٹتا بڑھتا ہے، اسلام نے تعلیم کے ساتھ تزکیہ کا ضمیمہ لگا کر تعلیم کے اصل مقصد کو پورا کر دکھایا [illegible]

جو خوش نصیب حضرات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر تعلیم رہے ہیں تعلیم کے ساتھ ساتھ ان کا باطنی تزکیہ بھی

[illegible]

Marfat.com

ہوتا گیا، اور جو جماعت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیر تربیت تیار ہوئی، ایک طرف اُنکی عقل و دانش اور علم و حکمت کی گہرائی کا یہ عالم تھا کہ ساری دُنیا کے فلسفے اس کے سامنے گرد ہو گئے، تو دوسری طرف ان کے تزکیہ باطنی اور تعلق مع اللہ اور اعتماد علی اللہ کا یہ درجہ تھا جو خود قرآن کریم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا:

وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا [1]

اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت اور آپس میں رحمدل ہیں، تم انہیں رکوع سجدہ کرتے ہوئے دیکھو گے، وہ اللہ کا فضل اور اس کی رضامندی تلاش کرتے ہیں۔

یہی وجہ تھی کہ وہ جس طرف چلتے تھے فتح و نصرت اُن کے قدم چوم لیتی تھی، تائیدِ ربانی ان کے ساتھ ہوتی تھی، اُن کے محیر العقول کارنامے جو آج بھی ہر قوم و ملت کے ذہنوں کو مرعوب کئے ہوئے ہیں وہ اسی تعلیم و تزکیہ کے اعلیٰ نتائج ہیں۔ آج دنیا میں تعلیم کو بہتر بنانے کے لئے نصابوں کی تبدیلی و ترمیم پر تو سب لوگ غور کرتے ہیں، لیکن تعلیم کی روح کو درست کرنے کی طرف عام طور پر توجہ نہیں دی جاتی کہ مدرّس اور معلّم کی اخلاقی حالت اور مصلحانہ تربیت کو دیکھا جائے، اس پر زور دیا جائے، اس کا نتیجہ ہے کہ ہزار کوششوں کے بعد بھی ایسے مکمل انسان پیدا نہیں ہوتے جن کے عمدہ اخلاق دوسروں پر اثر انداز ہوں اور دوسروں کی تربیت کر سکیں۔

یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ اساتذہ جس علم و عمل اور اخلاق و کردار کے مالک ہوں گے ان سے پڑھنے والے طلبہ زیادہ سے زیادہ انہی جیسے پیدا ہو سکیں گے، اس لئے تعلیم کو مفید اور بہتر بنانے کیلئے نصابوں کی تدوین و ترمیم سے زیادہ اس نصاب کے پڑھانے والوں کی علمی و عملی و اخلاقی حالات پر نظر ڈالنا ضروری ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس دنیا سے تشریف لے جانے سے پہلے تعلیم کتاب و حکمت کا یہ مقام تھا کہ دُنیا کے سارے فلسفے قرآن کے سامنے ماند ہو چکے تھے، توریت و انجیل کے تحریف شدہ صحائف افسانہ بن چکے تھے، قرآنی اصول کو عزت و شرف کا معیار مانا جاتا تھا۔ تزکیہ کا یہ عالم تھا کہ ساری بداخلاقیوں کے مرتکب افراد

[1] الفتح: ۲۹۔

Marfat.com

تہذیبِ اخلاق کے معلم بن گئے، بداخلاقیوں کے مریض نہ صرف صحت یاب بلکہ کامیاب معالج اور مسیحا بن گئے، جو رہزن تھے رہبر بن گئے، غرض بت پرست لوگ ایثار و ہمدردی کے مجسمے بن گئے، تندخوئی اور جنگ جوئی کی جگہ نرمی اور صلح جوئی نظر آنے لگی، چور اور ڈاکو، لوگوں کے اموال کے محافظ بن گئے۔

الغرض حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے جن مقاصد کے لئے دُعا فرمائی اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا تھا، وہ تینوں مقصد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک ہی میں نمایاں طور پر کامیاب ہوئے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تو ان کو مشرق سے مغرب اور جنوب سے شمال تک ساری دنیا میں عام کر دیا۔ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِيْنَ۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆

Marfat.com

کتابت وتدوینِ قرآن

کتابتِ قرآن

نزولِ قرآن کے وقت اگرچہ عرب میں پڑھے لکھے لوگوں کی تعداد کم تھی اور لکھنے پڑھنے کا بھی کوئی خاص دستور نہیں تھا،لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے قرآن کو لکھوانے کا خصوصی اہتمام فرمایا، جوں ہی کوئی آیت یا سورت نازل ہوتی آپ کاتب کو بلا بھیجتے اور جو چیز بھی آسانی سے میسر آجاتی اُس پر وحی کو قلم بند کرادیتے تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر سب سے پہلے جو وحی نازل ہوئی اُس میں عَلَّمَ بِالْقَلَمِ (اُس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا) کے الفاظ ہیں۔

قرآن حکیم کے اندر اِس امر کی متعدد شہادتیں موجود ہیں کہ اس کتاب کو شروع ہی میں لکھنے کا اہتمام کرلیا گیا تھا، مثلاً:

الف: وَقَالُوْا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِیَ تُمْلٰی عَلَیْهِ بُكْرَةً وَّاَصِیْلًا [1]

اور کافروں نے کہا کہ یہ اگلے وقتوں کے افسانے ہیں جو اِس (پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے کسی سے لکھوالئے ہیں، اور اس کے سامنے صبح وشام یہی لکھوائے جارہے ہیں۔

ب: لَا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ قرآن حکیم کو پاک صاف لوگوں کے سوا کوئی نہ چھوئے۔[2]

چھونا اور ہاتھ لگانا لکھی ہوئی چیز، کاغذ، پارچہ، کتاب وغیرہ کے لئے ہوتا ہے، غیر مکتوب اور زبانی پڑھے جانے والے کلام کے لئے چھونا اور مس کرنا چہ معنی دارد؟

ج: رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ یَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً (البینۃ:۲) اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پاکیزہ صحیفے پڑھ سناتا ہے۔

''صحیفہ'' لکھی ہوئی چیز کو کہا جاتا ہے، یہ لفظ ''کتاب'' کا ہم معنی ہے، جو مضمون ضبطِ تحریر میں نہیں آیا وہ ''صحیفہ'' کیوں ہونے لگا؟

---

[1] الفرقان:۵۔ [2] الواقعہ:۷۹۔

Marfat.com

حدیث کی کتابوں میں اس مضمون پر مشتمل بہت سی احادیث وروایات پائی جاتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن حکیم کولکھوانے کا خصوصی اہتمام فرمایا اور اول سے آخر تک مکمل وحی کو دورِ نبوت ہی میں قلم بند کرلیا گیا تھا:

۱۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب یہ آیت وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ إِلَى اللهِ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اِسے (سورۂ بقرۃ میں) آیتِ رِبا اور آیتِ مُداینہ کے درمیان لکھو اور یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میرے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور کہا کہ اِس آیت کو سورۂ بقرۃ کی آیت نمبر ۲۸۰ کے بعد لکھو۔[1]

اِس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن حکیم کو لکھنے اور لکھوانے کا حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا تھا۔

۲۔ کتب حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد متعدد مقامات پر ملتا ہے:

لَا تَكْتُبُوا عَنِّيْ شَيْئًا غَيْرَ الْقُرْآنِ ''مجھ سے قرآن کے علاوہ (کوئی دوسری بات) نہ لکھو''۔[1] صحیح مسلم، مسند احمد بن حنبل وغیرہ۔

اِس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دورِ نبوت میں قرآن حکیم کو لکھا جاتا تھا۔

۳۔ رسول اللہ ﷺ نے لکھے ہوئے قرآن کو دیکھ کر پڑھنے کا ثواب، زبانی تلاوت کرنے سے زیادہ بتایا ہے:

قِرَاءَتُكَ نَظَرًا تُضَاعَفُ عَلَى قِرَاءَتِكَ ظَاهِرًا كَفَضْلِ الْمَكْتُوبَةِ عَلَى النَّافِلَةِ[2]
''دیکھ کر تلاوت کرنے کو زبانی تلاوت کرنے پر وہی فضیلت حاصل ہے جو فرض کو نفل پر''۔

ناظرہ اور دیکھ کر تلاوت اسی وقت ممکن ہے جب قرآن مکتوبی شکل میں ہو۔

۴۔ مختلف روایات اور آثار بتاتے ہیں کہ وحی کے آغاز ہی سے اسے قلم بند کرنے کا انتظام کرلیا گیا تھا، رسول اللہ ﷺ نے اپنی باقاعدہ تبلیغ کا آغاز ربیع الاول ۴ نبوی سے کیا تھا، ابتدائی چار مسلمانوں کے بعد حضرت خالد بن سعید اموی رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا، اُن کی بیٹی کا بیان ہے کہ سب سے پہلے ''بِسْمِ اللهِ

[1] تفسیر البحر المحیط، علامہ ابن حبان اندلسی، ج ۲، ص ۳۴۱ تحت تفسیر سورۃ البقرۃ آیت ۲۸۱۔ [2] کنز العمال ج ۱، ص ۵۱۶، رقم الحدیث ۲۳۰۵۔

Marfat.com

الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" میرے باپ نے لکھی تھی گویا یہ قرآن کی کتابت کا پہلا دن تھا۔[۱]

۵۔ ۳ربیع الاول ۱۱ھ کو رسول اللہ ﷺ پر آخری وحی نازل ہوئی اِسے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے قلم بند کیا تھا۔[۲]

۶۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب آیت لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ نازل ہوئی تو نبی اکرم ﷺ نے مجھ سے فرمایا: "ذرا زید (بن ثابت) کو میرے پاس بلا لا اور وہ اپنے ساتھ تختی دوات اور (اونٹ کے شانے کی چوڑی) ہڈی لیتا آئے۔" (جب زید حاضر خدمت ہوئے تو) آپ ﷺ نے فرمایا: "لکھ، لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ ......"۔[۳]

۷۔ کاتب وحی حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

"میں رسول اللہ ﷺ کے لیے وحی لکھا کرتا تھا۔ جب آپ ﷺ پر وحی نازل ہوتی تو آپ کو سخت گرانی ہوتی، بہت پسینہ آتا، موتی کی طرح قطرے ٹپکتے تھے، جب یہ کیفیت ختم ہو جاتی تو میں (اونٹ کے شانے کی) ہڈی لے کر حاضر ہوتا۔ آپ ﷺ املا کراتے اور میں لکھتا چلا جاتا، جب لکھنے سے فارغ ہوتا تو وحی کی گرانی کی وجہ سے میرے پاؤں کی یہ حالت ہوتی کہ گویا ابھی چور چور ہو جائے گا اور میں کبھی چل نہیں سکوں گا، جب وحی کی کتابت مکمل ہوتی تو آپ ﷺ فرماتے "اِسے پڑھ" میں آپ کو پڑھ کر سناتا، اگر کوئی غلطی محسوس ہوتی تو آپ ﷺ اُس کی اصلاح فرماتے۔ پھر میں اِس نوشتے کو لوگوں کے پاس لے جاتا تھا۔"[۴]

۸۔ "طبقات القراء" کے فاضل مصنف لکھتے ہیں:

"نبی اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے کلام کو حضرت جبرائیل علیہ السلام سے جیسا سنا ویسا امت تک بغیر کسی کمی بیشی کے پہنچایا اور کاتبانِ وحی کو لفظاً اور معنًی (دونوں طرح) لکھوا دیا۔ کیا ہی خوب تھی یہ رسالت (پیغام

---

[۱] الاصابہ فی تمیز الصحابہ، حافظ ابن حجر ج ۲، ص ۹۱۔ [۲] تاریخ القرآن، صارم ص ۲۸۔ [۳] صحیح بخاری، تفسیر سورۃ آل عمران، باب کاتب النبی ﷺ۔
[۴] مجمع الزوائد ج ۱، ص ۶۰۔

Marfat.com

رسانی)، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کچھ لوگ ایسے تھے جنھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرآن کی کچھ سورتیں سن کر زبانی یاد کیں، کچھ اصحاب نے لکھ کر حفظ کیں، کچھ افراد ایسے بھی تھے جو اپنے دوستوں سے سن کر قرآن یاد کیا کرتے تھے پھر اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سنا دیا کرتے تھے، ان میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو آپ کو کہیں کہیں سے قرآن سناتے تھے، (یعنی انھیں ابھی مکمل قرآن یاد نہیں ہوا تھا)۔

رہے وہ اصحاب جنھوں نے مکمل قرآن حفظ کیا اور پورے کا پورا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سنایا، وہ شرفاء کی ایک جماعت ہے، ان میں وہ سات قاری بھی شامل ہیں جو قراءت کے امام ہیں، جن کی سندوں سے لوگ قرآن پڑھتے ہیں، ان کا ذکر قراءت کی کتابوں میں اولین حیثیت سے کیا جاتا ہے، (ان کے نام حسب ذیل ہیں):

۱۔ حضرات علی بن ابی طالب ۲۔ عثمان بن عفان ۳۔ ابی بن کعب ۴۔ عبداللہ بن مسعود ۵۔ ابو موسی اشعری ۶۔ زید بن ثابت انصاری ۷۔ اور ابو درداء رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ [۱]

۹۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

''ایک دفعہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرد حلقہ بنا کر بیٹھے لکھ رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ قسطنطنیہ اور رومیہ میں سے پہلے کون سا شہر فتح ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا: نہیں بلکہ پہلے ہرقل کا شہر فتح ہوگا۔'' [۲]

حلقہ بنا کر جو کچھ لکھا اور لکھوایا جا رہا تھا وہ قرآن تھا کیونکہ اِس کے سوا دوسری تحریروں پر پابندی تھی۔

۱۰۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر (قرآن کی) متعدد سورتیں نازل ہوا کرتی تھیں، جب بھی کچھ (کلام) نازل ہوتا آپ کاتبانِ وحی کو بلا کر فرماتے کہ اِن آیتوں کو فلاں فلاں سورت میں درج کر دو''۔ [۳]

[۱] طبقات القراء، بحوالہ تاریخ القرآن، علامہ عبداللطیف رحمانی ص ۶۹، ۷۰۔ [۲] سنن دارمی ج ۱، ص ۱۲۶۔ [۳] جامع ترمذی، سنن ابی داود، سنن نسائی، مسند احمد بن حنبل، صحیح ابن حبان، مستدرک حاکم۔

Marfat.com

اِن روایات اور آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر جب بھی کوئی سورت یا آیت نازل ہوئی آپ ﷺ نے اُسے محفوظ کرنے کا اہتمام کیا، جو لوگ زبانی یاد رکھ سکتے تھے اُنھیں حفظ کرایا اور دوسروں کے لیے لکھوانے کا بندوبست کیا۔ اِس اہتمام کی بدولت وحی لکھنے والوں کی ایک جماعت تیار ہوگئی، آپ اُن کے نوشتے پڑھوا کر سنتے اور جہاں کوئی غلطی محسوس فرماتے تو اُس کی اصلاح بھی کرا دیتے، پھر اُن سے دوسرے لوگ نقل کرتے، اِس طرح جوں جوں قرآن نازل ہوتا گیا، سینوں اور صحیفوں میں محفوظ ہوتا چلا گیا۔

کاتبانِ وحی

نبی اُمّی حضرت محمد ﷺ نے جن خوش نصیبوں سے وحی لکھوانے کی خدمت لی تھی اُن کی تعداد عام طور پر پینتیس اور چالیس کے لگ بھگ بیان کی جاتی ہے لیکن تاریخ کے صفحات کھنگالنے سے کچھ مزید ناموں کا علم ہوا ہے اور تعداد چونسٹھ تک جا پہنچی ہے۔[1]

سامانِ کتابت

دورِ نبوت میں جزیرۃ العرب میں کاغذ کی شدید قلت تھی، پڑھے لکھے لوگ عموماً اپنی تحریریں حسب ذیل اشیاء پر لکھتے تھے:

۱۔	ادیم	چمڑا، جانور کی صاف شدہ کھال۔
۲۔	جرید	کھجور کی شاخ جس سے پتے الگ کردیئے گئے ہوں۔
۳۔	حریر	ریشمی کپڑا۔
۴۔	خزف	ٹھیکری، مٹی کے پکے ہوئے برتن۔
۵۔	رق	باریک چمڑا، ہرن کی کھال۔
۶۔	رقعہ	چمڑے، کپڑے اور کاغذ کے ٹکڑے۔

---

[1] ابن اثیر، التاریخ الکامل۔

Marfat.com

۷۔ عسیب — بمعنی جرید، کھجور کی شاخ۔

۸۔ قتب — پالان کی لکڑی۔

۹۔ قرطاس — کاغذ۔

۱۰۔ قضیم — سفید رنگ کا چمڑا۔

۱۱۔ کتف — اونٹ یا بکری کے شانے کی چوڑی ہڈی۔

۱۲۔ لخفۃ — پتھر کی تختی۔

۱۳۔ لوح — لکڑی یا پتھر کی تختی۔

اِن اشیاء میں سے نزول قرآن کے دوران جو چیز آسانی سے میسر آتی اُس پر وحی قلم بند ہوتی رہی۔[1] اگر کبھی کاغذ کا کوئی ٹکڑا مل گیا تو اس پر بھی وحی لکھی گئی، دورِ صدیقی میں یہ چیز عرب میں نسبۃً زیادہ دستیاب ہونے لگی تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مکمل وحی کو کاغذ پر لکھوا کر کتابی شکل میں ڈھالا اور اُسے ''مصحف'' کا نام دیا گیا۔

قرآن کی حفاظت کا مکمل انتظام کیا گیا

قرآن چونکہ خالق کائنات کی آخری کتاب ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی محفوظیت کا مکمل انتظام فرمایا، عالَم بالا میں تو اس کو لوحِ محفوظ اور بیت العزت میں محفوظ کیا اور زمین پر اس کی حفاظت کے دو انتظامات کئے گئے، حفاظتِ صدری یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اُمت کے قلب و دماغ میں اس کو محفوظ کرنا، جس کو قرآن نے خود ذکر کیا ہے، بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ نزولِ قرآن کے وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام کے پڑھنے اور تلاوت کرنے کے ساتھ ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی پڑھتے جاتے تھے تا کہ وحی قرآنی محفوظ رہے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ [2]

[1] الجامع لاحکام القرآن، علامہ قرطبی ج ۱، ص ۷ ۳، صحیح بخاری باب جمع القرآن، فتح الباری، ابن حجر عسقلانی ج ۹، ص ۱۴۔ [2] القیامۃ: ۱۶، ۱۷۔

Marfat.com

"(اے پیغمبر!) تم اس قرآن کو جلدی جلدی یاد کرنے کیلئے اپنی زبان کو ہلایا نہ کرو۔
یقین رکھو کہ اس کو یاد کرانا اور پڑھوانا ہماری ذمہ داری ہے۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ خاموش ہو کر سنتے تھے اور اسی طرح یاد ہو جاتا، پھر دوسروں کو پہنچا دیتے تھے، اسی طرح قرآن کی آیت سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰی "کہ ہم پڑھائیں گے تجھ کو، پھر تو نہ بھولے گا"، اس میں حفظ قرآن کا وعدہ کیا گیا، اسی طرح اُمت کے سینوں میں قرآن کی حفاظت کا تذکرہ بھی قرآن میں موجود ہے:

بَلْ هُوَ اٰيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ [1]

"قرآن کی کھلی آیتیں ہیں جو اہلِ علم کے سینوں میں موجود ہیں"

صدری حفاظت کا انتظام

چونکہ قدرتِ الٰہی نے اس آخری کتاب کی صدری حفاظت کا سامان فرمانا تھا اس لئے نزول قرآن کیلئے اوّلاً ایسی قوم کو منتخب فرمایا جو تمام اقوام سے اپنی قوتِ حافظہ میں لاجواب تھی، ان کے سینے قومی واقعات اور قبائلی انساب کے خزانے تھے اور جو ایک بار سینکڑوں اشعار کا قصیدہ سن لیتے تھے تو پورا قصیدہ دِل و دماغ پر نقش ہو کر یاد ہو جاتا تھا، جس پر عرب کی تاریخ شاہد ہے، پھر چونکہ وہ اُمّی قوم تھی تو ان کی ہر سنی ہوئی بات کے باقی رکھنے کا مدار صرف حافظے پر تھا، ان کی اس جبلی اور فطری قوتِ حافظہ کو اسلام اور قرآن نے جلا بخشی اور اس میں کافی اضافہ ہوا، اس کے علاوہ عرب کے لئے قرآن کو محفوظ رکھنے، ان کی دلچسپی اور شوق بڑھانے کیلئے دیگر اسباب اور محرکات بھی جمع ہوئے، جس نے ان کی پوری قوۃ حافظہ کو، ذہن و دماغ کو حفظِ قرآن کی طرف بیش از بیش متوجہ کر دیا، جو حسبِ ذیل ہیں:

محرکِ اوّل

عرب کی زندگی سادہ تھی، پر تکلف نہ تھی، اس لئے ان کی ضروریات معاش بہت مختصر تھے جن کے لئے مزید کدوکاوش اور جدوجہد کی ضرورت نہ تھی، جو کچھ موجود تھا اس پر قناعت کرتے اور اس سے زیادہ کی طلب ان کو

---

[1] العنکبوت:۴۹۔

Marfat.com

نہ تھی، جس کی وجہ سے ان کی زندگی فارغ تھی اور حفظ قرآن کے لئے ان کو کافی فراغت حاصل تھی، جس میں وہ وقت کا اکثر حصہ صرف کر سکتے تھے اور وقت بھی حفظ کیلئے ایک ضروری سبب اور محرک ہے۔

محرکِ دوم

قرآن اور وحی الٰہی کے ساتھ ان کو فوق العادت محبت تھی اور عشق تھا اور محبت ایک چیز کے جذب کرنے اور حاصل کرنے کا سب سے بڑا محرک ہے، جوان کو حفظِ قرآن پر عاشقانہ انداز میں آمادہ کرتا تھا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبتِ قرآن سے تاریخی واقعات پُر ہیں، جس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں، جب ایک چیز کے یاد کرنے کے ساتھ ایک قوی الحافظہ قوم کو عاشقانہ محبت قائم ہو جاتی ہے تو وہ اس چیز کو جلد حفظ کر لیتی ہے۔

محرکِ سوم

تیسرا محرک قرآن کا تعجب انگیز اور حیرت افزا معجزانہ رنگ تھا، بالخصوص جب کہ تمام فصحا اور بلغا اس کی مثل لانے سے عاجز آ گئے تھے، اسی معجزانہ رنگ نے بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں کو حفظ قرآن کی طرف کھینچا، کیونکہ انسانی فطرت ہے کہ وہ ہر عجیب وغریب اور بے مثال چیز کو یاد کرنے کی کوشش کرتا ہے، لہٰذا اس محرک نے بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قلوب کو حفظِ قرآن کی طرف جھکایا اور وہ ہمہ تن اس کے یاد کرنے میں مصروف ہوئے اور قرآن کے حیرت انگیز اعجاز نے ان میں حفظ قرآن کے لئے شدید جذبہ اور زبردست تڑپ پیدا کی۔

محرکِ چہارم

حدیث میں علم وعمل وحفظِ قرآن کی ترغیب دی گئی ہے، جس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایمان اور یقین کامل تھا، اس درجہ کا یقین کہ قرآن وحدیث کے احکام پر عمل کرنے کے لئے وہ جان تک قربان کر سکتے تھے اور اس کو بڑی کامیابی سمجھتے تھے، تو جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رب تعالیٰ کی ترغیبی آیات مثلاً:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ [1]

---

[1] فاطر: ۲۹۔

Marfat.com

''جو لوگ اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں، اور جنہوں نے نماز کی پابندی کر رکھی ہے، اور ہم نے انہیں جو رزق دیا ہے، اُس میں سے وہ (نیک کاموں میں) خفیہ اور اعلانیہ خرچ کرتے ہیں، وہ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جو کبھی نقصان نہیں اُٹھائے گی''۔

اسی طرح

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ [1]

''(اے پیغمبر!) یہ ایک بابرکت کتاب ہے جو ہم نے تم پر اس لئے اتاری ہے کہ لوگ اس کی آیتوں پر غور و فکر کریں، اور تاکہ عقل رکھنے والے نصیحت حاصل کریں''۔

کو سن لیتے تو یقیناً ان میں آتش شوق بھڑک اُٹھتی تھی، صحیح مسلم کی حدیث ہے، بروایت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ:

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ [2]

''تم میں سے بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور دوسروں کو سکھائے''۔

اور ترمذی کی حدیث ہے بروایت ابن مسعود رضی اللہ عنہ:

''مَنْ قَرَءَ حَرْفًا مِّنَ الْقُرْاٰنِ فَلَهٗ بِهٖ حَسَنَةٌ وَّالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا لَا اَقُوْلُ الٓمٓ حَرْفٌ بَلْ اَلِفٌ حَرْفٌ وَلَامٌ حَرْفٌ وَمِيْمٌ حَرْفٌ''۔ [3]

جس نے کتاب اللہ کا ایک حرف پڑھا اسے اس کے بدلے ایک نیکی ملے گی اور ایک نیکی دس گنا بڑھا دی جائے گی، میں نہیں کہتا ''الم'' ایک حرف ہے، بلکہ ''الف'' ایک حرف ہے، ''لام'' ایک حرف ہے اور ''میم'' ایک حرف ہے۔

جس میں قرآنی الفاظ کے ایک ایک حرف پر دس نیکیوں کے اجر و ثواب مل جانے کا وعدہ کیا گیا ہے، اس ترغیب سے صحابہ کے شوق پر کیا اثر پڑا ہوگا، ایسی بہت سی آیات و احادیث در بارہ علم و عمل و حفظِ قرآن موجود ہیں، جن کی ترغیبات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے حفظ قرآن کی طرف متوجہ کرنے کا باعث ہوئیں اور انہوں نے حفظ قرآن میں پوری زندگی لگا دی۔

---

[1] ص:۲۹۔ [2] صحیح بخاری، رقم الحدیث:۵۰۲۷۔ [3] ترمذی:۲۹۱۰۔

Marfat.com

محرکِ پنجم

قرآن کریم حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کیلیے دین و دنیا کی نجات کا واحد ذریعہ تھا اور وہ اپنی دین و دنیا کی کل کامیابیوں کو قرآن سے وابستہ سمجھتے تھے، تو جس چیز کو وہ اپنے دین و دنیا کے فوائد کا سرچشمہ اور مرکز جانتے تھے، ان کے لئے یہ تصور ان کو حفظ قرآن پر آمادگی کا بہت بڑا محرک ہوتا تھا جو ان کے دلوں میں حفظِ قرآن کا عشق پیدا کرتا تھا۔

محرکِ ششم

قرآن حکیم کو وہ نماز میں پڑھتے تھے، تراویح میں سناتے تھے، زندگی کے معاملات میں اس کے مطابق فیصلہ کرتے تھے، عقائد، عبادات، اخلاق و اعمال میں اس کی ہدایت پر چلتے تھے، اس وقت کی اسلامی سوسائٹی میں قرآن کا حفظ عزت و شرف کا ذریعہ تھا، یہ تمام اُمور اس امر کے محرک بنے کہ وہ حفظِ قرآن کا پورا اہتمام رکھیں۔

حفظِ قرآن اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

ان گزشتہ محرکات کا اثر تھا کہ حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حفظِ قرآن کی طرف پوری توجہ مبذول کی، قبائل عرب دُور دراز سے مسافت طے کر کے حفظِ قرآن کے لئے مدینہ پہنچتے تھے اور قرآن حفظ کرتے تھے اور خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حفاظ و قراء قرآن کی جماعتیں قبائل میں بھیجا کرتے تھے کہ ان کو قرآن حفظ کرادیں۔

صفر ۴ ہجری میں ابو براء کی درخواست پر اہلِ نجد کی تعلیمِ قرآن اور تبلیغ کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے منذر بن عمرو ساعدی رضی اللہ عنہ کی امارت میں ستر قاریوں کو روانہ کیا جو عامر بن طفیل کی غداری سے بجز دو حضرات منذر بن محمد رضی اللہ عنہ اور عمرو بن اُمیہ رضی اللہ عنہ کے، سب کے سب شہید کردیئے گئے، حرام بن طحان رضی اللہ عنہ نے بوقت قتل، جب نیزہ ان کے پار ہوا، یہ کہا: اَللّٰہُ اَکْبَرُ فُزْتُ وَرَبِّ الْکَعْبَۃِ "اللہ اکبر! کعبہ کے پروردگار کی قسم میں کامیاب ہوگیا"۔

اسی جماعت کا نام سریۃ القراء تھا، اس سے حفاظ و قراء قرآن کی کثرت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔[1]

[1] فتح الباری، ج:۷، ص:۲۹۶، زرقانی، ج:۲، ص:۷۴۔

Marfat.com

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے طبقات القرا میں مشہور سات قراء وحفاظ کا نام لیا ہے جن تک قراء کی سند قرأت پہنچتی ہے، وہ یہ ہیں:

۱۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ۔ ۲۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔

۳۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ۔ ۴۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔

۵۔ حضرت سالم رضی اللہ عنہ۔ ۶۔ حضرت ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ۔

۷۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ۔

جن میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سید القراء ہیں، مفتاح السادات جلد اوّل میں ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے پورا قرآن حفظ کیا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سنایا، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں دس ہزار حافظ صحابہ زیادہ مشہور تھے، جن میں ۷ ۳ کو اعلیٰ مقام حاصل تھا۔

قرآن حکیم کی تحریری حفاظت

اتقان میں مستدرک حاکم کے حوالے سے منقول ہے کہ قرآن تحریری صورت میں تین بار جمع ہوا:

۱۔ عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ۲۔ عہدِ صدیقی میں ۳۔ عہدِ عثمانی میں

جمع نبوی وصدیقی، بخاری وغیرہ میں زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت سے ثابت ہے۔ [۱] اور جمع عثمانی حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کی روایت سے منقول ہے، ان تینوں جمع کی نوعیت میں فرق تھا، جمع نبوی کا مقصد قرآن کو ضائع ہونے سے محفوظ رکھنا تھا، اس لئے قرآن کو مختلف اشیاء پر تحریر کیا گیا، کچھ سفید پتھروں کی تراشی ہوئی تختیوں پر، کچھ سفید چمڑوں اور کچھ لکڑی کی ہموار تختیوں پر، اس لئے یہ جمع یکجائی شکل میں نہ تھی۔

عہدِ صدیقی میں جمع قرآن سے یہ مقصود تھا کہ قرآن کو یکجا کتابی صورت میں جمع کیا جائے تا کہ متفرق قطعات میں سے کسی قطع کے ضائع ہونے کا خطرہ باقی نہ رہے، یہ جمع کاغذ پر ہوا جو عہدِ نبوی میں نہ تھا اور عہد

---

[۱] اتقان، ج:۱،ص:۵۷ تا ۵۹۔

Marfat.com

صدیقی میں شام سے مدینہ منورہ میں پہنچ چکا تھا، مؤطا مالک میں سالم بن عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے:

جَمَعَ اَبُوْبَكْرٍ الْقُرْاٰنَ فِي الْقَرَاطِيْسِ

''سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قرآن کو کاغذ پر لکھ کر جمع کیا''۔

مغازی موسیٰ بن عقبہ رحمۃ اللہ علیہ میں ہے:

حَتّٰى جُمِعَ عَلٰى عَهْدِ اَبِيْ بَكْرٍ فِي الْوَرَقِ [1]

''یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں قرآن کاغذ پر لکھ کر جمع کیا گیا''۔

عہد عثمانی میں جمع قرآن کا مقصد قرآن کو اختلاف تلفظ سے محفوظ رکھنا تھا تاکہ اختلاف قرأت اور اختلاف طرز تلفظ سے فتنہ پیدا نہ ہو۔ یہی فرق امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اتقان میں ابن تین سے نقل کیا ہے۔[2]

عہدِ صدیقی میں قرآن کی تدوین

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات تک اور عہد صدیقی کی ابتدا میں قرآن تحریری طور پر ایک کتاب کی شکل میں مرتب نہیں تھا، بلکہ مختلف اشیاء پر اس کے مختلف حصے اور اجزا لکھے ہوئے موجود تھے۔ خلافتِ صدیقی میں ایک جھوٹے مدعی نبوت مسیلمہ کذاب کے خلاف جنگِ یمامہ (۱۱ھ) ہوئی، جس میں بہت سے حفاظ صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہوگئے، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خیال آیا کہ اگر اسی طرح حفاظ شہید ہوتے رہے یا دُنیا سے رُخصت ہوگئے تو پھر قرآن کی حفاظت کیسے ہوگی؟ چنانچہ انہوں نے خلیفۂ رسول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ وہ قرآن مجید کو ایک کتاب کی صورت میں لکھوا کر محفوظ کردیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس تجویز پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ جواب دیا کہ جو کام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں کیا وہ اسے کیسے کرسکتے ہیں؟ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ برابر اپنی رائے پر اصرار کرتے رہے۔ آخر کئی روز کے مسلسل اصرار کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کی اس تجویز سے اتفاق کرلیا اور وہ یہ کام کرنے کے لئے آمادہ ہوگئے۔

---

[1] اتقان، ج:۱، ص:۵۹۔ [2] اتقان، ج:۱، ص:۶۰۔

Marfat.com

عہدِ نبوی ﷺ میں قرآن کو مجموعہ کتابی صورت میں مدوّن نہ کرنے کے اسباب حسبِ ذیل تھے:

۱۔ عہدِ نبوی ﷺ میں وہ اسباب پیدا نہیں ہوئے تھے جو عہدِ صدیقی میں پیدا ہوئے اور جس کی وجہ سے کتابی شکل میں قرآن کا قلمبند کیا جانا ضروری ٹھہرا۔

۲۔ عہدِ نبوی ﷺ میں تحریر کی وہ سہولتیں فراہم نہیں تھیں جو عہدِ صدیقی میں فراہم ہوئیں، مثلاً کاغذ دیگر ادوات کتابت وغیرہ۔

۳۔ عہدِ نبوی ﷺ میں نسخ تلاوت کا احتمال تھا، جس کی وجہ سے کتابی صورت میں تغیر کرنا پڑتا جو مناسب نہ تھا۔

۴۔ قرآن کی ترتیب نزولی احوال و واقعات کے مطابق تھی اور آیات و سور کی ترتیب ربط مضامین کے اعتبار سے تھی، اگر عہد نبوت میں قرآن کتابی صورت میں مرتب کیا جاتا تو جدید نازل شدہ آیات کو ان کے مناسب آیات و سور کے ساتھ ملا دینے میں دشواری ہوتی۔

ان وجوہات کی بنا پر عہدِ نبوت میں قرآن کو کتابی صورت میں جمع نہیں کیا گیا، لیکن عہد صدیقی میں حالات بالکل بدل گئے، قراء کی شہادت نے قرآن کو کتابی صورت میں جمع کرنے کی ضرورت پیدا کی، کاغذ اور ادوات کتابت کی سہولتیں مہیا ہوئیں، حضور ﷺ کے وصال کے بعد وحی منقطع ہوئی اور قرآن کا نزول مکمل ہوا، لہٰذا قرآن کو کتابی صورت دینے میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہی۔

چنانچہ اس کام کو عملی جامہ پہنانے کے لئے خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کو بلایا اور اُن سے مشورہ کیا، اور جب وہ بھی اس بات کے قائل ہو گئے تو اُن کو قرآن جمع کرنے اور اسے کتابی صورت میں لکھوانے کا حکم دیا۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ واقعی اس کام کے اہل تھے، وہ جوان اور سمجھدار تھے، عہدِ نبوی ﷺ میں کاتبِ وحی رہ چکے تھے، نبی کریم ﷺ کے گھر کے قریب ہی ان کا گھر تھا، وہ قرآن کے حافظ بھی تھے، لیکن اس سب کچھ کے باوجود ان کا یہ کہنا تھا کہ: ”اللہ کی قسم! اگر مجھے پہاڑ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کا حکم دیا جاتا تو یہ میرے لئے اس کام سے زیادہ آسان تھا“۔

Marfat.com

دستور جمع صدیقی

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے جمع قرآن میں پوری احتیاط برتی اور ایسے انتظام کئے کہ قرآن کے جمع کتابی میں کسی قسم کے سہو اور فروگذاشت کا احتمال باقی نہیں ہے، آپ نے جمع قرآن میں صرف محفوظ یا مکتوب یا مسموع ہونے پر اکتفاء نہیں کیا کہ ان آیات کو قلمبند کیا جائے جو کسی کو حفظ ہوں یا کسی چیز پر تحریر ہوئی ہوں یا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سنی گئی ہوں بلکہ جمع قرآن میں دو قاعدوں پر عمل کیا گیا:

۱۔ ان لکھی ہوئی آیات کو جمع کیا جائے گا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے سامنے لکھوائی ہوں اور دو عادل گواہوں کے ذریعے اسی طرح لکھوانے کا ثبوت مہیا ہو جائے، ابوداؤد میں عروہ سے روایت ہے:

اِنَّ اَبَابَکْرٍ قَالَ لِعُمَرَ وَزَیْدٍ اُقْعُدَا عَلٰی بَابِ الْمَسْجِدِ فَمَنْ جَاءَ کُمَا بِشَاھِدَیْنِ عَلٰی شَیْءٍ مِنْ کِتَابِ اللّٰہِ فَاکْتُبَاہُ۔ [1]

۲۔ دوم یہ کہ وہ آیات مکتوب ہونے کے علاوہ کثیر تعداد صحابہ کے سینوں میں محفوظ بھی ہوں۔ [2]

اسی طرح ابن ابی داود رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب المصاحف میں سند کے ساتھ بیان کیا ہے:

وَمَا کَانُوْا یَکْتُبُوْنَ فِی الصُّحُفِ وَالْاَلْوَاحِ وَالْعَصَبِ وَکَانَ لَا یُقْبَلُ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰی یَشْھَدَ شَاھِدَانِ [3]

"یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قرآن کو لکھتے تھے صحیفوں، تختیوں اور شاخہائے خرما پر، لیکن اس کو دو گواہوں کی گواہی کے بعد قبول کیا جاتا تھا"۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قرآن جمع کرنے کیلئے حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کو قرآن جمع کرنے والی کمیٹی کا صدر مقرر کیا، اس کمیٹی میں کئی جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شامل تھے۔

---

[1] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح، کتاب فضائل القرآن، رقم الحدیث: ۲۲۲۰۔ [2] مناہل العرفان، ج:۱، ص: ۲۴۵۔ [3] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح، کتاب فضائل القرآن، رقم الحدیث: ۲۲۲۰۔

Marfat.com

قرآن جمع کرنے کا طریقہ

چنانچہ حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ نے قرآن جمع کرنے کا کام شروع کر دیا۔ لوگوں میں یہ اعلان کر دیا گیا کہ جس شخص کے پاس قرآن کی لکھی ہوئی آیات موجود ہوں وہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس لے آئے، جب کوئی آدمی ان کے پاس قرآن کی لکھی ہوئی آیتیں لے کر آتا تو کئی طریقوں سے ان کی تصدیق کی جاتی، مثلاً:

۱۔ حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ خود اپنے حافظے سے اس کی تصدیق کرتے۔

۲۔ کوئی لکھی ہوئی آیت اس وقت تک قبول نہ کی جاتی، جب تک دو معتبر گواہ یہ گواہی نہ دیتے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے لکھی گئی تھیں۔

۳۔ پھر ان آیتوں کا موازنہ ان دوسرے مجموعوں اور مصاحف سے کیا جاتا جو بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس تھے۔

اتفاق سے ایک آیت ایسی تھی جو صرف حضرت خزیمہ انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس لکھی ہوئی موجود تھی، یہ سورۂ توبہ کی درج ذیل آیت تھی:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ [1]

"بے شک تمہارے پاس اللہ کا رسول آ گیا ہے جو تمہیں میں سے ہے، تمہارا نقصان میں پڑنا اس پر بہت شاق گزرتا ہے، وہ تمہاری بھلائی کا خواہش مند ہے اور ایمان والوں پر نہایت شفیق اور مہربان ہے"۔

اس آیت پر دو گواہیاں نہ ہونے کے باوجود اسے قبول کر لیا گیا، کیونکہ یہ آیت سینکڑوں حفاظ کو زبانی یاد تھی، اگرچہ سوائے حضرت خزیمہ انصاری رضی اللہ عنہ کے کسی کے پاس لکھی ہوئی موجود نہ تھی، دوسری وجہ یہ تھی کہ ایک دفعہ

[1] التوبہ: ۱۲۸۔

Marfat.com

حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی گواہی کو دو گواہوں کی گواہی کے برابر قرار دیا تھا، لہٰذا اس بنیاد پر بھی یہ آیت جمع کر لی گئی۔

اس طرح حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ نے نہایت درجہ احتیاط کے ساتھ ایک سال کی مدت میں سارا قرآن جمع کر لیا اور اسے ایک کتاب کی صورت میں پیش کر دیا، اس نسخے میں ہر سورت الگ صحیفے میں درج تھی اور اس کا نام ''مصحف اُم'' یا ''مصحف امام'' رکھا گیا۔

اس نسخے کی چند خصوصیات یہ تھیں:

۱۔ اس میں قرآنی آیات کو نبی کریم ﷺ کی بتائی ہوئی ترتیب کے مطابق درج کیا گیا۔

۲۔ اس میں سورتوں کو ملا کر نہیں لکھا گیا تھا بلکہ ہر سورت کو الگ الگ رکھا گیا۔

۳۔ اس میں ساتوں حروف (سبعہ احرف یا قراءت) جمع تھے۔

۴۔ اسے خط حمیری میں لکھا گیا تھا۔

۵۔ اسے لکھوانے کا مقصد یہ تھا کہ ایک ایسا نسخہ مرتب ہو جائے جس پر تمام اُمت کی مہر تصدیق ثبت ہو اور ضرورت کے وقت اس کی طرف رجوع کیا جا سکے۔

عہدِ عثمانی میں قرآن کی تدوین

حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کا مرتب کیا ہوا قرآن جسے ''مصحف الام'' یا ''مصحف الامام'' کا نام دیا گیا تھا، دورِ صدیقی میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس رہا، ان کی وفات کے بعد یہ مصحف حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس رہا اور ان کی شہادت کے بعد یہ اُم المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس رکھا گیا، لیکن دورِ عثمانی میں جب اسلام عرب سے نکل کر ایران، روم اور دوسرے عجمی ممالک تک پھیل گیا تو عجمی لوگوں کے لئے ایک نیا مسئلہ اُٹھ کھڑا ہوا، یہ قراءت کے اختلاف کا مسئلہ تھا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ آرمینیا اور آذربائیجان کے محاذ پر جہاد میں شریک تھے، وہاں

Marfat.com

انہوں نے دیکھا کہ لوگ قرآن کی قراءت کے حوالے سے اختلاف کررہے ہیں، مدینہ منورہ واپس آ کر انہوں نے امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو اس مسئلے کی جانب متوجہ کیا کہ:

اَدْرِكْ هٰذِهِ الْاُمَّةَ قَبْلَ اَنْ تَخْتَلِفُوْا اِخْتِلَافَ الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى

''اس اُمت کو سنبھالو اس سے پہلے کہ ان میں یہود و نصاریٰ کی طرح اختلاف پیدا ہو''۔

یہاں تک کہ خود مدینہ میں معلموں اور متعلموں میں اختلاف قرأت کا فتنہ پیدا ہونے لگا، جس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خطبہ میں فرمایا:

اَنْتُمْ عِنْدِیْ تَخْتَلِفُوْنَ فَمَنْ نَأٰى مِنَ الْاَمْصَارِ اَشَدُّ اِخْتِلَافًا [1]

جب تم میں یہ اختلاف ہے تو دُور کے شہروالوں میں اس سے زیادہ اختلاف کا اندیشہ ہے۔

تو آپ رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع کر کے اُن کے سامنے یہ رائے رکھی کہ ''مصحف امام'' کی نقلیں تیار کر کے ملک کے تمام صوبوں میں بھجوادی جائیں، قرآن صرف قریش کے لہجے میں لکھا اور پڑھا جائے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قریشی تھے، افصح العرب تھے اور قرآن قریش ہی کے لہجے میں اُترا تھا۔

تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اس رائے کی تائید کی، اس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے ہاں سے مصحف الامام (مصحف ام) منگوالیا، پھر ایک چار رکنی کمیٹی تشکیل دی جن میں درج ذیل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شامل تھے:

۱۔ حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ　　۲۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ

۳۔ حضرت سعید بن العاص رضی اللہ عنہ　　۴۔ حضرت عبدالرحمن بن ہشام رضی اللہ عنہ

ان اصحاب کے ذمے یہ کام تھا کہ وہ مصحف امام (یا مصحف ام) کو مرتب صورت میں لکھ کر کتابی شکل دیں۔

اس پر انہوں نے اس کام کو اس طریقے سے سرانجام دیا کہ:

---

[1] مناہل العرفان: ج۱ص۲۴۹، اتقان: ۵۹۔

Marfat.com

۱۔ تمام سورتوں کو ترتیب کے ساتھ ملا کر ایک مصحف میں لکھا۔

۲۔ قرآن کا رسم الخط ایسا اختیار کیا گیا جس میں (قریش کی) تمام قراءتیں اور لہجے آ جائیں۔

دستور جمع عثمانی

جمع عثمانی میں مندرجہ ذیل امور کا لحاظ رکھا گیا:

۱۔ مصحف میں وہ چیز درج ہو جس کے قرآن ہونے کا قطعی یقین ہو۔

۲۔ جس کے بارے میں معلوم ہو کہ حضور نبی کریم ﷺ کے آخری دورِ تلاوت میں وہ باقی تھا۔

۳۔ جس کی صحت حضور ﷺ سے ثابت ہو اور منسوخ التلاوت نہ ہو۔[1]

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ان نسخوں کی تعداد سات تک نقل کی ہے جو سات شہروں سے متعلق ہیں، ایک نسخہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں رکھا اور باقی مکہ، شام، یمن، بحرین، بصرہ اور کوفہ کو ایک ایک نسخہ بھیجا۔[2]

پھر ان نسخوں سے بے شمار نسخے مسلمانوں نے نقل کئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ تمام دیگر نسخوں کو جن میں قرأت کا اختلاف موجود ہو، ان کو تلف کیا جائے، حارث محاسبی سے اتقان میں منقول ہے کہ مشہور یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جامع القرآن ہیں، لیکن جامع القرآن فی الحقیقت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو صرف ایک قسم کے طرزِ تلفظ یعنی قرأت پر جمع کیا، اس سے قبل کے نسخوں میں متعدد قرأت موجود تھیں، جن کے اصل مضمون میں فرق نہیں پڑتا تھا لیکن طرزِ تلفظ کا اختلاف موجود تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر میں امیر ہوتا تو بھی وہی کرتا جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کیا۔[3]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس کام کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سمیت تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پسند کیا، اُمتِ مسلمہ پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ بہت بڑا احسان ہے اور یہ اُن کے عظیم کارناموں میں سے ایک کارنامہ ہے۔

---

[1] مناہل العرفان: ج ۱ ص ۲۵۰۔ [2] اتقان: ج ۱ ص ۶۰۔ ساتھ ہی ان کو پڑھ کر سنانے والا ایک ایک قاری بھی ہر جگہ بھیج دیا۔
[3] اتقان، ج: ۱ ص: ۶۰۔

Marfat.com

عہدِ صدیقی میں قرآنی خدمت کی صحیح نوعیت کا خلاصہ

خلاصہ یہی ہے کہ قرآن کی تمام سورتوں کو ایک ہی تقطیع اور سائز پر لکھوا کر ایک ہی جلد میں مجلد کروانے کا کام اور وہ بھی حکومت کی طرف سے اس کام کو انجام دلانا، یہی ایسا کام تھا جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں نہیں ہو پایا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسی خدمت کو حکومت کی طرف سے انجام دلانے کا مطالبہ کر رہے تھے، چاہتے تھے کہ خلافت اور حکومت اس مہم کو اپنے ہاتھ میں لے اور اپنی نگرانی میں اس کی تکمیل کرائے۔ بلاشبہ یہ ایک نیا اقدام تھا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس اقدام کے متعلق اگر ترددّ ہوا تو اس کی یقیناً گنجائش تھی، لیکن بعد میں خود ان کا فیصلہ بھی یہی ہوا کہ بجائے متفرق رسالوں کی صورت میں رہنے کے یہ زیادہ مناسب ہے کہ تمام قرآنی سورتوں کو ایک ہی تقطیع کے اوراق پر لکھوا کر ایک ہی جلد میں سب کو مجلد کرا دیا جائے۔ امام شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ سے اور شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت سالم رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے یہ روایت نقل کرتے تھے کہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ''القراطیس'' پر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حکم سے قرآن کی کل سورتوں کو لکھا تھا، غالباً ایک ہی تقطیع کے اوراق جب بنائے جاتے تھے تو ان کو قراطیس کہتے تھے۔ [1]

ایک سائز کے اوراق پر لکھے ہونے کی وجہ سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حکومت کے مرتب کردہ اس نسخہ کو ''رَبعہ'' بھی کہتے تھے [2]۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ طول وعرض ان اوراق کا متساوی تھا۔ ''ربعہ'' جس کا ترجمہ ''چوکھونٹ'' کیا جا سکتا ہے، اس سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

پھر جیسا کہ سب جانتے ہیں کہ بخاری کی اسی روایت میں ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حکومت کی طرف سے اس خدمت کے انجام دینے کے لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انتخاب فرمایا اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بڑی محنت اور جانفشانی سے اس کام کو پورا کیا۔

کام کی رپورٹ کرتے ہوئے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے وہی باتیں کہیں جو آج بھی کتابوں کے نقل کرنے والے خصوصاً قرآن جیسی اہم کتابوں کے لکھنے اور چھاپنے والے عموماً کہا کرتے ہیں، یعنی مختلف نسخوں کو بھی

---

[1] اتقان: ج ۱ ص ۵۹۔ [2] اتقان: ج ۱ ص ۵۹۔

Marfat.com

انہوں نے لکھتے وقت پیشِ نظر رکھا۔ اسی سلسلہ میں آنحضرت ﷺ کی لکھوائی ہوئی ابتدائی یادداشتیں جو رقاع، عسیب، لخاف وغیرہ پر تھیں ان کو بھی انہوں نے اپنے سامنے لکھتے وقت رکھ لیا تھا، نیز ہر آیت کی تصحیح دو دو حافظوں سے بھی کرتے چلے جاتے تھے، البتہ وہی سورۂ برأت کی آخری دو آیتیں ان کے متعلق رپورٹ میں انہوں نے یہ بھی ظاہر کر دیا کہ آنحضرت ﷺ کی لکھائی ہوئی یادداشتوں میں وہ یادداشت نہ ملی، جس میں یہ آیتیں لکھی ہوئی تھیں اسی کے ساتھ یہ بھی بیان کیا کہ دو حافظوں کی تصحیح کی جو شرط تھی اس کی پابندی بھی ان آیتوں کے متعلق میں نے نہیں کی کہ رسول اللہ ﷺ سے براہِ راست ان کو میں سُنتا رہا اور ایک صحابی جن کی شہادت کو رسول اللہ ﷺ نے دو شہادتوں کے متساوی قرار دیا تھا یعنی حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ۔

واقعہ یہ ہوا تھا کہ ایک بدوی جس کا نام "سواء بن قیس المحاربی" تھا، اس نے رسول اللہ ﷺ سے ایک گھوڑے کی فروخت کا معاملہ کیا مگر بعد کو مُکر گیا اور بولا کہ معاملہ کس کے سامنے ہوا؟ واقعہ یہ تھا کہ معاملہ کے وقت کوئی دوسرا موجود نہ تھا، حضرت خزیمہ انصاری رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا کہ بیشک معاملہ ہوا تھا! تو رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ تم کب موجود تھے جو گواہی دے رہے ہو؟ حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ آپ کی رسالت کو جب ہم حق سمجھتے ہیں تو بھلا گھوڑے کے معاملہ میں آپ کوئی خلاف واقعہ دعویٰ فرما سکتے ہیں، آپ ﷺ نے اسی موقع پر فیصلہ فرمایا کہ خزیمہ جس کی موافقت یا مخالفت میں گواہی دیں ان کی گواہی کافی قرار دی جائے گی۔ [1]

ان صحابی کا نام خزیمہ تھا یا ابوخزیمہ، بخاری ج ۲، ص ۷۴۶ تک کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ راویوں میں سے کسی راوی کو ان کا نام خزیمہ یاد رہا اور کسی کو ابوخزیمہ، اگرچہ تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ خزیمہ نام بتانے والے صحت سے زیادہ قریب ہیں، ان روایتوں میں ایک اختلاف یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ اس واقعہ کا تعلق عہدِ صدیقی کی قرآنی خدمت سے تھا یا یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حکومت نے جو کمیٹی بٹھائی تھی اس وقت یہ واقعہ پیش آیا تھا مگر ظاہر ہے کہ عہدِ عثمانی میں اس واقعہ کے پیش آنے کی صورت ہی کیا تھی؟ عہدِ صدیقی میں قرآن کے

[1] اسد الغابہ، ج:۲، ص:۱۱۴۔

Marfat.com

سارے اجزاء کی شیرازہ بندی ہو چکی تھی، عہدِ عثمانی میں تو صرف عہدِ صدیقی کے اسی مرتبہ نسخہ کی نقل کی گئی تھی جس کی تفصیل آگے آرہی ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جن آیتوں کے متعلق زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے مذکورہ بالا بیان دیا تھا، روایت کرنے والے خود اُن آیتوں کی تعیین میں کچھ مبتلائے اشتباہ ہو گئے تھے، بعض تو وہی سورۂ توبہ کا نام لیتے تھے اور بعض کہتے تھے کہ سورۂ احزاب کی رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ [1] والی آیت تھی، اور غالب قرینہ یہی ہے کہ برأت والی ہی آیت تھی کیونکہ عام طور پر بطور وظیفہ کے ان ہی دو آیتوں کے پڑھنے کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیا تھا، اس لئے ہر خاص و عام کے یاد ہونے کی وجہ سے زیادہ تفتیش و تلاش کرنے کی ضرورت بھی نہ تھی، بلکہ روایتوں کے مختلف الفاظ پر اگر غور کیا جائے تو ان سے واقعہ کی اصل صورت یہ معلوم ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لکھوائی ہوئی یادداشتوں میں سے صرف یہی ایک ٹکڑا جس میں توبہ کی یہ دونوں آیتیں تھیں، حضرت زید رضی اللہ عنہ کو نہ مل سکا تھا، وہ خود فرماتے ہیں کہ وہ ٹکڑا مفقود تھا ''فَالْتَمَسْنَاهَا فَوَجَدْنَاهَا عِنْدَ خُزَيْمَةَ'' (پھر ہم لوگوں نے اس کو ڈھونڈنا شروع کیا تو خزیمہ رضی اللہ عنہ کے پاس وہی گمشدہ رقعہ یا ٹکڑا مل گیا)، بجائے مفرد صیغے کے ''فَالْتَمَسْنَاهَا (ہم نے ڈھونڈا) فَوَجَدْنَاهَا (پھر ہم نے پایا)'' جمع کا صیغہ حضرت نے جو استعمال کیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے صحابی تلاش میں بھی اور اس ٹکڑے کے پانے میں بھی شریک تھے۔ حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کے پاس یہ رقعہ یا ٹکڑا کیسے پہنچ گیا تھا، ممکن ہے کہ نقل کرنے یا کسی دوسری غرض سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خزیمہ رضی اللہ عنہ مانگ کر لے گئے اور واپسی سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہو گئی یا کسی اور وجہ سے واپس کرنے کا موقع ان کو نہ مل سکا۔

بہر حال حکومت کی جانب سے ایک ہی تقطیع کے اوراق پر تمام قرآنی سورتوں کے لکھوانے اور سب کو ایک ہی جلد میں مجلد کرانے کا مرحلہ تو عہدِ صدیقی میں یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے ایک سال بعد ہی پورا ہو چکا تھا، علامہ قسطلانی شارح بخاری کے حوالہ سے الکتانی نے نقل کیا ہے کہ:

قَدْ كَانَ الْقُرْاٰنُ كُلُّهٗ مَكْتُوْبًا فِيْ عَهْدِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لٰكِنَّهٗ غَيْرُ مَجْمُوْعٍ فِيْ مَوْضِعٍ وَّاحِدٍ [2]

[1] الاحزاب: ۲۳۔ [2] ج: ۲، ص: ۲۸۴، التراتیب الاداریۃ، الکتانی۔

Marfat.com

''قرآن کل کا کل رسول اللہ ﷺ کے زمانہ ہی میں لکھا جاچکا تھا البتہ ایک جگہ ساری سورتوں کو جمع نہیں کیا گیا تھا (یعنی ایک جلد سازی اور شیرازہ بندی ان سورتوں کی نہیں ہوئی تھی)''۔

حارث محاسبی نے جو امام حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے معاصر ہیں اپنی کتاب ''فہم السنن'' میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے گھر میں قرآن کی یادداشتوں کا جو مجموعہ تھا:

وَكَانَ الْقُرْاٰنُ بِمَنْزِلَةِ اَوْرَاقٍ وُجِدَتْ فِيْ بَيْتِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْهَا مُنْتَشِرًا فَجَمَعَهَا جَامِعٌ وَرَبَطَهَا بِخَيْطٍ۔[1]

اسی میں قرآنی سورتیں الگ الگ لکھی ہوئی تھیں (ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حکم سے) جامع (یعنی زید بن ثابت رضی اللہ عنہ) نے ایک جگہ سب سورتوں کو جمع کیا اور ایک دھاگہ سے سب کی شیرازہ بندی کی۔

اور یہی کام یعنی ایک جلد میں مجلد کرانے کا کام عہدِ صدیقی میں انجام پایا لیکن دوسروں کو بھی اس کی تقلید پر یعنی ساری سورتوں کو ایک ہی تقطیع پر لکھوا کر ایک ہی جلد میں مجلد کرائیں اور سورتوں کی جلد بندی میں جو ترتیب رکھی گئی تھی اس کی پابندی کریں، اس پر لوگوں کو مجبور نہیں کیا گیا تھا، بلکہ ایک ہی مصنف کی چند کتابوں کو مختلف سائز کے اوراق پر جیسے لوگ چھاپتے ہیں اور کسی خاص ترتیب کی پابندی کے بغیر جس کے جی میں جس طرح آتا ہے ان کی جلد بندھواتا ہے۔

عہدِ عثمانی میں قرآنی خدمت کی نوعیت کا خلاصہ

انفرادی آزادیوں کی کچھ یہی صورتِ حال حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت تک قرآنی سورتوں کے متعلق رہی، اس انفرادی آزادی میں حکومت نے دخل دینا مناسب خیال نہ کیا، لیکن مختلف ممالک و امصار کے لوگ جب

[1] اتقان، ج:۱، ص:۵۸۔

Marfat.com

اسلام میں داخل ہوئے، جن میں عرب ہی نہیں بلکہ بیرون عرب کی بھی ایسی بڑی آبادیاں شریک تھیں جن کی مادری زبان عربی نہ تھی۔

الفاظ وحروف کے صحیح تلفظ کی قدرت عموماً ان ہی میں پائی جاتی تھی، نیز خود عرب میں بھی قبائلی اختلاف لب و لہجہ میں بہ کثرت پایا جاتا تھا، اور اختلاف کی یہ نوعیت دنیا کی تمام زبانوں میں عام ہے، ابن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے لب ولہجہ کے قبائلی اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا ہے:

فَالْهُذَلِيُّ يَقْرَءُ عَتّٰى عِيْنٍ وَالْاَسَدِيُّ يَقْرَءُ تِعْلَمُوْنَ بِكَسْرٍ وَالتَّمِيْمِيُّ يُهْمِلُ وَالْقُرَيْشِيُّ لَا يُهْمِلُ۔ [۱]

ہذلی یعنی بنی ہذیل کے قبیلہ والے (حتیٰ حینٍ) کو عتیٰ عینٍ پڑھتے ہیں، اسی طرح تعلمون کی (ت) کو زیر کے ساتھ اسدی یعنی بنی اسد والے تلفظ کرتے ہیں، اسی طرح تمیمی اہمال سے کام لیتا ہے، قریشی یہ نہیں کرتا۔

اسی طرح تابوت کا تلفظ خود مدینہ والے ''تابوہ'' کرتے تھے، اور بھی اس کی بکثرت مثالیں ملتی ہیں، قرآن کے پڑھنے میں عربی قبائل اور عجمی نومسلموں کی طرف سے ان اختلافات کا جب ظہور ہوا، اور ہر ایک اپنے تلفظ کی صحت پر اصرار بے جا کرنے لگا، تو اس وقت حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس نسخہ کی نقل کرانے کے لئے جو عہدِ صدیقی میں تیار ہوا تھا، حکومت کی طرف سے ایک سررشتہ قائم کر دیا، اس سررشتہ کے افسر وہی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ مقرر کئے گئے جنہوں نے عہدِ صدیقی میں نسخہ تیار کیا تھا۔ [۲]

اور مزید گیارہ (۱۱) ارکان کا ان کی امداد کے لئے اضافہ کیا گیا اور حکم دیا گیا کہ کتاب کی حد تک قرآن کو اسی

---

[۱] تبیان فی مباحث القرآن، ص: ۴۴، صالح الجزائری۔ [۲] زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نوعمری میں ہی مسلمان ہوئے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خصوصیت کے ساتھ کتابت کا کام ان سے لیا کرتے تھے، حتیٰ کہ اسی سلسلہ میں یہودیوں کی زبان کی تعلیم بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے انہوں نے حاصل کی تھی، یہ ان صحابیوں میں سے ہیں جنہوں نے تصنیفی یادگار چھوڑی، فرائض ومواریث کے متعلق ان کی ایک کتاب کا ذکر مورخین کرتے ہیں۔ مناظر احسن گیلانی۔

Marfat.com

لہجہ اور تلفظ میں لکھا جائے جو رسول اللہ ﷺ کا تلفظ اور لہجہ تھا، اسی سررشتہ نے صدیقی نسخہ کی چند نقلیں تیار کیں، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک ایک نسخہ سررشتہ کا تیار کیا ہوا مختلف صوبوں کے پایہ تخت اور چھاؤنیوں میں بھیج کر فرمان جاری کر دیا کہ اپنے اپنے قبائل یا انفرادی لہجوں یا تلفظ کے لحاظ سے لکھے ہوئے قرآنی نسخے لوگوں کے پاس جو موجود ہوں، وہ حکومت کے حوالہ کر دیئے جائیں، تا کہ ان نسخوں کو معدوم کر دیا جائے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں قرآن شریف کی خدمت یہی اور صرف یہی ہوئی ہے جو بجائے خود بہت بڑی اور اہم خدمت ہے، ورنہ مختلف عربی قبائل اور عجمیوں کے طریقۂ ادا لب ولہجہ کے اختلاف کی بنیاد پر لکھے ہوئے قرآنی نسخے خدانخواستہ اگر دنیا میں پھیل جاتے تو خدا ہی جانتا ہے کہ دشمنانِ اسلام اس بات کو بتنگڑ بنا کر کہاں سے کہاں پہنچا دیتے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مسلمانوں پر بہت بڑا احسان ہے کہ نوشت و کتابت کی حد تک انہوں نے قرآن میں وحدت کا رنگ پیدا کر دیا، رہا تلفظ تو ظاہر ہے کہ اس میں وحدت اور یکسانی کا مطالبہ ان کے بس کی بات تھی بھی نہیں، اسی لئے اس مطالبہ کو نظر انداز کر دیا گیا اور آزادی بخشی گئی کہ جس کا جو تلفظ ہے یا تلفظ کی جس نوعیت پر جو قادر ہے، اسی تلفظ اور لب ولہجہ میں قرآن شریف کو پڑھ سکتا ہے۔

ایک حدیث بھی رسول اللہ ﷺ کی موجود تھی، جس میں فیصلہ فرما دیا گیا تھا کہ قرآن مجید ایک ہی "حرف"، یعنی تلفظ پر نازل نہیں ہوا ہے بلکہ "سبعۃ احرف" [1] یعنی متعدد تلفظ کی اس میں گنجائش ہے، اگرچہ کوشش تو اسی کی کرنی چاہیے کہ اسی لب ولہجہ میں قرآن کی تلاوت ہر مسلمان کو میسر ہو جو رسول اکرم ﷺ کا لب ولہجہ تھا، اسی لئے تجوید اور قرأت کا ایک مستقل فن ابتدا ہی سے مسلمانوں میں مروج ہو

---

[1] جس حدیث میں سبعۂ احرف کا ذکر آیا ہے جس کا لفظی ترجمہ تو یہ ہے کہ سات حرفوں پر قرآن نازل ہوا ہے، اس کی شرح میں حدیث کے شرح کرنے والوں نے بہت کچھ لکھا ہے، لیکن اربابِ تحقیق کا فیصلہ یہی ہے کہ سبعہ یعنی سات کے عدد سے واقعی سات کا عدد مراد نہیں ہے بلکہ اُردو میں جیسے بیسیوں کے لفظ سے صرف کثرت مقصود ہوتا ہے، یہی حال عربی زبان میں سات کا ہے اور احرف یعنی حرفوں سے وہی تلفظ اور لب ولہجہ کا اختلاف مقصود ہے۔ (طیبی شرح مشکوٰۃ، ج:۴، ص:۲۸۸)۔

Marfat.com

گیا اور عبرت کے لئے (یعنی یہ بتانے کے لئے کہ کوشش کی جائے تو غیر عربی آدمی بھی رسول اللہ ﷺ کے قریشی لب ولہجہ میں قرآن پڑھ سکتا ہے)۔

قرأت وتجوید کے لئے اسی قسم کے لوگوں کا عہدِ صحابہ وتابعین ہی میں عموماً انتخاب کیا گیا جونسلاً عرب نہ تھے، فنِ قرأت کے ائمہ بعد میں یہی عجمی نژاد قاریوں کی جماعت ہوئی۔

بہرحال حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ کا کارنامہ قرآن کے متعلق جو کچھ بھی ہے وہ یہی ہے کہ کتابت اور لکھاوٹ کی حد تک تلفظ اور لب ولہجہ کے جھگڑوں کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا گیا اور یہ کام بھی رسول اللہ ﷺ کی وفات کے تقریباً کل چودہ پندرہ سال بعد انجام پایا، آج ممکن ہے کہ خلافتِ عثمانی کے عہد کی اس قرآنی خدمت کی قیمت واہمیت کا لوگوں کو صحیح اندازہ نہ ہو سکے، لیکن ذرا سوچئے تو سہی کہ ابتدا ہی میں مسلمانوں کو کتابت کی اسی ایک شکل پر جمع نہ کر دیا جاتا تو نتیجہ کیا ہوتا؟

عجمی مسلمانوں کو تو ابھی جانے دیجئے، خود عربی قبائل میں تلفظ اور لہجوں کے اختلافات کیا معمولی تھے؟ قرآنی آیت قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا [1] کو قبیلہ قیس والے جو ''ک'' تانیث کا تلفظ ''ش'' سے کرتے تھے، ظاہر ہے کہ اس بنیاد پر یہی آیت قیس کے قبیلہ والوں کے قرآن میں بایں شکل لکھی ہوئی ملتی، یعنی قَدْ جَعَلَ رَبُّشِ تَحْتَشِ سَرِيًّا، قیس کے اس طرزِ تلفظ کا اصطلاحی نام کشکشۂ قیس تھا۔

اسی طرح تمیم والے ''اَن'' کے لفظ کو ''عن'' کی شکل میں ادا کرتے تھے، اس کا نام عنعنۂ تمیم تھا، مثلاً فَعَسَى اللهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ [2] کو عَسَى اللهُ عَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ کی شکل میں وہ ادا کرتے تھے، اور سب سے دلچسپ اُس قبیلہ کا تلفظ تھا جو ''س'' کے حرف کو ''ت'' کی شکل میں ادا کیا کرتا تھا، اسی وجہ سے پوری سورۃ ''والناس'' کی ہر آیت کے آخری لفظ میں بجائے ''س'' کے ان کے قرآن میں ہم گویا ''ت'' کو پاتے، مثلاً قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاتِ، اس معاملے میں لوگ اس درجہ مجبور تھے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ جیسے جلیل

---

[1] مریم: ۲۴۔ [2] المائدہ: ۵۲۔

Marfat.com

القدر صحابی اصلاً ونسلاً ہذلی قبیلہ سے تھے، ان کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس لئے ٹوکا کہ وہ ''حَتّٰی حِیْنٍ'' کا تلفظ ''عَتّٰی عِیْنٍ'' کی شکل میں کر رہے تھے۔

جب خالص عربی قبائل کا یہ حال تھا تو بے چارے عجمیوں میں پہنچ کر قرآنی نسخوں کی جو حالت ہوتی وہ ظاہر ہے، دور کیوں جائیے ہندوستان اور پاکستان ہی کا نتیجہ کیا ہوتا، جہاں ہر تھوڑے فاصلے پر تلفظ اور لہجہ میں فرق آجاتا ہے، اس قسم کے اختلافات کو کون گن سکتا ہے، ہر تھوڑے فاصلے سے تلفظ اور لہجے کے یہ اختلافات زبانوں میں پیدا ہو ہی جاتے ہیں۔

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ مدرسہ کے معلمین جو مختلف لہجوں میں قرآن پڑھاتے ہیں، انہی میں ''کَفَرَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا'' (یعنی بعض بعض کو کافر ٹھہرانے لگے) کی نوبت تک آ گئی تھی، تو سمجھا جاسکتا ہے کہ آگے بڑھ کر یہی اختلافات مسلمانوں کو خطرے کی کس حد تک پہنچا دیتے؟

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جامع الناس علی القرآن تھے

واقعہ یہ ہے کہ شعوری یا غیر شعوری طور پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حکومت کی اس عظیم وجلیل خدمت کے مسلمان بہت ممنون نظر آتے ہیں اور عموماً اس کا تذکرہ کرتے ہیں حتیٰ کہ خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے تھے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بہت اچھا کیا اور جو کچھ کیا ہم سب کے مشورے سے کیا، انہوں نے پوچھا کہ مسلمانوں میں یہ جھگڑا جو چھڑ گیا ہے کہ ہر ایک اپنی قرأت کو دوسروں کی قرأت سے بہتر قرار دیتا ہے بلکہ دوسرے کی قرأت کو کفر کی حد تک پہنچا دیا جاتا ہے، اس کا علاج کیا کیا جائے؟ ہم لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے کیا علاج سوچا ہے؟ تو عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

نَرٰی اَنْ نَّجْمَعَ النَّاسَ عَلٰی مُصْحَفٍ وَّاحِدٍ [1]

''ہمارا خیال ہے کہ لوگوں کو ایک ہی مصحف پر جمع کر دیا جائے''۔

[1] کنز العمال برحاشیہ مسند احمد، ج ۲، ص ۵۰۔

Marfat.com

یہی ''جمع الناس علی مصحف واحد'' عہدِ عثمانی کی قرآنی خدمت کی صحیح تعبیر ہے، یعنی مسلمانوں کو ایک ہی مصحف پر آپ نے جمع کر دیا، عوام نے ان کے اسی خطاب کو جامع القرآن کے نام سے مشہور کر دیا جو نہ صرف یہی کہ واقعہ کی صحیح تعبیر نہیں ہے بلکہ سچی بات یہ ہے کہ عام طور پر اس تعبیر سے بڑی غلط فہمی پھیل گئی، لوگ سمجھنے لگے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے پہلے گویا قرآن جمع کیا ہوا یا لکھا ہوا نہ تھا، اور یہ تو ایک تعبیری غلطی ہے، بجائے جامع القرآن کے جامع الناس علی القرآن ہونا چاہیے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆

Marfat.com

خصوصیاتِ قرآن

اللہ جل جلالہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو سب سے بڑا معجزہ عطا فرمایا وہ یہی قرآن ہے، قرآن کریم اپنے اندر بہت ہی اعجازی خصوصیات رکھتا ہے اور ہر اعتبار سے بے مثل کلام ہے، قرآن مجید کی چند نمایاں خصوصیات حسبِ ذیل ہیں:

۱۔ کلامِ الٰہی

قرآن مجید اللہ تعالیٰ جل جلالہ کا کلام ہے، اس کی دلیل خود قرآن میں موجود ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ [1]

"اور اگر کوئی مشرک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پناہ طلب کرے، تو اسے پناہ دے دیں تاکہ وہ اللہ جل جلالہ کا کلام سن لے، پھر اسے اس کی امان کی جگہ پہنچا دیں"۔

آج دنیا میں کوئی اور ایسا کلام نہیں جو کلامِ الٰہی کہلانے کا مستحق ہو، اور کوئی کتاب ایسی نہیں جو صحیح شکل میں اللہ کی کتاب ہو۔ یہ اعزاز آج صرف اور صرف قرآن مجید کو حاصل ہے کہ وہ اللہ کا کلام بھی ہے اور اللہ کی کتاب بھی۔

۲۔ کلامِ معجز

قرآن ایک ایسا معجزہ ہے جس کی زبان، جس کا اسلوب، جس کی نظم، جس کی فصاحت و بلاغت اور جس کی اثر انگیزی سب معجزہ ہیں، قرآن نے اپنے منکرین اور مخالفین کو چیلنج دیا ہے کہ وہ اگر اسے اللہ جل جلالہ کا کلام نہیں مانتے تو اس جیسا کوئی اور کلام پیش کریں۔

[1] التوبۃ:۶۔

Marfat.com

۱۔ ایک مقام پر ارشاد ہے:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا [۱]

''کہہ دیجئے کہ اگر تمام انسان اور جنات مل کر اس جیسا قرآن لانا چاہیں تو نہیں لاسکتے، اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار بن جائیں''۔

۲۔ دوسرے مقام پر فرمایا:

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ [۲]

''کیا وہ کہتے ہیں کہ اس شخص نے قرآن خود گھڑ لیا ہے؟ آپ ﷺ کہیں کہ تم بھی ویسی ہی دس (۱۰) سورتیں بنا کر لے آؤ اور اپنی مدد کے لئے اللہ جل جلالہ کے سوا جس کو بلا سکتے ہو بلا لو، اگر تم سچے ہو؟''۔

۳۔ تیسری جگہ ارشاد ہے:

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ [۳]

''اور اگر تمہیں اس کلام کے بارے میں ذرا بھی شک ہو، جو ہم نے اپنے خاص بندے پر اتارا ہے تو تم بھی اس جیسی کوئی سورت بنا لاؤ اور اللہ جل جلالہ کے سوا اپنے سارے حمایتی بھی اپنی مدد کے لئے بلا لو، اگر تم سچے ہو؟''۔

۳۔ کامل ہدایت

قرآن پوری انسانیت کیلئے مکمل ہدایت نامہ ہے، انسانی زندگی کے ہر شعبے سے متعلق قرآنی ہدایات

---

[۱] بنی اسرائیل: ۸۸۔ [۲] ھود: ۱۳۔ [۳] البقرۃ: ۲۳۔

Marfat.com

موجود ہیں۔

اللہ تعالیٰ جل جلالہ کا ارشاد ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ [1]

''رمضان وہ مہینہ ہے جس میں ایسا قرآن نازل ہوا جو لوگوں کے لئے ہدایت ہے''۔

اور یہ قرآنی ہدایت، انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے تمام پہلوؤں پر محیط ہے۔

۴۔عالمگیر کتاب

قرآن عالمگیر کتاب ہے، کیونکہ یہ اللہ جل جلالہ کے جس رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا، وہ سارے جہان کے لئے مبعوث ہوئے تھے، قرآن کا عالمگیر ہونا خود قرآن مجید سے ثابت ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ جل جلالہ کا ارشاد ہے:

وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ [2]

''اور یہ قرآن سارے جہان والوں کے لئے نصیحت ہے''۔

۵۔فصیح وبلیغ کلام

قرآن مجید ایک فصیح وبلیغ کلام ہے، اس کی فصاحت وبلاغت کی نظیر لانا مخلوق کے بس کی بات نہیں۔قرآن کے الفاظ کی فصاحت، اس کے معانی کی بلاغت اور اس کا اندازِ بیان سب معجزہ ہیں۔

دورِ جدید کے نامور مصری ادیب ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے کیسی عمدہ بات کہی ہے:

اَلْقُرْاٰنُ لَا نَظْمٌ وَّلَا نَثْرٌ بَلْ هُوَ الْقُرْاٰنُ ''قرآن نہ تو نظم ہے اور نہ نثر، بلکہ قرآن قرآن ہے''۔

۶۔تضاد سے پاک

قرآن مجید کی تعلیمات میں کوئی تضاد اور باہم اختلاف نہیں پایا جاتا، بلکہ اس کے مضامین میں مکمل ہم آہنگی اور ارتباط پایا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ جل جلالہ کا ارشاد ہے:

---

[1] البقرۃ:۱۸۵۔ [2] القلم:۵۲۔

Marfat.com

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا كَثِیْرًا [1]

”کیا یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے؟ اگر یہ اللہ جل جلالہ کے سوا کسی اور کی طرف سے آیا ہوتا تو وہ اس کے اندر بڑا اختلاف اور تضاد پاتے“۔

۷۔ پُرتاثیر کلام

قرآنِ مجید ایک پُرتاثیر کلام ہے، اس کی اثر انگیزی مسلّم ہے، یہ انسان کے دل ودماغ پر اثر کرتا ہے۔ جب کوئی قاری قرآن پڑھتا ہے، تو اسے سننے والا شخص خواہ قرآن کو سمجھے یا نہ سمجھے، اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ قرآن کا یہی وہ اعجاز تھا، جس نے کفار اور مشرکین کی نیندیں حرام کردی تھیں، وہ اس کی اثر انگیزی کو جادو سے تعبیر کرتے تھے اور صاحبِ قرآن علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نعوذ باللہ جادوگر کہتے تھے۔

اللہ تعالیٰ جل جلالہ کا ارشاد ہے:

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ قَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ [2]

”اور جب ان کافروں کو ہماری واضح آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ اس حق کو جو ان کے پاس آتا ہے، کہتے ہیں کہ یہ کھلا جادو ہے“۔

۸۔ محفوظ کلام

اللہ تعالیٰ جل جلالہ کا ارشاد ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ [3]

”بے شک ہم نے اس ذکر یعنی قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں“۔

❀❀❀❀❀

[1] النساء: ۸۲۔ [2] الاحقاف: ۷۔ [3] الحجر: ۹۔

Marfat.com

حفاظتِ قرآن

قرآن پاک کی ایک بڑی خصوصیت جو کسی بھی دوسری آسمانی کتاب کو حاصل نہیں ہوئی، یہ ہے کہ قرآن کریم بہمہ وُجوہ محفوظ و مصئون ہے، اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے اس کی حفاظت کا ذمہ خود لیا ہے، یہی وجہ ہے کہ چودہ صدیاں گزر جانے کے باوجود قرآن مجید اپنی اصلی شکل میں اُسی آب و تاب کے ساتھ موجود ہے، دنیا کی کوئی طاقت باوجود ہزار کوششوں کے اس میں کسی قسم کی تبدیلی کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکی۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ [1]

ہم نے ذکر نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

سورۃ الحجر کی اس آیت میں ''الذکر'' سے مراد قرآنِ حکیم ہے، کیونکہ سورۃ حم السجدۃ میں خود اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے اس لفظ کی یہی تفسیر بیان کی ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِالذِّکۡرِ لَمَّا جَآءَہُمۡ وَاِنَّہٗ لَکِتٰبٌ عَزِیۡزٌ، لَّا یَاۡتِیۡہِ الۡبَاطِلُ مِنۡۢ بَیۡنِ یَدَیۡہِ وَلَا مِنۡ خَلۡفِہٖ تَنۡزِیۡلٌ مِّنۡ حَکِیۡمٍ حَمِیۡدٍ۔ [2]

جن لوگوں نے ذکر (قرآن) کا انکار کیا جب کہ وہ اُن کے پاس پہنچ گیا، بے شک یہ ایک بلند پایہ کتاب ہے، باطل اس پر نہ سامنے سے حملہ کرسکتا ہے اور نہ پیچھے سے، یہ خدائے حکیم و حمید کی طرف سے نازل شدہ ہے۔

ان دو آیات کا سادہ سا مفہوم یہ ہے کہ قرآن حکیم کی ایسی زبردست حفاظت کی جارہی ہے کہ کوئی لفظ اس سے خارج نہیں کیا جاسکتا اور نہ کوئی زائد لفظ اس میں شامل کیا جاسکتا ہے۔ یہ مفہوم صرف عقیدت کی بنا پر بیان نہیں کیا گیا بلکہ اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ بتا رہی ہے کہ قرآنِ حکیم فرقانِ حمید کی کوئی سورت، کوئی آیت، کوئی

[1] الحجر:۹۔ [2] حم السجدۃ:۴۱،۴۲۔

Marfat.com

لفظ، کوئی حرف حتیٰ کہ حرکات وسکنات کی حد تک کوئی شئی بھی اپنی جگہ سے نہیں ہٹی اور نہ کوئی غیر الہامی لفظ اس میں داخل ہوا ہے۔

جس طرح مَلَاِ اعلیٰ (آسمان) میں قرآن کی لوحِ کتابت، تغیر وتبدل سے محفوظ ہے، اسی طرح ملاء اعلیٰ سے حضرت رسول اکرم ﷺ کی طرف اُس کی وحی کا طریقہ نزول بھی شیطانوں کی دستبرد سے محفوظ ہے، پھر ملاء ادنیٰ (یعنی عالمِ دنیا) میں آجانے کے بعد جس طرح قرآن کے الفاظ وحروف زیادتی وکمی اور تبدیلی سے محفوظ ہیں ،اسی طرح اس کے معانی ومفاہیم بھی تحریف سے محفوظ ہیں۔

قرآن مجید کی دو بڑی خصوصیات: حفاظتِ الٰہیہ، حفاظتِ صدری

۱۔ حفاظتِ الٰہیہ، یعنی قرآن کی حفاظت کی ذمہ داری حق تعالیٰ شانہٗ نے خود لی ہے۔

۲۔ صدری حفاظت یعنی قرآن اپنی حفاظت کیلئے صحیفہ اور کاغذ کا محتاج نہیں بلکہ وہ سینوں کے اندر محفوظ ہے۔

دنیا کی مختلف اقوام کی ہدایت اور راہنمائی کے لئے وقتاً فوقتاً جو الہامی کتابیں نازل ہوتی رہیں، وہ اپنی حفاظت کے لئے صحیفہ کی محتاج تھیں اور آنکھ کی مدد سے پڑھی جاتی تھیں۔ ان کو اپنے سینوں کے اندر محفوظ کرنے کا کسی زمانہ میں رواج نہیں تھا، چونکہ وہ وقتی یا زمانی ضرورتوں کے لئے نازل ہوتی رہیں اس لئے قدرت نے ان کو حفظ کر لینے کی کسی کو بھی نہ استعداد بخشی اور نہ ان کی حفاظت وبقا کا کوئی خصوصی اہتمام کیا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جب تک ان الہامی کتابوں کے انبیاء وعلماء موجود رہے، وہ اپنے طور پر ان کی حفاظت کرتے رہے، لیکن جونہی وہ اس دنیا سے اُٹھا لئے گئے، اربابِ غرض نے اپنی اپنی ضروریات وخواہشات کے مطابق ان الہامی کتابوں میں ترمیم وتحریف کرنی شروع کر دی، یہاں تک کہ کسی الہامی کتاب کا صحیح نسخہ ملنا محال ہو گیا۔

قرآن کریم کا تعلق چونکہ کسی زمانہ یا کسی قوم سے نہیں ہے بلکہ اسے قیامت تک پیدا ہونے والی اقوام و ملل کی رُشد وہدایت کیلئے نازل کیا گیا ہے، اس لئے حق تعالیٰ شانہٗ نے اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود سنبھالی اور اعلان فرمادیا:

Marfat.com

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ [1]

ہم نے ہی آپ پر یہ نصیحت اُتاری ہے اور ہم خود ہی اس کے نگہبان ہیں۔

یعنی وہ جس شان اور ہیئت سے اُتارا گیا ہے قیامت تک ایک شوشہ، زیر وزبر کی تبدیلی کے بغیر چہار دانگ عالم میں موجود رہے گا، کوئی اس میں لفظی یا معنوی ہیر پھیر نہیں کر سکے گا، یہی وجہ ہے کہ یہ کتاب جو صحیفہ یا آنکھ کی مدد کے بغیر، محض قوتِ حافظہ کے ذریعہ سینہ میں اتاری گئی، چودہ سو سال سے اپنے حروف، نقوش اور الفاظ کے ذریعہ سینہ بسینہ محفوظ چلی آتی ہے، جس کا خود اُن مغربی مشاہیر کو بھی اعتراف ہے، جنہوں نے اسلام دشمنی میں اپنا کوئی نظیر ومثیل نہیں چھوڑا۔ چنانچہ مشہور انگریز مصنف مسٹر میور لکھتا ہے کہ جہاں تک ہماری معلومات ہیں دُنیا بھر میں کوئی بھی ایسی کتاب نہیں جو قرآن کی طرح بارہ صدیوں تک ہر قسم کی تحریف سے پاک ہو۔

ایک دوسرا یورپین مصنف لکھتا ہے کہ ہم ایسے ہی یقین سے قرآن کو بعینہٖ محمد ﷺ کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ سمجھتے ہیں جیسے مسلمان اسے اللہ کا کلام سمجھتے ہیں، غرضیکہ وہ لوگ جو قرآن کریم کو اللہ کا کلام ماننے کے لئے تیار نہیں، وہ اس کی جامعیّت، اکملیّت اور ابلغیّت سے قطع نظر، اس کی کامل محفوظیّت کے ضرور قائل ہیں۔

پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کام کیلئے بے شمار ایسے افراد مقرر فرما دیئے ہیں جو پوری مستعدی کے ساتھ قرآن کے حروف کو کمی وبیشی سے اور اس کے مطالب ومعانی کو تحریف وتغییر سے محفوظ رکھتے ہیں اور تا قیامت ابدالآباد کیلئے قرآن عظیم کو ہر قسم کی تحریف وتبدیلی اور زیادت ونقصان سے محفوظ رکھنے کے لئے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے ایسے لوگوں کے دائم وقائم رکھنے کی ذمہ داری لے لی ہے جو ہمیشہ یہ فریضہ بحسن وخوبی انجام دیتے رہیں گے، چنانچہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ”ہم نے ہی قرآن کو نازل کیا ہے اور خاص اسی قرآن کے ہم ہی محافظ ہیں“، میں حق تعالیٰ شانہٗ نے دوسری آسمانی کتابوں کے مقابلہ میں بالخصوص قرآن پاک ہی کی اس دائمی و ابدی حفاظت کی کفالت وذمہ داری کا اعلان فرمایا ہے۔

اِس آیت میں کلمہ لَهٗ کو لَحٰفِظُوْنَ سے پہلے لانا حصر کے لئے ہے، یعنی یہ حفاظتِ الٰہی، بالخصوص اسی قرآن

[1] الحجر:۹۔

Marfat.com

ہی کے لئے ہے، نہ کہ اُس کے علاوہ دوسری آسمانی والٰہی کتابوں کے لئے بھی۔

مَلَأ اعلیٰ میں قرآن کریم کی لوحِ کتابت کی محفوظیت کی دلیل یہ آیت قرآنیہ ہے بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ بلکہ وہ ایک باعظمت قرآن ہے جو محفوظ لوح میں موجود ہے۔[1]

آسمانِ دنیا پر طاقتور فرشتوں کا پہرہ

مَلَأ اعلٰی سے مَلَأ اَدنٰی کی طرف نزولِ وحی کی حفاظت بایں طور ہے کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر یہ قرآن بواسطہ روح الامین جبرائیل علیہ السلام پوری حفاظت کے ساتھ اس طرح اُتارا ہے کہ آسمانِ دنیا پر طاقتور فرشتوں کا پہرہ بٹھایا ہوا ہے، اور شیطانوں کو مارنے کے لئے بڑے بڑے شعلہ زن ستاروں کا نظام قائم فرمایا ہوا ہے، جس کی وجہ سے شیطانوں اور جنوں کو وحی الٰہی میں ذرا بھی تصرف وتبدیلی کا موقع قطعی میسر نہیں آسکا ہے۔ چنانچہ سورۂ جن میں ارشادِ الٰہی ہے:

وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّ شُهُبًا وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ [2]

”اور ہم نے آسمان کی تلاشی لینا چاہی تو ہم نے اس کو سخت پہروں اور شعلوں سے بھرا ہوا پایا اور (بعثت نبوی ونزولِ قرآن سے پہلے) ہم آسمان (کی خبریں سننے) کے مقامات میں (خبریں) سننے کے لئے جا بیٹھا کرتے تھے، لیکن اب (بعد از بعثت) جو کوئی سننا چاہتا ہے تو وہ اپنے لئے ایک تیار شعلہ پاتا ہے“۔

محافظ فرشتوں کا ایک دستہ

پس قرآن حضرتِ رب العزت سے قلبِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر بالکل محفوظ ومصئون حالت میں نازل ہوا ہے اور روح الامین کے ساتھ بھی محافظ فرشتوں کا ایک مستقل اور باقاعدہ دستہ موجود ہوتا تھا جیسا کہ ارشاد فرمایا:

---

[1] ۔البروج:۲۱،۲۲۔ [2] جن:۸،۹۔

Marfat.com

فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا [1]
تو اُس پیغمبر فرشتے کے آگے اور پیچھے محافظ فرشتے بھیج دیتا ہے۔

جبرائیل علیہ السلام کا شرف وتقدس اور دیانت وامانت

ایک دوسرے مقام میں قرآن کریم نے وحی لانے والے فرشتے جبرائیل علیہ السلام کے شرف وتقدس اور ان کی دیانت وامانت کو نیز وحی میں شیاطین کی دخل اندازی کے قطعی ناممکن ہونے کو پوری صراحت کے ساتھ ذکر فرمایا ہے، چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ [2] ''اس کو امانتدار فرشتہ لے کر آیا ہے''۔ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ذُوْ مِرَّةٍ [3] ''ان کو ایک فرشتہ تعلیم کرتا ہے جو بڑا طاقتور ہے، پیدائشی طاقتور ہے۔ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ [4] یہ قرآن کلام ہے ایک معزز فرشتہ کا لایا ہوا، جو قوت والا ہے، مالکِ عرش کے نزدیک ذی رتبہ ہے، وہاں اس کا کہنا مانا جاتا ہے، امانتدار ہے۔

نیز حق تعالیٰ شانہ کا فرمان مقدس ہے:

وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ [5]
اور اس قرآن کو شیاطین لے کر نہیں اُترے اور یہ قرآن اُن کی حالت کے مناسب ہی نہیں اور وہ اس پر قادر بھی نہیں کیونکہ وہ شیاطین وحی آسمانی کے سننے سے روک دیئے گئے ہیں۔

اِن آخری تین آیات میں شیاطین کی دستبرد کو بیان کیا:

۱۔ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ یعنی شیاطین کی یہ قطعی شان وطبیعت ہی نہیں کہ وہ اس قرآن کو لے کر آئیں،

---

[1] جن: ۲۷۔ [2] الشعراء: ۱۹۳۔ [3] النجم: ۵۔ [4] سورۃ التکویر: ۱۹، ۲۰، ۲۱۔ [5] الشعراء: ۲۱۰ تا ۲۱۲۔

Marfat.com

کیونکہ وہ شیاطین ہر خیر و برّ اور کمال وفضیلت سے بعید ہیں، ان کا طبعی مزاج قبیح و رذیل خصائل پر قائم و مبنی ہے تو پھر اس صورتحال میں یہ کیونکر ممکن ہے کہ وہ شیاطین جن کی طبیعت و خصلت سوء و شرّ، اَذٰی و ضُرّ ہے، ایسے قرآن پاک کو لے کر کیسے آسکتے ہیں؟

۲۔ وَمَا يَسْتَطِيعُوْنَ یعنی یہ بات کیونکر متصور ہو سکتی ہے کہ قرآن پاک کو شیاطین لے کر آئیں جبکہ اُن کے اندر اتنی قوت و استطاعت ہی نہیں، بلکہ وہ اس کے تحمل اور اداءِ رسالت سے بالکلیہ عاجز ہیں، کیونکہ قرآن کریم کا تحمل و اخذ اور پھر آگے اُس کی ادائیگی و رسائی اس امر کی متقاضی ہے کہ اُٹھانے والے میں مضبوط روحانی قوت اور تائید و نصرت الٰہیہ موجود ہو۔ اس لئے کہ قرآن میں عالی معارف، مقدس علوم، عالیشان مضامین اور بلند مرتبہ ٹھوس حکم و دقائق، یہ سبھی چیزیں اس قدر اتم درجہ میں موجود ہیں کہ اگر اِن آیات کریمہ کا ایک قلیل مجموعہ و حصہ بھی مستحکم اور دیو قامت پہاڑوں پر بھی اتار دیا جاتا تو وہ بھی اُس کے وزن و ثقل سے شق ہو کر ریزہ ریزہ ہو جاتے، چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ [1]

اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تُو اس کو دیکھتا کہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے دب جاتا اور پھٹ جاتا اور ان مضامینِ عجیبہ کو ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں تا کہ وہ سوچیں۔

ثقل وحی الٰہی

فرمان باری تعالیٰ ہے:

اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا [2] ''ہم آپ پر ایک بھاری کلام یعنی قرآن کریم

[1] الحشر:۲۱۔ [2] المزمل:۵۔

Marfat.com

نازل کرنے والے ہیں''۔

علاوہ ازیں امام احمد اور حاکم وغیرہما نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے:

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اونٹنی کی سواری کی حالت میں وحی نازل ہوتی تو اونٹنی (وحی کے بوجھ کی وجہ سے) اپنی گردن نیچے گرا دیتی تھی، پھر جب تک وحی کا نزول ختم نہ ہو جاتا اونٹنی ذرا بھی حرکت وجنبش نہ کرسکتی تھی، پھر عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس کی تائید میں یہ آیت تلاوت فرمائی اِنَّا سَنُلۡقِیۡ عَلَیۡكَ قَوۡلًا ثَقِیۡلًا ۔[1]

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے مروی ہے:

میں نے سخت سردی کے دنوں میں یہ ماجرا دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل ہوا کرتی اور جب نزول ختم ہو جاتا تو آپ کی مبارک پیشانی پسینے سے بہہ رہی ہوتی تھی۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صرف لفظ "غَیۡرُ اُولِی الضَّرَرِ"[2] اس حالت میں نازل ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک ران میری ران پر تھی تو وحی کے ثقل سے میری ران پھٹنے کو ہوگئی۔

اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قلب ہی یہ وزن اُٹھا سکتا ہے

نزولِ قرآن کی سہار کی طاقت جبرائیل امین کے علاوہ اسی رسول اعظم وحبیب اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی ذات مقدسہ میں ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے غیب سے اس کی استعداد و قابلیت اور قوت وصلاحیت بخشی ہے۔

عقولِ سلیمہ کا فیصلہ

اِنَّهُمۡ عَنِ السَّمۡعِ لَمَعۡزُوۡلُوۡنَ[3] یعنی عقول سلیمہ اس بات کا کیونکر تصور کرسکتی ہیں کہ شیاطین اس قرآن کریم کو لیکر نازل ہوں، جبکہ صورتحال یہ ہے کہ آسمانوں سے چوری چھپے کان لگا کر سننے سے ان کو دفع کر دیا گیا

---

[1] المزمل:۵۔ [2] النساء:۹۵ [3] شعراء:۲۱۲۔

Marfat.com

اور دُھتکار دیا گیا ہے، کیونکہ چوکیدار فرشتے اور آگ کے شعلہ زن ستارے برابر اُن کی گھات میں لگے رہتے ہیں۔

مُنزّل علیہ کی فضیلت

اِس کا دوسرا پہلو باعتبار فضیلتِ منزل علیہ کے ذکر ہوتا ہے، وہ یہ کہ جس ہستی پر یہ قرآن نازل ہوا ہے وہ شرف وطہارت، تقدس وعصمت اور دیانت وامانت کے انتہائی اعلیٰ مقام پر فائز ہے، اُس ہستی کے ساتھ شیاطین کو ایک ذرہ کے برابر بھی مناسبت وقُرب حاصل نہیں ہے، تو پھر وہ اُس مقدس ہستی کے قریب کیونکر بھٹک سکتے ہیں؟ چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے:

هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ يُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ [1]

کیا میں تمہیں بتلاؤں کہ کس پر شیاطین اُترا کرتے ہیں؟ (سنو!) ایسے شخصوں پر اترا کرتے ہیں جو دروغ گفتار، بہتان طراز اور بڑے بدکردار ہوں اور جو (شیاطین کی باتیں سننے کیلئے) کان لگا دیتے ہیں اور وہ بکثرت جھوٹ بولتے ہیں۔

آپ ﷺ کی مناسبت اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے اُن ملائکہ کے ساتھ ہے (نہ کہ شیاطین کے ساتھ) جو اُمناء، اتقیاء، اصفیاء ہیں، پس وہی اس بات کے بجا طور پر اہل و مستحق ہیں کہ اوامر و وحی الٰہی کو لیکر آپ پر نازل ہوں ،اور اُن کے قائد ورئیس جبرائیل علیہ السلام ہیں۔ پس وہی حضرتِ مَلِک دیّان عزوجل سے قرآن کو لے کر نازل ہوتے ہیں، جیسا کہ ارشاد فرمایا نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ اس قرآن کو امانت دار فرشتہ لے کر اُترا ہے، اے صادق امین! تیرے قلب پر۔ [2]

قرآن کے تحریف وتبدیل اور زیادت ونقص سے محفوظ ہونے کی دلیل

پھر مَلأ اَدنیٰ اور عالَمِ دنیا میں قرآن کے آجانے کے بعد تا ابد اُس کے تحریف وتبدیل اور زیادت ونقص

[1] الشعراء: ۲۲۱ تا ۲۲۳۔ [2] الشعراء: ۱۹۳، ۱۹۴۔

Marfat.com

سے قطعی طور پر محفوظ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود ذات حق جل مجدہٗ نے قبول فرمائی ہے، چنانچہ فرمایا اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ہم نے ہی قرآن کو نازل کیا ہے اور خاص اسی قرآن کے ہم ہی محافظ ہیں۔ [1]

اس آیت میں حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے دو عظیم اُمور کی خبر دی ہے، اول یہ کہ یہ بات قطعی ویقینی ہے کہ اس ذکرو قرآن کو اُسی کی ذات بابرکات نے نازل فرمایا ہے اور وہ کسی بھی غیر اللہ کا کلام ہرگز نہیں، کیونکہ غیر اللہ اس قرآن جیسے نہ الفاظ وکلمات لا سکتے ہیں نہ معانی واحکام، نہ اُس جیسی غیبی خبریں پیش کر سکتے ہیں نہ ویسے علوم و معارف کا صرف بعض حصہ ہی لا سکتے ہیں جو قرآن لایا ہے۔

دوم یہ کہ جس ذاتِ حق نے اس قرآن کو نازل فرمایا ہے وہی اس بات کی کفیل وضامن بھی ہے کہ اُس کو ہر قسم کی زیادت ونقصان کا تختہ مشق بننے سے قطعی طور پر محفوظ رکھے گی، تو جس طرح اس بات پر قطعی ایمان لانا ضروری ہے کہ اس قرآن کو اللہ تعالیٰ ہی نے نازل فرمایا ہے، اسی طرح اس امر کی یقینی تصدیق بھی واجب و لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ ہی قطعی طور پر اس قرآن کے محافظ ہیں، اور یہ قرآن کے خصائص میں سے ہے کیونکہ سابقہ انبیاء ورُسل پر اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے جو کتابیں نازل فرمائی ہیں اُن میں سے کسی بھی کتاب کی حفاظت کی ذمہ داری بذات خود حضرت حق جل مجدہٗ نے ہرگز قبول نہیں فرمائی، نہ تورات کی، نہ انجیل وزبور کی، نہ ان کے علاوہ اور کسی بھی کتاب کی، بلکہ ان کی حفاظت علماء ومشائخ کے سپرد فرمائی، جیسا کہ ارشادِ خُداوندی ہے:

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَ كَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ [2]

ہم نے تورات نازل کی تھی جس میں ہدایت تھی اور نور تھا، انبیاء جو کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ کے مطیع تھے اُس کے موافق یہود کو حکم وفیصلہ دیا کرتے تھے اور اہل اللہ اور علماء

---

[1] الحجر:۹۔ [2] المائدہ:۴۴۔

Marfat.com

بھی، بوجہ اس کے کہ ان کو اس کتاب اللہ کی نگہداشت کا حکم دیا گیا تھا اور وہ اس کے اقراری ہو گئے تھے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ تورات کی حفاظت کا کام اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے علماء و مشائخ کے سپرد فرمایا تھا لیکن وہ لوگ اس کو زیادت و نقصان اور تحریف سے محفوظ نہ رکھ سکے، بخلاف قرآن عظیم کے کہ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ کے بمصداق اُس کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ تبارک و تعالیٰ نے لی ہے، لہٰذا اس میں نہ آج تک کوئی تبدیلی و تحریف اور کمی و بیشی راہ پاسکی ہے اور نہ آئندہ کبھی بھی قیامت تک ایسا ہو سکے گا، کیونکہ اللہ کی حفیظ و علیم ذات نے خود اس کی حفاظت کی ضمانت و کفالت قبول فرمائی ہے اور خالق و مخلوق دونوں کی حفاظت میں زمین و آسمان سے بھی کہیں ''بے شمار درجہ'' زیادہ فرق و تفاوت ہے۔

ایک دوسری آیت میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَّا يَأْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ [1]

(یہ قرآن بڑی باوقعت کتاب ہے) جس میں غیر واقعی بات نہ اس کے آگے کی طرف سے آسکتی ہے اور نہ اس کے پیچھے کی طرف سے، یہ خدائے حکیم و محمود کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔

آگے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں کوئی پیش قدمی کر کے زیادتی نہیں کر سکتا، یا آگے کا مقصد یہ ہے کہ اس سے پہلے کوئی بھی ایسی کتاب موجود نہیں جو اس کی تحقیر و تنقیص و تردید کرے، اور پیچھے کا مقصد یہ ہے کہ اس کے بعد بھی کوئی ایسی کتاب نہیں آئے گی جو اس کو منسوخ یا غلط قرار دے سکے۔

مذکورۂ بالا آیات سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ یہ قرآن، عابثین کے عبث اور مُتلاعِبین کے تلاعب سے، نیز ہر قسم کی کمی و بیشی اور تغییر و تبدیلی سے قطعی محفوظ و مصئون ہے، یہ وہ امر ہے جس پر جزماً ایمان لانا اور قطعاً اس کا اعتقاد رکھنا ہر مسلمان پر لازم و ضروری ہے، کیونکہ فرمان الٰہی وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ

[1] حٰم السجدۃ: ۴۲۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کی مضبوط کفالتِ حفظ کی مؤکد خبر اور اس کے قطعی وعدہ کا حامل ہے، اب اگر قرآن میں کسی قسم کا تغیر و تبدل یا زیادت ونقص واقع ہو جاتا ہے تو نہ یہ خبر صحیح رہے گی نہ اللہ کا یہ وعدہ حفاظتِ قرآن سچا رہے گا اور اس چیز سے اُس کی ذات وراء ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ کبھی اپنے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں فرماتے اور اس کی خبر انتہائی سچی اور قطعی الوقوع ہے اور اس کے قول وعہد وخبر سے کسی کا قول وعہد وخبر بھی بڑھ کر نہیں ہوسکتی وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ قِیْلًا ''اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ کس کا کہنا صحیح ہوگا''۔[۱] وَمَنْ اَوْفٰی بِعَھْدِہٖ مِنَ اللّٰہِ ''اور اللہ سے زیادہ اپنے عہد کو کون پورا کرنے والا ہے''۔[۲]

الغرض اللہ تعالیٰ کی خبر ہرگز جھوٹی نہیں ہوسکتی، نہ اس کے وعدہ میں خلاف ورزی کا کوئی تصور وشائبہ آسکتا ہے اور نہ اس کی کفالت وضمانت ٹوٹ سکتی ہے۔ نیز ارشادِ خداوندی: لَا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَكِیْمٍ حَمِیْدٍ [۳] میں یہ خبر دی گئی ہے کہ اس قرآن میں باطل ہرگز نہیں آسکتا اور خلاف واقع کوئی بھی چیز اس کی طرف راہ نہیں پاسکتی، نہ اس کی عبارات ونصوص کی طرف اور نہ اس کے معانی ومطالب کی طرف۔ پس یہ قول، ہر قسم کے تلاعب اور زیادت ونقص سے قرآن پاک کے محفوظ ہونے کی دلیل ہے۔

قرآن پاک میں کبھی بھی کسی قسم کی کوئی تبدیلی یا کمی وبیشی اور تحریف راہ نہیں پاسکتی، نہ اس کے کلمات والفاظ وحروف میں نہ اس کے معانی ومطالب ومفاہیم واحکام میں، کل کائنات کے علماء وعوام اس امر پر متفق ہیں کہ قرآن میں نہ اس متن سے ایک حرف زیادہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کو دیا تھا اور نہ اس میں سے ایک حرف یا ایک شوشہ کی کمی ہوئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ آخری حج میں عربی، ایرانی، یمنی، بنی اسرائیل، بنی قنطورہ، قبطی، حبشی سب شامل تھے اور ابدی خوشخبری قرآن مجید سب کے سینوں میں محفوظ تھا، نہ چھینا جاسکتا تھا، نہ جلایا جاسکتا تھا، نہ چرایا جاسکتا تھا، نہ تحریف کیا جاسکتا تھا، اور آج چودہ سو سال گزرنے کے بعد بھی اسی طرح محفوظ ہے اور ابد تک محفوظ رہے گا۔

[۱] النساء:۱۲۲۔ [۲] التوبۃ:۱۱۱۔ [۳] حم السجدۃ:۴۲۔

Marfat.com

بائبل کے ایڈیشنوں میں ترمیم و تنسیخ ہوتی رہتی ہے، احکام بدلتے رہتے ہیں، مثلاً سبت کا دن ہفتہ کی بجائے اتوار ہو گیا، توحید کی جگہ تثلیث نے لے لی، ابدی عہد ختنہ ترک کر دیا گیا وغیرہ وغیرہ مگر قرآن مجید اپنے اصلی متن کے ساتھ قائم ہے، اس وقت دنیا میں اپنی اصلی شکل اور متن میں نہ ہندوؤں کے وید موجود ہیں، نہ زرتشت کے ژند و پاژند، نہ موسیٰ علیہ السلام کی تورات، نہ داؤد علیہ السلام کی زبور اور نہ مسیح علیہ السلام کی انجیل، اگر ہے تو صرف کلام اللہ کتاب قرآن مجید ہے جس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے لیا ہوا ہے، اور یہ کتاب سینوں میں محفوظ ہے اور اتنی کثرت سے دُہرائی اور سنائی جاتی ہے کہ اس میں تحریف و تنسیخ کی گنجائش نہیں۔

تحریف سے پاک کتاب

ولیم میور نے اپنی کتاب دی لائف آف محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں لکھا ہے کہ قرآن دنیا کی محفوظ ترین کتاب ہے، جس صورت میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ میں تھی اسی صورت میں آج بھی موجود ہے، ۱۹۳۳ء میونخ یونیورسٹی جرمنی میں قرآن مجید کی تحقیقات کا ایک ادارہ قائم کیا گیا، اس کا مقصد قرآن کریم کی صحت کو پرکھنا تھا، چنانچہ ساری دنیا سے قرآن مجید کے قدیم ترین نسخے جمع کئے گئے، جمع کرنے کا یہ عمل تین نسلوں تک جاری رہا اور بیالیس ہزار نسخوں کی فوٹو کاپیاں جمع ہوئیں، ان کے موازنے اور مقابلے کے بعد یونیورسٹی نے جو رپورٹ شائع کی اس میں اعتراف کیا گیا کہ ان نسخوں میں کتابت کی اغلاط تو کہیں ملتی ہیں لیکن اختلاف کی ایک بھی روایت نہیں، اس طرح حفاظت قرآن کا دعویٰ خداوندی آج بھی قائم ہے، چنانچہ چودہ صدیاں گزرنے کے باوجود قرآن پاک اپنی اصلی حالت میں موجود ہے، اس میں کسی تحریف کی کوئی گنجائش نہیں۔

حفاظتِ قرآن کا ایک بڑا ذریعہ، حفظِ قرآن

اہلِ عرب کا حافظہ غضب کا تھا، انہیں اپنے نسب نامے زبانی یاد ہوتے تھے، حتیٰ کہ بعض لوگ حضرت آدم علیہ السلام تک اپنے آباء واجداد کے نام فرفر سناتے تھے۔ ہزاروں اشعار پر مشتمل لمبے چوڑے قصیدے یاد رکھنا اُنکے چنداں مشکل نہیں تھا۔ بسا اوقات وہ ان لمبی لمبی نظموں کو صرف ایک بار سُن کر یاد کر لیتے تھے۔

Marfat.com

دوسرے مذہب کی کتابیں تحریر ہوئیں لیکن کوئی کتاب مکمل حفظ نہ کی جاسکی، نتیجۃً ان میں تحریف و تصحیف نے راہ پالی، تورات، زبور اور انجیل جیسی آسمانی اور الہامی کتابیں انسانی دستبرد سے نہ بچ سکیں، بلکہ مفادات کی بھینٹ چڑھ گئیں۔ اگر قرآن کی حفاظت کا دارومدار صرف تحریر پر ہوتا اور اُسے حفظ نہ کیا جاتا تو (معاذ اللہ) اِس کا بھی یہی انجام ہوتا۔

صاحب ''زبدۃ البیان'' لکھتے ہیں:

كَانَ دَأْبُ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ مِنْ اَوَّلِ نُزُوْلِ الْوَحْيِ اِلٰى آخِرِهِ الْمُسَارَعَةَ اِلٰى حِفْظِهِ [1]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول نزول وحی کے اول سے آخر تک یہ رہا کہ وہ اُسے فوراً حفظ کر لیتے تھے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہزاروں کی تعداد میں تھے، جنہیں مکمل قرآن حفظ تھا۔ دورِ نبوت میں حفاظ کی اتنی کثرت تھی کہ مسلمان اور حافظ قرآن کا ایک ہی مفہوم سمجھا جاتا تھا، ہر مسلمان حافظ قرآن تھا یا اُسے قرآن کا بیشتر حصہ ازبر ہوتا تھا۔ اِس کثرت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جس وقت غزوۂ اُحد کے شہیدوں کو دفن کیا جانے لگا اور جگہ کی تنگی کی وجہ سے ایک ایک قبر میں دو دو اور تین تین میتوں کو اکٹھے دفن کرنے کا فیصلہ ہوا تو سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پوچھتے تھے:

"اَيُّهُمْ اَكْثَرُ اَخْذًا لِلْقُرْآنِ" [2]

اِن میں سے کس کو قرآن کا زیادہ حصہ یاد ہے۔

جسے زیادہ یاد ہوتا اُسے قبلہ کی جانب دوسروں سے پہلے قبر میں اُتارا جاتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پوچھنے کا یہ انداز بتا رہا ہے کہ تمام شہداء اُحد کو قرآن حکیم یاد تھا، فرق صرف اتنا تھا کہ کسی کو زیادہ یاد تھا اور کسی کو کم، ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم صرف کمی اور زیادتی ہی کے بارے میں دریافت کرنے پر اکتفا نہ فرماتے بلکہ یہ بھی پوچھتے کہ اِن

[1] زبدۃ البیان فی رسوم مصاحف عثمان۔ [2] صحیح بخاری، باب من قتل من المسلمین یوم احد۔

Marfat.com

میں سے کس کو قرآن یاد ہے اور کس کو نہیں ہے۔

صفر ۴ ہجری میں ایک سردار ابو براء عامر بن مالک کلابی کی درخواست پر رسول اللہ ﷺ نے ستر حفاظ قرآن کی ایک جماعت نجد کی طرف بھیجی، بئر معونہ کے مقام پر بدعہدی کر کے اُن حاملینِ قرآن پر حملہ کر دیا گیا، دو افراد (کعب بن زید اور عمرو بن اُسید ضمری رضی اللہ عنہما) کے سوا باقی سب کے سب شہید ہو گئے۔

یہ واقعہ اس امر کی روشن دلیل ہے کہ اُس زمانے میں مدینہ منورہ میں قرآن کے حافظوں کی اچھی خاصی تعداد موجود تھی کہ محض ایک قبیلہ کی تعلیم کے لئے ستر حافظ تیار ہو گئے۔

۱۱ ہجری میں جھوٹے مدعی نبوت مسیلمہ کذاب لعنۃ اللہ علیہ کے خلاف لڑی گئی جنگ میں شہید ہونے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سات سو (۷۰۰) کی تعداد قرآن کے حافظوں ہی کی تھی۔ اِس کے علاوہ دوسری جنگوں میں بھی شہید ہونے والوں میں حفاظ کا پلہ بھاری رہتا تھا۔

اِن واقعات اور شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ خیر القرون میں تقریباً سبھی مسلمان قرآن کے حافظ ہوا کرتے تھے (اِلَّا مَاشَاءَاللّٰہُ)، حفاظ قرآن کی اسی کثرت کے بارے میں پروفیسر صارم لکھتے ہیں:

> حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں دس ہزار حافظ زیادہ مشہور تھے، ان دس ہزار میں ۳۷ کو خصوصیتِ خاصہ حاصل تھی۔ [۱]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں اپنی افواج کے سالاروں کی طرف یہ فرمان بھیجا تھا کہ وہ اپنی اپنی فوج کے حفاظ کی فہرست مرتب کر کے دار الخلافہ بھیجیں تاکہ اُن کے مرتبہ کے مطابق بیت المال سے اُن کا وظیفہ مقرر کیا جائے اور انہیں اسلامی علاقوں میں قرآن کی تعلیم کیلئے متعین کیا جائے۔ اس فرمان کی تعمیل کی گئی، تنہا حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اپنے یہاں سے تین سو سے کچھ زائد حفاظ کرام کی فہرست بھیجی تھی۔ [۲]

مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں نے بھی قرآن حفظ کیا تھا، اُن کی تعداد بھی اچھی خاصی ہے جن میں سے حسبِ ذیل چار محترمات زیادہ شہرت رکھتی ہیں:

[۱] تاریخ القرآن، صارم ص ۳۵۔ [۲] تاریخ القرآن، پروفیسر عبد اللطیف رحمانی ص ۵۳۔

Marfat.com

امہات المؤمنین میں سے حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت حفصہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہن، اور دیگر صحابیات میں سے حضرت ام ورقہ بنت نوفل رضی اللہ عنہا۔ [۱]

حفاظتِ قرآن کا ایک عجیب واقعہ

کتبِ تاریخ میں حفاظتِ قرآن کے بہت سے واقعات ملتے ہیں، ذیل میں مامون رشید کے دور کا ایک واقعہ پیش کیا جاتا ہے، یہ واقعہ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۷۱ ھ) نے اپنی تفسیر ''الجامع لاحکام القرآن'' میں سند کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔ [۲]

اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی تفسیر میں اسے نقل کیا ہے، حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس جگہ سند متصل کے ساتھ ایک واقعہ مامون کے دربار کا نقل کیا ہے کہ مامون کی عادت تھی کہ کبھی کبھی اس کے دربار میں علمی مسائل پر بحث ومباحثے اور مذاکرے ہوا کرتے تھے جس میں ہر اہل علم کو آنے کی اجازت تھی۔ ایسے ہی ایک مذاکرہ میں ایک یہودی بھی آ گیا جو صورت شکل اور لباس وغیرہ کے اعتبار سے بھی ایک ممتاز آدمی معلوم ہوتا تھا، پھر گفتگو کی تو وہ بھی فصیح وبلیغ اور عاقلانہ گفتگو تھی، جب مجلس ختم ہوگئی تو مامون نے اس کو بلا کر پوچھا کہ تم اسرائیلی ہو؟ اس نے اقرار کیا، مامون نے (امتحان لینے کیلئے) کہا کہ اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو ہم تمہارے ساتھ بہت اچھا سلوک کرینگے۔ اس نے جواب دیا کہ میں نے اپنے اور اپنے آباواجداد کے دین کو نہیں چھوڑنا، بات ختم ہو گئی، وہ شخص چلا گیا۔

پھر ایک سال کے بعد یہی شخص مسلمان ہو کر آیا اور مجلس مذاکرہ میں فقہ اسلامی کے موضوع پر بہترین تقریر اور عمدہ تحقیقات پیش کیں۔ مجلس ختم ہونے کے بعد مامون نے اس کو بلا کر کہا تم وہی شخص ہو جو سال گزشتہ آئے تھے؟ جواب دیا ہاں وہی ہوں، مامون نے پوچھا کہ اس وقت تو تم نے اسلام قبول

---

[۱] تاریخ القرآن، صارم ص ۳۶۔ [۲] تفسیر الجامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۵۔

Marfat.com

کرنے سے انکار کر دیا تھا پھر اب مسلمان ہونے کا سبب کیا ہوا؟

اس نے کہا کہ یہاں سے لوٹا تو میں نے موجودہ مذاہب کی تحقیق کرنے کا ارادہ کیا، میں ایک خطاط اور خوشنویس آدمی ہوں، کتابیں لکھ کر فروخت کرتا ہوں تو اچھی قیمت سے فروخت ہو جاتی ہیں۔ میں نے امتحان کرنے کے لئے تورات کے تین نسخے کتابت کئے، جن میں بہت جگہ اپنی طرف سے کمی بیشی کر دی اور یہ نسخے لے کر میں کنیسہ میں پہنچا، یہودیوں نے بڑی رغبت سے اُن کو خرید لیا، پھر اسی طرح انجیل کے تین نسخے کمی بیشی کے ساتھ کتابت کر کے نصاریٰ کے عبادت خانہ میں لے گیا، وہاں بھی عیسائیوں نے بڑی قدر و منزلت کے ساتھ یہ نسخے مجھ سے خرید لئے۔ پھر یہی کام میں نے قرآن کے ساتھ کیا، اس کے بھی تین نسخے عمدہ کتابت کئے جن میں اپنی طرف سے کمی بیشی کی تھی، ان کو لے کر جب میں فروخت کرنے کے لئے نکلا تو جس کے پاس لے گیا اُس نے دیکھا کہ صحیح بھی ہے یا نہیں، جب کمی بیشی نظر آئی تو اُس نے مجھے واپس کر دیا۔ اس واقعہ سے میں نے یہ سبق لیا کہ یہ کتاب محفوظ ہے اور اللہ تعالیٰ جل جلالہ ہی نے اس کی حفاظت کی ہوئی ہے، اس لئے مسلمان ہو گیا۔

قاضی یحییٰ بن اکثم رحمۃ اللہ علیہ اس واقعہ کے راوی ہیں، کہتے ہیں:

اتفاقاً اسی سال مجھے حج کی توفیق ہوئی، وہاں سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوئی تو یہ قصہ اُن کو سُنایا۔ انہوں نے فرمایا بے شک ایسا ہی ہونا چاہئے کیونکہ اس کی تصدیق قرآن میں موجود ہے۔ یحییٰ بن اکثم نے پوچھا قرآن کی کون سی آیت میں؟ تو فرمایا کہ قرآن عظیم نے جہاں تورات و انجیل کا ذکر کیا ہے اس میں تو فرمایا بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ [1] یعنی یہود و نصاریٰ کو کتاب اللہ تورات و انجیل کی حفاظت کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ یہی وجہ ہوئی کہ جب یہود و نصاریٰ نے فریضہ حفاظت ادا نہ کیا تو یہ کتابیں مسخ و محرف ہو کر ضائع ہو گئیں۔ بخلاف قرآن کریم کے کہ اس کے متعلق حق تعالیٰ نے فرمایا اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ یعنی ہم ہی اس کے محافظ ہیں اس لئے اس کی حفاظت حق تعالیٰ نے خود فرمائی تو دشمنوں کی ہزاروں کوششوں کے باوجود اس کے ایک نقطہ اور ایک زیر و زبر میں فرق نہ آ سکا۔

---

[1] المائدہ: ۴۴۔

Marfat.com

یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

''آج عہدِ رسالت کو بھی تقریباً چودہ سو برس ہو چکے ہیں، تمام دینی اور اسلامی امور میں مسلمانوں کی کوتاہی اور غفلت کے باوجود قرآن کریم کے حفظ کرنے کا سلسلہ تمام دنیا کے مشرق و مغرب میں اسی طرح قائم ہے، ہر زمانہ میں لاکھوں بلکہ کروڑوں مسلمان جوان، بوڑھے، لڑکے اور لڑکیاں ایسے موجود رہتے ہیں جن کے سینوں میں پورا قرآن محفوظ ہے، کسی بڑے سے بڑے عالم کی بھی مجال نہیں کہ ایک حرف غلط پڑھ دے، اسی وقت بہت سے بڑے اور بچے اس کی غلطی پکڑ لیں گے۔

موجودہ زمانے میں حفّاظِ قرآن

اس زمانے میں بھی ہمارے پاکستان میں اندازہ اور تخمینہ کے مطابق ستر لاکھ حفاظ قرآن ہیں اور ہر سال وفاق المدارس کے مطابق چالیس پچاس ہزار طلبہ قرآن حفظ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمان بچوں بچیوں میں حفظِ قرآن کا بے پناہ شوق رکھا ہے۔

ایک مرتبہ ہم مظفر گڑھ سے آگے ایک جگہ گئے، وہاں پر تقریباً آٹھ یا نو سال کی بچی ہوگی، اس چھوٹی سی بچی نے چار مہینے میں قرآن حفظ کرلیا، ایسے بچے ملیں گے سات سال، آٹھ سال کی عمر میں اللہ کا قرآن حفظ کر رہے ہیں۔ اللہ نے قرآن کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے، قیامت تک اس کے الفاظ کی بھی حفاظت کریں گے اور قرآن کے معانی کی بھی حفاظت کریں گے۔ بخاری شریف، مسلم، نسائی، ترمذی، ابوداؤد، دارقطنی یہ سب قرآن شریف کے معانی ہیں جو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کئے، اللہ تعالیٰ جل جلالہ قیامت تک ان کی بھی حفاظت فرمائیں گے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور حفاظتِ قرآن

مامون کے زمانے میں خلق قرآن کا فتنہ برپا ہوا تھا اس میں علماء پر بڑا ابتلاء آیا، سخت سے سخت آزمائشوں سے گزرنا پڑا۔ اہلِ حق کا یہ عقیدہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی ذات شروع سے اور ہمیشہ ہمیشہ سے موجود ہے اسی طرح قرآن پاک جو اس کا کلام ہے وہ بھی ازل سے اور ہمیشہ ہی سے موجود ہے، بعد میں نہیں بنایا گیا

Marfat.com

ہے، مگر اس کے مقابلے میں معتزلہ اور اہلِ ظواہر فرقِ باطلہ کا یہ خیال ہے کہ ایسا نہیں ہے بلکہ قرآن کریم بعد میں بنایا گیا ہے۔ اس باطل نظریہ کا نام عُرف میں ''خلقِ قرآن کا عقیدہ'' ہے۔

مامون پر معتزلہ اور جہمیّہ کی ایک جماعت کے نظریات کا غلبہ ہو چکا تھا ان لوگوں نے مامون کو حق کے راستے سے باطل کی طرف مائل کر دیا تھا اور اسکے سامنے خلقِ قرآن اور نفیِ صفاتِ خداوندی کے غلط نظریات کو خوش نما بنا کر اس کو اپنا ہمنوا بنا لیا تھا۔ مامون نے اپنی وفات سے کچھ ہی مہینے پہلے ۲۱۸ھ میں طرسوس سے بغداد، اپنے عامل اسحاق بن ابراہیم بن مصعب کے نام ایک خط بھیجا، جس میں اس کو حکم دیا کہ لوگوں کو خلقِ قرآن کے نظریہ کی دعوت دے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے ابتلاء اور تکلیفیں برداشت کرنے کا قصہ

اسحاق نے خط پہنچنے پر وقت کے ائمہ حدیث کی ایک جماعت کو بلوایا جس میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ چوٹی کے علماء، قُتیبہ، ابوحیان، علی بن ابی مقاتل، بشر بن ولید کندی، ابن علیہ، محمد بن حاتم، وغیرھم شامل تھے۔ اسحاق نے ان حضرات کو خلقِ قرآن کے نظریہ کی دعوت دی۔ ان سب نے انکار کیا، جس پر اسحاق نے اُنہیں سخت ضرب (مار پٹائی) اور وظائف کی بندش کی دھمکی دی، اس پر اکثر حضرات نے رُخصتِ شرعیہ پر عملدرآمد کرتے ہوئے بدرجہ مجبوری اُس کی بات پر لبیک کہہ دیا، لیکن امام احمد بن حنبل اور محمد بن نوح جندیسا پوری، یہ دو حضرات ہمت وعزیمت پر کاربند ہوتے ہوئے برابر اپنے نظریاتِ حَقّہ پر ڈٹے رہے۔

اسحاق نے مامون کے حکم پر ان دونوں حضرات کو بغداد سے طرسوس خلیفہ کے پاس روانہ کر دیا، دونوں حضرات کے پاؤں پر بیڑیاں تھیں اور ایک ہی اونٹ پر کجاوہ کے دونوں طرف دو دھڑوں کی شکل میں سوار تھے۔ راستے میں مقام بلا درحبہ سے گزر ہوا تو جابر بن عامر نامی ایک صالح وعابد اعرابی، ان دونوں حضرات کے پاس آیا، آ کر اُس نے امام احمد کو سلام کیا اور ان رِقّت انگیز الفاظ میں نصیحت کی:

''احمد! آپ لوگوں کے قاصد ونمائندے بن کر جا رہے ہو، لوگوں کے لیے منحوس نہ ثابت ہونا،

Marfat.com

آج آپ کو دعوت دے رہے ہیں خبر دار! اس پر ان کو ہرگز لبیک نہ کہنا ورنہ سب لوگ بھی ان کی دعوت پر لبیک کہہ دیں گے اور قیامت کے دن ان سب کے گناہوں کا بوجھ آپ کو اُٹھانا پڑے گا۔ اگر تم اللہ کی ذات سے محبت کرتے ہو تو جس نظریہ حقہ پر قائم ہو اُسی پر ڈٹے رہنا اور صبر سے کام لینا، کیونکہ تمہارے اور جنّت کے درمیان بس اتنا ہی فاصلہ ہے کہ تم شہید ہو جاؤ (اور شہید ہوتے ہی جنّت میں پہنچ جاؤ گے) اگر تم شہید نہ ہوئے تو سوچو بالآخر تمہیں مرنا تو ہے ہی (پھر کیوں نہ شہادت کی موت کو اپنے لیے باعثِ شرافت سمجھو) اور اگر تم زندہ رہے تو لوگوں کی نظر میں محبوب اور ستودہ صفات بن کر زندہ رہو گے''۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اُس شخص کی نصیحت سے میرے اس عزم کو بہت تقویت ملی ''کہ جس غلط نظریہ کی یہ لوگ مجھے دعوت دے رہے ہیں مَیں نے اُس پر ہرگز لبیک نہیں کہنا ہے''۔

جب یہ دونوں حضرات خلیفہ کے لشکر کے قریب پہنچ گئے اور اُس سے ایک کوس کے فاصلے پر ان کا پڑاؤ ہوا تو خلیفہ کا ایک ملازم اپنے کپڑے کے پلّہ سے آنسو پونچھتا ہوا، اُن دونوں کے پاس آیا، کہنے لگا:

''اے ابوعبداللہ! میں سخت کوفت میں مبتلا ہوں، آج مامون نے تلوار اس زور شور سے سونتی ہوئی ہے کہ اس سے پہلے کبھی بھی ویسی نہیں سونتی اور اُس نے اپنی قرابتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قسم اٹھا کر یہ عزم کیا ہوا ہے کہ اگر آج آپ نے اس کے خَلقِ قرآن کے نظریہ پر لبیک نہ کہا تو اُس تلوار سے ضرور وہ آپ کو شہید کر ڈالے گا۔

شاہی ملازم کی یہ بات سن کر امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اپنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور آسمان کی طرف نظر اٹھا کر یہ دُعا کی:

''اے میرے سردار و مولیٰ! اس بدکار بادشاہ کو تیری بُردباری نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے، حتّٰی کہ اب وہ تیرے اولیاء کو مارنے اور شہید کرنے کی جسارت کرنے لگا ہے، اے اللہ! اگر

Marfat.com

قرآن تیرا غیر مخلوق (اور اَزلی) کلام ہے تو ہمیں اس کی تکلیف اور سزا سے تو کافی ہو جا اور ہم دونوں کو مامون کے ساتھ اکٹھا ہونے سے بچا لے کہ نہ ہم دونوں اس کو دیکھ سکیں اور نہ وہ ہم دونوں کو دیکھ سکے"۔

چنانچہ اسی رات کے آخری تہائی حصّے میں ان دونوں حضرات نے مامون کی موت پر چیخ و پکار اور رونے کی آواز سُن لی، اور اس طرح اللہ پاک نے اپنی رحمت سے احمد اور محمد بن نوح کو مامون کے ساتھ اکٹھا ہونے کا موقع ہی نہ آنے دیا بلکہ ان دونوں کے اُس کے پاس پہنچنے سے پہلے ہی اس کو ہلاک کر ڈالا اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے بندے اور اپنے ولی امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی دعا کو شرفِ قبولیت بخش دیا کہ نہ ان دونوں نے مامون کو دیکھا اور نہ مامون کو ان دونوں کے دیکھنے کی نوبت آسکی۔

مامون کی موت کے بعد ان دونوں حضرات کو اسی جکڑ بندی کی حالت میں بغداد واپس بھیج دیا گیا، راستے میں محمد بن نوح کا انتقال ہو گیا، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اُن کی نماز جنازہ پڑھائی۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے قید و بند اور کوڑوں کی سزا برداشت کرنے کا قصّہ

مامون کے بعد اس کا بھائی معتصم باللہ خلیفہ بنا، جب امام احمد رحمۃ اللہ علیہ بغداد پہنچے تو رمضان شریف کا مہینہ تھا، آپ کو جیل خانہ میں محبوس کر دیا گیا (جہاں آپ تقریباً اٹھارہ (۱۸) مہینے اور بقول بعض کُچھ اوپر تیس (۳۰) مہینے مُقید رہے)۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ جیل خانہ میں پاؤں میں بیڑیاں پہنے پہنے ہی نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔ معتصم باللہ نے حکم کیا کہ امام احمد کو اُس کے سامنے پیش کیا جائے، پیشی کے آرڈر پر بیڑیوں میں اضافہ کر دیا گیا، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بیڑیاں اتنی وزنی تھیں کہ میں ان کے ساتھ چلنے کی سکت نہ رکھتا تھا تو میں نے اُن کا سرا کُرتے کی گھنڈی میں باندھ دیا اور ہاتھ سے بیڑیوں کا وزن اٹھاتے ہوئے چلا۔ جیل کے عملہ کے لوگ میرے لیے ایک سواری لائے جس پر مجھے سوار کر کے شاہی محل لے جایا گیا، کئی دفعہ میں بیڑیوں کے وزن کی

Marfat.com

وجہ سے منہ کے بل گرتے گرتے بچا، ان لوگوں نے میرے ساتھ کوئی ایسا شخص نہ چھوڑا جو مجھے سواری پر سہارا دیتا۔ اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے دستگیری فرمائی اور بالآخر ہم معتصم کے محل تک پہنچ گئے۔ مجھے ایک تاریک اور اندھیرے کمرے میں بند کر دیا گیا، میں نے وُضو کا ارادہ کیا اور اپنا ہاتھ بڑھایا تو ایک برتن ہاتھ لگ گیا جس میں پانی موجود تھا، اُس سے میں نے وضو کیا اور پھر نماز کے لیے کھڑا ہو گیا، مجھے قبلہ کی سمت معلوم نہ تھی مگر صُبح کا اُجالا ہونے پر معلوم ہوا کہ بحمد اللہ میرا قبلہ رُخ درست تھا۔ صبح کو معتصم باللہ کے سامنے میری پیشی ہوئی، اُس کے پاس قاضی ابن ابی دُواد بھی موجود تھا۔

خلیفہ نے مجھے دیکھ کر حاضرین مجلس سے کہا: ''تم تو کہتے تھے کہ وہ شخص نوعمر ہے مگر یہ تو اُدھیڑ عمر بوڑھا ہے''۔ جب میں نے قریب پہنچ کر سلام کیا تو مجھ سے معتصم نے کہا ''قریب ہو جایئے'' وہ مجھے برابر قریب کرتا رہا حتّٰی کہ میں اس کے بہت نزدیک ہو گیا، پھر کہنے لگا۔ ''بیٹھ جایئے'' میں بیٹھ گیا، میں بیڑیوں کے وزن سے بوجھل اور لاچار تھا، سب حاضرین میری بیچارگی کا تماشا دیکھتے رہے، تھوڑی دیر تو میں خاموش بیٹھا رہا، پھر یوں گفتگو ہوئی:

احمد: امیر المومنین! آپ کے ابُو العَم جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کس چیز کی دعوت دی ہے؟

خلیفہ: ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' اور کلمہ توحید کی گواہی کی دعوت دی ہے۔

احمد: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، پھر میں نے خلیفہ کے سامنے وفد عبد القیس کے متعلق ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث بیان کی اور میں نے کہا یہ وہ چیز ہے جس کی جانب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوت دی ہے۔ اس کے بعد ابن ابی دُواد نے خلیفہ سے چُپکے سے کوئی بات کی مگر میں اس کو سمجھ نہ سکا۔

خلیفہ: ''اگر آپ میرے پیشرو خلیفہ کے قبضے میں نہ ہوتے تو میں آپ کو کچھ نہ کہتا''، پھر کہا اے عبد الرحمن (بن اسحاق) کیا میں نے تمہیں حکم نہیں دے دیا تھا کہ اُنکی سزا اُٹھا دو۔

احمد: اللہ اکبر! یہ تو مسلمانوں پر بہت کُشادگی اور آسانی و راحت کا موجب بن جاتا (مگر اے کاش! ایسا نہ ہو سکا)۔

Marfat.com

مجلسِ مناظرہ

خلیفہ: اے عبدالرحمن! ان سے مناظرہ اور تبادلہ خیال کرو۔

عبدالرحمن: اے احمد! تمہارا قرآن کے بارے میں کیا قول ہے؟ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے کوئی جواب نہ دیا تو معتصم نے کہا اس کو جواب دیجیے؟

احمد: تمہارا علمِ باری تعالیٰ کے بارے میں کیا قول ہے؟

(عبدالرحمن خاموش رہا تو میں نے کہا) قرآن اللہ کا علم ہے اور جو یہ گمان کرے کہ اللہ کا علم مخلوق یعنی بعد میں پیدا ہوا ہے اُس نے اللہ کے ساتھ کُفر کیا (عبدالرحمن پھر خاموش رہا اور حاضرین مجلس آپس میں کہنے لگے اے امیر المومنین! اس نے آپ کو بھی کافر بناڈالا اور ہمیں بھی، مگر خلیفہ نے اس بات پر کوئی خاص توجہ نہ دی اور اس پر کان نہ دھرے)۔

عبدالرحمن: اللہ کی ذات تھی اور قرآن نہ تھا۔

احمد: کیا اللہ کی ذات تھی اور اس کا علم موجود نہ تھا؟ (کوئی عقل کی بات کرو، عبدالرحمن اس تیسری بات پر بھی خاموش رہا۔ اس کے بعد حاضرین مجلس کچھ اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگے)۔

بعض حاضرین مجلس: کیا اللہ تعالیٰ نے ارشاد نہیں فرمایا اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ (اللہ ہر چیز کا خالق ہے) اور کیا قرآن بھی ایک شئ نہیں؟ (یعنی ہے تو پھر وہ بھی مخلوق ہوا)

احمد: اللہ تعالیٰ نے تو یہ بھی ارشاد فرمایا ہے تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ (قوم عاد پر مُسلط ہوا ہر چیز کو نیست و نابود کر رہی تھی) تو جس چیز کو اللہ نے باقی و موجود رکھنا چاہا اُس کو ہوا نے ہلاک نہیں کیا بلکہ وہ مستثنیٰ ہے اسی طرح مذکورہ بالا آیت میں خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ سے قرآن وغیرہ بعض اشیا مستثنیٰ ہیں کہ وہ مخلوق نہیں بلکہ ازلی و قدیم ہیں۔

بعض حاضرین مجلس: ارشاد خُداوندی ہے مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ ذِكْرٍ مِنْ رَبِّهِمْ مُحْدَثٍ (ان کے پاس ان کے پروردگار کی طرف سے کوئی بھی نیا ذکر نہیں آتا مگر وہ) تو کیا کوئی مُحدَث اور نئی چیز ازلی و قدیم بھی ہو سکتی ہے؟

Marfat.com

احمد: دوسری جگہ ارشادِ خداوندی ہے صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّکْرِ (قسم ہے نصیحت والے قرآن کی) تو قرآن کا نام اَلذِّکْر ہے الف ولام کے ساتھ اور مذکورہ بالا آیت میں ذِکْر آیا ہے بغیر الف ولام کے لہٰذا معلوم ہوا کہ یہاں ذِکر سے مراد قرآن کے علاوہ اور کوئی ذِکر ہے مثلاً ذِکْرُ الرَّسُوْل یا وَعْظُ الرَّسُوْل (اور احتمال ہے کہ مُحْدَث سے مراد تنزیل قرآن ہو نہ کہ خود قرآن اور تنزیل بلاشبہ مُحْدَث اور نئی چیز ہے)۔

بعض حاضرین مجلس: عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ الذِّکْرَ (یقیناً اللہ نے الذِّکر کو پیدا کیا) یہاں تو الذِّکْر الف ولام کے ساتھ ہے جس سے مُراد قرآن ہے۔

احمد: یہ روایت غلط ہے اور صحیح روایت یوں ہے وَ کَتَبَ اللّٰہُ فِی الذِّکْرِ کُلَّ شَیْءٍ (یعنی اللہ نے لوحِ محفوظ میں ہر چیز لکھ دی ہے۔ اور قرآن کی کتابت گو بعد میں ہوئی مگر خود کلام اللہ پہلے ہی سے ہے)

بعض حاضرین مجلس: ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے مَا خَلَقَ اللّٰہُ مِنْ جَنَّۃٍ وَّلَا نَارٍ وَّلَا سَمَاءٍ وَّلَا اَرْضٍ اَعْظَمَ مِنْ اٰیَۃِ الْکُرْسِیِّ (اللہ نے آیۃ الکرسی سے بڑی کوئی چیز پیدا نہیں کی جنّت نہ جہنم، آسمان نہ زمین) معلوم ہوا کہ آیۃ الکرسی بھی مخلوق ہے۔

احمد: پیدا کرنے کا لفظ جنّت وجہنّم آسمان وزمین کے بارے میں بولا گیا ہے خود آیۃ الکرسی اور قرآن کے بارے میں نہیں بولا گیا ہے تو مقصد یہ ہوا کہ اللہ کی صفات کی کوئی حد نہیں اور اُن کے مقابلے میں مخلوقات محدود ہیں اور صفات خُداوندی میں سے بھی بعض بعض چیزیں مثلاً آیۃ الکرسی وغیرہ مزید خصوصیات کی حامل ہیں۔

بعض حاضرین مجلس: خبّاب بن الارتّ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے یَاھَنْتَاہُ تَقَرَّبْ اِلَی اللّٰہِ بِمَا اسْتَطَعْتَ فَاِنَّكَ لَنْ تَتَقَرَّبَ اِلَیْہِ بِشَیْءٍ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ کَلَامِہٖ ارے! جن جن ذریعوں سے تم طاقت رکھتے ہو ضرور اللہ کا قُرب حاصل کرتے رہو مگر کسی بھی ایسی چیز سے تم ہرگز اس کا قُرب حاصل نہیں کر سکتے ہو جو اُسے اُس کے کلام سے بڑھ کر زیادہ محبوب ہو۔ یعنی قُربِ خُداوندی کا سب سے بڑا اور محبوب ترین ذریعہ کلام پاک ہے اس سے بڑھ کر ہرگز کوئی بھی ذریعہ نہیں ہے۔

Marfat.com

احمد: دیکھو! یہ تو ہوئی نا کوئی بات!

ابن ابی دُواد: اے امیر المؤمنین! واللہ یہ شخص گُمراہ، گُمراہ کُنندہ اور بدعتی ہے اور یہاں آپ کے سامنے قُضاۃ اور فُقہاء حضرات موجود ہیں ان سے مسئلہ پوچھ لیجئے۔

خلیفہ: قُضاۃ وفُقہاء کو مخاطب ہوتے ہوئے، آپ لوگ اِن کے بارہ میں کیا کہتے ہو؟ اُنہوں نے وہی جواب دیا جو ابن ابی دُواد نے کہا تھا۔ دوسرے دن پھر تیسرے دن بھی اسی طرح مناظرات جاری رہے اور پورے مناظروں میں میدان امام احمد ہی کے ہاتھ رہا، تمام حاضرین مجلس سے اُن کی آواز بلند اور سب کی حُجتّوں پر آپ کی حُجتّ غالب رہی لیکن ہر دفعہ جب بھی تمام حاضرین مجلس لا جواب اور خاموش ہو جاتے تو ابن ابی دُواد ہی ان کو دوبارہ بات چیت پر اُکساتا اور پھر کوئی نیا شوشہ چھوڑ دیتا تھا اور اس طرح وہ علمِ کلام کا سب سے بڑا جاہل ثابت ہوا۔

احمد: اے امیر المومنین! یہ لوگ کتاب وسُنت سے کوئی دلیل میرے سامنے پیش کریں تا کہ میں ان کے نظریات کو قبول کر سکوں۔

ابن ابی دُواد: کیا تم بس کتاب وسنّت ہی کو مانتے ہو (عِلم کلام کی دلیلوں کو نہیں مانتے ہو؟)

احمد: اسلام ان ہی دو چیزوں کے سہارے پر قائم ہے (پھر کسی اور چیز کی کیا ضرورت ہے) بہر حال جب ان لوگوں کو دلائل کے لحاظ سے ناکامی اور شکست کا سامنا ہوا تو انہوں نے خلیفہ کے رُعب ودبدبہ اور منصب ومقام کو بروئے کار لانے کا حربہ استعمال کیا، مگر اس پورے مناظرہ میں خلیفہ برابر امام احمد کے ساتھ لُطف وعنایت سے پیش آتا رہا اور اُنہیں کہتا رہا اے احمد! میری اِس بات پر لبّیک کہہ دیں تا کہ میں آپ کو اپنے اُن خاص ہمنشینوں میں شامل کر لوں جو میرے قالینوں کو روندتے ہوئے بے دھڑک میرے پاس آجاتے ہیں لیکن میں ہر دفعہ خلیفہ کو یہی جواب دیتا تھا اے امیر المومنین! مجھے کتاب وسنّت سے کوئی چیز پیش کرو، تا کہ میں اس کے مطابق اپنا قول بنا لوں۔ بالآخر تمام حاضرین مجلس، بیک زبان (لاجواب ہو کر) بولے: امیر المؤمنین! یہ کافر گمراہ، گمراہ کُنندہ ہے۔

Marfat.com

اسحاق بن ابراہیم: نائب بغداد نے خلیفہ سے کہا کہ یہ بات خلافت کے تدبیری و انتظامی اُمورِ سیاسیہ کے شایانِ شان نہیں کہ آپ ان کا راستہ یوں ہی چھوڑ دیں اور وہ اس طرح اپنے نظریہ کے لحاظ سے برابر دو (۲) خلیفوں پر غالب آجانے کا ڈھونگ رچانے لگے۔ یہ بات سُن کر خلیفہ گرم ہوگیا اور اُس کا غصہ شدید ہوگیا باوجود یہ کہ سب لوگوں میں نرم طبع تھا، وجہ اس کی یہ بنی کہ وہ اُن لوگوں کی باتوں کو حقائق پر مبنی تصوّر کرنے لگ گیا تھا (حالانکہ ایسا نہ تھا) اب مجھ سے خلیفہ نے کہا: اللہ تجھ پر لعنت کرے، مَیں تو پُراُمید تھا کہ تُو میری بات مان لے گا لیکن تُو نے نہیں مانی۔ حاضرین مجلس سے بولا: اس کو پکڑ لو، اس کے (غیر ضروری) کپڑے اُتار دو اور گھسیٹو۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اس پر مجھے پکڑ لیا گیا اور کپڑوں سے برہنہ کر کے گھسیٹا گیا، جلّادوں اور کوڑوں کے علاوہ ایک شکنجہ بھی منگوا لیا گیا، میرے پاس کپڑے کے ایک پلّے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کُچھ بال مُبارک لپیٹے ہوئے تھے لیکن مجھے انہوں نے برہنہ کر دیا اور شکنجہ میں جکڑ دیا گیا۔

مَیں نے کہا اے امیر المومنین! اللہ سے ڈر، اللہ سے ڈر، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے ''کہ کسی کلمہ گو مسلمان کا خون تین وجہوں میں سے کسی ایک وجہ سے حلال ہے (زنا، ارتداد، قصاص)'' اور الحمدللہ! مجھ میں ان سے کوئی وجہ بھی نہیں پائی جاتی ہے، نیز جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان عالی ہے ''کہ مجھے لوگوں سے قتل وقتال کا حکم دیا گیا ہے حتیٰ کہ وہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ پڑھ لیں، جب وہ لوگ یہ کلمہ پڑھ لیں گے تو مجھ سے اپنے خونوں اور اپنے مالوں کو محفوظ کر لیں گے۔ (اور الحمدللہ کہ میں کلمہ گو ہوں) تو پھر آپ کس بنا پر میرے خون کو حلال قرار دے رہے ہیں، باوجود یہ کہ میں ان وجوہ میں سے کسی وجہ کا بھی مرتکب نہیں ہوا ہوں۔ اے امیر المومنین! جس طرح آج میں آپ کے سامنے کھڑا ہوں اسی طرح ایک دن آپ کو بھی اللہ کے سامنے پیش ہونا ہے۔

Marfat.com

میری یہ باتیں سُن کر گویا خلیفہ نے چھوڑنے کا ارادہ کر لیا تھا مگر پھر وہ لوگ برابر خلیفہ کو اُکساتے رہے کہ امیر المومنین! یہ شخص گمراہ اور گمراہ کنندہ اور کافر ہے۔ اس پر خلیفہ نے میرے متعلق حکم دیا کہ مجھے شکنجہ کے بیچ میں کھڑا کر دیا جائے اور ایک کُرسی لائی گئی جس پر مجھے کھڑا کر دیا گیا، حاضرین میں سے کسی نے آواز دی کہ کُرسی کے دو بازوؤں میں سے کسی ایک کو پکڑلوں مگر میں اس کی بات سمجھ نہ سکا اور میرے ہاتھ یوں ہی چھوٹے کے چھوٹے رہ گئے اور جلاّدوں کو بُلا لیا گیا جن کے ہمراہ کوڑے تھے ایک ایک جلاّد نے باری باری مجھے دو دو کوڑے مارنے شروع کیے اور خلیفہ ہر جلاّد کو برابر تلقین کرتا جا رہا تھا کہ ''ارے زور سے مار، اللہ تیرے ہاتھ توڑ دے''۔

پہلا کوڑا لگا تو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: بِسۡمِ اللهِ دوسرا لگا تو کہا: لَا حَوۡلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ تیسرا کوڑا لگا تو کہا: اَلۡقُرۡاٰنُ کَلَامُ اللهِ غَیۡرُ مَخۡلُوۡقٍ یعنی قرآن ازلی کلام الٰہی ہے، چوتھا لگا تو کہا: قُلۡ لَّنۡ یُّصِیۡبَنَاۤ اِلَّا مَا کَتَبَ اللهُ لَنَا آپ فرما دیجیے، ہمیں ہرگز کوئی گزند و مصیبت نہیں پہنچ سکتی مگر وہی جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دی ہے۔

منقول ہے کہ جب آپ رحمۃ اللہ علیہ کو مار کے لیے کھڑا کیا گیا تو مار کے دوران آپ کی شلوار کی گھنڈی ٹوٹ گئی جس پر آپ کو شلوار کے نیچے گر جانے کا اور اپنی بے پردگی کا ڈر ہوا تو ہونٹ ہلاتے ہوئے اللہ سے یُوں دُعا کی: یَاغِیَاثَ الۡمُسۡتَغِیۡثِیۡنَ یَا اِلٰهَ الۡعَالَمِیۡنَ اِنۡ کُنۡتَ تَعۡلَمُ اَنِّیۡ قَائِمٌ لَّكَ بِحَقٍّ فَلَا تَهۡتِكۡ لِیۡ عَوۡرَتِیۡ اے فریاد خواہوں کے فریاد رس! اے تمام جہانوں کے معبود! اگر تو جانتا ہے کہ مَیں تیری رضا کے لیے حق پر قائم ہوں تو میری پردہ دری نہ فرمانا۔ یہ دُعا کرتے ہی آپ کی شلوار اپنی اصل حالت پر لوٹ آئی۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اُن جلاّدوں نے مجھے اتنے دُرّے مارے کہ مجھ پر بے ہوشی طاری ہو گئی اور ہر دفعہ کی مار میں مجھے دیوانگی اور عقل اُڑ جانے کا احساس ہوتا تھا لیکن پھر جب مار ختم ہو جاتی تو میرے ہوش و حواس بحال ہو جاتے تھے۔ معتصم میرے قریب کھڑا ہوا مجھے اُن لوگوں کے نظریہ کی دعوت دیتا رہا لیکن میں نے اس کی دعوت پر لبیک نہ کہا، تیسری مرتبہ کی مار میں میری عقل ماؤف ہو گئی اور مجھے مار کا احساس بالکلیہ ختم ہو گیا، میری یہ حالت دیکھ کر خلیفہ خوف زدہ اور پریشان سا ہو گیا جس پر اُس نے مجھے چھوڑ دیا۔

پھر مجھے ہوش اُس وقت آیا جبکہ میں نے اپنے آپ کو کسی گھر کے ایک کمرہ میں پایا اور میرے پاؤں سے

Marfat.com

بیڑیاں کھولی جا چکی تھیں، یہ ۲۵ رمضان ۲۲۱ ہجری کا دن تھا، پھر خلیفہ نے مجھے میرے اہل وعیال میں چلے جانے کی اجازت دے دی۔ کُل دُرّے جو مجھے پڑے تیس (۳۰) سے کچھ اوپر اور بقول بعض اسی (۸۰) تھے لیکن مار ایسی سخت کہ کھال اُکھیڑ دینے والی۔

جب امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو خلیفہ کے شاہی دربار سے اسحاق بن ابراہیم کے گھر میں نیم مُردہ ہونے کی حالت میں اُٹھا کر لایا گیا تو ان لوگوں نے روزہ کھولنے کے لیے آپ کے سامنے ستو پیش کیا مگر آپ نے روزہ کھولنے سے انکار کر دیا اور شام تک روزہ پورا کیا، نماز ظہر کا وقت آیا تو ان کے ساتھ نماز ادا فرمائی، قاضی ابن سماعہ کہنے لگا کہ آپ نے اپنے زخموں سے خون بہنے کی حالت میں نماز ادا کر لی؟ فرمایا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی اس حالت میں نماز ادا فرمائی جبکہ آپ کے زخموں سے خون بہہ رہا تھا۔ اس پر قاضی ابن سماعہ خاموش ولاجواب ہو گیا۔

جب امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اپنے گھر واپس آ گئے تو جرّاح آ گیا، اور اُس نے آپ کے جسم میں سے مُردہ گوشت کو کاٹ دیا اور برابر علاج معالجہ کرتا رہا اور امیر بغداد باقاعدہ روزانہ آپ کی حالت کے متعلق استفسار کرتا تھا، وجہ اس کی یہ تھی کہ معتصم نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ جو برتاؤ کیا تھا اُس پر اس کو بعد میں بہت زیادہ ندامت ہوئی تھی اور وہ برابر اپنے حاکم بغداد سے امام احمد کی حالت دریافت کرتا تھا، اس لیے حاکم کو لامحالہ آپ کی صحت کی خبر کی فکر رہتی تھی۔

جب آپ کو صحت وعافیت وتندرستی ہو گئی تو معتصم کو اور تمام مسلمانوں کو اس سے بے حد فرحت وخوشی ہوئی، اور جب ربّ کریم نے امام احمد کو صحت وعافیت نصیب فرما دی تو ایک مُدّت تک پھر بھی آپ کے دونوں انگوٹھوں کو سردی کی وجہ سے اذیّت اور ٹیس پہنچتی رہی لیکن آپ نے سوائے اہلِ بدعت کے اپنے سب ایذاء پہنچانے والوں کو معاف فرما دیا اور اس بارے میں یہ آیت تلاوت فرماتے تھے وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا (اخیر آیت تک)۔ [1]

[1] النور: ۲۲۔

Marfat.com

اور فرماتے تھے اے احمد! اگر تیری وجہ سے کسی مسلمان کو عذاب دیا جائے گا تو تجھے اس سے کیا نفع اور فائدہ حاصل ہوگا۔ علاوہ ازیں ارشادِ باری ہے:

فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ [1]

پھر جو شخص معاف کر دے اور باہمی اصلاح کر لے تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے، واقعی اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں فرماتے ہیں۔

نیز قیامت کے دن ایک مُنادی نِدا دے گا: ''جس آدمی کا اجر اللہ کے ذمّہ ہے وہ کھڑا ہو جائے'' اس پر وہی لوگ کھڑے ہوں گے جنہوں نے اپنے مُجرموں کو معاف کر دیا تھا اور صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تین (۳) باتیں ایسی ہیں جن پر میں قسم اٹھاتا ہوں ایک یہ کہ صدقہ کی وجہ سے کوئی مال کم نہیں ہوتا، دوسری یہ کہ اللہ تعالیٰ معاف کر دینے والے بندے کی عزّت زیادہ ہی فرماتے ہیں، تیسری یہ کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے لیے عاجزی و پستی اختیار کی اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو بلندی عطا فرما دیتے ہیں۔ [2]

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے جنازے میں پچیس لاکھ انسان شریک ہوئے

وَقَدْ رَوَى الْبَيْهَقِيُّ وَغَيْرُ وَاحِدٍ اَنَّ الْاَمِيْرَ مُحَمَّدَ بْنَ طَاهِرٍ اَمَرَ بِحَزْرِ النَّاسِ فَوَجَدُوْا اَلْفَ اَلْفٍ وَّثَلٰثَ مِائَةِ اَلْفٍ، وَفِيْ رِوَايَةٍ وَسَبْعَ مِائَةِ اَلْفٍ سِوٰى مَنْ كَانَ فِي السفن۔ [3]

بیہقی وغیرہ متعدد حضرات نے روایت کیا کہ امیر محمد بن طاہر نے حکم کیا کہ جن لوگوں نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی نماز جنازہ ادا کی ہے اُن کا اندازہ لگایا جائے تو اندازہ لگانے پر معلوم ہوا کہ تیرہ لاکھ اور ایک روایت کے مطابق سترہ لاکھ آدمیوں نے آپ کی نماز جنازہ ادا کی ہے۔

[1] شوریٰ:۴۰۔ [2] البدایہ والنہایہ جلد ۱۰ ص ۳۴۶ تا ص ۳۵۸۔ [3] البدایۃ والنہایۃ، ط: احیاء التراث، ۱۰/۳۷۶۔

Marfat.com

وَقَالَ ابْنُ اَبِیْ حَاتِمٍ: سَمِعْتُ اَبَازُرْعَةَ یَقُوْلُ بَلَغَنِیْ اَنَّ الْمُتَوَکِّلَ اَمَرَ اَنْ یُّمْسَحَ الْمَوْضِعُ الَّذِیْ وَقَفَ النَّاسُ فِیْهِ حَیْثُ صَلُّوْا عَلَی الْاِمَامِ اَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلَ فَبَلَغَ مَقَاسُهٗ اَلْفَیْ اَلْفٍ وَّخَمْسِمِائَةِ اَلْفٍ۔ [1]

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں! میں نے ابوزرعہ کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ متوکّل باللہ نے اُس جگہ کی پیمائش کا حکم کیا جس جگہ لوگوں نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی نماز جنازہ ادا کی تھی تو پیمائش سے اندازہ ہوا کہ کُل پچیس لاکھ آدمیوں نے آپ کی نماز جنازہ ادا کی ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے جنازہ کو دیکھ کر بیس ہزار کافروں نے کلمہ پڑھ لیا

فَقَالَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ اَبِیْ حَاتِمٍ سَمِعْتُ اَبِیْ یَقُوْلُ حَدَّثَنِیْ مُحَمَّدُ ابْنُ الْعَبَّاسِ الْمَکِّیُّ سَمِعْتُ الْوَرْکَانِیَّ جَارَ اَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلَ، قَالَ: اَسْلَمَ یَوْمَ مَاتَ اَحْمَدُ عِشْرُوْنَ اَلْفًا مِّنَ الْیَهُوْدِ وَالنَّصَارٰی وَالْمَجُوْسِ۔ [2]

ورکانی جو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے پڑوسی تھے، فرماتے ہیں کہ جس دن امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فوت ہوئے ہیں اُس دِن بیس ہزار یہودی و نصرانی و مجوسی آپ کے جنازہ کی حالت دیکھ کر مسلمان ہوئے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق بشارت

بیہقی نے ربیع سے روایت کیا، وہ کہتے ہیں کہ مجھے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نام ایک خط دے کر مصر سے بغداد بھیجا، میں امام احمد کے پاس پہنچا تو اُس وقت آپ صُبح کی نماز سے فارغ ہوئے تھے، میں نے وہ خط آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ فرمایا کیا تم نے اس کو پڑھا ہے؟ میں نے کہا نہیں، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے وہ خط لے کر پڑھا تو آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ میں نے کہا اے ابوعبداللہ! اِس خط

[1] البدایۃ والنہایۃ، ط: احیاء التراث، ۱۰/۳۷۶۔ [2] البدایہ والنہایہ جلد ۱۰ ص ۳۴۶ تا ص ۳۵۸۔

Marfat.com

میں کیا لکھا ہے؟ فرمایا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ لکھا ہے کہ میں نے خواب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی آپ نے ارشاد فرمایا! ابوعبداللہ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھو، میرا اسلام کہنا اور یہ پیغام دینا کہ تمہاری آزمائش ہوگی اور تمہیں خلق قرآن کے نظریہ کی دعوت دی جائے گی مگر اُن کی بات پر کان نہ دھرنا، اس کے صلہ میں اللہ جل جلالہ قیامت کے دن تک تمہارے علم کو رفعت و بلندی عطا فرمائیں گے۔

ربیع کہتے ہیں میں نے کہا احمد! اس بشارت کی مٹھائی کھلایئے، اس پر امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا کُرتہ اُتار کر مجھے دے دیا، جب میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس واپس پہنچا اور واقعہ بتایا تو فرمایا میں یہ کُرتہ تو آپ سے نہیں مانگتا لیکن اتنا کرو کہ اس کو پانی سے بھگو کر لاؤ تا کہ میں اس کے ذریعہ برکت حاصل کروں، سُبحان اللہ!

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ایک سبق آموز واقعہ

دورانِ قید ایک دن لوگوں نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ حضرت آپ روزانہ جیل میں مصیبت اٹھا رہے ہیں اور تعلیم و تدریس و افادہ کا بالکل کام بند ہو گیا ہے اور فیضان ختم ہو گیا، آپ کوئی لفظ ذو معنی بطور توریہ کے فرمادیں تا کہ یہ مصیبت دور ہو جائے اور تعلیم دین کا سلسلہ پھر شروع ہو جائے؟ امام صاحب نے فرمایا کہ جیل کے باہر جا کر دیکھو کیا ہو رہا ہے، جب وہ لوگ باہر گئے تو دیکھا لاکھوں آدمی قلم و دوات لئے ہوئے جیل کے اردگرد پڑے ہوئے ہیں کہ جو امام صاحب فرمائیں گے، ہم اسی کو اپنا مذہب بنائیں گے، تو آپ نے فرمایا کہ اگر میں توریہ کر کے جان بچالوں تو یہ سمجھ جائیں گے کہ کلام اللہ کے غیر مخلوق ہونے کا میں نے اقرار کر لیا ہے تو میری جان تو بچ جائے گی لیکن لاکھوں کا ایمان چلا جائے گا، اور میری جان اتنی عزیز نہیں ہے جتنا ان کا ایمان عزیز ہے، تو میں اپنی جان کی وجہ سے ان کا ایمان کیسے خراب کروں گا۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں سو مرتبہ اللہ تعالیٰ کی زیارت

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ اللہ رب العزّت کو میں نے خواب میں ننانوے (۹۹) بار دیکھا تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر اب کی سوویں مرتبہ اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھوں گا تو معلوم

Marfat.com

کروں گا کہ وہ چیزیں جن سے مقربین آپ کا قُرب حاصل کرتے ہیں ان میں سب سے افضل کون سی چیز ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں چنانچہ میں نے سوویں مرتبہ بھی اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا تو میں نے کہا یا رب! کون سی چیز سب سے افضل ہے جس سے مقربین آپ کی قُربت حاصل کرتے ہیں؟ پس اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ احمد! وہ چیز میرا کلام (قرآن) ہے، مَیں نے عرض کیا یا رب قرآن کے معانی سمجھ کر پڑھنا آپ کی قُربت کا سبب بنتا ہے یا بغیر معنی سمجھے ہوئے بھی؟ فرمایا سمجھ کر اور بغیر سمجھ کر دونوں حالتوں میں میرا تقرّب حاصل ہوتا ہے۔ [1]

فتنہ خلقِ قرآن میں شیخ احمد بن نصر خزاعی رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت کا قصّہ

واثق باللہ کا ابتدائی زمانہ تھا اور فتنہ خلقِ قرآن میں امتحان اور آزمائش کا زمانہ عروج پر تھا، واثق باللہ اپنے پیشرؤں خلفاء کے رویّے کے مطابق اس مسئلے میں بڑی سختی برت رہا تھا، ادھر امام اہل سنت شیخ احمد بن نصر الخزاعی رحمۃ اللہ علیہ اسی ہمت و استقامت کے ساتھ اس باطل نظریہ کی تردید پر ڈٹے ہوئے تھے۔ گرفتاری کا حکم دے دیا گیا، چنانچہ شیخ احمد بن نصر رحمۃ اللہ علیہ کو گرفتار کر کے واثق باللہ کے سامنے پیش کیا گیا تو واثق باللہ نے احمد بن نصر سے کہا کہ تم یہ مسلک چھوڑ و، کہہ دو قرآن کریم ایک مخلوق ہے۔

شیخ احمد بن نصر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: قرآن اللہ کا کلام ہے، اللہ ہمیشہ سے ہیں اور اس کا کلام بھی قدیم ہے، اللہ کے کلام کو میں حادث کیسے کہہ دوں، احمد بن نصر اِس مسئلے پر جم گئے۔

پھر دوبارہ واثق باللہ کے سامنے بحث ہوئی۔ اس ظالم کا آٹھ فٹ کا قد تھا، بیل جیسی آنکھیں تھیں، وہ احمد بن نصر رحمۃ اللہ علیہ پر گرم ہوا، احمد بن نصر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا میں اللہ کے کلام کو نہیں چھوڑ سکتا، اس پر بادشاہ نے کہا تیز ترین تلوار لاؤ، چنانچہ تیز تلوار لائی گئی، خود اپنے ہاتھ سے پہلا وار گردن پر کیا، دوسرا وار سر پر کیا، تیسرا وار پیٹ پر کیا، اس کے بعد وہ نیچے پھڑکتے رہے اور شہید ہو گئے۔

---

[1] علی قاری۔ زبدہ۔

Marfat.com

جعفر بن محمد صائغ کا بیان ہے کہ میری آنکھیں اندھی ہوجائیں، میرے کان بہرے ہوجائیں، اگر میں روایت غلط بیان کروں، میری آنکھوں نے دیکھا اور میرے کانوں نے سنا کہ جب اس کا سر کاٹ کر ڈالا اس سر نے زور سے پڑھا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، پھر اس کے سر کو ایک عرصے تک بغداد میں لٹکایا اور اس کے دھڑ کو عبرت کیلئے رائے لے گئے۔

علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے ابراہیم بن اسماعیل کا بیان لکھا ہے، وہ کہتے ہیں کہ مجھے خبر پہنچی کہ شیخ احمد بن نصر رحمۃ اللہ علیہ کے سر سے قرآنی آیات کی تلاوت سنی جاتی ہے تو میں رات کو وہاں پہنچا جب رات کا سناٹا ہوا تو انکے سر نے تلاوت شروع کی اور یہ آیات پڑھیں:

الٓمّٓ ۔ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ۔ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰہُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْکٰذِبِیْنَ [1]

لوگ کیا یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور آزمائے نہیں جائیں گے؟ حالانکہ جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں ہم نے اُن سب کی آزمائش کی ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ ضرور معلوم کر کے رہے گا کہ کون لوگ ہیں جنہوں نے سچائی سے کام لیا ہے، اور وہ یہ بھی معلوم کر کے رہے گا کہ کون لوگ جھوٹے ہیں۔ [2]

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆

[1] پارہ ۲۰: سورۃ عنکبوت، آیت: ۱۔ [2] اسلاف کے حیرت انگیز کارنامے، ص: ۱۸۱۔

Marfat.com

قرآن مجید کی چار اہم خصوصیات

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ
وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۔ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ
هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ [1]

اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک ایسی چیز آئی جو (بُرے کاموں سے روکنے کیلئے) نصیحت ہے اور (اگر اس پر عمل کر کے بُرے کاموں سے بچیں تو) دلوں میں جو (بُرے کاموں سے) روگ (ہوجاتے) ہیں ان کے لئے شفاء ہے اور (نیک کاموں کے کرنے کیلئے) رہنمائی کرنے والی ہے اور (اگر اس پر عمل کر کے نیک کاموں کو اختیار کریں تو) رحمت اور ذریعہ ثواب) ہے، (اور یہ سب برکات) ایمان والوں کیلئے (ہیں کیونکہ عمل وہی کرتے ہیں، پس قرآن کے یہ برکات سنا کر) آپ (ان سے) کہہ دیجئے کہ (جب قرآن ایسی چیز ہے تو) لوگوں کو اللہ کے اس انعام اور رحمت پر خوش ہونا چاہئے (اور اس کو دولتِ عظیمہ سمجھ کر لینا چاہیے) وہ اس (دنیا) سے بدرجہا بہتر ہے جس کو جمع کر رہے ہیں (کیونکہ دُنیا کا نفع قلیل اور فانی ہے اور قرآن کا نفع کثیر اور باقی ہے)۔

اللہ جل جلالہ کی کتاب قرآن اور اس کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، انسان اور انسانیت کے لئے یہ دونوں ایسی عظیم نعمتیں ہیں کہ آسمان و زمین کی ساری نعمتوں سے اعلیٰ و افضل ہیں۔ احکامِ قرآن اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی انسان کو صحیح معنی میں انسان بناتی ہے اور جب انسان صحیح معنی میں انسان کامل بن جائے تو سارا جہان درست ہوجائے اور یہ دنیا بھی جنت بن جائے۔

[1] سورۂ یونس: ۵۸،۵۷۔

Marfat.com

پہلی خصوصیت: مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ

موعظہ اور وعظ کے اصلی معنی ایسی چیزوں کا بیان کرنا ہے جن کو سن کر انسان کا دل نرم ہو اور اللہ تعالیٰ جَلَّ جَلَالُہٗ کی طرف جھکے، دنیا کی غفلت کا پردہ چاک ہو، آخرت کی فکر سامنے آجائے۔ قرآنِ کریم اوّل سے آخر تک اسی موعظہ حسنہ کا نہایت بلیغ مبلّغ ہے، اس میں ہر جگہ وعدہ کے ساتھ وعید، ثواب کے ساتھ عذاب، دنیا و آخرت میں فلاح و کامیابی کے ساتھ ناکامی اور گمراہی وغیرہ کا ایسا ملا جلا تذکرہ ہے جس کو سن کر پتھر بھی پانی ہو جائے۔ پھر اس پر قرآن کریم کا اعجازِ بیان جو دلوں کی کایا پلٹنے میں بے نظیر ہے۔

مَوْعِظَة کے ساتھ مِنْ رَّبِّكُمْ کی قید نے قرآنی وعظ کی حیثیت کو اور بھی زیادہ بلند کر دیا کہ اس سے معلوم ہوا کہ یہ وعظ کسی اپنے جیسے عاجز انسان کی طرف سے نہیں جس کے ہاتھ میں کسی کا نفع و نقصان یا عذاب و ثواب کچھ نہیں، بلکہ رب کریم کی طرف سے ہے، جس کے قول میں غلطی کا امکان نہیں اور جس کے وعدے اور وعید میں کسی عجز و کمزوری یا عذر کا کوئی خطرہ نہیں۔

دوسری خصوصیت "شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ"

قرآن کریم کی دوسری صفت شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ارشاد فرمائی، شِفَاء کے معنی بیماری دور ہونے کے ہیں اور صُدُوْر صدر کی جمع ہے جس کے معنی سینہ کے ہیں، مراد اس سے قلب ہے۔

معنی یہ ہیں کہ قرآنِ کریم دلوں کی بیماریوں کا کامیاب علاج اور صحت و شفاء کا نسخہ اکسیر ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ قرآن کی اس صفت سے معلوم ہوا کہ وہ خاص دلوں کی بیماری کیلئے شفاء ہے جسمانی بیماریوں کا علاج نہیں۔ [1]

مگر دوسرے حضرات نے فرمایا کہ درحقیقت قرآن ہر بیماری کی شفا ہے خواہ قلبی و روحانی ہو یا بدنی اور جسمانی، مگر روحانی بیماریوں کی تباہی انسان کے لئے جسمانی بیماریوں سے زیادہ شدید ہے، اور اس کا علاج بھی

---

[1] روح المعانی۔

Marfat.com

ہر شخص کے بس کا نہیں ہے، اس لئے اس جگہ ذکر صرف قلبی اور روحانی بیماریوں کا کیا گیا ہے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ جسمانی بیماریوں کے لئے شفاء نہیں ہے۔

روایاتِ حدیث اور علمائے اُمت کے بیشمار تجربات اس پر شاہد ہیں کہ قرآن کریم جیسے قلبی امراض کیلئے اکسیرِ اعظم ہے اسی طرح وہ جسمانی بیماریوں کا بھی بہترین علاج ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کی کہ میرے سینے میں تکلیف ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ قرآن پڑھا کرو کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ یعنی قرآن شفاء ہے ان تمام بیماریوں کی جو سینوں میں ہوتی ہیں۔[1]

اسی طرح حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک شخص رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور بیان کیا کہ میرے حلق میں تکلیف ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کو بھی یہی فرمایا کہ قرآن پڑھا کرو۔[2]

بعض اہل تحقیق مفسرین نے فرمایا کہ قرآن کی پہلی صفت یعنی مَوْعِظَہ کا تعلق انسان کے ظاہری اعمال کے ساتھ ہے جن کو شریعت کہا جاتا ہے، قرآنِ کریم ان اعمال کی اصلاح کا بہترین ذریعہ ہے اور شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ کا تعلق انسان کے اعمالِ باطنہ کے ساتھ ہے۔

تیسری اور چوتھی خصوصیت ''ہدایت ورحمت''

اس آیت میں تیسری صفت قرآن کریم کی هُدًى اور چوتھی رَحْمَةٌ بیان کی گئی ہے، هُدًى کے معنی ہدایت یعنی رہنمائی کے ہیں، قرآن کریم انسان کو طریق حق ویقین کی طرف دعوت دیتا ہے اور انسان کو بتلاتا ہے کہ آفاقِ عالَم اور خود ان کے نفوس میں اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے جو اپنی عظیم نشانیاں رکھی ہیں ان میں غور وفکر کرو تاکہ تم ان سب چیزوں کے خالق اور مالک کو پہچانو۔

---

[1] روح المعانی از ابن مردویہ۔ [2] از معارف القرآن۔

Marfat.com

قرآن باعثِ فرحت ومسرت

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ، هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ

یعنی لوگوں کو چاہیے کہ صرف اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت ہی کو اصلی خوشی کی چیز سمجھیں اور صرف اسی چیز پر خوش ہوں، دُنیا کے چندروزہ مال ومتاع اور راحت وعزت درحقیقت خوش ہونے کی چیز ہی نہیں، کیونکہ اول تو وہ کتنی ہی زیادہ کسی کو حاصل ہو، ادھوری ہی ہوتی ہے مکمل نہیں ہوتی، دوسرے ہر وقت اس کے زوال کا خطرہ لاحق ہے، اس لئے آخرِ آیت میں فرمایا: هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ یعنی اللہ کا فضل ورحمت ان تمام مال ودولت اورعزت وسلطنت سے بہتر ہے جن کو انسان اپنی زندگی بھر کا سرمایہ سمجھ کر جمع کرتا ہے۔

اس آیت میں دو چیزوں کو فرحت ومسرت کا سامان قرار دیا ہے ایک فضل دوسرے رحمت۔ ان دونوں سے مراد یہاں کیا ہے؟ اس بارے میں ایک حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے فضل سے مراد قرآن ہے اور رحمت سے مراد یہ ہے کہ تم کو قرآن پڑھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق بخشی۔ [1]

بہت سے حضراتِ مفسرین نے فرمایا کہ فضل سے مراد قرآن اور رحمت سے مراد اسلام ہے اور مطلب اس کا بھی وہی ہے جو حدیثِ سابق سے معلوم ہوا کہ رحمت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں قرآن سکھایا اور اس پر عمل کرنے کی توفیق بخشی، کیونکہ اسلام اسی حقیقت کا ایک عنوان ہے۔

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت میں ہے کہ فضل سے مراد قرآن اور رحمت سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ قرآنِ کریم کی آیت وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ [2] سے اس مضمون کی تائید ہوتی ہے اور حاصل اس کا بھی پہلی تفسیر سے کچھ مختلف نہیں کیونکہ عمل بالقرآن یا اسلام رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی پیروی کے مختلف عنوانات ہیں۔

---

[1] روح المعانی از ابن مردویہ۔ [2] الانبیاء: ۱۰۷۔

Marfat.com

اس آیت میں مشہور قراءت میں صیغہ غائب استعمال کرنے کی حکمت یہ ہے کہ رسولِ کریم ﷺ یا اسلام کی رحمتِ عامہ صرف اس وقت کے حاضرین وموجودین کے لئے مخصوص نہیں تھی بلکہ قیامت تک پیدا ہونے والی نسلوں کو بھی شامل ہے۔[1]

فائدہ

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ قرآن کریم کی ایک دوسری آیت کے ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ فرح وخوشی کا اس دنیا میں کوئی مقام ہی نہیں۔ ارشاد ہے: لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ [2] یعنی خوشی میں مست نہ ہو، اللہ ایسے خوش ہونے والوں کو پسند نہیں فرماتے۔ اور آیتِ مذکورہ میں بصیغہ امر خوش ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔

اس ظاہری تعارض کا ایک جواب تو یہ ہے کہ جہاں خوش ہونے کو منع فرمایا ہے وہاں خوشی کا تعلق متاعِ دنیا سے ہے اور جہاں خوش ہونے کا حکم دیا ہے وہاں خوشی کا تعلق، اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے فضل ورحمت سے ہے۔ دوسرا فرق یہ بھی ہے کہ ممانعت کی جگہ میں مطلق خوشی مراد نہیں بلکہ خوشی میں بدمست ہوجانا مراد ہے اور اجازت کی جگہ مطلق خوشی مراد ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆

[1] روح المعانی۔ [2] القصص:۷۶۔

Marfat.com

قرآن مجید کی ایک بڑی خصوصیت ''اعجازِ قرآنی''

کلامِ الٰہی اعجاز و برہان کی اعلیٰ ترین شان کا حامل ہے

قرآن کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ باقی تمام آسمانی کتابیں تو صرف دعوت وتبلیغ اور دارین کی سعادات کے بیان کے لئے اُتری ہیں لیکن قرآن پاک دعوت و بیان کے ساتھ اعجاز و برہان کی شان کا بھی حامل ہے، بلکہ دعوت و بیان کی پوری عمارت اُس کی انتہائی فصیح وبلیغ اور بے مثال معجزانہ عبارت ہی کی دلیل پر قائم ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے جو انبیاء کرام علیہم السلام آتے رہے، وہ ایسے معجزات پیش کرتے رہے جو صرف وقتی طور پر دیکھے اور محسوس کئے جاسکتے تھے، مثلاً صالح علیہ السلام کی اونٹنی، موسیٰ علیہ السلام کا عصا، عیسیٰ علیہ السلام کا مُردوں کو زندہ کرنا وغیرہ ذٰلک، لیکن محمد العربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو عظیم ترین معجزہ اور قوی ترین حجت یعنی قرآن کریم عطا ہوا، اس کی معجزانہ فصاحت وبلاغت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت وحقانیت کا دائمی اور ابدی معجزہ ہے۔

قرآن کلامِ معجز ہے، کوئی بشر بھی اس جیسا کلام یا اس جیسی ایک سورت بھی پیش کرنے کی طاقت نہیں رکھتا ہے، قرآن مجید نے سورۂ بنی اسرائیل میں دعویٰ کیا ہے: قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا [1] ''کہ اگر دنیا کے سارے انس وجن جمع ہو کر باہمی تعاون سے بھی قرآن کی طرح کا کلام بنانا چاہیں تو وہ کبھی بھی اس جیسا کلام بنا کر پیش نہیں کر سکتے''۔

اور سورۂ ہود میں اُن لوگوں کو چیلنج کیا گیا ہے جو قرآن کو کلامِ الٰہی نہیں مانتے تھے، بلکہ کہتے تھے کہ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا اپنا گھڑا ہوا کلام ہے، فرمایا: قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَیٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ [2] ''کہ اگر تم لوگ اپنے ادّعاء میں سچے ہو تو تم بھی اہلِ زبان ہو، لہٰذا اپنے ادّعاء کی سچائی ثابت کرنے کے لئے زیادہ نہیں قرآن کی دس ہی سورتوں جیسی سورتیں بنا کر دکھا دو اور اس کام کیلئے جتنے مددگار فراہم کرسکتے ہو تو ان سب کو اپنی مدد کے لئے بلالو''۔

---

[1] بنی اسرائیل: ۸۸۔ [2] یونس: ۳۸۔

Marfat.com

پھر سورۂ بقرہ میں قرآن کے کلام الٰہی ہونے میں شک وشبہ کرنے والوں کو یہ چیلنج کیا گیا: وَاِنۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ رَيۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰى عَبۡدِنَا فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّنۡ مِّثۡلِهٖ وَادۡعُوۡا شُهَدَآءَكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ [1] ''کہ اگر تمہارے خیال کے مطابق یہ کتاب اللہ نہیں ہے تو چلو، قرآن کی سورتوں میں سے کسی ایک سورت جیسی سورت ہی بنا کر دکھا دو اور جو تمہارے حمایتی ہیں ان سب کو اپنی مدد کے لئے بلا لو''۔

قرآن کا یہ چیلنج رہتی دنیا تک کے لئے ہے، اس میں نہ کسی خطہ کی کوئی تخصیص ہے اور نہ کسی زمانے کی کوئی خصوصیت ہے۔ عرب ہو یا عجم، شمال ہو یا جنوب، مشرق ہو یا مغرب، آج بھی قرآن سب سے پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ اگر تمہیں قرآن کے کلام الٰہی ہونے میں کوئی شک وشبہ ہے تو فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّنۡ مِّثۡلِهٖ یعنی اس کی ایک سورۃ جیسی ہی سورۃ بنا لاؤ۔ بلکہ سورۂ طور میں ارشاد فرمایا: فَلۡيَاۡتُوۡا بِحَدِيۡثٍ مِّثۡلِهٖۤ اِنۡ كَانُوۡا صٰدِقِيۡنَ [2] ''کہ اگر یہ لوگ اپنے اس ادّعاء میں سچے ہیں کہ قرآن اللہ کا کلام نہیں تو اِس جیسا پُر مغز اور معجزانہ شان کا صرف ایک جملہ ہی بنا کر لے آئیں''۔ الغرض قرآن کریم عرب کے ادبی اُسلوب کے لحاظ سے یقیناً ایک عظیم معجزہ ہے۔

منکرینِ حق نے اسلام کو مٹانے کے لئے سارے جتن کئے، یہاں تک کہ جنگیں کیں، قرآن اور نبوت محمدیہ کے خلاف ہر طرح کی سازشیں کیں، شرمناک سے شرمناک ترین پروپیگنڈے کئے، لیکن اپنی فصاحت و بلاغت پر نازاں اور اپنے مقابلہ پر ساری دنیا کو عجم (گونگے) کہنے والے اِن منکرین حق سے اتنا نہ ہو سکا کہ قرآن کی سورتوں میں چھوٹی سے چھوٹی ایک سورت جیسی بھی سورت بنا کر دکھا دیتے، حالانکہ وہ اگر ایسا کر سکتے تو ضرور کرتے، بالخصوص جبکہ انہیں چیلنج کیا جا رہا تھا، کیونکہ پھر نہایت آسانی سے قرآن کے خلاف ایک زبردست ثبوت اُن کے ہاتھ آ جاتا جس کی موجودگی میں انہیں نہ سازش کرنے کی ضرورت پیش آتی نہ جنگیں کرنے کی، اور نہ انہیں اپنی بے بسی اور بے چارگی پر پردہ ڈالنے کے لئے رسول اللہ ﷺ کے حق میں کبھی ساحر اور کبھی مجنون اور کبھی شاعر کہنے کی گستاخی کا وبال مول لینا پڑتا، بس ایک سورت بنا کر دیوارِ کعبہ پر آویزاں کر دینا ہی کافی تھا۔ پھر جو کسی نے دیوارِ کعبہ پر سورۃ الکوثر لکھ کر آویزاں کر دی تھی تو اُسے لوگ اتار کر پھینک دیتے (کہ ہم

[1] البقرۃ: ۲۳۔ [2] طور: ۳۴۔

Marfat.com

بھی ایسے کلام پر قادر ہیں) اور کوئی نہ ہوتا جو اس کے نیچے یہ لکھ سکتا کہ مَا هٰذَا قَوْلُ الْبَشَرِ ''یہ کسی بشر کا کلام نہیں ہے''۔

معلوم ہوا کہ قرآن مجید ایک معجزہ ہے کیونکہ معجزہ نام ہی اُس چیز کا ہے جس کے ذریعہ چیلنج ہو اور اُس کا مثل پیش کرنے سے لوگ قاصر ہوں، اور جو نبی کی نبوت کے لئے دلیل کی حیثیت سے سامنے لایا جائے۔ آپ ﷺ کو سب سے بڑا معجزہ قرآن عطا کیا گیا جو ایک علمی معجزہ اور عقلی حجت ہے، یہ معجزہ ہمیشہ رہنے والا ہے اور ہمیشہ تجدید ایمان و عمل کرتا رہے گا، یہ ابدالآباد تک کے لئے سرچشمہ ہدایت اور برہان قاطع ہے۔

کتابِ الٰہی میں موتیوں کی طرح جڑاؤ

قرآن پاک کا ایک ایک لفظ موتیوں کی طرح جڑا ہوا ہے، پوری کتاب میں ایک لفظ اور ایک جملہ بھی معیار سے گرا ہوا نہیں ہے۔ بعض جگہ ایک ہی لفظ بار بار بیان ہوا ہے اور ہر مرتبہ اندازِ بیان نیا ہے، جس سے تکرار قطعاً محسوس نہیں ہوتا بلکہ ہر لفظ دوسرے سے حسین تر معلوم ہوتا ہے۔ اوّل سے آخر تک ساری کتاب میں الفاظ کی نشست ایسی ہے جیسے نگینے تراش تراش کر جوڑے گئے ہوں۔ مثلاً:

(۱) فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ [۱] میں لفظ بِہَا تین دفعہ آرہا ہے۔

(۲) قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ. قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِيْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ [۲] میں جَزَآؤُهٗ تین مرتبہ مذکور ہے۔

(۳) يَوْمَ تَاْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ [۳] میں لفظ نَفْسٍ تین بار آرہا ہے۔

(۴) قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا [۴] میں لفظ رَبِّیْ تین دفعہ مذکور ہے۔

---

[۱] الانعام:۸۹۔ [۲] یوسف:۷۵۔ [۳] النحل:۱۱۱۔ [۴] الکہف۔

Marfat.com

(۵) سورۂ حج کی آیت ۵۹ لَيُدۡخِلَنَّهُمۡ سے آیت ۶۵ اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمۡ تک مسلسل سات آیات میں اسمِ ذاتی اللہ کے ساتھ دو دو صفاتی نام مذکور ہیں:

وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيۡمٌ حَلِيۡمٌ۔ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوۡرٌ۔ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيۡعٌ بَصِيۡرٌ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الۡعَلِىُّ الۡكَبِيۡرُ۔ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيۡفٌ خَبِيۡرٌ۔ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الۡغَنِىُّ الۡحَمِيۡدُ۔ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ ۔کیا اور کسی بھی کلام میں ایسی خوبیاں مل سکتی ہیں؟ ہرگز نہیں۔

(۶) وَاَوۡحَيۡنَاۤ اِلٰٓى اُمِّ مُوۡسٰٓى اَنۡ اَرۡضِعِيۡهِ فَاِذَا خِفۡتِ عَلَيۡهِ فَاَلۡقِيۡهِ فِى الۡيَمِّ وَلَا تَخَافِىۡ وَلَا تَحۡزَنِىۡ اِنَّا رَآدُّوۡهُ اِلَيۡكِ وَجَاعِلُوۡهُ مِنَ الۡمُرۡسَلِيۡنَ [۱] میں انتہائی مختصر و جامع پیرایہ میں کس طرح دو امر، دو نہی اور دو بشارتیں مذکور ہیں۔

سبحان اللہ! قرآن کریم نے جس مفہوم و مقصد و مضمون کے بیان کے لئے جو تعبیر اختیار کی ہے اُس سے اَبلَغ، اَحسَن اور اَکمَل عبارت اُس تعبیر کے لئے ممکن ہی نہیں ہے۔

(۷) جہنم کی وسعت بیان کرنے کے لئے کئی تعبیرات ہوسکتی ہیں واسعة ۔ عریضة ۔ طویلة ۔محیطة ۔ غیر متناهية وغیر ذٰلک، مگر قرآن نے هَلۡ مِنۡ مَّزِيۡدٍ [۲] کی تعبیر اختیار کی ہے، اللہ اکبر! ہر مرتبہ کے بھراؤ کے بعد جہنم کا مطالبہ ہوگا کہ کیا کچھ اور اس سے بھی مزید موجود ہے تو لاؤ، میں ابھی پُر نہیں ہوئی ہوں، حتیٰ کہ بالآخر حق سبحانہٗ وتعالیٰ اپنا مبارک قدم جہنم میں رکھیں گے، یعنی خاص تصرف فرمائیں گے، جس سے وہ پُر ہوجائے گی اور پکار اُٹھے گی قَطۡ قَطۡ کہ بس بس بس اب میں پُر ہوگئی ہوں۔ [۳]

اندازہ فرمایئے! اس تعبیر سے اونچی کوئی تعبیر جہنم کی وسعت کے بیان کرنے کے لئے ممکن ہے؟ ہرگز نہیں! ہرگز نہیں! یہ معمولی سا اشارہ ہے قرآن پاک کی معجزانہ عبارت کے متعلق، ورنہ اس کی تفصیلات تو ختم نہ ہونے والے سمندر کی طرح ہیں، قرآن کریم وہ تنہا مقدس کتاب ہے جس کا ایک لفظ بھی چودہ سو سال کی طویل مدت

---

[۱] القصص: ۷۔ [۲] ق: ۳۰۔ [۳] صحیح بخاری، رقم الحدیث ۴۸۴۹۔

Marfat.com

میں متروک نہیں ہوا ہے، مرورِ زمانہ کے ساتھ زبانیں بدل کر کچھ سے کچھ ہو جاتی ہیں، لیکن یہ صرف قرآن کی طاقت ہے جس نے عربی زبان کو اپنے مقام سے ہلنے نہ دیا، اس کا ایک لفظ بھی آج تک متروک نہیں ہوا ہے، اس کا ہر محاورہ آج تک عربی ادب میں مستعمل ہے۔

قرآن کریم جس طرح اب سے چودہ سو سال پہلے لغت، الفاظ، طرز بیان اور مفہوم و معنی کے اعتبار سے تروتازہ تھا، آج بھی وہ اسی طرح تروتازہ اور سدا بہار ہے، اس گل کدہ کا ایک پتّہ بھی خزاں رسیدہ نہیں ہوا اور اس کی ایک آیت اور ایک لفظ کو کروڑوں بار دُہرانے کے بعد بھی وجدان ذرا سی بھی اُکتاہٹ محسوس نہیں کرتا۔

کتاب کریم کے اسلوب میں ایسی حلاوت ہے کہ اُسے پڑھتے ہوئے (گو معنی کو سمجھے بغیر ہی ہو) آدمی پر سوز و گداز اور رقت کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، یہاں تک کہ قاری نے اگر دل کے دروازے بند نہ کر رکھے ہوں تو وہ اس کلام کی تاثیر و مرعوبیت اپنے اوپر طاری ہوتی محسوس کرتا ہے، بالآخر اُس کی روح بالکل سر بسجود ہو کر رہ جاتی ہے۔

یہ بھی قرآن کریم کا اعجاز ہے کہ وہ شعر نہ ہونے کے باوجود کمال درجہ کا حسین، دلکش اور فصیح و بلیغ ہے، قرآن کریم میں وہ مقدس نغمگی اور ایسا پاکیزہ آہنگ پایا جاتا ہے جو شریفانہ جذبات کو حرکت میں لاتا ہے، قرآن کی نغمگی کے سامنے وہ راگ راگنیاں کوئی وزن نہیں رکھتیں جنہیں سُن کر آدمی کے اندر سِفلی جذبات اور ہوسناک خیالات حرکت میں آتے ہیں، بلکہ قرآن کریم کی تلاوت و سماعت آنکھوں کو اشکبار بھی کرتی ہے اور لبوں پر موجِ تبسّم بھی اُبھار دیتی ہے، یعنی اس کتاب مقدس میں خشیت و محبت کی ملی جلی ایک جامع پُر عجب کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ سبحان اللہ، وللہ الحمد۔

قرآن کی زبان

قرآن کی زبان الہامی اور مُنَزَّل و توقیفی ہے، گو قرآن کے بیشتر الفاظ لغت انسانی سے تعلق رکھتے ہیں لیکن وہ اپنی بلاغت و ادبیت اور اعجاز کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہیں، گویا خالص زبان کے نقطۂ نظر سے بھی

Marfat.com

قرآن بلند ترین اور معجزانہ خصوصیات کا حامل ہے، قرآن کے ہر کلمہ میں زبردست اثر انگیزی ہے بلکہ قرآن نے عربی زبان کو زندہ جاوید کر دیا، نزولِ قرآن سے ابد تک اس زبان کا ادب، قرآن کا رنگ لئے ہوئے ہے بلکہ قرآن کی وجہ سے عربی زبان کے ہزاروں الفاظ دنیا کی دوسری زبانوں میں بھی شامل ہوئے، اس پہلو سے دنیا کی کوئی تمدنی زبان عربی زبان کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

قرآن نے صرف عربی زبان وادب ہی کو نہیں بلکہ دنیا کی متعدد زبانوں کو متاثر کیا ہے، انہیں نئے تصورات بھی دیئے ہیں اور نئے الفاظ وتراکیب بھی، نئی بندشیں اور نئے محاورے بھی دیئے ہیں اور نئی تشبیہات اور استعارات بھی، حقیقت یہ ہے کہ دنیائے ادب پر قرآن کے احسانات اتنے ہیں کہ ان کا احاطہ ناممکن ہے۔

صداقت واعجازِ قرآن

قرآن کے اعجاز اور معجزہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کلام الٰہی اور ہدایت آسمانی و ربانی ہے، اسکے معارف وعلوم اللہ جل جلالہ کی ذات کے لامحدود سرچشمہ علم وعرفان کے ابدی قوانین ہیں، اور کسی انسان کے محدود اور ناقص فکرو دماغ کا نتیجہ نہیں اور نہ ہی کسی انسانی افکار ونظریات کی طرح وہم وخیال اور جذبات اور خواہش نفسانی سے متاثر اور تبدل پذیر تصورات کا مجموعہ ہے، وہ فطرت اور حقیقت ہے جو کبھی نہیں بدلتی اور نہ اس میں غلطی کی گنجائش ہے اور نہ اس کے قوانین میں ترمیم وتبدل کی ضرورت ہے اور نہ اس میں تمام اقوام بشریہ کے حقوق کے متعلق عدل وانصاف کی شاہراہ سے ہٹنے کا احتمال ممکن ہے، جس کے متعلق بالترتیب قرآن حکیم کا خود اپنا دعویٰ یہ ہے:

لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ [1]

''قرآن کے مطالب میں آگے پیچھے کسی باطل کے گھسنے کی گنجائش نہیں وہ ایسی ذات کی نازل کردہ کتاب ہے جو حکمت ودانائی کا سرچشمہ ہے اور تمام صفات کاملہ سے موصوف ہے''۔

لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ [2] قرآن میں کسی وقت بھی ترمیم وتبدیل کی گنجائش نہیں۔

[1] سورۃ حٰم السجدہ:۴۲۔ [2] سورۃ انعام:۱۱۵۔

Marfat.com

وَ تَمَّتۡ کَلِمَتُ رَبِّکَ صِدۡقًا وَّ عَدۡلًا [1]

قرآن کی ہدایت سچائی اور عدل انسان میں تام اور مکمل ہیں۔

اب صرف یہ بات رہ گئی کہ قرآن حکیم جو انسانی صفات کی جامع کتاب ہے، کیا یہ واقع میں اللہ کی کتاب اور اس کا کلام ہے یا کسی انسان کی ذہنی کاوش کا نتیجہ ہے، اگر پہلی صورت ہے تو یہ معجزہ ہے یعنی غیر الٰہی طاقت کو عاجز کرنے والی کتاب قرار پائے گی اور اس کے کلام الٰہی ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہے گا، اور اگر دوسری صورت ہے تو پھر اس کا کلام الٰہی ہونا محل بحث رہے گا۔

ہم آئندہ یہی ثابت کریں گے کہ قرآن معجزہ ہے، اور کل انسانی قوتیں اس کے بنانے سے بلکہ اس کے معمولی جزء بنانے سے بھی عاجز ہیں، اسی وجہ سے یہ کلام الٰہی اور معجزہ ہے جو دیگر معجزات انبیاء کرام علیہم السلام کی طرح وقتی نہیں، بلکہ دائمی اور ابدی معجزہ ہے، جس کا جواب منکرینِ قرآن قیامت تک پیش نہیں کر سکتے، جس سے یورپی عیسائی مترجم قرآن جارج سیل کے اس قول سے تصدیق ہوتی ہے، آپ لکھتے ہیں کہ: ''قرآن ایسی کتاب ہے کہ کسی انسان کا قلم ایسی معجزانہ کتاب نہیں لکھ سکتا، یہ معجزہ مُردوں کے زندہ کرنے کے معجزے سے بھی بڑا معجزہ ہے''۔ [2]

سب سے پہلے ہم معجزہ کی تشریح کرتے ہیں تاکہ قرآن کا اعجاز اور معجزہ ہونے کے سمجھنے میں آسانی ہو۔

معجزہ اور اعجاز کی تشریح

دنیا میں جس قدر امور، رونما ہوتے ہیں ان کی کل تین قسمیں ہیں:

(۱) عادیات　　(۲) عجائبات　　(۳) معجزات

عادیات: عادیات سے مراد وہ امور ہیں جن کا تعلق ایسے اسباب مادیہ سے ہو جن کو عام اور خاص سب لوگ جانتے ہیں جیسے گندم کے کاشت کرنے سے گندم کا پودا نکل آنا، گٹھلی کے دبانے سے درخت کا پیدا ہونا، دوا کے استعمال سے مرض کا دور ہونا، روٹی کے کھانے اور پانی پینے سے بھوک اور پیاس کا دور ہونا، تجارت سے

[1] سورۃ انعام: ۱۱۵۔ [2] تاریخ اسلام، ج:۱، ص: ۳۲۷، از عبد القیوم ندوی۔

Marfat.com

نفع حاصل ہونا، سامان جنگ سے دشمن پر فتح پانا، یہ سب امور عادیہ ہیں۔ یعنی عام عادت اور رواج کے مطابق ان مادی اسباب سے مذکورہ نتائج حاصل ہوتے ہیں۔

عجائبات: عجائبات سے مراد ایسی چیزیں ہیں، جو مادی اسباب کے نتیجے میں پیدا ہوں، لیکن مخصوص ماہرین فن کے علاوہ عام اشخاص کو ان اسباب اور ان سے پیدا شدہ نتائج کے متعلق کوئی علم نہ ہو۔ مثلاً جدید مصنوعات سائنس مشین کے ذریعہ ریل گاڑی دوڑانا، ہوائی جہاز اڑانا، بحری جہاز چلانا، ریڈیو اسٹیشن سے آوازوں اور تقریروں کو پھیلانا، میزائل، ایٹم بم، ہائیڈروجن بم بنانا، یہ سب عجائبات میں داخل ہیں۔ اسی طرح سحریات بھی کہ یہ سب کچھ مادی اسباب اور مہارت فن کے نتائج ہیں، لیکن مخصوص افراد کے بغیر عام اشخاص کو ان اسباب اور ان پر مسببات مرتب ہونے کا علم نہیں اس لئے ان کو یہ امور عجیبہ معلوم ہوتے ہیں، ان دونوں قسموں یعنی عادیات اور عجائبات میں ایک خاصیت مشترک ہے۔

مشترک خاصیت: ان دونوں قسموں کی نظیر دوسرے لوگ بنا سکتے ہیں اور بنانے پر قادر ہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ عادیات کے لئے خاص مہارت فن کی ضرورت نہیں، کوئی بھی گندم کاشت کر کے گندم کی فصل اسبابِ عادیہ کے تحت حاصل کر سکتا ہے، لیکن دوسری قسم کے عجائبات مثلاً مصنوعات سائنس کے لئے مہارت فن کی ضرورت ہے اور جو شخص ان مادی اسباب کا ماہر ہوگا وہ ان عجائبات کو بنا سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ان عجائبات کا پہلا موجد ایک شخص ہوا لیکن اس کے بعد ہزاروں نے مہارت حاصل کر کے ان عجائبات کو بنایا۔ خود یہ بات ہمارے سامنے ہے کہ امریکہ نے ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم بنایا بعد ازاں چین نے بنایا، اس لئے ان عجائبات میں اختصاص نہیں ہوتا بلکہ مہارت فن سے ہر شخص ان عجائبات کی نظیر بنانے پر قدرت رکھتا ہے، کیونکہ قانون ہے جو کام ایک انسان کر سکتا ہے، کم و بیش دوسرا انسان بھی ویسی قابلیت پیدا کر کے اس کو کر سکتا ہے، اس لئے عجائبات سائنس معجزات نہیں کہ دوسرا اس کو نہ کر سکے۔

معجزات: معجزات وہ ہیں جن کا وجود مادی اسباب پر مبنی نہ ہو، خواہ عام اسباب ہوں جیسے امور عادیہ یا خاص اسباب ہوں، جیسے سائنس کے امور عجیبہ، بلکہ ان کا وجود خالق کائنات کی مخفی قوت اور مشیت کا نتیجہ ہو،

Marfat.com

جس کو نبی کے سوا کوئی دوسرا انسان حاصل نہیں کر سکتا، مثلاً یورپ بھی ہوائی جہاز اڑاتا ہے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا تخت بھی اڑتا تھا، کام ایک ہے لیکن تخت سلیمانی کا اڑنا معجزہ تھا اور ہوائی جہاز کا اڑنا معجزہ نہیں، کیونکہ ہوائی جہاز مشین کے ذریعہ اڑایا جاتا ہے جو ہر انسان ویسی مادی مشین بنا کر جہاز کو اڑا سکتا ہے، لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام کا تخت مشین سے نہیں، مشیت الٰہی کی تسخیر ہوا سے اڑتا تھا، جس کی نقل اتارنے پر نہ پہلے کوئی قادر ہوا اور نہ اب اور نہ آئندہ، کیونکہ مشیت کی کارسازی اوروں کے لئے ممکن نہیں۔

فوائدِ مہمہ

۱۔ فیضی کی تفسیر بے نقط معجزہ نہیں

فیضی نے جو کام کیا ہے وہ خود فیضی کی نگاہ میں معجزہ نہیں اور تمام بلغاء کی نگاہ میں بھی معجزہ نہیں، یہی کام متنبی سے چھ سو سال پہلے عربوں میں معمول رہا، خود مقامات حریری میں ایسی عبارات فیضی سے پہلے موجود ہیں کہ بعض خالص حروف مہملہ میں بعض حروف معجمہ میں اور بعض عبارات کا ایک لفظ مہملہ حروف یعنی غیر نقطہ دار حروف سے مرکب ہے اور دوسرا لفظ معجمہ سے یعنی نقطہ دار حروف سے۔ اس کے علاوہ فیضی نے ایسا کرنے کو قرآن کا توڑ نہیں سمجھا اور نہ یہ دعویٰ کیا بلکہ وہ آخری زندگی تک قرآن کے اعجاز کا قائل رہا بلکہ اسی تفسیر میں وہ قرآن کے اعجاز اور تعریف کو زوردار الفاظ میں پیش کر چکا ہے:

كَلَامُ اللهِ لَا حَدَّ لِمَحَامِدِهٖ وَلَا عَدَّ لِمَكَارِمِهٖ وَمَاءٌ لَّا سَاحِلَ لَهٗ

”قرآن اللہ کا کلام، جس کی تعریف کی انتہا نہیں اور جس کی فضیلتیں شمار میں نہیں آسکتیں، وہ ایک ایسا سمندر ہے جس کا کنارہ نہیں۔

۲۔ مسیلمہ کی تک بندی

فیضی کے علاوہ مسیلمۃ الکذاب کی بے معنی تک بندی جس میں ہدایت انسانی کی بو تک موجود نہیں، اس کو نہ مسیلمہ نے قرآن کی طرح معجزہ سمجھا نہ کسی اور نے، بلکہ اس کو کسی بلیغ ماہر زبان نے قابل تذکرہ بھی نہ سمجھا، ہم

Marfat.com

ناظرین کی ضیافت طبع کے لئے اس کو نقل کرتے ہیں:

وَالْمُبْزِّرَاتِ زَرْعًا وَالْحَاصِدَاتِ حَصْدًا وَّالذَّارِيَاتِ قَمْحًا وَالطَّاحِنَاتِ طَحْنًا وَالْعَاجِنَاتِ عَجْنًا وَالْخَابِزَاتِ خَبْزًا وَّالثَّارِدَاتِ ثَرْدًا وَاللَّاقِمَاتِ لَقْمًا اِهَالَةً وَّسَمْنًا۔[1]

یعنی قسم ہے ان عورتوں کی جو بیج ڈالتی ہیں زمین میں اور فصل کاٹنے والیوں کی اور گندم صاف کرنے والیوں کی اور دانہ پیسنے والیوں کی اور آٹا گوندنے والیوں کی اور روٹی بنانے والیوں کی اور اس کو شوربا میں ڈالنے والیوں کی اور نوالہ لینے والیوں کی، چربی اور مکھن۔

لفظی خامیوں کے علاوہ اس نے ہر جگہ واؤ استعمال کیا ہے حالانکہ بعض جگہ فا اور بعض جگہ ثم استعمال کرنے کا تھا، پھر جو کام مردوں کے تھے یا مرد اور عورتوں میں مشترک تھے اسکو بھی صرف عورتوں کی طرف منسوب کیا، نفس مضمون اس قدر لغو اور بے فائدہ ہے کہ ادنیٰ درجے کے آدمی کیلئے بھی موجب عار ہے۔ اسی طرح اس کی یہ تک بندی:

اَلْفِيلُ مَا الْفِيلُ وَمَا اَدْرَاكَ مَا الْفِيلُ لَهُ ذَنَبٌ وَّبِيلٌ وَخُرْطُوْمٌ طَوِيلٌ [2]

جاحظ نے اس کی یہ تک بندی بھی نقل کی ہے:

يَا ضَفْدَعُ بِنْتُ ضِفْدَعِيْنِ نَقِّي مَا تُنَقِّيْنَ نِصْفُكِ فِي الْمَاءِ وَنِصْفُكِ فِي الطِّيْنِ لَا الْمَاءَ تُكَدِّرِيْنَ وَلَا الشَّارِبَ تَمْنَعِيْنَ۔[3]

یہ دونوں تک بندیاں بالترتیب ہاتھی اور مینڈک کے متعلق ہیں۔

۳۔ ابن الراوندی زندیق یہودی

ابن الراوندی یہودی النسل (المتوفی ۲۹۳) یہ یہود اور نصاری سے بڑی رقمیں لے کر قرآن اور اسلام کی تردید میں کتابیں لکھتا تھا، ان کتابوں کے نام یہ ہیں: التاج الفرید، الزمردة وقفیب الذہب۔ کتاب لکھنے

[1] البدایہ والنہایہ، ط: احیاء التراث، ۶/۳۵۹۔ [2] البدایہ والنہایہ، ط: احیاء التراث، ۶/۳۵۹۔ [3] البدایہ والنہایہ، ط: احیاء التراث، ۶/۳۵۹)

Marfat.com

کے بعد یہود اور نصاریٰ سے اور رقم طلب کرتا تھا، جب نہ دیتے تو ان کتابوں کی تردید کرتا تھا، ابوالعلاء المعری نے اس کی کتاب تاج کے متعلق لکھا ہے: لَا یَصْلُحُ تَاجٌ اَنْ یَکُوْنَ نَعْلًا ''اس کی کتاب تاج جوتا بننے کے قابل نہیں''۔

۴۔ متنبّی کی تُک بندی

متنبّی نے دعویٰ نبوت کے وقت لکھا تھا:

اُقْسِمُ بِخَالِقِ اللَّیْلِ وَالرِّیْحِ الْھَابَّةِ بِاللَّیْلِ اِنَّ الْکَافِرَ لَطَوِیْلُ الْوَیْلِ وَاِنَّ الْکُفْرَ لَمَکْفُوْفُ الذَّیْلِ

پھر توبہ کر کے مسلمان ہوا اور مخلص مسلمان ہوا، ان سب کا ماخذ اعجاز القرآن مصطفیٰ صادق الرافعی ص: ۲۰۸ سے ص: ۲۱۲ تک ہے، ان چیزوں کے نقل کرنے کا ایک مقصود تو قرآن کے اعجاز کو نمایاں کرنا ہے، دوم یہ کہ متنبّی وغیرہ مسیلمہ اور ابن الراوندی سے ادبی حیثیت سے اونچا مقام رکھتے تھے، لیکن جب انہوں نے اس میدان میں قدم رکھا تو ان کا کلام ایسا معلوم ہوا کہ خود ان کے معتقدین نے بھی ہنسی اڑائی اور خود ان کا دل بھی اس بے فائدہ کام پر ان کو ملامت کرتا تھا۔

اعجاز القرآن کا فہم

۱۔ قرآنی اعجاز اگرچہ بلاغی حیثیت سے ذوقی چیز ہے جیسے کھارے اور میٹھے پانی کی پہچان اور بلاغت و فصاحت کے ذوق رکھنے والوں کے لئے یہ ایک بدیہی چیز ہے، علماء نے چند چیزوں کی نشاندہی کی ہے جن سے اعجاز القرآن معمولی فہم رکھنے والے انسان کے لئے بھی واضح ہو جاتا ہے، کچھ مضامین مشاہدات سے تعلق رکھتے ہیں جو کھلی چیزیں ہیں جیسے آسمان زمین وغیرہ اور کچھ معنویات جو مشاہدہ سے خارج ہیں، مثلاً اخلاق، اعمال قلبیہ وعقائد احکام وقوانین غیبیات۔

عرب وعجم کے شعراء کی فصاحت وبلاغت کا میدان مشاہدات تھے نہ کہ معنویات، ان کا زور کلام مشاہدات

Marfat.com

میں جولانیاں دکھاتا تھا، معنویات میں ان کا زور ختم ہو جاتا تھا لیکن قرآن نے مشاہدات کو بھی بیان کیا اور غیبیات اور معنویات کو بھی، لیکن اس کے زورِ بیان میں کوئی فرق نہیں آیا۔

۲۔ شعراء عرب وعجم اپنا زورِ بیان دکھانے اور فصاحت وبلاغت نمایاں کرنے میں اس کے پابند نہ تھے کہ جو مضمون وہ بیان کریں وہ صحیح اور سچا بھی ہو، یہی وجہ ہے کہ عربی شاعری کے متعلق یہ مقولہ مشہور تھا کہ اَحْسَنُہٗ اَکْذَبُہٗ بہت عمدہ شعر وہی ہے جس کا مضمون زیادہ جھوٹا ہو لیکن قرآن مجید کے مضامین صدق اور راستی کے پابند تھے، جس میں خلاف واقعہ کوئی مضمون نہیں آسکتا تھا، اس لئے قرآن کا دائرہ بہت تنگ تھا لیکن پھر بھی قرآنی بلاغت میں فرق نہیں آیا، لیکن اگر کسی شاعر کو صدق کا پابند کیا جائے کہ جھوٹے مبالغہ سے پرہیز کرے تو اس کا کلام پھیکا پڑ جاتا تھا اور زورِ فصاحت باقی نہیں رہتا لیکن قرآن کی بلاغت اس پابندی کے باوجود بے مثال ہے۔

انسان اور اس کی قوتیں محدود ہیں، اس لئے بلیغ سے بلیغ شاعر ایک خاص دائرہ میں زور فصاحت دکھانے پر قادر ہوتا ہے دوسرے دائرہ میں نہیں جیسے امراء القیس کے مضامین سے، اعشیٰ کا شراب سے اسی طرح فردوسی و نظامی جنگ کے مضامین میں یکتا ہے اور سعدی اخلاق میں لیکن قرآن میں ہر قسم کے مضامین آئے ہیں مگر اس کی بے مثال بلاغت میں کوئی فرق نہیں آیا۔

قرآنی بلاغت کی یہ خصوصیت ہے کہ اس میں تھوڑے الفاظ میں ایسا مضمون بیان کیا گیا جس سے ایک کتاب بن سکتی ہے لیکن پھر بھی نہ قرآن کی شیرینی میں کوئی فرق آیا نہ مضمون پر دلالت کرنے میں پیچیدگی پیدا ہوئی۔ جیسے وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ [1]

ہر کتاب جس زبان کی ہوتی ہے سو سال کے بعد چونکہ زبان بدل جاتی ہے، اس سو سال پہلے کے الفاظ متروک ہو جاتے ہیں اور ان سے مطلب برآری مشکل ہو جاتی ہے جیسے حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ قرآن بے مثال ہے لیکن زمانہ گزر جانے کی وجہ سے اس کے بعض اُردو الفاظ کا استعمال ترک ہوا ہے، اس لئے

---

[1] سورۃ الذاریات: ۲۰۔

Marfat.com

اس کی افادیت کمزور ہوئی اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اس ترجمہ کو جدید الفاظ کے قالب میں ڈھال دیا تاکہ افادیت برقرار رہے، لیکن اس عام قاعدے کے برخلاف قرآن کی عربی پر تقریباً چودہ سو سال گزر گئے لیکن قرآنی الفاظ کی افادیت میں کوئی فرق نہیں آیا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن میں خالق کائنات نے ان الفاظ کا انتخاب کیا ہے جو اس طویل زمانہ گزر جانے کے باوجود ان کا استعمال برقرار رہنے والا تھا۔

اعجازِ قانونی

قرآن کا بلاغی اعجاز بیان ہو چکا ہے اب دوسری دلیل قرآن کے کلامِ الٰہی ہونے کا قانونی اعجاز ہے، قانونِ انسانی خواہ ایک فرد کا مرتب کردہ ہو یا جماعت (پارلیمنٹ) کا، اور چاہے اس قانون کے بنانے والے انتہائی مہارت رکھتے ہوں، تاہم وہ قانون مختلف اقوام اور ممالک میں بالخصوص لمبے عرصے تک نہیں چل سکتا، اور ضرور اس میں ایسی خامی ظاہر ہوتی ہے کہ اس میں ترمیم تبدیلی اور تغیر کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے، اور اس کو بدل دینا پڑتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ایک ہی ملک اور سلطنت کے قوانین میں مجالس قانون ساز اور اسمبلیوں اور پارلیمنٹوں کے ذریعہ تبدیلیاں کی جاتی ہیں، جو اس قانون کی خامی اور نقص اور کمزوری کی دلیل ہے۔

لیکن قرآن کا قانون جو زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق ہے اور اس کے ظاہر کرنے والے صرف ایک ذات یعنی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو اُمی ہیں، لکھنا پڑھنا بھی نہیں جانتے تھے اور جس ملک میں ظاہر ہوئے وہ بھی اُمیّین اور ناخواندوں کا ملک تھا، نہ اس ملک کے کسی حصہ میں تعلیم کا چرچا تھا اور نہ ان کو کسی قانون کی واقفیت تھی، اس کے باوجود قرآن کا قانون صرف عرب میں نہیں بلکہ ایشیاء، یورپ اور افریقہ کے تین براعظموں میں ہزار سال سے زیادہ وقت تک اس پر عملدرآمد رہا۔

اور وہ ان میں نافذ العمل رہا لیکن اس طویل عرصہ میں نہ اس میں کوئی نقص پایا گیا اور نہ ترمیم اور تبدیلی کی ضرورت محسوس ہوئی بلکہ دورِ حاضر جس میں تعلیم عام پھیل گئی اور اقوام عالم ایک خاندان کی طرح ایک دوسرے سے مربوط ہو گئے ہیں، اس میں بھی صرف اہل اسلام نہیں، یورپ کے مخالفینِ اسلام بھی قرآن کے قانون کو

Marfat.com

ایک بے مثال قانون تسلیم کرتے ہیں اور قانون پر چودہ سو سال گزر جانے کے بعد بھی اس کی معقولیت اور جامعیت کا اقرار کرتے ہیں۔

۱۔ ڈاکٹر سموئیل لکھتے ہیں کہ قرآن کے مطالب ایسے ہمہ گیر اور ہر زمانے کے لئے موزوں ہیں کہ تمام صدائیں خواہ مخواہ اس کو قبول کرتی ہیں اور محلوں، ریگستانوں، شہروں اور سلطنتوں میں گونجتا ہے۔[۱]

۲۔ مسٹر ولف لکھتا ہے وسیع جمہوریت، رشد و ہدایت، انصاف وعدالت، فوجی تنظیم، مالیات اور غرباء کی حمایت اور ترقی کے اعلیٰ آئین قرآن میں موجود ہیں۔[۲]

۳۔ ڈاکٹر موریس فرانسیسی لکھتا ہے قدرت کی عنایتوں نے جو کتابیں انسان کو دیں قرآن ان سب سے افضل ہے۔

۴۔ اس کے علاوہ سر ڈامنڈ برگ لکھتا ہے قرآن کے قوانین تاجدار سے ادنیٰ فرد تک پر حاوی ہیں اور اسقدر معقول ہیں جس کی نظیر نہیں ملتی۔[۳]

۵۔ آرنلڈ لکھتا ہے قرآن نے وہ اصول پیش کئے کہ سائنس کی بڑھتی ہوئی ترقی اس کو شکست نہیں دے سکتی۔[۴]

اعجازِ تاثیری

قرآن حکیم اپنی تاثیرات کے لحاظ سے بھی ایک معجزہ ہے کہ کسی انسانی کتاب میں وہ تاثیر نہیں جو قرآن میں موجود ہے، اور جو اس کے ذریعہ دنیا میں پھیل کر پوری دنیا کو اس نے روشن کیا۔

تاثیر یا اثر اندازی کا اولین تعلق انسانی روح سے ہے، روح جب متاثر ہو کر بدل جاتی ہے تو انسانی تصورات، گفتار اور کردار میں خود تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے، ان تینوں چیزوں کا مرکز روح یا دل ہے، حدیث نے یہی حقیقت ظاہر کی ہے کہ بدن میں ایک چیز ہے جب وہ درست ہو جائے تو پورا بدن درست ہو جاتا ہے۔[۵]

مرکز اصلاح روح ہے لیکن روح امر ربی اور آسمانی چیز ہے، زمینی نہیں، لہٰذا جو کتاب آسمانی ہو گی کلام ربی ہو گی، اس سے روح کی جو کہ امر ربی ہے اصلاح ہو گی قرآن حکیم جس قوم اور ملک میں ظاہر ہوا وہ تمام عالمی

---

[۱] تاریخ عبدالقیوم ندویؒ۔[۲] ایضاً۔[۳] ایضاً۔[۴] ایضاً۔[۵] بخاری شریف۔

Marfat.com

برائیوں کا مرکز تھا یعنی ملک عرب اور قوم عرب۔

اعتقادی برائیوں کا یہ حال تھا کہ خدا پرستی کا نام ونشان ہی نہ تھا اور بت پرستی عام تھی، انصاف اور عدل مٹ چکا تھا، اور پورا جزیرۃ العرب ظلم کدہ بن چکا تھا اور ہر قوی کمزور کو کھائے جا رہا تھا اور دیگر ذرائع معاش نہ ہونے کی وجہ سے لوٹ کھسوٹ ہی ان کے لئے واحد ذریعہ معاش بن چکا تھا۔ اس سنگدلانہ مظالم سے ان کی اولاد بھی محفوظ نہ تھی، یہاں تک کہ وہ اپنی لڑکیوں کو زندہ در گور کرتے تھے اور اس پر فخر کرتے تھے۔ منشیات اور مسکرات کا استعمال اس قدر عام تھا کہ کوئی مجلس شراب نوشی سے خالی نہ تھی، اتفاق واتحاد کے نام سے بھی واقف نہ تھے اور ہر قوم اور قبیلے کے افراد ایک دوسرے سے برسر پیکار رہتے تھے اور یہ خانہ جنگی اور قوم کشی ان کا محبوب ترین مشغلہ تھا، اصلاح کے تمام اسبابِ تعلیم، تربیت قانون، مفقود تھے، جہالت لاقانونیت اور خودسری عام تھی، یہ حالات ایسے تھے کہ انسانی وسائل وذرائع سے ان کی اصلاح ہزار سال میں بھی ممکن نہ تھی اور ان صدیوں سے پھیلے ہوئے فسادات کو دور کرنے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔

عرب کی اصلاح کیونکر تصور میں آسکتی تھی، اس لئے کہ ان میں تو اسباب اصلاح کا نام ونشان تک نہ تھا، جبکہ دور حاضر میں سب اسباب اصلاح موجود ہیں، تعلیم عام ہے، نشر واشاعت کے ذریعے عام ہیں اور قانون موجود ہے، اصلاح معاشرہ کی انجمنیں قائم ہیں، پھر بھی ہر قسم کے فساد میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے اور جرائم کی نئی نئی شکلیں ایجاد ہو رہی ہیں، اس منظر کو دیکھ کر یہ تصور کرو کہ قرآن کے لئے اصلاح عرب کا ایسا کٹھن کام بالخصوص ایسے وقت میں کہ قرآن کے تئیس سالہ زمانہ نزول میں سے تیرہ سال جو مکی زندگی کا زمانہ ہے، قرآنی اصلاح کی بندش کا زمانہ ہے کہ کفار مکہ کی جابرانہ قوت نے قرآنی آواز کو پورے تیرہ سال دبائے رکھا اور قرآنی تبلیغ کی تمام راہیں مسدود کردی گئی تھیں۔

ہجرت کے بعد قرآن کو کسی حد تک آزادی حاصل ہوئی لیکن باقی ماندہ گیارہ سال کی مدنی زندگی میں سے آٹھ سال یعنی فتح مکہ تک قرآن کے لئے ایسے تھے کہ خود دشمنان قرآن مدینے پر حملہ کر کے قرآنی تبلیغ اور کلام

Marfat.com

الٰہی کی آوازِ حق کو جنگ کے ذریعہ دبانے کی کوشش کرتے رہے، جس کی وجہ سے اس آٹھ سال کی جنگی فضاء میں بھی قرآن کو آوازِ حق پہنچانے کی آزادی نہ مل سکی، زمانہ نبوت وقرآن کے تئیس سال میں سے اکیس سال منہا کرنے کے بعد آزاد اثر اندازی کے لئے صرف دواڑھائی سال ملے ہیں، اس بہت ہی کم وقت میں قرآن نے اپنی تعلیم اور آوازِ حق سے جو اصلاحی انقلاب عرب میں لایا وہ دنیا کو معلوم ہے اور صفحات تاریخ میں نمایاں ہے اور دوست دشمن اس کا اقرار کرتے ہیں۔

خدائی حقوق کی اقامت کا یہ حال رہا کہ بت پرستی یک قلم ناپید ہوگئی اور گھر گھر خدا پرستی اور توحید کا ایسا چرچا پھیلا کہ وہی بت پرست خود بت شکن بن گئے، ان کی زبانوں پر ہر وقت اللہ کی توحید جاری ہوئی، سارے واحد لاشریک کی عبادت میں جھک گئے، دلوں میں اللہ کی عظمت بھر گئی، غیر اللہ کا خوف قلوب سے نکل گیا۔

انسانی حقوق کا یہ حال تھا کہ جو قوم اپنے حقیقی بھائیوں کی دشمن بنی ہوئی تھی وہ اسلامی اور قرآنی رشتے کی وجہ سے بلال حبشی، صہیب رومی، اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہم کو اپنے حقیقی بھائیوں سے زیادہ محبوب سمجھنے لگے۔ خانہ جنگی کا خاتمہ ہوا، اور پوری عرب قوم محبت واخوت کے رشتہ میں منسلک ہو کر ایک فولادی دیوار بن گئی۔ جوابازی، سودخوری، شراب نوشی، چوری ڈاکہ، قتل، ظلم، نہ صرف عرب سے مٹ گئے بلکہ قرآن سے متاثر ان عربوں کا قدم جہاں پہنچا وہاں بھی ان برائیوں کا نام ونشان نہ رہا۔

ایک یورپی اہل قلم نے لکھا ہے کہ گویا قرآن کے بعد عرب، انسانی صورت میں ملائک بن کر پھر رہے تھے، یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ایسا اصلاحی کارنامہ جو سراپا معجزہ ہے صرف قرآن سے وجود میں آیا جو انسانی کتابوں کی مجموعی طاقت اور دنیا کی تمام حکومتوں کی مجموعی قوت سے ممکن نہ تھا۔ تو کیا یہ اس امر کی دلیل نہیں کہ قرآن کلامِ الٰہی ہے جس نے خداداد تاثیر سے یہ اصلاحی کارنامہ انجام دیا، جو قرآن کے کلامِ الٰہی ہونے کی تاثیری دلیل ہے، جو کچھ ہم نے لکھا اس کا اقرار دورِ حاضر کے عیسائی دشمنانِ اسلام نے بھی کیا ہے۔

Marfat.com

انجذابی تاثیر

قرآن کی جس اصلاحی تاثیر کو ہم نے بیان کیا وہ ایک ایسا معجزہ ہے جس کا کسی انسانی کتاب سے ظہور میں آنا ممکن نہیں لیکن اصلاحی اعجاز کے علاوہ قرآن کی انجذابی تاثیر بھی ایک معجزہ ہے، جو اس کے کلام الٰہی ہونے کی دلیل ہے، وہ یہ کہ قرآن ایک اچھی خاصی بڑی کتاب ہے جس کا حفظ کرنا ضخامت کے اعتبار سے بھی مشکل ہے، دوم یہ کہ غیر عرب مسلمانوں کے لئے اس کی زبان ایک اجنبی زبان ہے یہ حفظ قرآن کی راہ میں دوسری رکاوٹ ہے کہ اپنی زبان کی کتاب کا حفظ آسان ہے لیکن اجنبی زبان کی کتاب کا حفظ دشوار ہے، تیسری بات یہ ہے کہ اس میں مشابہہ آیات کی کثرت ہے یعنی ایک جیسی آیت کے ساتھ ایک جگہ ایک مضمون کی آیت آئی اور دوسری جگہ اس آیت کے ساتھ اور مضمون کی آیات ہیں، یہ بھی حفظ کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔ چوتھی بات یہ ہے کہ قرآن کے حافظ کے لئے قوم یا حکومت کی طرف سے نہ کوئی تنخواہ مقرر ہے نہ کوئی خاص اعزاز، یہ بھی حفظ قرآن کی راہ میں ایک رکاوٹ ہے۔

پانچویں بات یہ ہے کہ قرآن کے حفظ کے لئے بھی کافی وقت اور محنت صرف کرنے کی ضرورت ہے، اور حفظ قرآن کو باقی رکھنے کے لئے تاحینِ حیات زندگی بھر دور و تکرار کی ضرورت ہے، اتنی محنت اگر دور حاضر میں وہ کسی دنیوی علوم کی ڈگری حاصل کرنے کے لئے کرے تو بہت کچھ مالی مفاد و دنیوی اعزاز حاصل کر سکتا ہے ،اس لئے وقت اور محنت اور دنیوی مفاد کی قربانی بھی حفظ قرآن کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہے لیکن ان سب موانع اور رکاوٹوں کے باوجود مسلمان قوم کے لاکھوں افراد قرآن کے حافظ موجود ہیں اور حفظ قرآن کا سلسلہ اس کسمپرسی کی حالت میں بھی روز بروز بڑھتا جا رہا ہے جو اس امر کی دلیل ہے کہ خود قرآن کی ذات میں معجزانہ انجذاب اور ایسی کشش کا سامان موجود ہے جو ان رکاوٹوں کے باوجود مسلمانوں کے دلوں کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے اور کوئی رکاوٹ ان پر اثر انداز نہیں ہوتی۔ یہ کشش اور انجذابی تاثیر قرآن کا ایک مستقل معجزہ ہے اور اس کے کلام الٰہی ہونے کی دلیل ہے کیونکہ اور کسی کتاب کے اس قدر حافظ کرۂ ارض میں موجود نہیں اور نہ اس قسم کی

Marfat.com

کشش کسی کتاب میں پائی جاتی ہے، یہاں تک کہ تورات وانجیل کا ایک بھی حافظ موجود نہیں۔

شخصیتی تاثیرِ اعجازی کی تین صورتیں ہیں:

ا۔ شخصیتی نزولی اثر

یہ ظاہر ہے کہ مخالفین قرآن کی اس غلط رائے کے پیش نظر کہ قرآن کلام محمد ﷺ ہے، کلام الٰہی نہیں، اگر ایسا ہے تو یہ حقیقت ہے کہ انسان پر اپنے کلام کا بالخصوص جب وہ جھوٹ بول کر اس کو اللہ جل جلالہ کی طرف منسوب کرتا ہو، گہرا اور عمیق اثر نہیں پڑ سکتا، یہی وجہ ہے کہ عرب کے مشہور سات قصائد جو سات شعراء نے بنائے تھے اور فصاحت میں دیگر اشعار کے قصائد سے ممتاز تھے، ان کا کوئی خاص اثر ان شعراء پر ظاہر نہیں ہوتا تھا، ورنہ تاریخ میں ان کا ذکر ضرور آتا لیکن قرآن کی وحی جب حضور ﷺ پر نازل ہوتی تھی اور مجمع عام میں نازل ہوتی تھی تو سرد موسم کے باوجود حضور ﷺ کے رخسار مبارک سے پسینے کے بڑے بڑے قطرے بہت زور کے ساتھ ٹپک پڑنے شروع ہو جاتے تھے، صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اول بخاری میں منقول ہے:

لَقَدْ رَأَيْتُهُ يَنْزِلُ عَلَيْهِ الْوَحْيُ فِي الْيَوْمِ الشَّدِيْدِ الْبَرْدِ فَيَفْصِمُ عَنْهُ وَإِنَّ جَبِيْنَهُ لَيَتَفَصَّدُ عَرَقًا۔ [1]

"میں نے حضور ﷺ کو دیکھا کہ سخت سردی میں آپ پر قرآنی وحی نازل ہوئی تھی اور جب ختم ہوتی تو آپ کی پیشانی سے ایسا پسینہ ٹپک پڑتا کہ جیسے کسی کی رگ نشتر سے کھولی جائے اور خون زور سے ٹپکے"۔

سردی میں بھی مبالغہ کے ساتھ پسینے کی آمد غیر اختیاری ہے، تصنع اور بناوٹ کو اس میں دخل نہیں، اب ظاہر ہے کہ یہ تاثیر کسی انسانی کلام میں ممکن نہیں، جس سے معلوم ہوا کہ قرآن حضور ﷺ کا اپنا کلام نہ تھا، بلکہ الٰہی کلام تھا۔

ثقل اور بوجھ: کلام الفاظ کا نام ہے جس میں بوجھ یا ثقل نہیں، کیونکہ ثقل اجسام کا خاصہ ہے اور الفاظ

---

[1] الصحیح البخاری، باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ ﷺ۔

Marfat.com

قرآن جسم نہیں لیکن حضور ﷺ پر جب قرآن کا نزول ہوتا تھا تو اس کے نزول سے حضور ﷺ کی شخصیت اور ذات میں معجزانہ طور پر بوجھ اور ثقل پیدا ہوتا تھا، معمولی نہیں بلکہ بہت زیادہ۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں: كَادَتْ فَخِذِي أَنْ تَرُضَّ ''قریب تھی کہ میری ران کی ہڈی بوجھ کے دباؤ سے ٹوٹ جاتی''۔ [1]

مستدرک حاکم تفسیر سورۃ مزمل میں صدیقہ رضی اللہ عنہا نقل کرتی ہیں کہ حضور ﷺ اونٹنی پر سوار سفر میں جا رہے تھے کہ وحی قرآنی نازل ہوئی، اونٹنی وحی قرآنی کے بوجھ سے دب کر بیٹھ گئی، ظاہر ہے کہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ پر نہ نزول قرآن سے قبل یہ اثر اور اسی طرح اونٹنی پر اثر نہ نزول کے بعد ہوا، جو صرف قرآنی نزول کا اثر تھا، یہ تاثیر قرآن میں بھی ذکر ہے:

إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا ''ہم ڈالیں گے اے پیغمبر تجھ پر بھارا اور بوجھل قول''۔ [2]

جب یہ چیز قرآن اور حدیث میں بیان ہوئی اور عام مشاہدے میں آئی تو اگر یہ تاثیر واقعہ کے خلاف ہوتی تو کفار مخالفینِ قرآن ضرور اعتراض وانکار کرتے، لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا، جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ تاثیر واقعی تواتر سے ثابت تھی لیکن یہ تاثیر صرف قرآن سے وابستہ نہیں، بلکہ نزول بواسطہ جبرائیل سے متعلق ہے۔ گویا وقت نزول اور جبرائیل کے فعل وعمل کو بھی اس میں دخل ہے۔ یہ تاثیر قرآن کا معجزہ ہے جو کسی کلام انسانی کو حاصل نہیں۔

۲۔ قرآن کی تاثیر شخصیتِ قلبی

قرآن کا اثرِ قلب صاحبِ قرآن نبی رسول ﷺ پر یہ تھا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے حضور اقدس ﷺ کی فرمائش پر آپ کے سامنے قرآن کی تلاوت کی تو جب لوگوں نے دیکھا تو آپ ﷺ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری تھے: وَعَيْنَاهُ تَذْرِفَانِ۔ [3]

---

[1] المعجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث: ۴۸۱۴۔ [2] مزمل: ۵۔ [3] بخاری، باب تمنی الشھادۃ، رقم الحدیث: ۲۷۹۸۔

Marfat.com

(۲) مطرف بن عبداللہ بن شخیر سے روایت ہے کہ رات کے وقت تہجد میں تنہاء حضور ﷺ قرآن پڑھتے تھے، جب کہ کوئی موجود نہ تھا۔ مطرف فرماتے ہیں میں گزرا تو رونے سے آپ کا سینہ اس قدر جوش مارتا تھا جیسے دیگچی میں ابالا ہوا پانی جوش مارتا ہے۔ فَلِجَوْفِهٖ اَزِيْزٌ كَاَزِيْزِ الْمِرْجَلِ [۱] کیا کسی بناوٹی کلام کا کسی بناوٹ کرنے والے پر رات کی تاریکی اور تنہائی میں ایسا اثر وارد ہوسکتا ہے؟ یہ تاثیر کلام الٰہی ہونے کی دلیل ہے۔

۳۔ تاثیر قالبی

قول میں تو چنداں تکلیف نہیں لیکن عمل میں بڑی مشقت ہے، بناوٹی کلام دکھانے کیلئے ہوتا ہے، صاحب بناوٹ خود اس پر مسلسل اور تکلیف دہ عمل نہیں کرسکتا، تاوقتیکہ کوئی اس کو کلام الٰہی نہ سمجھے اور اس کے مضامین کو حق نہ سمجھے، لیکن حضور ﷺ کے قالب اور بدن پر قرآنی احکام کا کیا اثر ہوتا تھا، جب یہ آیت نازل ہوئی:

فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ [۲]

”اے پیغمبر! جب آپ ضروری کام سے فارغ ہوجاؤ تو اپنے آپ کو خدا کی عبادت میں تھکاؤ اور اللہ کی طرف پورا جھکو“۔

اس کے بعد صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ رات بھر عبادت کرتے تھے یہاں تک کہ تَوَرَّمَتْ قَدَمَاهُ یعنی آپ ﷺ کے قدم مبارک سوج گئے۔ [۳]

(۲) بخاری میں ہے کہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے حضور ﷺ کے اخلاق کے بارے میں سوال ہوا تو آپ نے فرمایا کہ پورا قرآن آپ کا خلق تھا، جیسے ایک آدمی کے لئے اپنے خلق و عادت کو چھوڑنا ناممکن نہیں، اسی طرح حضور رسالت مآب ﷺ کے لئے قرآنی احکام اخلاق و عادات بن گئے تھے، جو کچھ قرآن میں تھا وہی آپ کے عمل میں موجود تھا۔ کیا اس درجے کی قالبی و جسمانی و عملی تاثیر کسی انسان پر اس کی اپنی بناوٹی کتاب کی ممکن ہوسکتی ہے؟ اگر نہیں ہوسکتی تو یہ دلیل ہے کہ قرآن کلام الٰہی تھا اور حضور ﷺ خود اس پر کلام الٰہی کی حیثیت سے سب سے زیادہ عمل کرنے والے تھے۔

---

[۱] سنن نسائی: ۱۲۱۴۔ [۲] الم نشرح: ۷۔ [۳] بخاری شریف۔

Marfat.com

قرآن کا سیاسی اعجاز

قرآن عرب میں نازل ہوا اور عرب تمام اقوام سے کمزور، بے علم اور بے ہنر تھے، سیاسی غلبہ حاصل کرنے کے اسباب ان میں موجود نہ تھے، سیاسی اقتدار اور غلبہ کے لئے پہلی چیز عددی کثرت ہے، دیگر اقوام عالم کی نسبت عرب کی تعداد بہت کم تھی، اُس وقت کے عرب اور اِس وقت کے عرب میں بڑا فرق ہے، قرآن کے نزول کے وقت عرب صرف اس وقت کے سعودی عرب اور یمن کا نام تھا، عراق، شام، فلسطین، اردن، لبنان، بیروت، مصر و شمالی افریقہ یہ غیر عرب ممالک تھے، جو اسلامی فتوحات کے بعد عرب ممالک بن گئے۔

دوسری چیز جو سیاسی اقتدار کے لئے ضروری ہے وہ تعلیم ہے، لیکن عرب امیین، یعنی ناخواندوں کا ملک تھا۔ تیسری چیز اتفاق اور وحدت، لیکن عرب کا ہر قبیلہ دوسرے کا دشمن تھا، خود انصار مدینہ کے دو مشہور قبیلے اوس و خزرج ایک دوسرے کے دشمن تھے، اتفاق و اتحاد کا تصور بھی نہیں ہوسکتا تھا۔ چوتھی چیز صنعت، عرب میں نہ کوئی صنعت تھی اور نہ کارخانہ۔ تلوار تک کے لئے اور معمولی پوشاک کے لئے وہ ہندوستان اور شام کے عیسائیوں کے محتاج تھے۔

پانچویں چیز زراعت اور غذائی کفالت ہے، کھجور کے سوا خوراک کے لئے غیر اقوام کے محتاج تھے کیونکہ ان کا اپنا ایک زراعتی ملک نہ تھا، قرآن نے خود اس کو وَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ [1] کہا ہے، چھٹی چیز معدنی دولت، اس وقت عرب میں کسی معدنی دولت کا وجود نہ تھا، جو کچھ ہمیں اب نظر آرہا ہے وہ دور حاضر کی پیداوار ہے۔ ساتویں چیز جسمانی قوت، عرب گرم ملک تھا، ضروری غذا بھی میسر نہ تھی، پانی کی بھی کمی تھی، سردی گرمی سے بچنے کے لئے مکانات نہ تھے، اکثر آبادی خانہ بدوشوں اور جواریوں میں گذارہ کرتی تھی، علاج کا بھی کوئی انتظام نہ تھا۔

آٹھویں چیز روحانی و اخلاقی قوت ہے، جو توحید کے اعلیٰ اور پاکیزہ تصور سے پیدا ہوتی ہے، لیکن عرب آبادی پتھروں یا پتھروں سے تراشے ہوئے بتوں کی پرستش کرتی تھی۔

---

[1] ابراہیم: ۳۷۔

Marfat.com

یہ وہ حالات تھے جس میں قرآن کا عرب میں ظہور ہوا اور عرب نے بالاتفاق اس روشنی کو مٹانے میں اپنی قوتیں صرف کیں، دو اڑھائی سال سے زیادہ وقت قرآن کو آزاد اشاعت کیلئے نہ مل سکا، لیکن اس قلیل مدت میں قرآن نے عرب کو کہاں سے کہاں تک پہنچا دیا، اس کا اندازہ عرب قبل القرآن اور عرب بعد القرآن کے درمیان موازنہ کرنے سے معلوم ہوسکتا ہے، عرب قبل القرآن وہی تھا جو ہم نے ذکر کیا، لیکن عرب بعد القرآن ایسی قوم بن گئی جو تنظیم، اتحاد، اخلاق، بلند خیالی، اولوالعزمی، ایثار وقربانی، خدا پرستی، شجاعت، سخاوت، عفت، پاک دامنی، رحم وشفقت، عقل وتدبیر، جہاں بانی، جہانگیری، دیانت وامانت، صدق وراستی، پابندی عہد، عدل وانصاف میں کوئی قوم ان کی ہمسر نہیں تھی، بلکہ پوری تاریخ بشریت اس کی نظیر پیش کرنے سے خالی ہے۔

یہی وجہ تھی کہ ان آٹھ کمزوریوں کے باوجود جو ہم نے ابھی ذکر کیں، وہ دنیائے شرق وغرب کے دو عظیم متمدن اور بے انتہا ساز وسامان رکھنے والی سلطنتوں سے بہ یک وقت ٹکرائی، یعنی کسریٰ وقیصر کی سلطنتوں سے جو پوری دنیا میں اپنا جواب نہیں رکھتی تھیں، لیکن انہوں نے بہت کم وقت میں ان دونوں حکومتوں کو غبار بنا کر رکھ دیا اور ان کی باعظمت تاج وتخت کے پرخچے اڑا دیئے، اب سوال یہ ہے کہ یہ سیاسی غلبہ جو عرب کو حاصل ہوا اور رفتہ رفتہ جس کی طوفانی موجیں مشرق میں کاشغر اور دیوار چین سے ٹکرائیں اور مغرب میں مراکش اور فرانس تک، یہ کس چیز کا نتیجہ تھا؟

سیاسی اقتدار وغلبہ کے اسباب؟

سیاسی اقتدار وغلبہ کے لئے دو قسم کے اسباب ہوسکتے ہیں:

(۱) مادی (۲) روحانی اور غیبی''۔

(۱) مادی اسباب تو عرب کو حاصل نہ تھے بلکہ عرب کے دشمنوں اور حریف قوتوں کو حاصل تھے، اگر مادی اسباب پر سیاسی تغلب کا فیصلہ کرنا تھا تو یہ ضروری تھا کہ عرب صفحہ ہستی سے مٹ جاتے اور نتیجہ بالعکس ظاہر ہونا چاہئے تھا، معلوم ہوا کہ یہ سب کچھ اس غیبی وروحانی قوت سے ہوا جو عرب کو قرآن اور صاحب

Marfat.com

قرآن صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بدولت نصیب ہوئی اور ظاہر ہے کہ اس قسم کی معجزانہ قوت بغیر الٰہی کتاب کی قوت کے ممکن نہیں، جس سے معلوم ہوا کہ قرآن کلام الٰہی ہے اور جس ذات اقدس پر اس کتاب کا نزول ہوا وہ خدا کے اکمل ترین رسول اور خاتم النبیین تھے۔

مسلمانوں کے موجودہ زوال کا سبب ترک عمل ہے کہ انہوں نے اسلام اور قرآن پر عمل ترک کر دیا ہے، ورنہ اسلام اور قرآن اس دور میں بھی مسلمانوں کی تمام کمزوریوں کا علاج ہے، قرآن کا نسخہ ہزار سال سے زائد عرصے کا آزمودہ اور تجربہ شدہ ہے:

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ [1] قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ [2]

لیکن کوئی مجرب سے مجرب نسخہ کاغذی اور قولی شکل میں اپنا صحت مندانہ اثر نہیں دکھلا سکتا، تاوقتیکہ اس پر عمل نہ ہو، یورپ کے مستشرقین اس راز کو خوب جانتے ہیں کہ اگر مسلمانوں نے اسلام اور قرآن کی طرف رجوع کیا تو نوّے کروڑ مسلمان متحد ہو جائیں گے، ایک مرکز کے نیچے آجائیں گے، ان کی منتشر قوتیں اور ذرائع ترقی یکجا ہو کر وہ دنیا کی اوّل نمبر طاقت بن جائیں گے اور ہمارے ہاتھ سے یہ شکار نکل جائے گا، اس لئے انہوں نے مسلمانوں کو اسلام اور قرآن سے ہٹانے کی کوششیں ایک مدت سے کیں اور یہ کہا کہ مسلمانوں کا زوال اسلام اور قرآن کی وجہ سے ہے، اگر وہ مغرب کی گندی اور خدا بیزار تہذیب اختیار کریں گے تو ان کو ترقی نصیب ہوگی، جس کی وجہ سے اسلامی ممالک میں قدیم وجدید جنگ جاری ہے اور روز بروز مسلمانوں میں انتشار اور مرکز گریز جذبات پرورش پا رہے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆

---

[1] بنی اسرائیل: ۸۱۔ [2] حم السجدۃ: ۴۴۔

Marfat.com

قرآن مجید کی فصاحت وبلاغت کا مختصر نمونہ

قرآن مجید کو سمجھنے کے درجات

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ [1]

''اور البتہ ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لئے آسان کر دیا تو پھر ہے کوئی سمجھنے والا''۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ قرآن مجید کو سمجھنے کے دو درجے ہیں، پہلا درجہ عوام الناس کا ہے اور اسے بہت آسان کر دیا گیا ہے، اس درجہ میں انسان کو اتنی سمجھ مل جاتی ہے کہ وہ ترغیب وترہیب کی آیات اور قوموں کے عروج وزوال کی داستانیں سمجھ لیتا ہے، دوسرا درجہ راسخین فی العلم کا ہے، یہ حضرات آیاتِ قرآنیہ کے سمندر میں غوطہ زن ہوتے ہیں اور احکامِ الٰہی کے ہیرے موتی نکال لاتے ہیں، ان علماء کی پوری زندگی اسی تدبر وتفکر میں گزر جاتی ہے۔

قرآن کے مضامین (علومِ پنجگانہ)

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''الفوز الکبیر فی اصول التفسیر'' میں لکھا ہے کہ قرآن مجید کے تمام مضامین کی کل پانچ (۵) قسمیں ہیں، شاہ صاحب نے ان مضامین کو ''علومِ پنجگانہ'' کا نام دیا ہے، ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) علمِ تذکیر بآلاء اللہ

اس علم سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے قرآن مجید میں اپنی بے شمار نعمتوں کا ذکر کر کے انسان کو بندگی اور شکر گزاری کی تلقین کی ہے، نعمت سے منعم کا تصور دیا ہے اور اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے احسانات اور اُس کی نعمتوں

[1] سورۃ القمر: ۱۷۔

Marfat.com

کے حوالے سے اس کی عبادت اور اس کا شکر ادا کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔

(۲) علمِ تذکیر بایّامِ اللہ

اس علم کے مطابق قرآن مجید میں گذشتہ قوموں اور اُن کے پیغمبروں کا ذکر کیا گیا ہے، ان تاریخی واقعات و حالات کے بیان کا مقصد لوگوں کو عبرت دلانا اور سبق آموزی ہے۔

(۳) علمِ تذکیر بالموت ومابعد الموت

اس علم کے لحاظ سے قرآن مجید میں مرنے کے بعد کی زندگی، آخرت کے احوال اور جنت و دوزخ کی کیفیات بیان کی گئی ہیں۔

(۴) علمِ احکام

علم احکام سے مراد قرآن مجید کے اوامر ونواہی کا علم ہے، اوامر سے مراد وہ کام ہیں جن کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے جیسے نماز پڑھنا، روزہ رکھنا اور سچ بولنا، نواہی وہ کام ہیں جن سے منع کیا گیا ہے جیسے شرک کرنا، چوری کرنا اور جھوٹ بولنا۔

(۵) علمِ مخاصمات

اس علم کے مطابق قرآن مجید میں وقت کے چار گمراہ مذہبی فرقوں مشرکین، منافقین، یہود اور نصاریٰ کے عقائد پر تنقید کی گئی ہے اور ان کے غلط نظریات اور اعمال کی اصلاح کی گئی ہے، اس سلسلے میں تورات اور انجیل وغیرہ بھی زیر بحث آئی ہیں۔

ان علوم خمسہ میں سے پہلے کا تعلق مبداء سے ہے، تیسرے کا معاد سے اور باقی تین کا معاش سے ہے، گویا یہ کتاب علوم مبداء ومعاش ومعاد پر پوری طرح حاوی ہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کیا خوب کہا ہے:

جَمِیْعُ الْعُلُوْمِ فِی الْقُرْآنِ لٰکِنْ ...... تَقَاصَرَتْ عَنْهُ اَفْهَامُ الرِّجَالِ[1]

تمام علوم قرآن میں ہیں لیکن ،،، لوگوں کی عقلیں ان تک نہیں پہنچ پاتیں۔

---

[1] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح: ۱/۳۴۶۱۔

Marfat.com

قرآن، اپنی فصاحت وبلاغت میں بے مثال

قرآن مجید کا ایک کھلا اور صاف سمجھ میں آنے والا اعجاز یہ ہے کہ اس کی ہر چند آیات میں یا تو اللہ تعالیٰ جل جلالہ کا نام آئے گا یا اس کی طرف ضمیر جائے گی، مثلاً سورۃ مجادلہ کی ہر ہر آیت میں اللہ کا لفظ آتا ہے، سورۃ رحمٰن کی تقریباً ہر دوسری آیت میں ''رب'' کا لفظ آتا ہے، بقیہ قرآن کی بھی ہر چند سطروں میں اللہ تعالیٰ کا ذکر موجود ہے، یہ اعجاز تو پہلی آسمانی کتابوں میں بھی نہیں پایا جاتا تھا، لہٰذا تلاوت قرآن میں ایک خاص خوبی یہ ہے کہ اگر اس کی چند سطریں بھی پڑھ لی جائیں تو اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے نام کا چند بار ورد ہو جاتا ہے، اسی لئے اس کا بغیر سمجھے محض تلاوت کرنا بھی باعث اجر ہے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ [1]

''یہ عذاب ان اعمال کا بدلہ ہے جو تمہارے ہاتھوں سے ظاہر ہو چکے ہیں اور بے شک اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا''۔

اس مقام پر دلیل سے دعویٰ مراد لیا ہے، جس سے کلام مدلل بھی ہو گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کا نام بھی آ گیا ہے۔

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ [2]

''اور یہ لوگ عذاب کی جلدی مچا رہے ہیں، اور اللہ اپنا وعدہ ہرگز نہیں ٹالے گا''۔

اس فقرے میں یہ بھی کہا جا سکتا تھا کہ یہ لوگ جلدی مچا رہے ہیں لیکن ابھی عذاب کا وقت نہیں، وہ اپنے وقت پر آ کر رہے گا، اس طرح مضمون تو ادا ہو جاتا مگر اللہ تعالیٰ جل جلالہ کا نام سلسلہ کلام میں نہ آتا، قرآن مجید نے ایسا انداز اپنایا کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ اپنے وعدے کی مخالفت نہیں کرتا، گویا جواب بھی دے دیا اور اللہ کا نام بھی فقرے میں نگینے کی طرح سجا دیا، یہ خوبی ادیانِ عالم کی کسی الہامی کتاب میں نظر نہیں آتی، صفحات در صفحات کی ورق گردانی کر لیجئے، باب کے باب پڑھ لیجئے مگر یہ رنگ نظر نہیں آئے گا۔

قرآن جیسا کلام نہ تو کوئی آج تک لا سکا ہے، نہ قیامت تک لا سکتا ہے، قرآن مجید جہاں اپنی فصاحت و

[1] آل عمران: ۱۸۲۔ [2] سورۃ الحج: ۴۷۔

Marfat.com

بلاغت میں بے مثال ہے، وہاں اس کے دعوے کی نظیر بھی دنیا بھر میں کہیں نہیں ملتی، حیران کن بات تو یہ ہے کہ اس میں زمان ومکان کی بھی کوئی قید نہیں، لہٰذا جو دعویٰ آج سے چودہ سو سال پہلے کیا گیا تھا وہ آج بھی بدستور قائم ہے، گویا ہر زمانے کی ہر قوم کے ہر فرد کے لئے چیلنج ہے کہ اگر کسی میں طاقت ہے تو آزما کر دیکھ لے، اعجاز قرآنی کے سامنے ہر ایک کو گھٹنے ٹیکنے پڑیں گے۔ حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الشفاء میں لکھا ہے کہ سورۃ الکوثر میں دس کلمے ہیں اور سارے کلام اللہ میں کچھ اوپر ستر ہزار کلمے ہیں، جب ستر ہزار کو دس پر تقسیم کریں تو سات ہزار معجزے بنتے ہیں۔[1]

قرآن مجید کے مقناطیسی اثرات کی چند مثالیں

قرآن مجید کے مقناطیسی اثرات نے اہل عرب کے دلوں پر اپنی دھاک بیٹھادی تھی، چند مثالیں درج ذیل ہیں:

(۱) لبید ابن ربیعہ شاعر نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سامنے اعتراف کیا کہ میں نے جب سے سورۃ البقرۃ و آل عمران پڑھی ہے شعر کہنا چھوڑ دیا ہے، بعد میں لبید رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا اور حافظ قرآن بنے۔

(۲) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ابن الدغنہ نے کہا تھا کہ ہم آپ پر سختی نہیں کریں گے، اگر آپ قرآن مجید کو بلند آواز سے پڑھنا چھوڑ دیں، کیونکہ ہمیں ڈر ہے کہ ہمارے بیوی بچے مسلمان نہ ہو جائیں۔

(۳) ولید بن مغیرہ نے قرآن کے بارے میں یوں کہا:

وَاللّٰہِ اِنَّ لَہٗ لَحَلَاوَۃً وَاِنَّ عَلَیْہِ لَطَلَاوَۃً وَاِنَّ اَسْفَلَہٗ لَمُغْدِقٌ وَاِنَّ اَعْلَاہُ لَمُثْمِرٌ وَ مَا یَقُوْلُ ھٰذَا بَشَرٌ [2]

اللہ کی قسم یہ شیریں کلمات ہیں، اس میں حسن وجمال ہے، نیچے سے اوپر تک ہرا بھرا ہے، یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہے۔

[1] الکلام المبین فی آیات رحمۃ للعلمین، ص: ۲۰۔ [2] الخصائص، ج: ۱، ص: ۱۱۳۔

Marfat.com

(۴) سلطان حبشہ (نجاشی) سورۃ مریم کی تلاوت سن کر ایمان لے آیا۔

(۵) عتبہ ابن ربیعہ نے نبی اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے سورۃ حم السجدہ کی تلاوت سن کر کفار کو بتایا:

اِنِّیْ قَدْ سَمِعْتُ قَوْلًا وَاللّٰہِ مَا سَمِعْتُ مِثْلَهٗ قَطُّ. وَاللّٰہِ مَا هُوَ بِالشِّعْرِ وَلَا السِّحْرِ وَلَا الْکَهَانَةِ [۱]

اللہ کی قسم میں نے آج تک ایسا کلام نہیں سنا، نہ وہ شعر ہے، نہ جادو ہے، نہ کہانت ہے۔

(۶) جاحظ رحمۃ اللہ علیہ کے بقول حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے زمانے میں اَعْلَمُ النَّاسِ بِالشِّعْرِ [۲] (سب سے بڑھ کر فنِ شعر کے ماہر) تھے، وہ بھی اپنی بہن فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہا کی زبانی سورۃ طٰہٰ کی تلاوت سن کر مسلمان ہوئے۔

(۷) کتاب تاریخ القرآن میں بحوالہ ابن ہشام منقول ہے کہ اسلام کے بدترین دشمن ابوجہل، عمرو بن وہب اور ابن شریق بھی راتوں کو چھپ کر نبی اکرم ﷺ کی تلاوت سنتے تھے۔

(۸) طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ اپنی قوم کے سردار اور شاعر تھے، قریش مکہ نے انہیں منع کیا کہ نبی اکرم ﷺ کی زبان سے قرآن نہ سننا، طفیل کے دل میں شوق اور زیادہ ہو گیا چنانچہ اس نے جب قرآن سنا تو کہا: وَاللّٰہِ مَا سَمِعْتُ قَوْلًا اَحْسَنَ مِنْهُ [۳] ''اللہ کی قسم میں نے اس سے اچھا کلام نہیں سنا''، اس کے بعد مسلمان ہو گئے۔

(۹) ایک عرب نے آیت فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ [۴] (جس بات کا تمہیں حکم دیا گیا اسے ظاہر کریں) سنی، تو سجدے میں گر گیا اور کہنے لگا کہ میں اس کلام کی فصاحت کو سجدہ کرتا ہوں۔

(۱۰) سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ سے قرآن سنا اور اسلام قبول کر لیا۔

(۱۱) ایک شاعر نے قرآن مجید کی تلاوت سنی تو کہا کہ یہ فصاحت وبلاغت کا چمکتا ہوا ستارہ ہے۔

---

[۱] تاریخ الاسلام، ت تدمری، ۱۶۰/۱۔ [۲] المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، ۱۷/۲۷۔ [۳] المنتظم فی تاریخ الملوک والامم، ۴/۱۵۳۔
[۴] سورۃ الحجر: ۶۔

Marfat.com

(۱۲) عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کرنے سے پہلے ہی لوگوں سے سن سن کر قرآن مجید کو یاد کر لیا، حالانکہ ان کی عمر صرف سات سال تھی۔

قرآن مجید کی سلاست وروانی، عبارت کی چستی، مناسب الفاظ کی بندش اس قدر موثر ہے کہ عربوں کی بجائے عجمیوں کی زبان میں بھی اس کے الفاظ وآیات کا استعمال روزمرہ کا معمول ہے، چنانچہ:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ، بِسْمِ اللّٰہِ ، اِنْ شَاءَ اللّٰہُ ، مَاشَاءَ اللّٰہُ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ ، وَعَلَیْکُمُ السَّلَامُ ، اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ ، نَعُوْذُ بِاللّٰہِ ، سُبْحٰنَ اللّٰہِ ، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ، لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ ، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ -

اور اسی قسم کے بکثرت جملے موقع ومحل کے مطابق روزمرہ کے محاورات میں استعمال ہوتے ہیں، قرآن مجید کی فصاحت وبلاغت کے یہ خارجی شواہد ہیں جن کو قیامت تک کوئی نہیں جھٹلا سکتا۔

وَلَکُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوۃٌ میں حیرت انگیز فصاحت

قرآن مجید میں مضامین کا انداز اتنا اچھوتا ہوتا ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَکُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوۃٌ [1] ''خون کا خون لینے ہی میں تمہاری زندگی ہے''

یہ آیت فصاحت وبلاغت اور صنائع وبدائع کے لحاظ سے ایسی بلندی پر ہے کہ اس کے آگے تمام بلندیاں پست ہیں، یہی وجہ ہے کہ اس آیت کے نازل ہوتے ہی فصحاء وفضلاء میں ہلچل مچ گئی، محاسن معنی وبیان کے لحاظ سے دیکھیں تو آیت کے الفاظ پر قربان ہونے کو جی چاہتا ہے، یہ آیت سلاست وروانی میں بے مثال ہے، وضاحت معنی میں بے نظیر اور حسن الفاظ میں عدیم المثال ہے، حکم قصاص کی مشروعیت کو جس مدلل انداز میں بیان کیا گیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔

لفظ وَلَکُمْ کو پہلے لانے میں دو فائدے ہیں، ایک تو یہ کہ کلام، سامع کی نظر میں اہم ہو گیا، دوسرا یہ فائدہ ہوا کہ متکلم نے اشارہ کر دیا کہ قصاص کا حکم میری ذاتی اغراض پر مبنی نہیں بلکہ اس میں خود تمہارا ہی فائدہ ہے، اس

[1] سورۃ البقرہ:۲۲۔

Marfat.com

سے قتل اور ظلم میں جو کمی واقع ہوگی وہ تمہارے لئے آسائش و رحمت کا سبب بنے گی۔

اس کے بعد فِی الْقِصَاصِ کا تذکرہ کرنے میں تاکید پیدا ہوگئی ہے، گویا کہنا یہ چاہتے ہیں کہ قصاص ہی قتل اور ظلم کو کم کر سکتا ہے، صفائی بیان کا یہ عالم ہے کہ اس کلام الٰہی کو سنتے ہی منشائے کلام خود بخود سمجھ آجاتا ہے، شوکت بیان ایسی ہے کہ آیت کو پڑھتے ہی دل پر ہیبت چھا جاتی ہے، قصاص کے لفظ میں بہت وسعت ہے اس سے جان کے بدلے جان اور ہاتھ، ناک، کان وغیرہ اعضائے انسان کے بدلے قطع اعضاء کی بھی وضاحت موجود ہے، ظالم لوگ فقط قتل سے ہی نہیں رکیں گے بلکہ جارحانہ حملے سے بھی باز آجائیں گے کہ مبادا کوئی عضو نہ ٹوٹ جائے۔

لفظ قصاص الف لام کی وجہ سے معرفہ ہے، اس لئے اس سے جان کے بدلے جان ہی مراد لی جاسکتی ہے، اس حکم نے جاہلیت کے اس حکم کو بھی مٹا دیا کہ بعض اوقات ایک جان کے بدلے سینکڑوں کی جانیں تلف ہو جاتی تھیں اور اہل عرب اس کو جائز سمجھتے تھے، قصاص کے لفظ نے ان لوگوں کی زندگیوں کو محفوظ کر دیا جن کا قتل میں کوئی حصہ نہ تھا، مزید برآں قصاص اور حیوۃ میں صنعت مقابلہ ہے، قتل کا لفظ طبائع سلیم کے لئے قابل نفرت ہے جبکہ قصاص اور حیوۃ کے الفاظ مانوس طبع ہیں، یہاں پر یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ عرب زباں دانوں کے جملے اس آیت کے سامنے سجدہ ریز دکھائی دیتے ہیں۔

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ [1] کے معنی کثیر اور الفاظ قلیل ہیں، کیونکہ غرض اس سے یہ ہے کہ جب انسان کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ کسی کو قتل کرنے سے خود بھی قتل کیا جائے گا تو لامحالہ کسی کے قتل کی جرأت نہ کرے گا، پس قتل یعنی قصاص سے قتل کثیر کا انسداد ہو گیا اور اس میں شک نہیں کہ قتل و غارت کا رُک جانا انسان کی حیات کا باعث ہے۔

معارضین وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ کے مقابلے میں عرب کا قول اَلْقَتْلُ اَنْفٰى لِلْقَتْلِ لائے ہیں، آیت کے اس جملہ کو عرب کے قول اَلْقَتْلُ اَنْفٰى لِلْقَتْلِ پر بیس بلکہ زیادہ وجھوں سے فضیلت حاصل ہے،

[1] سورۃ البقرۃ:۱۷۹۔

Marfat.com

حالانکہ اہل عرب کے نزدیک اس معنی کے لئے یہ مثل نہایت مختصر ہے، اور وہ بیس وجوہ یہ ہیں:

۱۔ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ میں دس حروف ہیں اور اَلْقَتْلُ اَنْفٰى لِلْقَتْلِ میں چودہ حروف۔

۲۔ اَلْقَتْلُ اَنْفٰى لِلْقَتْلِ میں قتل کی نفی ہے، اور قتل کی نفی حیات کو مستلزم نہیں، جبکہ آیت میں حیات کے ثبوت کی تصریح ہے، جو کہ اصل غرض ہے۔

۳۔ حیات کو نکرہ لانے میں تعظیم کی طرف اشارہ اور اس امر پر دلالت ہے کہ قصاص میں حیاتِ طویل ہے اور اسی وجہ سے حیات کی تفسیر بقا سے کی گئی ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کے فرمان وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ میں ہے۔ اور اَلْقَتْلُ اَنْفٰى لِلْقَتْلِ میں ایسا نہیں ہے، کیونکہ اس میں لام جنس کا ہے، یعنی جنسِ قتل کی نفی سے حیات تو ملی لیکن حیاتِ طویلہ نہیں۔

۴۔ آیت میں کلیت ہے، یعنی ہر قصاص میں حیات ہے، جبکہ مثل مذکور میں کلیت نہیں، کیونکہ ہر قتل، قتل سے مانع نہیں ہوتا، بلکہ بعض قتل، قتل کا سبب بنتے ہیں۔ قتل سے مانع ایک خاص قتل ہے جو کہ صرف قصاص ہے، پس قصاص میں حیات دائمی ہے۔

۵۔ آیت میں تکرار نہیں ہے اور مثل میں قتل کا لفظ مکرر ہے اور گو تکرار مخل فصاحت نہ ہو مگر جو کلام تکرار سے خالی ہوگا وہ افضل ہوگا، اس کلام سے جس میں تکرار ہوگی۔

۶۔ آیت میں کوئی لفظ مقدر ماننے کی ضرورت نہیں، جبکہ مثل مذکور کی تقدیر یہ ہے: اَلْقَتْلُ قِصَاصًا اَنْفٰى لِلْقَتْلِ ظُلْمًا مِنْ تَرْكِهٖ. پس مثل مذکور میں اسمِ تفضیل کے بعد جار مجرور محذوف ہے، اور قتل اوّل کے بعد قصاصا اور قتل ثانی کے بعد ظلماً محذوف ہے۔

۷۔ آیت میں صنعتِ طِباق ہے، یعنی اس کلام میں دو متضاد چیزوں (موت وحیات) کو جمع کیا گیا ہے، اس لئے کہ قصاص حیات کی ضد یعنی موت کی طرف مشعر ہے اور مثل مذکور میں ایسا نہیں۔

۸۔ آیت میں فن بدیع ہے اور وہ یہ کہ دو متضاد چیزوں میں سے ایک یعنی موت کو دوسری ضد یعنی حیاۃ کا محل قرار دیا گیا ہے، اور موت میں حیات کا قائم ہونا ایک عظیم مبالغہ ہے۔ یہ کشاف میں مذکور

Marfat.com

ہے، اور صاحبِ ایضاح نے اس کو اس طرح بیان کیا ہے کہ فی کے لانے سے قصاص کو حیاۃ کا منبع اور معدن ٹھہرا دیا گیا ہے۔

۹۔ مثل مذکور میں پے در پے حرکت کے بعد سکون ہے، اور یہ ناپسندیدہ ہے، کیونکہ اگر لفظ میں پے در پے حرکات ہوں تو اس کو بولنے میں آسانی ہوتی ہے اور اس کی فصاحت ظاہر ہوتی ہے، بخلاف اس کے کہ اگر ہر حرکت کے بعد سکون ہوتا ہے تو حرکت بوجہ سکون کے منقطع ہو جاتی ہے جیسے کسی چوپایہ کو کچھ حرکت دی جائے پھر روک دیا جائے، پھر کچھ حرکت دی جائے پھر روک دیا جائے تو وہ مثل مقید کے ہو جائے گا اور حرکت و رفتار پر قادر نہ ہوگا۔

۱۰۔ مثل مذکور میں بظاہر تناقض ہے کیونکہ شئ خود اپنی نفی نہیں کرتی، جبکہ آیت میں کوئی تناقض نہیں ہے۔

۱۱۔ مثل مذکور میں قلقلہ، قاف کا تکرار اور غنہ ہے، جو کہ شدت کا باعث ہیں، جبکہ آیت ان سے سالم ہے۔

۱۲۔ آیت حروفِ مناسبہ پر مشتمل ہے، کیونکہ آیت میں قاف کے بعد صاد ہے اور یہ دونوں حروفِ مستعلیہ میں سے ہیں، بخلاف مثل مذکور کے، کہ اس میں قاف کے بعد تاء ہے، اور تاء حروفِ خفض میں سے ہونے کی وجہ سے قاف کے غیر کے مناسب ہے، اسی طرح صاد کے بعد حاء ہے، اور صاد سے حاء کی طرف خروج احسن ہے، بخلاف مثل مذکور کے، کہ اس میں لام سے ہمزہ کی طرف خروج ہے۔

۱۳۔ صاد، حا اور تا کے تلفظ میں حسن صوت ہے، جبکہ قاف اور تاء کے تکرار میں ایسا نہیں ہے۔

۱۴۔ آیت میں لفظ قتل نہیں ہے جو موجب تنفر ہے بلکہ لفظ حیاۃ ہے جو طبیعت کو مقبول ہے۔

۱۵۔ لفظ قصاص مشعر ہے مساوات کو پس اس سے عدل ظاہر ہوتا ہے، بخلاف مطلق قتل کے۔

۱۶۔ آیت مبنی ہے اثبات پر اور مثل مذکور مبنی ہے نفی پر اور اثبات اشرف ہے نفی سے، کیونکہ اثبات اوّل ہے اور نفی اس کے بعد۔

۱۷۔ مثل مذکور کے سمجھنے کے لئے پہلے یہ سمجھنا لازم ہے کہ قصاص میں حیاۃ ہے اور فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ کا اوّل سے ہی یہی مفہوم ہے۔

Marfat.com

۱۸۔ مثل مذکور میں اسمِ تفضیل کا صیغہ فعل متعدی سے ہے اور آیت اس سے سالم ہے۔

۱۹۔ اسمِ تفضیل اشتراک کا مقتضی ہوتا ہے، پس چاہیے کہ ترکِ قتل بھی نافیِ قتل ہو، اگرچہ قتل زیادہ نافی ہو، حالانکہ ایسا نہیں ہے اور آیت اس سے سالم ہے۔

۲۰۔ آیتِ مذکورہ قتل اور جرح دونوں سے روکنے والی ہے، کیونکہ قصاص دونوں کو شامل ہے اور اعضا کے قصاص میں بھی حیاۃ ہے، کیونکہ عضو کا قطع کرنا مصلحت حیاۃ کے لئے ناقص ہے اور کبھی اس کا اثر نفس تک پہنچ کر حیاۃ کو زائل بھی کر دیتا ہے۔

عجائبات القرآن

قرآن مجید کے ادبی اسرار ورموز کو سمجھنے کیلئے درج ذیل تین علوم کا جاننا ضروری ہے:

(۱) علمِ معانی۔ (۲) علمِ بیان۔ (۳) علمِ بدیع۔

علمِ معانی

لفظ معانی معنی کی جمع ہے، اس کے لغوی معنی مقصود ومراد کے ہوتے ہیں، اپنے خیالات کو الفاظ کے قالب میں ڈھال دینا بہت آسان ہے، لیکن اپنے کلام کو حال ومقام کے اس طرح مطابق بنا دیا جائے کہ مدّعائے کلام ادا ہو جائے، بہت مشکل ہے اور اس کو علمِ معانی کہتے ہیں۔

علمِ بیان

بیان کے لغوی معانی کھولنے اور واضح کرنے کے ہیں، لیکن اصطلاح میں اس علم کو کہتے ہیں کہ جس سے کلام دلنشین ہو جائے، اس کے معنی ومطلب صاف اور واضح ہو جائیں۔

علمِ بدیع

علم بدیع اس علم کو کہتے ہیں جس سے کلام کو مزین کرنے کے طریقے اور اس میں حسن وخوبی پیدا کرنے کے

Marfat.com

قاعدے معلوم ہو جائیں، علم معانی و بیان کو فصاحت و بلاغت بھی کہتے ہیں، اس کا تعلق داخل سے ہے جبکہ علمِ بدیع کا تعلق تحسین و تزئین خارجی سے ہے، جس کلام میں فصاحت و بلاغت موجود ہے اس کی مثال اس حسینہ کی سی ہے جو حسن و جمال میں اپنی مثال آپ ہے، اگر کلام میں علمِ بدیع بھی موجود ہے تو اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے اس حسینہ کو خوبصورت زیورات و لباس پہنا کر دلہن بنا دیا گیا ہے۔

قرآن مجید کی ہر ہر آیت سجی سجائی خوبصورت اور خوب سیرت دلہن کی مانند ہے، علمائے امت قیامت تک اس کے حسن و جمال کی تعریفیں کرتے رہیں گے، ذیل میں علمِ معانی، علمِ بیان اور علمِ بدیع کی روشنی میں صرف ایک آیت بطور نمونہ پیش کی جاتی ہے، تاکہ عجائباتِ قرآن کا اندازہ لگایا جا سکے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَقِيلَ يَٰٓأَرۡضُ ٱبۡلَعِي مَآءَكِ وَيَٰسَمَآءُ أَقۡلِعِي وَغِيضَ ٱلۡمَآءُ وَقُضِيَ ٱلۡأَمۡرُ وَٱسۡتَوَتۡ عَلَى ٱلۡجُودِيِّۖ وَقِيلَ بُعۡدٗا لِّلۡقَوۡمِ ٱلظَّٰلِمِينَ [1]

حکم ہوا کہ اے زمین! اپنا پانی نگل لے اور اے آسمان! تھم جا اور پانی کم ہو گیا اور جو ہونا تھا ہو گیا اور کشتی جودی پر آٹھہری اور کہہ دیا گیا ظالم لوگ رحمت سے دور ہوں۔

اس آیت کی تفسیری امور سے قطع نظر اس جگہ صرف محاسن بیان و بدیع پر اکتفا کیا جاتا ہے، مخالفین اور معاندین بھی اس بات پر متفق ہیں کہ کوئی بشر بھی ایسا جامع و بلیغ کلام پیش نہیں کر سکتا، حاملینِ قرآن کی آسانی کیلئے صرف چند محاسن کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

۞---اِبۡلَعِي اور اَقۡلِعِي میں تجنیس لاحق ہے۔

۞---اِبۡلَعِي اور اَقۡلِعِي میں رعایت سجع ہے۔

۞---بلع اور قلع میں استعارہ ہے۔

۞---ارض اور سماء میں صنعت مطابقت ہے۔

۞---السماء بمعنی مطر یا سحاب، مجاز مرسل ہے۔

[1] سورۃ ھود: ۴۴۔

Marfat.com

۞ ---غِيۡضَ الۡمَآءُ میں اشارہ ہے۔

اشارہ اس کو کہتے ہیں کہ ایک لفظ میں بہت سی باتیں سمٹ جائیں، چنانچہ لفظِ غِیۡض ایسا ہے کہ کم ہونے، نگل لینے اور پانی چوس لینے وغیرہ کے معانی میں آتا ہے، یہاں اس لفظ سے بارش کا تھم جانا اور زمین کا پانی جذب کر لینا دونوں مقصود ہیں۔

۞ ---قُضِیَ الۡاَمۡرُ میں تمثیل ہے، یہ کہا گیا کہ جو ہونا تھا سو ہو گیا، مقصد یہ کہ ہلاک ہونے والے ہلاک ہو گئے، نجات پانے والے نجات پا گئے۔

۞ ---اِسۡتَوَتۡ عَلَی الۡجُوۡدِیِّ عربی زبان میں اِسۡتِوَاء کے معنی ہوتے ہیں، برابر جا لگنا، اس کی بجائے یہاں اِسۡتَقَرَّتۡ کا لفظ بھی استعمال ہو سکتا تھا مگر اِسۡتَوَتۡ نے معانی ومفہوم ادا کرنے کا حق ادا کر دیا، اس میں صنعت ارداف ہے۔

۞ ---غِيۡضَ الۡمَآءُ، اِسۡتَوَتۡ کی علت ہے، لہٰذا اس میں تعلیل بھی ہے۔

۞ ---یٰۤاَرۡضُ ابۡلَعِیۡ مَآءَكِ وَیٰسَمَآءُ اَقۡلِعِیۡ میں تقسیم باستیفائے اقسام بھی ہے۔

۞ ---وَقِیۡلَ بُعۡدًا لِّلۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ میں احتراس ہے، فقط ظالمین ہی موجب عذاب ہوئے۔

۞ ---اس تمام آیت کی عبارت سلیس ہے، لہٰذا اس میں صنعت انسجام بھی ہے۔

۞ ---اس آیت کا ہر لفظ اپنے معنی پر ہی دلالت کرتا ہے، لہٰذا اس میں صنعت ائتلاف اللفظ مع المعنی بھی ہے۔

۞ ---اس آیت میں قصہ کو خوبی سے بیان کیا گیا، لہٰذا صنعت حسن نسق بھی ہے۔

۞ ---اس آیت میں امر و نہی، خبر و ندا، تعریف و تنکیر، اہلاک و ابقاء، اسعاد و اشقاء وغیرہ کا ذکر سمو گیا ہے، لہٰذا اس کا ایجاز حدِّ کمال کو پہنچا ہوا ہے۔

۞ ---اس کی شروع آیت اس کے آخر پر دلالت کرتی ہے، لہٰذا اس میں تسہیم بھی ہے۔

۞ ---اس کے تمام الفاظ سہل المخارج ہیں، لہٰذا اس میں تہذیب الفاظ بھی ہے۔

Marfat.com

۞ ---پڑھنے والے کیلئے اس کا مطلب سمجھنا مشکل نہیں، لہٰذا اس میں حسن بیان بھی ہے۔

۞ ---اس میں کنایہ بھی ہے کہ کوئی تصریح نہیں کی کہ کس نے پانی کو بند کیا، کس نے کام تمام کیا، کس نے کشتی کنارے لگائی۔

۞ ---فواصل فقرات نہایت موزوں اور برمحل ہیں، لہٰذا اس میں تمکین بھی ہے۔

فقط ۱۷ الفاظ کی بیس خوبیاں تو مندرجہ بالا ہیں، فضلاء نے اس آیت میں ۱۵۰ محاسن بیان کئے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن عظیم الشان فصاحت و بلاغت اور معانی و بدیع کا بحر ناپید کنار ہے۔ پس سب تعریفیں اس اللہ ربُّ العزت کیلئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

معارف ولطائف

مندرجہ بالا آیت کو علمِ بیان، علمِ معانی، فصاحتِ لفظی اور فصاحتِ معنوی کی نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ چاروں محاسن اس آیت میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ ذیل میں اس کی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

ا۔ علمِ بیان کی رو سے

علمِ بیان کی رو سے دیکھا جائے تو اس آیت میں مجاز، استعارہ، کنایہ اور ان کے متعلقات علی وجہ الکمال موجود ہیں، پروردگار عالَم کے فرمان کا مقصود یہ ہے کہ:

"اور ہم نے یہ چاہا کہ جو پانی زمین سے ابلا تھا اسے جوفِ زمین میں پھر داخل کر دیا جائے، چنانچہ وہ داخل ہو گیا، آسمان سے جو طوفانِ آب جاری ہوا تھا وہ بند ہو جائے، چنانچہ وہ بند ہو گیا، پانی کا جو سیلاب بہہ نکلا تھا وہ تھم جائے، چنانچہ وہ تھم گیا، نوح علیہ السلام سے جو وعدہ ہم نے کیا تھا وہ پورا ہو جائے، چنانچہ وہ پورا ہو گیا، وعدہ یہ تھا کہ ان کی تمام قوم کو غرقِ آب کر دیا جائے، وہ غرق ہو گئی اور یہ بھی ہم نے چاہا تھا کہ کشتی جودی پہاڑ پر جا لگے، سو وہ جا لگی اور ظالم ڈوب کر رہ گئے"۔

Marfat.com

اس آیت کے ۱۷ الفاظ نے اس قدر وسیع مضمون کو اپنے اندر سمولیا ہے، مشیتِ الٰہی کو ایسے امور سے تشبیہ دی گئی ہے جس سے اس کی عظمت و اقتدار کا نقشہ کھنچ جائے اور یہ اچھی طرح واضح ہو جائے کہ آسمان و زمین اور تمام اجرام فلکی اس کے ارادے اور مشیت کے تابع ہیں، گویا یہ اجرام، ارباب عقول ہیں اور وہ اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ کا حکم ماننا اور اس کے اشارے پر چلنا ان پر فرض ہے، وہ منشائے الٰہی کو ہر وقت پورا کرتے ہیں اور اس کے کمال اقتدار کا استحضار رکھتے ہیں، جس بات کے لئے اس کا اشارہ ہوا، وہ شئے موجود کر دی اور جوں ہی اس کا حکم ہوا اس کی تعمیل کر دی، اس کے حکم پر عمل کئے بغیر اور اس کا اشارہ پورا کئے بغیر نہیں رہتے۔

ارشادِ باری تعالیٰ: "وَقِيۡلَ يٰۤاَرۡضُ ابۡلَعِىۡ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقۡلِعِىۡ" میں مجاز و استعارہ بھی ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

مجاز

اس آیت میں لفظ قِيۡلَ بر سبیل مجاز واقع ہوا ہے، جس سے مراد اس کی مشیت ہے اور یہی اس قول کا سبب ہے، یہاں پر مجاز کا قرینہ خطاب بالجماد ہے، یعنی يٰۤاَرۡضُ وَيٰسَمَآءُ فرمانا، مَآءَكِ بترکیب اضافی ذکر فرمانا بھی بر سبیل مجاز ہے، اس میں پانی کو زمین سے متصل ہونے میں وہی تعلق ہے جو ملک کو مالک سے ہوتا ہے۔

استعارہ

آسمان و زمین سے خطاب فرمانا بطور استعارہ بھی ہے، کیونکہ ان اجرام کو اربابِ عقول سے مشابہت دی گئی ہے، پھر پانی جذب کر لینے کو لفظ بلع سے استعارہ کیا ہے، جس کے معنی غذا کو نگل لینے کے ہیں، اس میں وجہ جامع "کسی چیز کا ایک مخفی جگہ پر چلا جانا ہے"۔ پانی کو غذا فرض کرنا بطریق استعارہ بالکنایہ ہے، پانی کو غذا سے قدرتی مشابہت ہے، جس طرح پانی زمین کو قوت پہنچاتا اور کھیتوں اور درختوں کو اگاتا اور بڑھاتا ہے، اسی طرح خوراک بھی جسم کو تقویت اور نشو و نما عطا کرتی ہے۔

Marfat.com

اس آیت میں بارش کے بند ہونے کے لئے لفظ اِقْلَاع اختیار فرمایا جس کے معنی ہیں کام کرنے والے کا کام چھوڑ دینا اِبْلَعِیْ اور اَقْلِعِیْ میں وجہ تشبیہ کسی کام کا معدوم ہو جانا ہے، اس میں بھی امر بطریق استعارہ ہے۔

کنایہ

ارشادِ باری تعالیٰ: وَغِيْضَ الْمَآءُ وَ قُضِيَ الْاَمْرُ وَ اسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَ قِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ میں یہ تصریح کہیں نہیں فرمائی گئی کہ اس پانی کو کس نے بند کیا، کس نے کام پورا کیا، کس نے کشتی کو کنارے لگایا۔ بُعْدًا کس نے کہا، اس طرح یَا اَرْضُ وَ یَا سَمَاءُ کہنے والے کا نام نہیں لیا گیا، اس سے یہ کنایہ ہے کہ سب بڑی بڑی باتیں بجز ایک ایسے صاحب قدرت عظیمہ کے جو سب سے بڑا ہو اور کسی کے اختیار میں نہیں ہے، اس واسطے یہ وہم ہرگز نہیں ہو سکتا کہ یَا اَرْضُ وَ یَا سَمَاءُ کہنے والا، طوفان آب کو روکنے والا اور کشتی کو کنارے پر لگانے والا پروردگار عالم کے سوا کوئی اور ہو سکتا ہے۔

اس کے بعد کلام کو تعریض پر ختم فرمایا تا کہ لوگوں کو تنبیہ ہو کہ رسولوں کی تکذیب کرنے والے خود اپنی جان پر ظلم کرتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ رسولوں کی تکذیب عذاب الٰہی کا موجب ہے، طوفان کا نازل ہونا اور اس ہیبت ناک عذاب کا آنا صرف ان کے مظالم کا نتیجہ ہے۔

۲۔ علمِ معانی کی رو سے

اب اس آیت مبارکہ کو علمِ معانی کی روشنی میں پیش کیا جاتا ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ اس آیت کے ہر لفظ پر غور کیا جائے اور دیکھا جائے کہ ان کی تقدیم و تاخیر کن مصالح کی بناء پر ہے۔

کلمات کی ترتیب کے محاسن

''یَا'' اس آیت میں حروف ندا میں سے لفظ یا کو اختیار فرمایا ہے، ایک تو یہ لفظ کثیر الاستعمال ہے، دوسرے یہ منادیٰ بعید کے لئے استعمال ہوتا ہے، منادیٰ کا بعید ہونا شان ربُّ العزت اور اس کی عظمت و شوکت کے عین

Marfat.com

مطابق ہے، جبکہ منادیٰ کی پستی وحقارت پر دال ہے۔

اَرْضُ

یہاں پر ''اَرْضُ'' کو کسرہ کے ساتھ نہیں لایا گیا تا کہ حقارتِ منادیٰ ظاہر ہو، یہاں پر یَا اَيَّتُهَا الْاَرْضُ بھی نہیں فرمایا، اختصار مدنظر تھا، اس کے علاوہ اس میں تکلف تنبیہ تھا جس کی کوئی ضرورت نہ تھی، زمین کے لئے تمام الفاظ میں سے اَرْض کا لفظ اختیار کیا چونکہ نہایت سادہ اور سلیس لفظ ہے۔

اِبْلَعِیْ

اس آیت میں اختصار کی وجہ سے اِبْتَلِعِیْ کی بجائے اِبْلَعِیْ کا لفظ استعمال فرمایا۔

مَآءَكِ

اس میں لفظ ماء کو مفرد لانے کی وجہ بھی یہی ہے کہ کثرت کا اظہار اللہ کی کبریائی کے مقابلے میں ناموزوں ہے، مزید برآں یہاں اِبْلَعِیْ کے مفعول مَاء کا ذکر کر دیا گیا تا کہ عموم اِبْلَاع میں پہاڑ، ٹیلے، دریا اور پانی کے تمام جاندار اس میں شامل نہ ہو جائیں۔

يَاسَمَآءُ

زمین کے لئے لفظ ارض کی مطابقت کی وجہ سے آسمان کے لئے لفظ سماء کا استعمال کیا۔ سماء کا لفظ بادلوں کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے، قاضی بیضاوی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے: وَالسَّمَاءُ يَحْتَمِلُ الْفَلَكَ وَالسَّحَابَ وَجِهَةَ الْعُلُوِّ ''سماء کا لفظ آسمان، بادل اور اوپر کی سمت کیلئے مستعمل ہے''۔[1]

یہاں پر زمین وآسمان کو مفرد کے صیغے میں لایا گیا ہے کیونکہ جمع میں کثرت کا اظہار ہوتا ہے، اور یہ اللہ کی کبریائی کے مقابلے میں ناموزوں تھا۔

---

[1] تفسیر بیضاوی: ۲۴۴/۳۔

Marfat.com

اَقۡلِعِیۡ

اس کو اِبۡلَعِیۡ کے ساتھ تجنیس خطی حاصل ہے، یہاں پر کلام کو ختم کر دیا تا کہ حشو غیر ضروری سے احتراز ہو، ورنہ تقدیر کلام یوں بنتی ہے یَا اَرۡضُ ابۡلَعِیۡ مَاءَكِ فَبَلَعَتۡ وَيَاسَمَاءُ اَقۡلِعِیۡ فَاَقۡلَعَتۡ۔

غِیۡضَ

یہاں پر غُیِّضَ مشدد لانے کی بجائے غِیۡضَ مخفف بوجہ اختصار لایا گیا۔

مَاءُ

طوفان کا پانی کہنے کی بجائے فقط پانی کہنے پر اکتفاء کیا گیا۔

قُضِیَ الۡاَمۡرُ

اتنا فرمایا کہ بات پوری ہوگئی، اگر تقدیر کلام کو دیکھا جائے تو یوں کہنا چاہئے کہ وہ وعدہ جو نوح علیہ السلام سے تباہ کرنے کے متعلق کیا گیا تھا وہ پورا ہو گیا، مگر اختصار کو پسند کیا گیا۔

وَاسۡتَوَتۡ عَلَى الۡجُوۡدِيِّ

یہاں پر وَاسۡتَوَتۡ بصیغہ معروف استعمال ہوا ہے، چونکہ قول سابق میں تَجۡرِیۡ بِهِمۡ فِیۡ مَوۡجٍ میں بھی کشتی فاعل تھی، فعل معروف آیا تھا، اس کے علاوہ ہر جگہ مجہول کا صیغہ اختصار کی وجہ سے لائے، مثلاً قِیۡلَ، غِیۡضَ۔

بُعۡدًا لِّلۡقَوۡمِ

یہاں پر یبعد کی بجائے بُعۡدً کا لفظ اختصار کی وجہ سے لایا گیا ہے، پھر اس میں تاکید بھی ہے، بُعۡدًا کے بعد لام کے آنے میں ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس سے ظالمین پھٹکار کے مستحق ہوئے۔

Marfat.com

الظّٰلِمِیْنَ

ظلم کو مطلق لانے میں یہ فائدہ ہے کہ اس میں ظلم بر نفس سمیت تمام اقسام ظلم شامل ہو گئیں، یہ بھی واضح ہو گیا کہ رسولوں کی تکذیب نہایت قبیح امر ہے۔

جملوں کی ترتیب کے محاسن

(۱) اس آیت مبارکہ میں ندا کو امر پر مقدم کیا گیا ہے، چنانچہ یہ نہیں کہا گیا: "اِبْلَعِیْ یَا اَرْضُ وَاَقْلِعِیْ یَاسَمَاءُ" اس میں حکمت یہ تھی کہ پروردگار عالم نے باقتضائے امر لازمی کلام کو جاری فرمایا اور وہ امر لازمی یہ ہے کہ اولاً مامور حقیقی کو تنبیہ فرمائی جائے تاکہ منادی کے ذہن میں امر مامور بہ خوب جاگزیں ہو جائے، یہ پیرایۂ بیان بطور ترشیح کے ہے۔

(۲) ارض کو سماء پر مقدم کرنے کی وجہ یہ تھی کہ طوفان پہلے زمین سے ہی شروع ہوا تھا، لہٰذا زمین کی حیثیت اس قصہ میں اصل کی ہوئی اور اصل کا تقدم ہی زیادہ مناسب ہوتا ہے۔

(۳) اس کے بعد غِیْضَ الْمَاءُ کا تذکرہ کیا، چونکہ یہ بھی پانی کے قصے کے ساتھ متصل ہے۔

تقدیر کلام یوں ہوئی: قِیْلَ یَا اَرْضُ ابْلَعِیْ مَاءَكِ فَبَلَعَتْ مَاءُهَا وَیَاسَمَاءُ اَقْلِعِیْ عَنْ اِرْسَالِ الْمَاءِ فَاَقْلَعَتْ عَنْ اِرْسَالِهٖ وَغِیْضَ الْمَاءُ النَّازِلُ فَانغَاضَ۔

(۴) اس کے بعد مقصود کلام یعنی قُضِیَ الْاَمْرُ کو لایا گیا، یعنی کفار کے ہلاک ہونے اور قوم نوح اور ان کے ہمراہیوں کو نجات دینے کا وعدہ پورا ہو گیا۔

(۵) پھر اس کے بعد وَاسْتَوَتْ عَلَی الْجُوْدِیِّ فرمایا، یعنی کشتی جودی پر جا لگی۔

(۶) آخر میں ظالموں پر پھٹکار کے الفاظ سے نتیجہ نکال دیا گیا۔

اس تمام تفصیل سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو گئی کہ آیت مبارکہ کا ایک ایک کلمہ اس طرح پرو دیا گیا ہے جس طرح ہیرے موتی کو ایک مالا میں پرو دیا جاتا ہے، پس یہ کلام الٰہی محاسن بلاغت کا انمول نمونہ ہے۔

Marfat.com

فصاحتِ معنوی

اس آیت مبارکہ میں نظم معانی انتہائی لطیف ہے، گو کہ حد درجہ اختصار سے کام لیا گیا ہے مگر اس کے باوجود مطلب کے سمجھنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی، بلکہ آیت مبارکہ کے سنتے ہی یوں محسوس ہوتا ہے کہ الفاظ معانی پر اور معانی الفاظ پر سبقت کر رہے ہیں، اس کو یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ الفاظ مانوس اور معانی ظاہر ہیں، کوئی لفظ ایسا نہیں کہ کان اس لفظ کو سنیں اور اس کا مطلب فوراً دل نشین نہ ہو جائے۔

فصاحتِ لفظی

اس آیت مبارکہ کے الفاظ پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ تمام کے تمام الفاظ روزمرہ کے استعمال میں آتے ہیں، سب الفاظ چست، مانوس اور اصول وقواعد کے مطابق ہیں، شیریں اور دل پسند ہیں، غیر مانوسیت کا شائبہ بھی نہیں، روانی اور سلاست میں پانی کی مانند، لطافت ونظافت میں نسیم صبح کی مانند اور لذت وشیرینی میں خالص شہد کی مانند ہے۔

قرآن مجید کی بلندی شان پر قربان جائیں کہ فقط سترہ الفاظ میں لطائف ومعارف کے دریا بہا دیئے، کس قدر حیرت کی بات ہے کہ ایک آیت کو علم بیان، علم معانی، فصاحت لفظی اور فصاحت معنوی کی کسوٹی پر رکھا گیا تو کندن کی طرح چمکتی ہوئی نظر آئی، یہ قرآنی اعجاز کی واضح دلیل ہے کہ ایک کتاب تمام علوم پر حاوی ہے، جس علم کو سامنے رکھا جائے، معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کا موضوع ہی یہی علم ہے۔ پس سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی بلاغت پر مستقل کتاب لکھی ہے۔ علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''العجائب'' میں لکھا ہے کہ مخالفین کو باوجود جستجو کے جب عرب اور عجم میں ایسا کلام نہ ملا جو ایجازِ غیر مخل کے باوجود الفاظ کی عظمت اور حسنِ نظم اور جودت معانی کے لحاظ سے اس آیت کے مثل ہوتا تو اس بات پر اتفاق کر لیا کہ فصاحت وبلاغت میں اس آیت جیسی کلام لانا انسانی طاقت سے باہر ہے۔

Marfat.com

ابن مقنّع اپنے وقت کا ایک بلند پایہ ادیب گزرا ہے، اس نے دعویٰ کیا کہ قرآن مجید بیشک فصاحت و بلاغت کی انتہا پر ہے لیکن اسی طرز پر میں کلام لکھ سکتا ہوں، اس نے اپنی کافی عمر اس خیال میں ضائع کی اور اپنے خیال میں کچھ اس طرح لکھا بھی۔ ایک روز اسے ایک مکتب کے پاس سے گزرنے کا اتفاق ہوا، وہاں ایک لڑکا سورۂ ھود کی یہی آیت پڑھ رہا تھا:

وَقِيْلَ يٰۤاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَآءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ [1]

اور حکم ہوا کہ ''اے زمین! اپنا پانی نگل لے، اور اے آسمان! تھم جا'' چنانچہ پانی اُتر گیا، اور سارا قصہ چکا دیا گیا، کشتی جودی پہاڑ پر آٹھہری، اور کہہ دیا گیا کہ ''بربادی ہے اُس قوم کی جو ظالم ہو''۔

ابن مقنّع سنتے ہی حیرت زدہ ہو گیا اور بیہوش ہو گیا اور گھر آ گیا، گھر آ کر سب اپنے لکھے ہوئے کو مٹا دیا اور پھاڑ دیا، اور قسم کھا کر کہا کہ اس کلام کا کوئی معارضہ اور مقابلہ نہیں کر سکتا اور یہ کسی انسان کا کلام نہیں۔[2]

علامہ سلیمان الجُمل رحمۃ اللہ علیہ (وفات ۱۲۰۴ھ) فرماتے ہیں:

هٰذِهِ الْاٰيَةُ اَبْلَغُ اٰيَةٍ فِي الْقُرْاٰنِ لِاِحْتِوَائِهَا عَلٰى اَحَدٍ وَّعِشْرِيْنَ نَوْعًا مِنْ اَنْوَاعِ الْبَدِيْعِ وَالْحَالُ اَنَّ كَلِمَاتِهَا سَبْعَةَ عَشَرَ [3]

کہ یہ آیتِ کریمہ قرآنِ پاک کی انتہائی بلیغ آیت ہے کیونکہ یہ فن بدیع کی ۲۱ اقسام پر مشتمل ہے جبکہ اس آیت کے کل کلمات صرف ۱۷ ہیں۔

حورِ عین

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

حُوْرٌ عِيْنٌ، كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ [4]

---

[1] سورۂ ھود: ۴۴۔ [2] آثار التنزیل ۲۵۶۔ [3] حاشیہ الجمل علی الجلالین، ج ۲، ص ۴۰۰۔ [4] واقعہ: ۲۲، ۲۳۔

Marfat.com

''(مومنین کیلئے) گوری گوری خوشنما بڑی بڑی آنکھوں والی عورتیں ہوں گی، جیسے پوشیدہ رکھے ہوئے موتی''۔

تشریح وتوضیح

لفظ حور ماخوذ ہے حورۃ اور حیرت سے، جس کے درج ذیل معنی نکلتے ہیں:

۱۔ غایت درجے کی سفیدی، عربی زبان میں گورے بدن والی عورتوں کو حوراء کہا جاتا ہے، جیسے اُردو زبان میں خوبصورت لڑکی کا نام ''گوری'' رکھ دیا جاتا ہے۔

۲۔ حیرت میں ڈال دینے والی، جس عورت کا سراپا اتنا دلکش ہو، جاذب نظر اور پرکشش ہو کہ دیکھنے والا حیران ہو کر دیکھتا رہے۔

۳۔ بہت زیادہ کالی، انسانوں کی طبائع مختلف ہوتی ہیں، افریقہ کے بعض قبائل میں جو لڑکی زیادہ کالی ہو، اُسے اتنا ہی زیادہ ملکہ حسن سمجھا جاتا ہے۔

پس حور کا لفظ ایسا ہے کہ انسان اپنی محبوبہ گوری، ہو یا کالی، اس پر لاگو کر سکتا ہے، سنا ہے کہ مجنوں کو لیلیٰ سے افسانوی پیار تھا، لیلیٰ اتنی کالی تھی کہ والدین نے رات کی تاریکی کی مانند لیلیٰ نام رکھ دیا تھا۔

دنیا میں حسن کا اطلاق گورے اور کالے دونوں رنگوں پر ہوتا ہے، جیسے ہیرے کالے بھی ہوتے ہیں اور سفید بھی ہوتے ہیں، مگر آخرت میں حسن کا اطلاق سفید رنگ پر ہوگا، اسی لئے قرآن مجید میں بیض (سفید) کا لفظ استعمال کیا گیا؛ آخرت میں کالا رنگ بدبختی کی دلیل ہوگا، ارشاد باری تعالیٰ ہے يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ۔[1]

۴۔ بدن گورا بال کالے، بعض علماء نے حور کا یہ معنی لیا ہے کہ جس کا رنگ بہت گورا ہو، بدن گلاب کی مانند نرم ونازک ہو اور بال انتہائی کالے ہوں، آنکھوں کی سفیدی خوب سفید اور سیاہی خوب سیاہ ہو۔

۵۔ لفظِ عِیْنٌ مشتق ہے عَیْنٌ سے، اور اس کے معنی بڑی بڑی خوبصورت آنکھوں والی عورت، پس حور عین

[1] آل عمران:۱۰۶۔

Marfat.com

اس حسین وجمیل عورت کو کہیں گے کہ جس کا بدن خوشنما، دیکھنے والے کو حیران کر دینے والی اور پر کشش آنکھوں والی ہو۔

فصاحت وبلاغت سے معمور اور اسرار و معانی سے مملو آیت

قرآن مجید کی آیت کی ایک اور مثال جو فصاحت وبلاغت سے معمور اور اسرار و معانی سے مملو (بھری ہوئی) ہے تا کہ عظمتِ قرآن کا آنکھوں سے مشاہدہ ہو، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

حَتّٰٓى اِذَآ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ ۙ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ [1]

یہاں تک کہ جب پہنچے چیونٹیوں کے میدان پر، کہا ایک چیونٹی نے اے چیونٹیو! گھس جاؤ اپنے گھروں میں پیس اور روند نہ ڈالیں تم کو سلیمان علیہ السلام اور اس کی فوجیں اور ان کو خبر بھی نہ ہو۔

شیخ احمد الصادی المالکی رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۴۱ھ وفات) اس آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ چیونٹی کا یہ کلام يّٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ (الایۃ) بلاغت کی گیارہ قسموں پر مشتمل ہے:

۱۔ حرف یَا سے نداء۔ ۲۔ لفظ اَیُّ کا استعمال۔ ۳۔ ھاء تنبیہ کا ذکر۔ ۴۔ چیونٹی کا باقاعدہ نام لے کر یعنی يّٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ کہہ کر خطاب کرنا۔ ۵۔ چیونٹی کا اُدْخُلُوْا کہہ کر حکم دینا۔ ۶۔ چیونٹی کا مَسَاكِنَكُمْ کہہ کر باقاعدہ داخل ہونے کی جگہ کی صراحت کرنا۔ ۷۔ چیونٹی کا دوسری چیونٹیوں کو لَا يَحْطِمَنَّكُمْ کہہ کر ڈرانا۔ ۸۔ چیونٹی کا پہلے سلیمان علیہ السلام کہہ کر تخصیص کرنا۔ ۹۔ پھر وَجُنُوْدُهٗ کہہ کر تعمیم کرنا۔ ۱۰۔ چیونٹی کا هُمْ سے اشارہ کرنا۔ ۱۱۔ چیونٹی کا حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان کے لشکر کی طرف سے لَا يَشْعُرُوْنَ کہہ کر عذر پیش کرنا۔ [2]

---

[1] سورۃ النمل: ۱۸۔ [2] حاشیۃ الصادی، ج ۳، ص ۱۹۰۔

Marfat.com

پس ''یَا'' ندا ہے اور ''اَیُّ'' کنایہ ہے اور ''ھَا'' تنبیہ ہے اور ''اَلنَّمْلُ'' تسمیہ ہے اور ''اُدْخُلُوْا'' اَمر ہے اور ''مَسٰکِنَکُمْ'' قصہ ہے اور ''لَا یَحْطِمَنَّکُمْ'' تحذیر اور ''سُلَیْمٰنُ'' تخصیص اور ''جُنُوْدُہٗ'' تعمیم اور ''ھُمْ'' اشارہ اور ''لَا یَشْعُرُوْنَ'' عذر ہے۔

پھر اس آیت میں پانچ حقوق کی ادائیگی کی طرف اشارہ بھی ہے، یعنی اللہ کا حق، رسول کا حق، اپنا حق، اپنی رعیت کا حق اور سلیمان علیہ السلام کے لشکر کا حق۔

لطیفہ

حضرت شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ شیعوں سے تو سلیمان علیہ السلام کی چیونٹی بھی عقلمند تھی کہ پیغمبر کے ساتھی جان بوجھ کر ایک چیونٹی کو بھی تکلیف نہیں دیتے، جب کہ شیعوں کے نزدیک حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر کو جلایا تھا۔ نعوذ باللہ۔

روافض کے چار ایسے خطرناک نظریات ہیں کہ آسمان پھٹ پڑے، زمین ریزہ ریزہ ہو جائے:

۱۔ قرآن کریم مکمل کتاب نہیں، اہلِ بیت کی تعریف کی آیات ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نکال دیں۔ نعوذ باللہ۔

۲۔ پانچ کے سوا سب صحابہ رضی اللہ عنہم مرتد و منافق ہیں۔ نعوذ باللہ۔

۳۔ سیدہ کائنات عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، جس کی عفت پر کتابِ الٰہی کا مکمل رکوع اترا، اُنہیں بدکار کہنا۔ حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اِن آیات کے نزول کے بعد اماں جان رضی اللہ عنہا پر طعن کرنا صریح کفر ہے۔

۴۔ تقیہ، یعنی اپنے بچاؤ کی خاطر جھوٹ بولنا ثواب ہے۔

تمام مکارمِ اخلاق کو جامع آیت

اللہ تعالیٰ کا فرمان: خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰہِلِیْنَ [1]

---

[1] سورۃ الاعراف: ۱۹۹۔

Marfat.com

(اے پیغمبر!) درگزر کا رویہ اپناؤ اور (لوگوں کو) نیکی کا حکم دو اور جاہلوں کی طرف دھیان نہ دو۔

تمام مکارمِ اخلاق کو جامع ہے، کیونکہ عفو میں اپنے حقوق کے متعلق چشم پوشی کا حکم دیا گیا ہے کہ اگر کوئی آپ کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کرے تو چشم پوشی سے کام لیں، اور دین کی طرف بلانے میں نرمی اور ملائمت کرنے کا حکم ہے، اور امر بالمعروف میں ایذا رسانی سے باز رہنے اور چشم پوشی کرنے کا حکم ہے، اور اعراض میں صبر، حلم اور مودت اختیار کرنے کا حکم ہے۔

چالیس فرقوں پر ردّ ایک آیت میں

اللہ تعالیٰ کا فرمان:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ. اَللّٰهُ الصَّمَدُ. لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ. وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ [1]

کہہ دو بات یہ ہے کہ اللہ ہر لحاظ سے ایک ہے۔ اللہ ہی ایسا ہے کہ سب اس کے محتاج ہیں، وہ کسی کا محتاج نہیں۔ نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔ اور اس کے جوڑ کا کوئی بھی نہیں۔

ایجازِ بدیع سے ہے، اور اس میں انتہائی تنزیہ ہے اور چالیس فرقوں پر ردّ ہے، علامہ بہاء الدین شداد نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔

آیت کے صرف دو کلموں میں زمین سے نکلنے والی تمام چیزوں کا ذکر

اللہ تعالیٰ کے فرمان:

اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰهَا [2]

اس میں سے اس کا پانی اور اس کا چارہ نکالا ہے۔

---

[1] سورۃ اخلاص۔ [2] سورۃ النازعات: ۳۱۔

Marfat.com

کے دوکلموں (مَآءَهَا وَمَرْعٰهَا) میں مخلوق کے کھانے پینے کی وہ تمام چیزیں داخل ہیں جو زمین سے نکلتی ہیں جیسے گھاس، درخت، اناج، پھل، زراعت، لکڑی، لباس، آگ، نمک، کیونکہ آگ لکڑی سے اور نمک پانی سے پیدا ہوتا ہے۔

شراب کے تمام عیوب کو جامع آیت

اللہ تعالیٰ کا فرمان:

لَا یُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا یُنْزِفُوْنَ [1]

جس سے نہ اُن کے سر میں درد ہوگا، اور نہ اُن کے ہوش اُڑیں گے۔

شراب کے تمام عیوب کو جامع ہے جیسے دردِ سر، عقل کا زائل ہونا، مال کا تلف ہونا، پیٹ کا درد، شکل کا بدنما ہونا، ہذیان اور بکواس وغیرہ۔

ایک آیت اصولِ کلام اور پوری طب کو جامع

اللہ تعالیٰ کا فرمان:

یٰبَنِیْۤ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا وَ لَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ [2]

اے آدم کے بیٹو اور بیٹیو! جب بھی مسجد میں آؤ تو اپنی خوشنمائی کا سامان (یعنی لباس جسم پر) لے کر آؤ، اور کھاؤ اور پیو، اور فضول خرچی مت کرو۔ یاد رکھو کہ اللہ فضول خرچ لوگوں کو پسند نہیں کرتا۔

اصولِ کلام یعنی ندا، عموم، خصوص، امر، اباحت، نہی اور خبر کو جامع ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا میں اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے پوری طب جمع کر دی ہے۔

[1] سورۂ واقعہ: ۱۹۔ [2] سورۃ الاعراف: ۳۱۔

Marfat.com

فصاحت کے اعتبار سے قرآن کی عظیم ترین آیت

علامہ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان:

وَاَوْحَیْنَاۤ اِلٰۤی اُمِّ مُوْسٰۤی اَنْ اَرْضِعِیْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَیْهِ فَاَلْقِیْهِ فِی الْیَمِّ وَلَا تَخَافِیْ وَلَا تَحْزَنِیْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَیْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ [1]

اور ہم نے موسیٰ کی والدہ کو الہام کیا کہ تم اس (بچے) کو دودھ پلاؤ، پھر جب تمہیں اس کے بارے میں کوئی خطرہ ہو تو اسے دریا میں ڈال دینا اور ڈرنا نہیں، اور نہ صدمہ کرنا، یقین رکھو ہم اسے واپس تمہارے پاس پہنچا کر رہیں گے، اور اس کو پیغمبروں میں سے ایک پیغمبر بنائیں گے۔

فصاحت کے اعتبار سے قرآن کریم کی عظیم ترین آیات میں سے ہے، کیونکہ اس میں دو امر، دو نہی، دو خبریں اور دو بشارتیں ہیں۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ میں حیرت انگیز فصاحت

علامہ ابن ابی الاصبع رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان:

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ [2]

لہٰذا جس بات کا تمہیں حکم دیا جا رہا ہے، اسے علی الاعلان لوگوں کو سنا دو۔

کے یہ معنی ہیں کہ جو وحی تم کو ہو اس کی تصریح کر دو اور جو حکم تم کو پہنچے اس کی تبلیغ کر دو، اگرچہ بعض باتوں کے شاق ہونے سے بعض دل پھٹ جائیں۔

تصریح اور صدع میں یہ مشابہت ہے کہ جیسے ٹوٹے ہوئے شیشہ کا اثر ظاہر ہوتا ہے اسی طرح دل میں تصریح کے اثر کرنے سے قبض اور انبساط اور انکار و قبول کے آثار چہرہ پر ظاہر ہو جاتے ہیں، پس اس استعارہ کی جلالت اور ایجاز کی عظمت کو دیکھیں اور جو معانی کثیرہ اس میں ہیں ان پر غور کریں۔

---

[1] سورۃ القصص: ۷۔ [2] سورۃ الحجر: ۹۴۔

Marfat.com

کلامِ الٰہی کے دو لفظ تمام چیزوں کو جامع

اللہ تعالیٰ کے فرمان:

وَفِیۡهَا مَا تَشۡتَهِیۡهِ الۡاَنۡفُسُ وَتَلَذُّ الۡاَعۡیُنُ [1]

اور اس جنت میں ہر وہ چیز ہوگی جس کی دلوں کو خواہش ہوگی، اور جس سے آنکھوں کو لذت حاصل ہوگی

کے دو لفظ اُن تمام چیزوں کو جامع ہیں کہ اگر تمام مخلوق جمع ہو کر اُن کی تفصیل کرنا چاہے تو نہ ہو سکے۔

صرف ایک آیت میں دنیا و آخرت کے تمام مسائل

ایک رومی بطریق جو اچھی عربی جانتا تھا اس نے کسی مسلمان کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا:

وَمَنۡ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ وَیَخۡشَ اللّٰهَ وَیَتَّقۡهِ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الۡفَآئِزُوۡنَ [2]

اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اور اللہ سے ڈرے اور اس کی نافرمانی سے بچے سو وہی لوگ کامیاب ہیں۔

یہ سن کر اس نے کہا صرف ایک آیت میں دنیا اور آخرت کے وہ تمام مسائل موجود ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئے تھے۔

حسن و جمال سے مزین شیریں کلام

ولید بن مغیرہ جو مکے کا رئیس تھا، اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا:

اِنَّ اللّٰهَ یَاۡمُرُ بِالۡعَدۡلِ وَالۡاِحۡسَانِ وَاِیۡتَآئِ ذِی الۡقُرۡبٰی وَیَنۡهٰی عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَالۡمُنۡکَرِ وَالۡبَغۡیِ ۚ یَعِظُکُمۡ لَعَلَّکُمۡ تَذَکَّرُوۡنَ۔ [3]

بے شک اللہ تعالیٰ عدل اور احسان اور قرابت داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی

---

[1] سورۂ زخرف: ۷۱۔ [2] سورۃ النور: ۵۲۔ [3] سورۃ النحل: ۹۰۔

Marfat.com

برے کاموں اور ظلم وزیادتی سے منع کرتا ہے، وہ تمہیں سمجھاتا ہے تاکہ تم نصیحت پکڑو۔

یہ آیت سن کر وہ بولا:

وَاللہِ اِنَّ لَهٗ لَحَلَاوَةً وَاِنَّ عَلَيْهِ لَطَلَاوَةً وَاِنَّ اَسْفَلَهٗ لَمُغْدِقٌ وَاِنَّ اَعْلَاهُ لَمُثْمِرٌ وَمَا يَقُوْلُ هٰذَا بَشَرٌ [1]

اللہ کی قسم یہ شیریں کلام ہے (یعنی اس میں مٹھاس ہے)، اس میں حسن و جمال ہے، نیچے سے اوپر تک ہرا بھرا ہے، (یعنی اس کا زیریں حصہ پانی میں ڈوبا ہوا اور بالائی حصہ پھولوں سے لدا ہوا ہے) یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہے۔

جرمن مستشرقین عاجز آ گئے

مصری عالم علامہ طنطاوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ وہ ایک مجلس میں اپنے جرمن مستشرق دوستوں کے ساتھ بیٹھے تھے، انہوں نے علامہ سے پوچھا کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن جیسی فصیح وبلیغ عربی میں کبھی کسی نے گفتگو کی ہے نہ کوئی ایسی زبان لکھ سکا ہے؟ علامہ طنطاوی نے کہا ہاں میرا ایمان ہے کہ قرآن جیسی فصیح وبلیغ عربی میں کسی نے کبھی گفتگو کی ہے نہ ایسی زبان لکھی ہے، انہوں نے مثال مانگی تو علامہ نے ایک جملہ دیا کہ اس کو فصیح عربی میں تعبیر کریں، جہنم بہت وسیع ہے، جرمن مستشرقین سب عربی کے فاضل تھے، انہوں نے بہت زور مارا جَهَنَّمُ وَاسِعَةٌ، جَهَنَّمُ وَسِيْعَةٌ جیسے جملے بنائے مگر بات نہ بنی اور عاجز آ گئے تو علامہ طنطاوی نے کہا لو سنو! اب قرآن کیا کہتا ہے:

يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ [2]

”جس دن ہم دوزخ سے کہیں گے کیا تو بھر گئی؟ اور وہ کہے گی کیا کچھ اور بھی ہے؟“

اس پر جرمن مستشرقین اپنی نشستوں سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور قرآن کے اعجاز بیان پر مارے حیرت کے اپنی چھاتیاں پیٹنے لگے۔ [3]

---

[1] الخصائص، ج:۱، ص:۱۱۳۔ [2] سورۂ ق۔ [3] اسلام کی سچائی اور سائنس کے اعتراف۔

Marfat.com

اعجازِ قرآن کی حیرت انگیز مثال

جب سورۃ الکوثر نازل ہوئی تو اس کی تین آیات کو سن کر کفار مکہ کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ اگر ہم اس کے ساتھ ایک فقرہ اور جوڑ دیں تو یہ رباعی بن جائے گی، ہم کہہ سکیں گے کہ ہم نے ادھورے کلام کو پورا کر دیا ہے، عرب کے تمام شعراء نے سر توڑ کوشش کر لی مگر وہ ایسا نہ کر سکے، ذیل میں محاسن ظاہری و معنوی کو بیان کیا جاتا ہے کہ جن کی وجہ سے اہل عرب نے اسے بے نظیر مانا۔

سورۃ الکوثر کا شانِ نزول

نبی اکرم ﷺ کے فرزند اکبر حضرت قاسم کی وفات پر مکہ کے ایک مشرک بد بخت اور بد خواہ عاص بن وائل نے کہا کہ اب محمد ﷺ کی نسل منقطع ہوگئی ہے، لہٰذا اب آپ ﷺ کے بعد کوئی آپ کا نام لیوا باقی نہ رہے گا، تو درج ذیل سورۃ نازل ہوئی:

اِنَّاۤ اَعۡطَیۡنٰكَ الۡكَوۡثَرَ . فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانۡحَرۡ . اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الۡاَبۡتَرُ [1]

''ہم نے تمہیں کوثر عطا کی، پس اپنے ربّ کی نماز پڑھو اور قربانی دو، بے شک تمہارا دشمن ہی ناقص ہے''۔

مفہومِ کلام

اے محمد ﷺ! ہم تم سے بعید نہیں، ہماری ہستی معظم نے تمہیں ہر قسم کا کمال اور تمام خوبیوں کی کثرت عطا کرنے کا وعدہ کیا ہے، وہ وعدہ ایسا وعدہ ہے کہ گویا پورا ہو چکا اور یہ جو کچھ بھی عطا ہوا، تمہاری درخواست کے بغیر ہم نے صرف اپنی کمال عنایت و غایت محبت کی وجہ سے عطا کیا، ایسی عظیم نعمتوں کے ملنے پر مناسب یہی ہے کہ تم اپنے ربّ کیلئے نماز پڑھو، جس کی نماز بحیثیت اس کی ربوبیت کے تمہارے اوپر لازم ہے اور قربانی بھی اسی کیلئے دو، تا کہ مشرکوں کی عملی مخالفت ثابت ہو جائے، اس بات میں تمہیں کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ ہم

---

[1] الکوثر۔

Marfat.com

تمہارے دشمن کو ہی ناکام ولنڈورا رکھیں گے، بلکہ قیامت تک جو شخص بھی آپ ﷺ کی مخالفت کرے گا ہم اس کا انجام اسی طرح کریں گے۔

فصاحتِ لفظی

اس سورۃ کا ہر لفظ سلیس، مانوس اور برمحل ہے، کوئی لفظ غریب الاستعمال نہیں، ترکیبِ حروف میں کسی نوع کا تنافر نہیں، کوئی لفظ سننے میں ناخوشگوار نہیں اور نہ ہی قاعدے کے خلاف استعمال ہوا ہے، پس یہ سورت فصاحتِ لفظی کا شاہکار ہے۔

فصاحتِ کلامی

اس سورت میں کلمات کی ترتیب قواعد کے مطابق ہے، ترتیبِ کلمات ثقل سے خالی ہے، الفاظ نہ تو غریب و بعید ہیں اور نہ ہی قریب و مبتذل ہیں، الفاظ جلدی ذہن میں آنے والے ہیں اور معانی واضح ہیں، گویا تعقید لفظی و معنوی سے کوسوں دور ہیں، تکرار بے معنی سے مبرّا، کثرتِ اضافات کے عیب سے پاک ہیں۔

الفاظ کی بندش چست ہے، ترکیب دل پسند اور دل نشین ہے، اور معانی بلند ہیں، الفاظ اس طرح نگینے کی مانند جڑے ہوئے ہیں کہ ایک لفظ نکال کر کوئی دوسرا ہم معنی و ہم وزن لفظ استعمال کرنا چاہیں تو یہ حسن و خوبی برقرار نہ رہے جو موجودہ صورتحال میں ہے، پس یہ سورۃ فصاحت کلامی کا شاہکار ہے۔

حسنِ بلاغت

بلاغت کی خوبی یہ ہے کہ مدعائے کلام سامع کے ذہن نشین ہو جائے، ایسا معلوم ہو کہ متکلم مخاطب کے دلی جذبات کو الفاظ کا جامہ پہنا رہا ہے، اس سورت کی تینوں آیات بلاغت کی دلیل ہیں، تینوں آیات کا ہر لفظ مقتضائے حال اور شانِ مخاطب و متکلم کے مطابق ہے، گویا علیم و خبیر پروردگار نے نبی ﷺ کے دل کی بات کو بیان کر دیا ہے، پس یہ سورت حسنِ بلاغت کا بھی شاہکار ہے۔

Marfat.com

محاسنِ معنوی

اس سورت کے معنوی محاسن کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ اِنَّآ کے الفاظ سے کلام کا آغاز فرمایا: وَالْاَصْلُ فِی الْخِطَابِ اَنْ یَّکُوْنَ لِمُشَاهِدٍ مُّعَیَّنٍ ''خطاب کی اصل یہ ہے کہ پیش نظر موجود ہو''، یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! تم اور تمہاری حالت ہم سے مخفی نہیں ہے، تم ہمارے پیش نظر ہو، لفظ اِنَّآ میں نون جمع متکلم کا استعمال، اظہارِ عظمت کیلئے کیا، پس کلام کے آغاز سے ہی پتہ چلتا ہے کہ ایک معظم ہستی کا خطاب ہے۔

۲۔ ''عطا'' ازراہِ کرم اور بلا استحقاق کے بخش دینے کے معنوں میں آتا ہے، یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ سب کچھ تمہاری درخواست کے بغیر ہم نے محض اپنے لطف وکرم سے عطا کیا۔

۳۔ اَعْطَیْنَا ماضی کا صیغہ ہے اور یہ مجاز یا عدول ہے مضارع سے ماضی کی طرف، اس سے عطائے کوثر کا تحقق وقوع پایا جاتا ہے، مقصد یہ کہ گویا ہم نے تمہیں کوثر دے دی، اب ہمارا شکر بجالانے کیلئے تیار ہو جاؤ۔

۴۔ اَعْطَیْنَاكَ: یہ القائے خطاب کی پہلی صورت ہے جس میں تاکید نہیں کی گئی، معلوم ہوا کہ متکلم کو مخاطب کے ساتھ بہت قرب تھا اور قوت ایمانیہ ملحوظ خاطر تھی، لہٰذا تاکید کی ضرورت نہیں تھی، لفظ عطا کا بھی تقاضا یہی تھا کہ مخاطب کو خالی الذہن سمجھ کر خطاب کیا جائے، سبحان اللہ، الفاظ کے اسلوب کا کلام سے متناسب ہونا فصاحت کی کتنی عمدہ مثال ہے۔

۵۔ الکوثر: عربی زبان میں اس کے درج ذیل معانی ہیں:

- ۔۔۔بہشت کی ایک ندی کا نام جس سے سب چشمے جاری ہوتے ہیں۔
- ۔۔۔مرد باعزت۔
- ۔۔۔خیر محض، یعنی نبوت واسلام۔
- ۔۔۔ہر چیز کی کثرت، یعنی کثرتِ خلفاء، کثرتِ مملکت، کثرتِ مال وجاہ، عزت وناموس، کثرتِ

Marfat.com

معجزات، خلقِ عظیم، اتمامِ نعمت، تکمیلِ دین اور ختمِ نبوت وغیرہ۔

۞ ۔۔۔ لفظِ کوثر کے وسعتِ معانی کو دیکھئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو کچھ عطا ہوا وہ سب کچھ اس ایک لفظ میں سمایا ہوا ہے۔

۶۔ اَبْتَرْ اس کے بھی کئی معانی ہیں:

۞ ۔۔۔ ناقص و ناتمام، دم کٹا۔ ۞ ۔۔۔ مرد بے عزت۔

۞ ۔۔۔ کار بے خیر۔ ۞ ۔۔۔ ایک خبیث سانپ کا نام۔

یہ تمام معانی لفظ کوثر کے معانی کے متضاد ہیں، گویا کوثر کے الٹ جو کچھ بھی ہے وہ آپ کے دشمن بدنصیب کے حصے میں آئے گا۔ الفاظ کا حسن انتخاب دیکھ کر وجد طاری ہونے لگتا ہے۔

۷۔ اِنَّآ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ: یہ جملہ خبریہ ہے، اغراض خبر میں سے ایک یہ ہے کہ ماننے والے کیلئے بشارت ہو اور انکار کرنے والے کیلئے شماتت ہو۔ پس بشارت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے اور شماتت عاص بن وائل بدبخت کیلئے۔

۸۔ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ: علم معانی کا قاعدہ ہے کہ جب دو جملے بنفسہا منقطع ہوں اور کوئی وصل کی مناسب وجہ نہ ہو، تو فصل واجب ہے، یہاں پر پہلا جملہ فعلیہ تھا اور دوسرا انشائیہ، یہی اختلاف وصل کا مانع تھا، دوسری آیت میں وصل نہیں فرمایا۔

۞ ۔۔۔ فاء کے متعلق علمائے ادب نے دو معارف لکھے ہیں، ایک تو یہ حرف تفریع ہے، یعنی مابعد کا حکم ماسبق سے متعلق ہے۔ پس کوثر کے عطا ہونے پر جانی و مالی قربانی دینے کا حکم دیا گیا ہے، دوسرا اس میں تادیب ہے، یعنی پروردگار عالم نے ادب سکھایا کہ نعمت کے ملنے پر نماز شکرانہ پڑھنی مناسب ہے، اس امر کو انشاء تادیبی کہتے ہیں۔

۞ ۔۔۔ اس آیت میں خطاب سے غیبت کی طرف التفات ہے۔

۞ ۔۔۔ ضمیر سے اظہار کی طرف عدول (مڑنے) میں ایک فائدہ یہ ہے کہ بات کو مخاطب کے دل میں جما

Marfat.com

دیا جائے، اس کو تمکین معنی کہتے ہیں، دوسرا فائدہ یہ ہے کہ یہ اچھی طرح معلوم ہو جائے کہ صلوٰۃ ونحر فرائض میں سے ہیں، اگر کوثر نہ بخشا جاتا تو بھی یہ احکام بدستور موجود رہتے۔

۹۔ فَصَلِّ لِرَبِّكَ کے ساتھ وَانْحَرْ کا وصل لائے، کیونکہ دونوں جملے انشائیہ ہیں، دونوں میں مناسبت عام ہے، ایک جانی قربانی، دوسری مالی قربانی۔ دوسرے جملے کو حکم سابق میں شریک کر دیا گیا۔

۱۰۔ اس آیت کے اخیر میں لِرَبِّكَ محذوف ہے، اس کو ایجاز حذف کہتے ہیں، اس کا فائدہ فہم کی آسانی اور حفظ کی سہولت ہے۔

۱۱۔ دوسری اور تیسری آیت میں وصل نہیں لائے، کیونکہ ایک انشائیہ تھی اور دوسری خبریہ۔

۱۲۔ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ: میں دو تاکیدیں لائی گئیں، ایک اِنَّ کی، دوسری هُوَ کی۔ تاکید بالائے تاکید کا مقصد یہ تھا کہ دشمنِ رسول، عاص بن وائل کو اچھی طرح واضح ہو جائے کہ وہ خود ہی اَبْتَرْ ہوگا۔

۱۳۔ اس آخری آیت میں اطناب بھی ہے، پس اعطائے کوثر دشمن کی ابتری کا سبب ہے۔ اس کو اطناب تذییل کہتے ہیں، مثلاً: جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا [1] اس آیت میں حق کا آنا زھوقِ باطل کا سبب ہے۔ اس مثال پر تیسری آیت کے معانی سمجھنے آسان ہیں۔

۱۴۔ شَانِئَكَ: میں اضافت ہے، دشمن کا نام لینے کی بجائے عمومیت کو پسند کیا گیا۔ پس معلوم ہوا کہ دشمنِ رسول خواہ کوئی بھی ہوگا خائب وخاسر ہوگا۔

۱۵۔ اس آیت میں عدول ہے جملہ فعلیہ سے جملہ اسمیہ کی طرف، اس کا فائدہ تقررِ حکم ہے۔ معلوم ہوا کہ دشمن کی ابتری کوئی غیر یقینی بات نہیں بلکہ پکی بات ہے۔

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ---------- یہ ہے شانِ رسول ﷺ

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ---------- یہ ہے پروگرامِ رسول ﷺ

اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ---------- یہ ہے انجامِ دشمنانِ رسول ﷺ

---

[1] سورۃ بنی اسرائیل: ۸۱۔

Marfat.com

نتیجہ

غور طلب بات یہ ہے کہ تین چھوٹی چھوٹی آیات میں جو فقط دس الفاظ پر مشتمل ہیں، اس قدر لفظی ومعنوی خوبیوں کا موجود ہونا، حیران کن بات نہیں تو اور کیا ہے۔ اس میں وصل وفصل، اطناب وایجاز، قصر وتاکید اورحذف وغیرہ کے محاسن نے معانی میں حیرت انگیز وسعت پیدا کردی ہے۔ یہ تھے وہ اسباب جس نے اس سورۃ مبارکہ کو قدرت انسانی سے بالاتر کر دیا۔ پس سب تعریفیں اللہ تعالیٰ جل جلالہ کیلئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆

Marfat.com

قرآن کریم کی شاہکار فصاحت

اخبارِ مستقبلہ کی سچائی، بلاغت واعجاز کی انتہاء
قیامت تک کے نجی واجتماعی مسائل کا حل

حضرت محمد ﷺ کو اپنے دعویٰ کی سچائی اور اس کی صداقت بیان کرنے کے واسطے یوں تو صدہا نشانیاں عنایت ہوئیں اور آپ کے حالات سے خبر رکھنے والا انسان خوب جانتا ہے کہ حضور ﷺ کی ہر ادا معجزہ اور ہر بات ایک نشانی تھی، لیکن قرآن مجید کو ان تمام نشانیوں میں ایک خاص امتیاز حاصل ہے اور وہ خدائی نشانات میں ایک بڑا نشان ہے جو آنحضرت ﷺ کو دینِ حق کے ثبوت میں دیا گیا ہے۔

دین حق کی نشانی وثبوت

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا [1]

لوگو! تمہارے پاس اللہ کی طرف سے سچائی کا نشان آ گیا ہے اور ہم نے تمہارے لئے ایک چمکتا ہوا اور روشن نور اُتارا ہے۔

جب مکہ کے کافروں نے حضور ﷺ سے رسالت اور نبوت کے ثبوت پر دلیل مانگی تو یہ آیت نازل ہوئی:

اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ [2]

کیا ان کے لئے یہ کتاب جو ہم نے آپ پر اتاری ہے، اور ان پر پڑھی جاتی ہے نشانی

---

[1] النساء: ۱۷۴۔ [2] العنکبوت: ۵۱۔

Marfat.com

بننے کیلئے کافی نہیں ہے جوان کو کسی اور نشانی کی ضرورت محسوس ہوئی۔

کسی شے کا علم اگر استدلال اور براہین کے ذریعہ سے حاصل ہو تو وہ اس علم سے جو سُنی سنائی اور خوش اعتقادی کے طور پر ہو، کئی حصہ زیادہ مستحکم اور مضبوط ہوا کرتا ہے۔

قرآن، خالقِ کائنات کی بے مثل و یگانہ کتاب ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ کی جتنی چیزیں بنائی ہوئی ہیں، وہ سب کی سب بے مثل اور یگانہ ہیں، ان میں سے کوئی چیز بھی اپنی مثال یا نظیر نہیں رکھتی۔ انسانی دماغ کی گھڑی ہوئی چیزوں اور ایک ماہر صناع کی کاری گریوں کی بعینہٖ نقل اُتاری جا سکتی ہے، لیکن دست قدرت کی عجوبہ کاریوں کا حال اس سے بالکل ہی جدا ہے، اس کی معمولی مصنوعات اور ادنیٰ درجہ کی بنائی ہوئی چیزوں کی مثال پیش کرنے سے دنیا کی تمام عقلمند طاقتیں ضعیف اور ناتواں اور بڑے سے بڑا کاری گر اس کی نقل اُتارنے سے عاجز اور درماندہ ہے۔ اس گھاس کا تنکا جو زمین کے گہوارہ سے سر اُٹھا کر کائنات عالم کی سیر کر رہا ہے، ایک بال جو بدن کے فضلات ردیہ سے تیار ہو کر گھاس کی طرح جسم کی سطح پر اُگا ہوا ہے، اگر دنیا کی زبردست طاقتیں اور اپنی عقل وحکمت پر ناز کرنے والی مجتمع قوتیں یک خیال ہو کر گھاس کے ایک تنکے یا بدن کے ایک بال کی نقل اُتارنے کی سعی لاحاصل اور بے سود کوشش مین لگ جائیں تو حیرانی اور بدنصیبی کے سوا کوئی چیز ان کا ساتھ دیتی ہوئی نظر نہ آئے گی۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی صداقت اور سچائی کی بنیاد اسی نظریہ پر رکھتے ہوئے ارشاد فرمایا:

فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَ كُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ [1]

کہ اگر تمہاری نظر میں قرآن کریم انسان کی بنائی ہوئی کتاب ہے تو انسانی مصنوعات کی طرح اس کی بھی نقل اتاری جا سکتی ہے، تم بھی اس کی کسی چھوٹی سے چھوٹی آیت کی مثال پیش کر کے اس کا کلامِ انسانی ہونا ثابت کرو، اگر تم اس کی مثال لانے سے قاصر وعاجز ہو تو پھر قرآن کریم کے کلامِ الٰہی ہونے میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہ ہوگی۔

[1] البقرۃ: ۲۳۔

Marfat.com

قرآن کریم کے ظاہری الفاظ وعبارات بھی اپنی مثال آپ ہیں

قرآن کریم کی باطنی اور معنوی خوبیوں کے علاوہ ظاہری الفاظ وعبارات بھی اپنی مثال آپ ہیں، اگر چہ وہ خوبیاں جو کلامِ الٰہی میں الفاظ اور عبارات کی وجہ سے پائی جاتی ہیں، بہت ہیں، لیکن اُن میں سے چند لطیف عبارات یہ ہیں:

(۱) یہ اسی کلام کی تالیف اور ترتیب کی خوبی ہے کہ اس میں ادنیٰ تبدیلی پیدا کرنے اور الفاظ کو آگے پیچھے ہٹانے یا ایک لفظ کو ہٹا کر اس کی جگہ دوسرا لفظ اسی کے ہم معنی رکھنے سے کلام بے رونق اور بدزیب معلوم ہوتا ہے، مثلاً اس آیت قرآنی اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ [1] میں اگر اکثری قاعدہ کی رعایت کرتے ہوئے اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبَةٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ پڑھا جائے تو عربی زبان سے معمولی واقفیت رکھنے والا بھی اس کلام کی پھسپھساہٹ اور ردی ہونے کو تسلیم کرے گا اور اس کا دل اس امر کی شہادت دے گا کہ جو حلاوت اور شیرینی اس جگہ لفظ قریب کو حاصل ہے وہ قریبہ کو ہرگز میسر نہیں ہے۔

(۲) قرآن کریم میں ماں باپ کی خدمت کرنے، ان کے آداب اور لحاظ رکھنے کا بڑی سختی کے ساتھ حکم ہے، لیکن ماں باپ کو ایک جگہ بھی یہ نہیں کہا گیا کہ تم اولاد کی پرورش میں کوتاہی نہ کرو، ان کے ساتھ محبت اور پیار سے پیش آو، کیونکہ اولاد کی محبت ایک ایسی شے ہے جس کے لئے انسان قدرتی طور پر مجبور ہے، اس لئے اس کے ذکر کی ضرورت نہیں سمجھی گئی، اس قسم کی صدہا مثالیں ہیں۔

(۳) قرآن کریم کے کلامِ الٰہی ہونے کا اس وقت اور بھی کامل یقین ہو جاتا ہے جب اس کی کسی آیت کو انسانی کلام کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے تو پڑھنے والے کو دونوں میں کھلا ہوا فرق نظر آتا ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچ فرمایا:

فَضْلُ كَلَامِ اللّٰهِ عَلٰى سَائِرِ الْكَلَامِ كَفَضْلِ اللّٰهِ عَلٰى خَلْقِهٖ [2]

اللہ کے کلام کی فضیلت تمام کلاموں پر ایسی ہے جس طرح اللہ کی بزرگی تمام مخلوقات پر۔

[1] الاعراف: ۵۶۔ [2] ترمذی: ۲۹۲۶۔

Marfat.com

قرآن میں پچاس زبانیں

ابوبکرالواسطی اپنی کتاب الارشاد فی قرأت العشر میں لکھتا ہے کہ قرآن میں پچاس زبانیں موجود ہیں، مثلاً:

قریش، کنانہ، ھذیل، فشعم، خزرج، اشعر، نمیر، قیس غیلان، جرہم، یمن، ازدشنوۃ، کندہ، تمیم، حمیر، مدین، لخم، سعد العشیرۃ، حضر موت، سنعوس، العمالقۃ، انمار، غسّان، مذحج، خزاعۃ، غطفان، سبا، عمان، بنوحنیفۃ، ثعلب، طی، عامر بن صعصعۃ، اوس، مزینۃ، ثقیف، جذام، بلی، عذرہ، ھوازن، النمر اور الیمامہ۔

لفظِ ''صاحب'' اور ''ذو''

سہیلی کا قول ہے کہ:

لفظِ صاحب کے ساتھ وصف کرنے سے لفظ ذُو کے ساتھ وصف کرنا زیادہ بلیغ ہے اور اس کے ساتھ اضافت ازدیادِ شرف کی موجب ہوتی ہے، کیونکہ ذو تابع کی طرف مضاف ہے اور صاحب متبوع کی جانب، مثلاً کہا جاتا ہے ''اَبُوْھُرَیْرَۃَ رضی اللہ عنہ صَاحِبُ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم'' اور یہ نہیں کہا جاتا کہ ''اَلنَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم صَاحِبُ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رضی اللہ عنہ'' مگر ذُو کی یہ حالت نہیں اُس میں تم کہتے ہو ''ذوالمال'' اور ''ذوالعرش'' دیکھو یہاں پہلا اسم متبوع ہے اور تابع نہیں، چنانچہ اسی فرق کی بنیاد پر کہا گیا ہے کہ خداوند کریم نے سورۃ الانبیآء میں فرمایا "وَذَاالنُّوْنِ" دیکھو یہاں اللہ تعالیٰ نے ذُو کی اضافت نون کی طرف اور نون کہتے ہیں ''مچھلی'' کو اور پھر خدائے پاک نے سورۃ ن میں فرمایا ''وَلَا تَکُنْ کَصَاحِبِ الْحُوْتِ''۔

سہیلی کہتے ہیں کہ دونوں مقاموں پر معنی تو ایک ہی ہیں مگر دونوں حالتوں کی طرف اشارہ کی خوبی کا لحاظ کرتے ہوئے الفاظ کا تفاوت اتنا ہے کہ زمین و آسمان کا فرق کہنا چاہیے، خداوند کریم نے جس وقت ان (پیغمبر یونس علیہ السلام) کا ذکر ان کی تعریف کرنے کے موقع پر کیا تو

Marfat.com

وہاں ''ذا'' کے ساتھ ان کا بیان کیا، کیونکہ ذا کے ساتھ اضافت اشرف تھی اور پھر نُون کا لفظ وارد کیا جو بہ نسبت لفظ حُوت (مچھلی) کے زیادہ وزن دار اور وقیع ہے، اسلئے کہ وہ ایک سورۃ کا نام اور اس کے آغاز کا حرف ہے مگر حُوت کے لفظ کو یہ خصوصیت نصیب نہیں، چنانچہ جس موقع پر اُن پیغمبر کی پیروی سے منع فرمانا مطلوب تھا وہاں اس کا ذکر 'صاحب الحوت' کے الفاظ سے کیا۔

کلامِ الٰہی کی چند اہم خصوصیات

۱۔قبل از وقت خبروں کی پیشین گوئیاں:

قرآن شریف میں آئندہ آنے والے واقعات کے متعلق قبل از وقت خبریں دی گئیں، مگر کبھی ان میں ذرہ برابر خلاف نہ ہوا، اور ہر ایک پیشین گوئی اپنے وقت پر بعینہٖ پوری ہوتی رہی۔

۲۔شک وشبہ سے پاک کتاب:

قدرتِ خداوندی اس غیر معمولی اور زبردست طاقت اور قوت کا نام ہے جس کے مقابلہ میں مخلوقات کی تمام تر قوتیں رائیگاں اور ساری طاقتیں بیکار ہیں، اسی قوت کی وجہ سے وہ دلوں پر حکومت کرتا اور اس کا ارادہ تمام ارادوں پر غالب رہتا ہے، جس چیز کو وہ آلات اور اسباب کے استعمال کئے بغیر بنانا چاہے، فوراً بنا دیتا ہے اور ایک سیکنڈ کی دیر نہیں لگنے دیتا، وہی طاقت ہے جس کی وجہ سے وہ چیونٹی سے ہاتھی کو، ضعیف اور کمزور سے قوی اور زبردست کو مروا دیتا ہے۔

ایسی طاقت اور قوت کا مالک اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں ہوسکتا، اس لئے جب ہم قرآن میں اس طرح کی خصوصیات کا استعمال ہوتا ہوا دیکھتے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا نمایاں طور پر ظہور ہوتا ہے تو ہمیں قرآن کے کلامِ الٰہی ہونے میں ذرہ برابر شک اور شبہ نہیں رہتا۔

۳۔حفاظتِ خداوندی کا وعدہ:

قرآن مجید میں خود اس کی حفاظت کا وعدہ کیا گیا ہے، اور اس کو اس طرح پورا کر کے دکھایا کہ آج ساڑھے

Marfat.com

چودہ سو برس گزرنے پر بھی اس میں ایک نقطہ یا زیر و زبر کا فرق نہیں آسکا، باوجود یہ کہ اتنے عرصہ میں دشمنوں کی ایسی زبردست طاقتیں گزری ہیں جو اس میں اگر تحریف یا تبدیلی پیدا کرنا چاہتیں تو کرسکتی تھیں مگر آج تک کسی موافق یا مخالف طاقت کو یہ جرأت نہ ہوسکی، جو اس وعدہ کو پورا ہونے سے روک دیتی۔

قرآن کلام الٰہی ہے نہ کہ کلام انسانی

قرآنِ مجید فرقانِ حمید میں چند ایسی خصوصیتیں موجود ہیں، جو اس کے انسانی کلام ہونے سے اباء اور انکار کررہی ہیں:

مثلاً قرآن عزیز کا دعویٰ ہے کہ وہ ہر یاد کرنے والے کے لئے آسان اور سہل بنادیا گیا ہے، اس دعویٰ کے ثبوت میں ہر جگہ بچے سے لیکر بوڑھے تک ہزاروں حفاظ موجود ہیں اور بہت سے حافظ تو ایسے ہیں جو سال میں ایک ہی دفعہ اس کی تلاوت کرتے ہیں، لیکن پھر بھی وہ ذہن سے نہیں نکلتا، قرآن شریف کے علاوہ دنیا میں کسی کتاب کو یہ شرف اور عزت حاصل نہیں ہے۔

علاوہ ازیں عبارت کی شیرینی اور روحانی برکتوں کا اثر ان لوگوں کو بھی محسوس ہوتا ہے جو عربی زبان سے قطعاً ناواقف ہیں، اور محض سادے الفاظ پڑھنا جانتے ہیں اور ترجمہ نہیں کرسکتے، یہ اثر بھی یقیناً اللہ ہی کا پیدا کردہ ہے، ورنہ یہ فعل انسانی طاقت سے باہر ہے۔

قرآن کریم کے کلام الٰہی ہونے کا دعویٰ اور دلیل

وہ دلیلیں جو قرآن کریم کی سچائی اور اس کے کلام الٰہی ہونے کا دعویٰ کرنے کے بعد اس کے ثبوت میں پیش کی گئی ہیں، اس طرح کی چار دلیلیں ہیں، ان میں سے دو یہ ہیں:

(۱) اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىهُ ؕ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّثۡلِهٖ وَادۡعُوۡا مَنِ اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ [۱]

یعنی اگر کافر قرآن عزیز کو انسان کی بنائی ہوئی کتاب کہتے ہیں تو انہوں نے بھی کوئی ایسی کتاب یا اس کی

[۱] سورۂ یونس: ۳۸۔

Marfat.com

کوئی آیت کی مثال بنا کر دکھائی ہوتی۔

(۲) اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا كَثِیْرًا [۱]

اگر یہ کتاب، اللہ کی بنائی ہوئی نہ ہوتی تو اس کا اسلوب بیان، فصاحت اور بلاغت کا انداز سب جگہ سے ایک جیسا نہ ہوتا، اوراس کے فیصلے ہمیشہ کے واسطے یقینی اوراٹل نہ ہوتے۔

قرآن مجید کی پیشین گوئیاں

قرآن مجید کے ان اوصاف اور خصوصیتوں میں سے جن سے اس کا کلامِ الٰہی ہونا ثابت ہوتا ہے ایک صفت یہ ہے کہ اس میں بہت سے آئندہ آنے والے واقعات اور حالات کی ایسی اطلاعیں دی گئیں ہیں کہ جن کا کبھی خلاف نہیں ہوااوران میں سے ہرایک پیشین گوئی اپنے وقت پر پوری ہوتی رہی۔ سب سے پہلے اُن پیشین گوئیوں اورغیب کی خبروں کے متعلق بات کریں گے جن میں کسی قوم کی فتح اور شکست کی اس وقت خبردی گئی جبکہ ایک جماعت کی فتح اورنصرت اوردوسرے کی شکست کے کوئی آثار یانشانات موجود نہ تھے:

(۱) فتح بدر کے متعلق پیشین گوئی

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

سَیُهْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ [۲]

"قریب ہے کہ کفاروں کی جماعت کوشکست ہواوروہ پشت دکھا کر بھاگیں"۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو مجھے اس بات کا بڑا تعجب تھا کہ ضعیف اور کمزور مسلمان قوی اور زبردست دشمن کے مقابلہ میں کس طرح فتح منداور کامیاب ہوں گے، مگرجس وقت بدر کے میدان میں لڑائی شروع ہونے سے پہلے رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ آیت تلاوت کرتے سنا تو اس وقت سمجھا کہ یہ آیت اسی دن کے لئے اتری تھی، اوراس پیشینگوئی کے پورے ہونے کا یہی وقت ہے۔ [۳]

[۱] سورۃ النساء:۸۲۔ [۲] القمر:۴۵۔ [۳] تفسیر ابن کثیر، بیضاوی۔

Marfat.com

بخاری کا بیان ہے کہ مکہ میں سورۂ دخان کی یہ آیت یَوۡمَ نَبۡطِشُ الۡبَطۡشَةَ الۡكُبۡرٰى اِنَّا مُنۡتَقِمُوۡنَ [1] (ہم اہل مکہ سے سخت پکڑ کے دن بدلہ لیں گے) جنگ بدر کے متعلق فتح کی خبر دینے کے واسطے نازل ہوئی تھی۔

غرض اس قسم کی آیتوں کے نازل ہونے کے بعد نبی کریم ﷺ نے مدینہ پہنچ کر مسلمانوں کو اس بات کی خبر دی کہ عنقریب تمہارے ہاتھوں سے مکہ کے بڑے بڑے سردار ہلاک اور قتل کئے جائیں گے۔ [2]

پھر بدر کی لڑائی شروع ہونے سے پہلے یہ بتا دیا کہ ابوجہل، عتبہ، شیبہ پسران ربیعہ، ولید بن عتبہ، امیہ بن خلف، عقبہ بن ابی معیط وغیرہ سرداران مکہ کے قتل ہونے کی فلاں فلاں جگہ ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ جو اس حدیث کے راوی ہیں وہ کہتے ہیں کہ تھوڑی دیر کے بعد ہم نے دیکھ لیا کہ ہر ایک کی لاش اسی جگہ پڑی ہوئی تھی جس جگہ نبی کریم ﷺ نے نشان لگایا تھا۔ [3]

چونکہ ان پیشین گوئیوں کے ظاہر ہونے کا وقت آ گیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے جو مسلمانوں سے فتح اور نصرت کا وعدہ کر رکھا تھا، اس کے پورے ہونے میں اب دیر نہ رہی تھی اس لئے بدر کے میدان میں دونوں طرف کے لشکروں کا دفعۃً اور اچانک مقابلہ ہو گیا، ابوجہل کو اپنی طاقت پر بڑا ناز تھا، اور مسلمانوں کا استحصال اور ان کو صفحہ ہستی سے مٹانے کی غرض سے آیا تھا، اور ادھر مسلمانوں کی جمعیت بالکل تھوڑی تھی، ان کے پاس لڑائی کا بھی کوئی سامان نہ تھا، وہ اپنی کمزوری اور دشمن کی طاقت کو اچھی طرح محسوس کر رہے تھے، لیکن جب اللہ کے رسول ﷺ نے جنگ کرنے کا مشورہ دیا، فتح اور کامیابی کی خوشخبری سنائی تو مسلمان توکل بخدا، ہتھیلی پر سر لئے طاقت ور دشمن کے مقابلہ میں شیروں کی طرح میدان میں کود پڑے۔ [4]

مسلمانوں کی ساری جمعیت تین سو تیرہ تھی، ۷۰ا اونٹ تھے، ایک ایک اونٹ دو، دو چار چار آدمیوں کے حصہ میں آیا ہوا تھا، جس پر وہ باری باری سے سوار ہوتے تھے، لڑائی کے سامان میں ۶ زرہیں اور ۸ تلواریں ان کے پاس تھیں، دو گھوڑے تھے جو اپنے اپنے مالک مرثد بن مرثد اور مقداد بن عمرو کے قبضہ میں تھے، مشرکین کی تعداد ۹ سو اور دس سو کے درمیان تھی، جو سب کے سب جنگ آزما بہادر اور نوجوان تھے، ان کے پاس سو گھوڑے تھے، جن میں سے

---

[1] دخان: ۱۶۔ [2] صحیح مسلم۔ [3] مشکوٰۃ شریف۔ [4] تفسیر ابن کثیر۔

Marfat.com

تیس پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا اور ۷۰ بچ کر مکہ پہنچے، سات سو اونٹ سواری کے تھے۔ [۱]

اس کے علاوہ تقریباً پانچ دن بدر کے میدان میں ٹھہرے، ہر روز نو یا دس اونٹ ذبح کرتے تھے، مگر ایسے زبردست دشمن کے مقابلہ میں مسلمان کامیاب رہے اور مخالفین سخت نقصان کے ساتھ پسپا ہوئے اور ان کے ۷۰ آدمی قید اور ۷۰ ہی نامور سردار تلوار کے گھاٹ اتارے گئے، مسلمانوں کے صرف ۱۴ آدمی شہید ہوئے، قرآن کا وعدہ پورا ہوا اور مسلمان باوجود ضعیف اور کمزور ہونے کے قوی اور طاقت ور دشمن کے مقابلہ میں فتح مند اور کامیاب ثابت ہوئے۔

(۲) غزوۂ اُحد کے متعلق دو پیشین گوئیاں

بدر کی لڑائی میں جو کافروں کو شکست اُٹھانی پڑی، اس کا مکہ والوں کو سخت رنج تھا، وہ مسلمانوں سے اس ہزیمت کا بدلہ لینے کے لئے نہایت بے چین تھے، انہوں نے ایک سال تک مقابلہ کی تیاری کی، جب ان کے پاس اطمینان کے قابل مال و دولت اور لڑائی کا سامان جمع ہو گیا تو وہ شوال ۳ھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے لڑنے کیلئے مدینے کی طرف روانہ ہوئے، اس دفعہ مکہ والوں کی تعداد تین ہزار تھی، ان میں سے سات سو زرہ پوش جوان اور بہادر اور دو سو سوار تھے، ابوسفیان لشکر کا سپہ سالار تھا، ان کے ساتھ ۱۵ عورتیں دف لئے ہوئے تھیں، جو بدر میں قتل ہونے والوں پر روتیں اور ان کو لڑائی پر ابھارتیں اور غیرت دلاتی تھیں، یہ پیدل اور سواروں کا گروہ ۱۲ شوال بدھ کے دن اُحد پہاڑ کے نزدیک ذوالحلیفہ (بطن سنجہ) میں پہنچ کر ٹھہر گیا۔

نبی علیہ السلام کو بھی اس لشکر کے آنے کی خبر ہوگئی، آپ نے مسلمانوں کو جمع کر کے ان سے بطور مشورہ فرمایا کہ مدینہ میں قلعہ بند ہو کر لڑنا میرے خیال میں باہر جا کر لڑنے سے زیادہ بہتر ہے، انصار میں سے اکثر لوگوں نے اس رائے کے ساتھ اتفاق کیا، آپ نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ ایک گائے ذبح کی ہوئی میرے پاس پڑی ہے جو بہتری اور خیر کی علامت ہے اور میں نے دیکھا کہ میری تلوار کند ہوگئی، اور اس میں دندانے پڑ گئے ہیں، جن کے یہ معنی ہیں کہ مسلمانوں کو اس جنگ میں ہزیمت اٹھانی پڑے گی، پھر یہ بھی دیکھا

[۱] ماخوذ از تاریخ ابن خلدون۔

Marfat.com

کہ میں نے اپنا ہاتھ مضبوط زرہ میں چھپا لیا ہے، وہ زرہ مدینہ ہے، اس لئے مدینہ میں رہنے سے میرے نزدیک امن رہے گا، اور اس سے باہر نکلنا خطرے سے خالی نہیں ہے، لیکن بعض جوشیلے اور نوجوان مسلمانوں نے اس رائے سے اختلاف کیا، وہ مدینہ سے باہر میدان میں نکل کر لڑنا چاہتے تھے، نعمان بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! آپ ہمیں درجہ شہادت کے حاصل کرنے سے نہ روکئے اور کھلے میدان میں کافروں سے لڑنے کی اجازت دے دیجئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں کے اصرار پر میدان میں لڑنے کا فیصلہ کرلیا، چنانچہ آپ سات سو آدمیوں کی جمعیت لیکر ۱۴ شوال ۳ھ کو بعد نماز جمعہ مدینہ سے باہر نکلے، اس مہینہ کی پندرہویں تاریخ کو ہفتہ کے دن صبح سویرے اُحد پہاڑ کی ایک گھاٹی کے قریب اُتر پڑے، مسلمانوں کے اس لشکر میں پچاس تیر انداز اور پچاس سوار تھے، اور باقی ساری فوج پیدل تھی۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

> لڑائی شروع ہونے سے پہلے مسلمانوں کو فتح اور کامیابی کی خبر دینے کے لئے یہ آیت نازل ہوئی بَلٰۤى اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا وَ یَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا اگر تم نے صبر وتحمل سے کام لیا، اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی نہ کی تو تمہاری کامیابی یقینی ہے۔[1]

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی دَرّہ کی حفاظت کیلئے تیر اندازوں کی جماعت کو متعین کرتے ہوئے فرما دیا تھا کہ ہم اس وقت تک غالب رہیں گے جب تک تم اس درہ کو نہ چھوڑو گے، چونکہ اس جنگ میں فتح اور نصرت کا وعدہ اس شرط کے ساتھ مشروط تھا کہ اگر مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر چلتے رہے اور ان کی نافرمانی نہ کی تو کامیابی کا سہرا مسلمانوں کے سر رہے گا، ورنہ وہ فتح اور نصرت کی خوشی سے محروم کر دیئے جائیں گے، اس لئے اس پیشین گوئی کے دو حصے ہو گئے تھے۔

۱۔ اطاعت اور فرمانبرداری کی صورت میں فتح اور کامیابی۔

---

[1] آل عمران: ۱۲۵۔

Marfat.com

۲۔ رسول اللہ ﷺ کے حکم کو نہ ماننے اور اس کی خلاف ورزی کرنے کی وجہ سے شکست کا ہونا۔

یہ دو پیشین گوئیاں تھیں جو اس جنگ میں پوری ہوئیں، چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ اپنی جماعت کے ساتھ اُحد پہاڑ کے قریب اترے تو اپنے تیر اندازوں کی جماعت کو درہ کی حفاظت کے واسطے متعین فرمایا تا کہ مخالفین کا لشکر مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ نہ کر سکے، اور عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو اس جماعت کا افسر مقرر کر دیا اور فرمایا کہ ہماری خواہ فتح ہو یا شکست، مگر تم اپنی جگہ کو نہ چھوڑنا، اور آپ ساڑھے چھ سو کی جمعیت لے کر آگے بڑھ گئے۔

جب دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل ہوئے اور لڑائی شروع ہوگئی تو تین چار گھنٹے تک نہایت خون ریز جنگ ہوتی رہی، ابو دجانہ رضی اللہ عنہ جن کو رسول اللہ ﷺ نے اپنی تلوار مرحمت فرمائی تھی، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امیر حمزہ رضی اللہ عنہ و دیگر اصحاب کبار کا ایک گروہ لڑتا ہوا کافروں کے لشکر میں گھس گیا اور ان کی صفوں کو چیرتا ہوا اروسا قریش اور لشکر کے سرداروں کو مار آیا، اس جرأت اور بہادری کو دیکھ کر کافروں کے پاؤں اکھڑ گئے، اللہ جل شانہٗ نے اپنی عنایت سے مسلمانوں کی مدد کی، مکہ والوں کو شکست ہوئی، عورتیں بھاگ بھاگ کر ٹیلوں پر جا چڑھیں۔

جب تیر اندازوں کی جماعت نے جو دَرّہ پر متعین تھی، کافروں کو بھاگتے اور مسلمانوں کو ان کا مال اسباب اکٹھا کرتے ہوئے دیکھا تو کہنے لگے کہ لڑائی ختم ہوگئی، کفار بھاگ رہے ہیں، ہمیں یہاں بیٹھنے کی کوئی ضرورت نہیں، دوسرے مسلمانوں کے ساتھ مل کر ہمیں بھی مال غنیمت اکٹھا کرنا چاہئے، افسر نے ان کو ہر چند روکا مگر ان میں سے ۳۰ آدمی نیچے اُتر آئے، خالد بن ولید جو مکہ والوں کی طرف سے لشکر کے ایک حصہ کی کمان کر رہا تھا، جب اس نے درہ کو محافظین کی جماعت سے خالی دیکھا تو وہ دو سو آدمیوں کی جمعیت لے کر اوپر چڑھ گیا، اور ان باقی ماندہ بیس آدمیوں سے لڑنے لگا، ابو جہل کے بیٹے عکرمہ نے تیر اندازوں کی جماعت کو خالد سے لڑتے ہوئے دیکھ کر موقع کو غنیمت جانا اور مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ کر دیا، ادھر خالد بن ولید بھی تیر اندازوں کی جماعت کو شہید کر کے عکرمہ سے آملا، ابوسفیان نے جب رنگ بدلا ہوا دیکھا تو اس نے بھی سامنے سے حملہ کر دیا، مسلمانوں کے قدم اُکھڑ گئے، اور جن مصائب میں مسلمانوں کو مبتلا ہونا تھا ہو گئے اور اس طرح ان کی فتح شکست سے بدل گئی۔

Marfat.com

یہ اسی نافرمانی کا نتیجہ تھا، جو انہوں نے نبی علیہ السلام کے حکم کے خلاف درہ کو چھوڑنے میں کی تھی اور لڑنے والوں کی جماعت میں بغیر ان کی مرضی کے آ ملے تھے، باوجود یہ کہ مسلمانوں کی تعداد قلیل تھی، اور لڑائی کا سامان ان کے پاس مکہ والوں کے مقابلہ میں بہت تھوڑا تھا، لیکن جب تک انہوں نے کوئی کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف نہیں کیا تھا، وہ طاقت ور دشمن کے مقابلہ میں کامیاب رہے اور جب ان کے حکم کی خلاف ورزی کی تو اس کے لئے مصیبتوں کا سامنا ہو گیا اور یہی پیشین گوئی تھی، اگر یہ پیشین گوئی اللہ کی طرف سے نہ ہوتی تو اس طرح ترتیب کے ساتھ حرف بحرف کبھی پوری نہ ہوتی۔

(۳) غزوۂ خندق کے موقع پر غیبی امداد کی پیشین گوئی

جب غزوہ خندق میں بارہ ہزار کافروں نے مسلمانوں سے لڑنے کے واسطے مدینہ پر چڑھائی کی، اور تقریباً ایک مہینہ تک اس کو محاصرہ میں رکھا، اور اس طویل محاصرہ کی وجہ سے مسلمانوں کی حالت غیر ہوگئی اور کئی وقت تک بھوکے رہے اور دشمنوں سے لڑنے کی ان میں طاقت نہ رہی تو اللہ تعالیٰ نے غیبی امداد فرمانے کا وعدہ کیا اور یہ آیت نازل فرمائی:

سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ [1]

میں عنقریب کافروں کے دلوں میں تمہارا رعب اور ہیبت ڈال دوں گا۔

اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر اور شرح کرتے ہوئے فرمایا تھا:

کافروں کے جمع ہونے کی وجہ سے تمہیں سخت تکلیفیں پہنچیں گی، لیکن انجام تمہارے ہاتھ میں رہے گا، اور وہ تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔

چنانچہ دشمن کے لشکر میں پھوٹ پڑ گئی، بنی قریظہ کے لوگ ان سے الگ ہو کر اپنے گھروں کو واپس چلے گئے، ایک تیز اور تند آندھی رات کے وقت اس زور سے چلی کہ دشمنوں کے خیمے اکھڑ گئے اور جانور تتر بتر ہو گئے اور بعض آدمی اڑ کر کہیں کے کہیں جا پڑے، اگرچہ یہ چیز پریشان کن اور تشویشناک ضرور تھی لیکن یہ ایسے اسباب

---

[1] سورۃ الانفال: ۱۲۔

Marfat.com

نہیں تھے کہ ایک ہی رات میں ان کی وجہ سے مہینہ بھر کا محاصرہ چھوڑ کر دفعتہً بھاگ جاتے، خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ بنی قریظہ کے نکل جانے کے بعد وہ مسلمانوں سے تعداد میں تین گنا زیادہ تھے، اور مسلمانوں کی حالت بہت خراب اور خستہ ہو رہی تھی، اس لئے اس کی یقیناً یہی وجہ تھی کہ ان کو اس بات کا ڈر ہو گیا کہ کہیں مسلمان بھوکے شیروں کی طرح کمین گاہوں سے نکل کر ہم پر نہ ٹوٹ پڑیں، اور ہمیشہ کے واسطے ہمارا خاتمہ کر دیں، ان کو بھاگ جانے ہی میں نجات نظر آئی، سو وہ راتوں رات میدان چھوڑ کر بھاگ گئے اور قرآن کا یہی وعدہ تھا کہ وہ خوف اور ڈر کی وجہ سے میدان چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔

(۴) صلح حدیبیہ کے موقع پر پیشین گوئی

صلح حدیبیہ میں جن شرطوں پر اہل مکہ اور مسلمانوں کے درمیان مصالحت ہوئی تھی، ان میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ فریقین میں کوئی جماعت دوسرے کے حلیف کے خلاف تلوار نہ اٹھائے، مکہ والوں کے حلیف بنو بکر اور مسلمانوں کے حلیف بنو خزاعہ کے لوگ تھے، قبیلہ بنو بکر اور بنو خزاعہ میں پرانی دشمنی تھی، مدّت سے یہ دونوں قبیلے آپس میں لڑتے چلے آئے تھے، صلح حدیبیہ کے بعد ان دونوں جماعتوں میں ایک آدمی کے قتل ہونے پر جنگ چھڑ گئی، بنو بکر نے بنو خزاعہ پر حملہ کر دیا اور اس حملہ میں اہل مکہ بھی بنو بکر کے ساتھ شریک تھے، باوجودیکہ انہیں صلح حدیبیہ کی رُو سے مسلمانوں کے حلیف بنو خزاعہ کے خلاف جنگ کرنے کی اجازت نہیں تھی، لیکن انہوں نے معاہدہ کی پابندی کا کوئی خیال نہ کیا، جب اس جنگ کے ختم ہونے کے بعد بنو خزاعہ کے چند آدمی نبی علیہ السلام کی خدمت میں مدینہ پہنچے، بنو بکر کے ظلم وستم اور قریش کی عہد شکنی کی شکایت کی اور آپ سے امداد کے طالب ہوئے تو اُس وقت قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی:

وَهُمْ بَدَءُوكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ، قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ، وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ؕ [1]

[1] سورۂ توبہ: ۱۳، ۱۴، ۱۵۔

Marfat.com

یعنی انہوں نے عہد شکنی میں ابتدا کی ہے، تم ان سے نہ ڈرو، مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا ڈر دل میں نہ رکھنا چاہئے، ان سے جنگ کرو، اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں سے ان کو سزا دے گا، رسوا اور ذلیل کرے گا اور ان کے مقابلہ میں تمہاری مدد کرے گا، جس سے مسلمانوں کے دل ٹھنڈے اور مصیبت زدوں کا غم دُور ہوگا۔

یہ مکہ فتح ہو جانے کی خوشخبری تھی، جو مسلمانوں کو اہل مکہ کے خلاف جنگ پر اُبھارتے ہوئے سنائی گئی، اس سے پہلے حدیبیہ کی صلح سے فارغ ہونے کے بعد مدینہ کے راستہ میں سورۂ فتح نازل ہو چکی تھی، جس میں اس طرح کہا گیا تھا: اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ہم نے اے محمد ﷺ! آپ کو کھلی ہوئی فتح عنایت فرمائی ہے، چنانچہ پیغمبر خدا ﷺ دس ہزار آدمیوں کی جمعیت لے کر رمضان ۸ھ کی دسویں تاریخ کو مکہ کی طرف روانہ ہوئے، رسول اللہ ﷺ نے مکہ کے قریب پہنچ کر اسلامی لشکر کو چار حصوں میں تقسیم کر دیا، میمنہ پر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور میسرہ پر زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ اور مقدمۃ الجیش میں ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو متعین فرمایا، اور خود بہ نفس نفیس ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ قلب لشکر میں رونق افروز ہوئے، اسلامی عَلَم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا، زبیر رضی اللہ عنہ کو بالائے مکہ اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو نشیبی مکہ کی طرف داخل ہونے کا حکم فرمایا، اور یہ ہدایت کی کہ جو شخص تم سے تعرض کرے اور مکہ میں داخل نہ ہونے دے، اس سے جنگ کرو، حضور علیہ السلام اپنے ساتھیوں کے ساتھ ذی طوی کی طرف سے مکہ میں داخل ہوئے، عکرمہ ابوجہل کے بیٹے اور صفوان بن امیہ اور سہل بن عمرو غیرہم نے کچھ آدمیوں کو مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کے واسطے جمع کر رکھا تھا، چنانچہ ان کا مقابلہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے ہو گیا، اس جنگ میں تین مسلمان شہید ہوئے، اور مشرکین کی طرف سے تیرہ آدمی مارے گئے، باقی آدمیوں کو امن دینے کے بعد اسلامی لشکر اس مہینہ کی ۲۰ تاریخ کو فاتحانہ مکہ میں داخل ہوا، اور قرآن میں جو فتح کا وعدہ ہوا تھا اس کے پورا ہونے سے کوئی چیز اس کو نہ روک سکی۔

Marfat.com

(۵) سراقہ بن مالک کو کسریٰ کے کنگن پہنائے جانے کی پیشین گوئی

جب نبی کریم علیہ السلام ابو بکر رضی اللہ عنہ کو لے کر ہجرت کے وقت مکہ سے نکلے تو ابو جہل نے یہ اعلان کیا کہ جو شخص ان دونوں کو پکڑ لائے گا، اس کو سو اونٹ انعام میں دیئے جائیں گے، سراقہ بن مالک کہتا ہے کہ میں نے رات کے وقت دو آدمیوں کو جاتے ہوئے دیکھا تھا، خیال ہوا کہ وہ دونوں جانے والے آدمی وہی ہوں گے، میں گھوڑے پر سوار ہو کر پیچھے دوڑا اور اگلے دن ظہر کے وقت ان کو جالیا، جب اس نے حضور علیہ السلام کو پکڑنا چاہا، تو آپ نے بددعا فرمائی، فوراً زمین نے اس کے گھوڑے کے سم پکڑ لیے، قریب تھا کہ سراقہ ہمیشہ کے واسطے زمین میں غائب ہو جاتا، مگر اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے امن چاہا اور وعدہ کیا کہ میں اس راستہ پر کسی کو نہ آنے دوں گا، آپ نے دعا فرمائی زمین نے اس کو چھوڑ دیا، جب واپس ہونے لگا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سراقہ وہ دن بھی آنے والا ہے جبکہ کسریٰ کے کنگن تیرے ہاتھ میں پہنائے جائیں گے۔

وہ کہتے ہیں کہ میں نے اس وقت اس بات کو گپ سمجھا تھا لیکن میں نے یہ وقت اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں کسریٰ کی دولت اور خزانے لوٹ کر لائے تو میں بھی مسلمانوں کے لشکر میں ایک سپاہی تھا اور میں ۸ھ میں مسلمان ہو چکا تھا، جب غنیمت کا مال تقسیم ہونے لگا تو کسریٰ کے کنگن میرے حصہ میں آئے، چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے میرے متعلق پیشینگوئی سنی تھی، اس لئے انہوں نے وہ دونوں کنگن میرے ہاتھوں میں پہنا دیئے، جب میں نے کنگن پہنے تو مجھے وہ وقت یاد آ گیا، اپنے خیال کی غلطی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کی سچائی روز روشن کی طرح نظر آنے لگی۔

یہ شک اور شبہ محض اس لئے تھا کہ مسلمانوں کی مادی طاقت اس درجہ ضعیف اور کمزور تھی کہ اس کو دیکھتے ہوئے کبھی یہ خیال بھی نہ ہوتا تھا کہ مسلمان کسی وقت قیصر و کسریٰ کے مقابلے میں کامیاب ہوں گے، مگر اسی ناداری اور بے سروسامانی میں دنیا نے دیکھ لیا کہ مٹھی بھر مسلمان کس طرح لاکھوں کے مقابلہ میں فتح مند اور کامیاب ہوئے اور کمزور ہاتھوں نے کیوں کر طاقتور دشمن کا سر کچلا، یقیناً خدائی امداد ان کے ساتھ تھی، اس لئے

Marfat.com

کوئی طاقت اس وعدہ کو پورا ہونے سے نہ روک سکی، اور جو چیز بڑا زور خرچ کرنے کے بعد بھی نہیں ملتی، وہ ان کو اس کمزوری کی حالت میں مل گئی، چنانچہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں مکہ، خیبر، بحرین، یمن اور جزیرۃ العرب کے بعض حصوں پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا، روم، مصر واسکندریہ، حبشیہ اور عمان کے بادشاہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں تحفے بھیجے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں تمام عرب پر مسلمانوں کی حکومت قائم ہوئی، مصر کا بعض حصہ فتح ہوا، بصریٰ اور دمشق مسلمانوں کے قبضہ میں آیا، ملک فارس کے بعض شہروں پر آپ کا تسلط ہوا۔

جب زمانہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا آیا تو شام اور مصر کا تمام حصہ فتح ہوگیا، فارس کے اکثر شہر مسلمانوں کے قبضہ میں آگئے، کسریٰ کے خزانے لوٹ لئے گئے، قیصر کی شان وشوکت خاک میں ملا دی گئی، کسریٰ کو پایہ تخت چھوڑ کر ملک کے دور دراز حصہ میں پناہ لینی پڑی۔

تیسرے خلیفہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں سلطنت کے حدود بہت وسیع ہوگئے، مشرق میں ملک چین تک اور دوسری طرف بحر محیط تک حکومت پھیل گئی، اندلس، قبرص اور بلاد قیرواں سلطنت کا جز بن گئے، عراق اور خراسان اہواز پر مسلمانوں کا تسلط ہوگیا، کسریٰ قتل کر دیا گیا، اس کی تمام سلطنت مسلمانوں کے قبضہ میں آگئی، مشرق اور مغرب کا خراج امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آنے لگا، غرض دنیا کے ایک بڑے حصہ پر مسلمانوں کی حکومت قائم ہوگئی اور قرآن کا جو وعدہ تھا وہ پورا گیا، اگر یہ وعدہ اللہ کا وعدہ نہ ہوتا تو کبھی پورا نہ ہوتا۔

(٦) سردارانِ مکہ کی نسبت قرآن کریم میں کفر پر مرنے کی پیشین گوئی

ابوجہل، عتبہ اور شیبہ پسران ربیعہ، ولید بن عتبہ، امیہ بن خلف اور عتبہ بن ابی معیط، سردارانِ مکہ کی نسبت قرآن عزیز میں یہ خبر دی گئی کہ یہ لوگ کفر پر مریں گے، ہدایت اور ایمان کی دولت کبھی ان کو نصیب نہ ہوگی، چنانچہ اس واقعہ کو ظاہر کرنے کے لئے قرآن مجید میں یہ آیت نازل ہوئی:

Marfat.com

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا سَوَآءٌ عَلَیۡہِمۡ ءَاَنۡذَرۡتَہُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡہُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ [۱]

آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں مگر یہ کافر کبھی ایمان نہیں لائیں گے۔

قرطبی اور ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہما ربیع بن انس سے روایت کرتے ہیں کہ یہ آیت ان کافروں کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو بدر کی لڑائی میں مسلمانوں کے ہاتھوں سے مارے گئے، ایمان لانا ان کا اختیاری فعل تھا، اگر وہ چاہتے تو کلمۂ شہادت پڑھ کر قرآن کے اس فیصلہ کو جھوٹا ثابت کر سکتے تھے، اگرچہ کلمہ شہادت کا زبان پر جاری کرنا منافقانہ اور ریاکاری ہی کے طور پر ہوتا، اخلاص اور نیک نیتی کے ساتھ نہ ہوتا مگر وہ ایسا کرنے سے بھی عاجز رہے، جان اور مال، عزت اور آبرو سب کچھ اسلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عداوت اور دشمنی میں خرچ کر دیا، لیکن وہ قرآن کے اس دعوے کو جھوٹا ثابت نہ کر سکے، اگر یہ خبر اللہ کی بتائی ہوئی نہ ہوتی اور یہ فیصلہ خدائی فیصلہ نہ ہوتا تو کوئی طاقت ان کو اس کے خلاف کرنے سے نہیں روک سکتی تھی، مگر وہ اس خبر کو جھوٹا نہ کر سکے اور قرآنی فیصلہ کے مطابق وہ سب کے سب کفر کی حالت میں مارے گئے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان سب کی لاشیں بدر کے ایک گڑھے میں پڑی ہوئی دیکھیں۔ [۲]

(۷) یہ پیشین گوئی کہ یہودی کبھی بھی موت کی تمنا نہیں کریں گے

ایک دن کچھ یہودی مجلس نبوی میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ تمام دینوں میں سچا دین یہودیوں کا ہے، یہودی اللہ کے محبوب اور چہیتے بندے ہیں، جنت انہی کے لئے بنائی گئی ہے، دوسرے مذہب والے ان نعمتوں سے محروم ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم اس دعویٰ میں اپنے آپ کو سچا سمجھتے ہو اور اسلام تمہارے خیال میں جھوٹا مذہب ہے تو تم یہ دعا کرو کہ خدایا مسلمانوں اور یہودیوں میں جو جماعت جھوٹی ہو اُس کو ہلاک اور برباد کر دے، یہودی اس بات کو سن کر خاموش ہو گئے اور اس قسم کا مباہلہ کرنے کے واسطے ہرگز تیار نہ ہوئے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر یہودی اس دفعہ موت کی آرزو کرتے تو زمین پر کوئی یہودی زندہ نہ رہتا، سب کے سب ہلاک کر دیئے جاتے، اللہ نے اس بات کو ظاہر کرنے کے لئے کہ زندگی اُن کے نزدیک نہایت عزیز اور

---

[۱] سورۃ البقرۃ۔ [۲] مشکوۃ۔

Marfat.com

پیاری چیز ہے، موت کی دعا کرنے کے واسطے وہ کبھی تیار نہیں ہو سکتے، یہ آیت نازل فرمائی:

وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ [1]

وہ اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے مرنے کی آرزو کبھی نہیں کریں گے۔

آرزو کرنا اختیاری فعل تھا، اگر یہودی زبان سے آرزو کر کے اس خبر کو جھوٹا ثابت کرنا چاہتے تو کر سکتے تھے، کیونکہ آرزو کرنے سے مرجانا یقینی امر نہیں تھا، لیکن قرآن کا فیصلہ ان کے ارادوں پر غالب رہا، اورانہوں نے آخری دم تک مرنے کی تمنا اور آرزو نہیں کی، اور یہی پیشین گوئی تھی۔

(۸) یہ پیشین گوئی کہ قحط سالی کا عذاب دور ہو جائے پھر بھی ایمان نہیں لاؤ گے

جب قریش میں سے قبیلہ مضر نے شرک اور معصیت الٰہی میں غلو اور حد سے تجاوز کیا، رسول اللہ ﷺ کو جھٹلایا اور آپ کو تکلیفیں دیں تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے حق میں یہ بددعا فرمائی:

اَللّٰهُمَّ اشْدُدْ وَطَاتَكَ عَلٰى مُضَرَ وَاجْعَلْهَا عَلَيْهِمْ سِنِيْنَ كَسِنِيْ يُوْسُفَ [2]

اے اللہ! قبیلہ مضر پر اپنی پکڑ سخت کر دے اور ان پر قحط سالی مسلط فرما جس طرح کہ یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں نافرمان مصریوں پر تو نے قحط ڈالا تھا۔

آپ ﷺ کی بددعا کہاں خالی جانے والی تھی، ایسا قحط پڑا کہ لوگوں نے مردار جانور اور راستہ کی پڑی ہوئی ہڈیاں تک پیس کر کھالیں اور بھوک کی وجہ سے آنکھوں کے سامنے اندھیرا رہنے لگا، بھوک اور قحط سالی کی مصیبت سے تنگ آ کر ابوسفیان اور کعب بن مرہ چند آدمیوں کے ساتھ نبی عربی ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، قرابت اور رشتہ داری کا واسطہ دے کر کہنے لگا کہ آپ اس مصیبت کے دور ہونے کی دعا فرمائیں، ہم سچے دل سے اس بات کا وعدہ کرتے ہیں کہ اگر قحط کی مصیبت سے نجات مل گئی تو ہم سب آپ پر ایمان لے آئیں گے، آنحضرت ﷺ نے دعا کے واسطے ہاتھ اُٹھائے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ وحی نازل ہوئی:

اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيْلًا اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ [3]

---

[1] سورۃ البقرۃ:۹۵۔ [2] صحیح بخاری۔ [3] سورۃ الدخان:۱۵۔

Marfat.com

ہم تھوڑی دیر میں قحط کے عذاب کو دور کردیں گے، لیکن تم اپنے ایمان لانے کے وعدہ کو پورا نہ کرو گے پہلے کی طرح شرک اور نافرمانی کرتے رہو گے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا، نبی کریم ﷺ کی دعا سے قحط کی مصیبت دور ہوگئی اور مضر اور دوسرے قبیلے اسی طرح کفر اور معصیت میں مبتلا رہے، حضور علیہ السلام کی بددعا سے قبیلہ مضر کا قحط کی تکلیفوں میں گرفتار ہونا، پھر آپ کی دعا پر اس مصیبت سے رہائی پانا، نبی کریم ﷺ کی سچائی کا زبردست ثبوت ہے۔

(۹) عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے ہی قیامت تک غالب رہیں گے

اللہ ربُّ العزت نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے جو وعدہ ان کے مصدقین کو منکرین پر غلبہ دینے کا کیا تھا اس کو اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے۔

وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا [۱]

''اے عیسیٰ! اللہ تعالیٰ تیرے ماننے والوں کو انکار کرنے والوں پر غالب رکھے گا''۔

وہ جماعت جو دنیا میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عزت اور بزرگی تسلیم کرنیوالی ہے وہ مسلمان اور نصاریٰ کی ہے ،اور انکار کرنے والی جماعت یہودی ہیں، دنیا کی وہ جماعتیں جو نہ اقرار کرتی ہیں اور نہ اُن کا خاص طور پر انکار کرتی ہیں، وہ آیت کے مفہوم سے خارج ہیں، اس آیت میں بتلایا گیا ہے کہ قیامت تک مسلمان اور نصاریٰ کا یہودیوں پر غلبہ رہے گا، چنانچہ اسلام کے ظاہر ہونے سے پہلے نصرانی یہودیوں پر غالب رہے اور بعد ظہور اسلام غلبہ مسلمان اور نصاریٰ کے درمیان تقسیم ہوگیا اور قیامت تک اسی طرح رہے گا۔

(۱۰) بعض لوگوں کے مرتد ہونے کی پیشین گوئی

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَن يَرْتَدَّ مِنكُمْ عَن دِينِهِ [۲]

مسلمانو! اگر تم میں سے بعض آدمی اسلام کو چھوڑ دیں اور کفر اختیار کرلیں تو فکر نہ کرنا، اللہ تعالیٰ ان سے بہتر اور جانثار لوگوں کو اسلام میں داخل کرے گا۔

[۱] سورۃ آل عمران: ۵۵۔ [۲] سورۃ المائدۃ: ۵۴۔

Marfat.com

اس آیت میں بعض جماعتوں اور آدمیوں کے مرتد ہونے اور دین حق سے پھر جانے کی خبر دی گئی ہے، چنانچہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت اور وفات سے کچھ عرصہ پہلے تین قبیلے اسلام سے پھر گئے، ایک بنو مدلج کے لوگ تھے، جن کا سردار اسود عنسی تھا، اس نے یمن میں نبوت کا دعویٰ کیا، اور اس کے بعض شہروں پر غلبہ حاصل کرلیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ کو اپنی حیات کے آخری زمانہ میں یمن کی طرف بنو مدلج سے لڑنے کے واسطے بھیجا، جس رات نبی علیہ السلام کا وصال ہوا اسی شب کو اسود عنسی فیروز دیلمی کے ہاتھ سے مارا گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفات سے چند لمحے پہلے اس کے قتل کی مسلمانوں کو خبر دی، چنانچہ تقریباً پندرہ روز بعد اس کے قتل ہونے کی خبر مدینہ پہنچی۔

دوسرا قبیلہ بنو حنیفہ کا تھا، جو مرتد ہوگیا، مسیلمہ کذاب جو اسی قبیلہ کا ایک آدمی تھا، یمامہ میں نبوت کا مدعی ہوا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں مسلمانوں نے اس کے ساتھ جنگ کی، جس میں مسیلمہ مارا گیا۔

تیسرا قبیلہ بنی اسد کا تھا، ان میں طلیحہ بن خویلد نے نبوت کا دعویٰ کیا، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اس سے لڑنے کے لئے بھیجا، طلیحہ لڑائی میں شکست کھا کر ملک شام کی طرف بھاگ گیا، وہاں جا کر اس نے توبہ کی، سچے دل سے مسلمان ہوگیا۔

اس کے بعد خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں سات قومیں مرتد اور بے دین ہوگئیں، بنی فزارہ، غطفان، بنی سلیم، بنی یربوع، بعض بنی تمیم، کندہ، بنی بکر، ان میں سے بعض انہی کے زمانے میں مارے گئے اور بعضوں نے توبہ کی، اور قبیلہ غسان کے بعض آدمی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں نصرانی ہوگئے، اس زمانہ کے مسلمانوں کو قرآن میں یہی خبر دی گئی تھی کہ تم میں سے بعض آدمی اسلام سے پھر جائیں گے، سو وہی ہوا۔

(۱۱) عنقریب عرب کی زمین بت پرستی سے پاک ہوجائے گی

يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ [1]

[1] سورۃ التوبۃ: ۳۲۔

Marfat.com

کافر اللہ تعالیٰ کے نور کو پھونکوں سے بجھانا چاہتے ہیں لیکن وہ سچائی کے نور کو ضرور روشن کرے گا، خواہ کافروں کو یہ بات کیسے ہی ناگوار اور گراں گزرے۔

یہی وعدہ سورۂ نور میں اس طرح بیان کیا گیا:

وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ [1]

جس دین کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے پسند کیا ہے، اس کو دوسرے دینوں پر ضرور ایک دن غالب کرے گا۔

ساتھ ہی صبر کی تلقین فرمادی اور یہ بتادیا کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ اٹل ہے ایک دن ضرور پورا ہو کر رہے گا، لیکن آپ کافروں کے اعتراضات اور طعن وتشنیع سے تنگ آکر بے صبری اور جلد بازی نہ کریں اور فرمادیا لَاَنْصُرَنَّكَ وَلَوْ بَعْدَ حِيْنٍ [۲] اگرچہ کچھ دیر کے بعد ہو لیکن ہم آپ کی مدد ضرور کریں گے، اور کبھی فرمایا دیا گیا فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ آپ صبر کیجئے اللہ کا وعدہ ضرور پورا ہوگا، کافروں کی حرکتیں آپ کو جلد بازی پر نہ اُبھاریں۔ [۳]

چنانچہ ایسا ہی ہوا، زیادہ عرصہ نہ گزرا کہ قبائل عرب جوق در جوق اسلام میں داخل ہوئے اور جو قومیں کل تک اسلام کو صفحہ ہستی سے مٹانے پر اُدھا کھائے بیٹھی تھیں وہ اس کی معاون اور مددگار بن گئیں، عرب کی زمین بت پرستی کی اندھیریوں اور ضلالت و گمراہی کی ظلمتوں سے پاک ہو کر توحید اور سچائی کے نور سے جگمگا اُٹھی، باطل پرستوں کے جھنڈے اسلامی پرچم کے آگے سرنگوں ہو گئے، کسی نے خوشی سے اسلام کی غلامی اختیار کی اور کوئی ذلت کے ساتھ سر جھکانے پر مجبور ہوا، عرب سے بت پرستی ہمیشہ کے واسطے رخصت ہوئی، ملک شام میں صلیب نے ہتھیار ڈال دیئے اور فارس کے آتش کدے ٹھنڈے ہو گئے۔

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانے میں اسلام اُندلس اور بلاد قیروان سے گزرتا ہوا بحر محیط تک اور مشرق میں چین کی سرحد تک پھیل گیا، عرب مصر، اسکندریہ، ملک عراق، اور شام فلسطین وغیرہ سب جگہ اسلام کی روشنی

---

[1] سورۃ النور۔ [۲] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، باب الظلم۔ [۳] سورۃ الروم: ۶۰۔

Marfat.com

جگمگا اُٹھی، ملک فارس کے تمام حصوں اور ہندوستان کے بعض شہروں تک اس زمانہ میں آفتاب اسلام کے تمام دینوں پر غالب ہونے کا جو وعدہ کیا تھا وہ پورا ہو کر رہا۔

(۱۲) قرآن مجید قیامت تک محفوظ رہے گا

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ [1]

ہم نے یہ ذکر نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

ذکر سے مراد قرآن مجید ہے، یعنی جس طرح پہلی آسمانی کتابوں توریت انجیل میں تحریف اور ردوبدل ہوتا رہا ہے قرآن مجید میں نہیں ہوگا اور ہر قسم کے تغیر اور کمی زیادتی سے قیامت تک محفوظ رہے گا، اور اس میں کسی طرح کی تحریف اور تبدیلی نہ ہوگی، اگر یہود و نصاریٰ کی مثال کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے جنہوں نے اپنی آسمانی کتابوں میں صدہا تبدیلیاں کی ہیں، مسلمانوں یا کم از کم مخالف جماعتوں کیلئے یہ امر بہت آسان تھا کہ وہ قرآنِ عزیز میں اپنی منشاء کے موافق تحریف یا تبدیلی پیدا کر دیتے، خصوصاً جبکہ مسلمان مذہبی ناواقفیت اور بے پروائی کی وجہ سے اسلامی روایات اور مذہبی فیصلوں سے دور جا رہے ہیں، یہ کام اور بھی زیادہ آسان اور سہل تھا۔

لیکن آج ساڑھے چودہ سو برس گزر چکے ہیں، مگر قرآن مجید میں ایک نقطہ کا فرق نہیں آیا، اور جو قرآن آج سے چودہ (۱۴) سو برس پہلے حضرت محمد ﷺ پر ظاہر ہوا تھا وہی قرآن آج بھی بلا کم و کاست موجود ہے، اگر قرآن مجید کی حفاظت کا وعدہ خدائی وعدہ نہ ہوتا بلکہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے ہوتا تو اس کتاب کا ہر قسم کی تحریف و تصحیف سے محفوظ رہنا نہایت مشکل ہو جاتا، زیادہ سے زیادہ پیغمبر خدا ﷺ اپنی زندگی میں حفاظت کر سکتے تھے، لیکن اس عالم سے رخصت ہونے کے بعد دوست دشمن سے بچانے والا اللہ جل جلالہ کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا، باوجودیکہ سینکڑوں ملحد و بددین یہود و نصاریٰ ایسے دنیا میں موجود ہیں جو اسلام کے سخت ترین دشمن ہیں، جن کی دن رات یہی آرزو ہے کہ وہ کسی طرح اسلام کا جھوٹا ہونا ثابت کریں، اور موجودہ دین کو بدل دیں، لیکن وہ کبھی نہ کر سکے اور نہ قیامت تک کر سکیں گے۔

---

[1] سورۃ الحجر:۹۔

Marfat.com

اب تک یہ اللہ تعالیٰ ہی کی حمایت اور حفاظت کا اثر ہے جو قرآن ہر قسم کی تبدیلی سے بچا ہوا ہے، رہی طباعت کی غلطیاں سو اس کی تصحیح اور اصلاح کرنے کے لئے سینکڑوں انسان موجود ہیں، نیز اس میں کوئی غلطی ایسی مشتبہ اور چھپی ہوئی نہیں ہوتی کہ جس سے اُس کی اصلیت پر تاریکی کا پردہ پڑ جائے، اور حقیقت حال معلوم نہ ہو سکے، اور یہی مطلب اس آیت کا ہے: لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ قرآن مجید میں کسی طرف سے باطل کی گنجائش نہیں ہے۔ [1]

(۱۴۳) سات بدنصیب مشرکینِ مکہ کے متعلق حضور ﷺ کی بددعا

مکہ کے سردار رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دل لگی کرتے اور اُن کا مذاق اُڑایا کرتے تھے، ایک مرتبہ نبی علیہ السلام بیت اللہ کے قریب نماز ادا فرما رہے تھے، ابوجہل اور اُس کے چند ساتھیوں نے جب آپ کو دیکھا تو عقبہ بن ابی معیط کو اشارہ کیا، وہ ایک ذبح کئے ہوئے جانور کی اوجھڑی جس میں گندگی بھری ہوئی تھی، اُٹھا لایا اور جس وقت رسالت پناہ ﷺ سجدہ میں گئے تو اس بھری ہوئی اوجھ کو آپ کی پشت پر رکھ دیا، پھر اس حرکت کے بعد وہ دیر تک ہنستے رہے، یہاں تک کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کی چھوٹی صاحبزادی کو خبر ہوئی، وہ آئی اور انہوں نے اوجھڑی آپ ﷺ کی پشت سے اُتار پھینکی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جو اس حدیث کے راوی ہیں، فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ان بدذاتوں کے حق میں بددعا فرمائی، چنانچہ ان میں سے ٦ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے گئے، اور عمارہ بن ولید حبشہ جا کر دیوانہ ہو گیا، اور اسی حالت میں مر گیا، یہی سات آدمی تھے جن کے بارے میں حضور ﷺ نے بددعا فرمائی تھی، ان کے علاوہ ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، عدی بن قیس، اسود بن مطلب، اسود بن عبدیغوث یہ پانچوں سردار رسول اللہ ﷺ کی ہنسی اُڑاتے اور ایک ساتھ بیہودہ مذاق کرنے میں سب سے آگے رہتے تھے، قرآن میں ان کے متعلق یہ خبر دی گئی:

---

[1] حم السجدہ: ۴۲۔

Marfat.com

اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ [1]

اے ہمارے پیارے نبی! آپ ان مذاق اُڑانے والوں سے دل تنگ نہ ہوں، ہم ان سے اس گستاخی کا بدلہ لینے والے ہیں۔

اس آیت کے نازل ہونے کے چند دن بعد ان پانچوں (بدذات) آدمیوں کا خاتمہ ہوگیا، ولید کا پاؤں اپنے تیر سے زخمی ہوگیا، اور وہ اسی صدمہ سے مرگیا، عاص بن وائل کے پاؤں میں کانٹا چبھا اور پاؤں سوج کر چکی کی طرح ہوگیا، اور اسی حالت میں جہنم رسید ہوا، اسود بن مطلب کو آنکھوں کی تکلیف ہوئی، آخر اندھا ہو کر مرگیا، عدی بن قیس کی ناک سے خون اور پیپ جاری ہوگئی، جس سے وہ جان بر نہ ہوسکا، اور اسود بن عبد یغوث ایک درخت کے نیچے بیٹھا بیٹھا دیوانہ اور پاگل ہوگیا، اس دیوانگی کی حالت میں درخت سے سر ٹکرا کر مرگیا۔ ظاہر ہے کہ یہ سزائیں اُن گستاخوں کو قدرتی طور پر دی گئیں تھیں، پیغمبر خدا ﷺ ان سزاؤں کے دینے پر ہرگز قدرت نہ رکھتے تھے، اس لئے معلوم ہوا کہ اس سزا دہی کا وعدہ کرنے والا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا نہیں تھا۔

(۱۴) مسلمانوں کو تونگری و دولت مندی عطا کرنے کا وعدہ

مکہ اور خیبر فتح ہوجانے کے علاوہ مزید خوشخبری مسلمانوں کو اس سورت میں یہ سنائی گئی:

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا [2]

مسلمانو! اللہ تعالیٰ اور بہت سا سامان غنیمت دینے کا تم سے وعدہ کرتا ہے۔

یہ اسی وعدہ کا نتیجہ تھا کہ قیصر و کسریٰ کے خزانے لٹ کر مسلمانوں کے ہاتھوں میں پہنچے، غریب اور مفلس مسلمان جنگوں میں شریک ہونے کی وجہ سے دولت مند مالدار بن گئے، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی زمین جو غابہ میں تھی اور دوسرے مکانات اور اموال کی قیمت جو آپ کے وارثوں نے ان کے بعد لگائی تو ۵ کروڑ دو لاکھ تھی، یہ تمام مال غنیمت ہی میں حاصل کیا تھا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ شاہ سوارِ اسلام کو غزوہ ذات السلاسل میں ہرمز کو قتل کرنے کے بعد ایک ٹوپی ملی، جس کی قیمت ایک لاکھ درہم تھی۔

---

[1] سورۃ الحجر: ۹۵۔ [2] سورۃ الفتح: ۲۰۔

Marfat.com

اس قسم کی پیشین گوئیاں تھیں، جن کی وجہ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جب کسی اسلامی لشکر کو دشمن کے مقابلہ میں بھیجا کرتے تو ان کو فتح ونصرت کی خوشخبری سنایا کرتے تھے اور ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ایسا ہی کرتے رہے اور وہ ویسی ہی ہوتی رہیں، غرض تنگدستی اور افلاس کو دور کر کے تونگری اور دولتمندی عطا کرنے کا جو وعدہ مسلمانوں سے قرآن میں کیا گیا تھا وہ پورا ہو کر رہا۔

(۱۵) ولید بن مغیرہ کے متعلق ذلت ورسوائی کی پیشین گوئی

ولید بن مغیرہ قرآن مجید کے جھٹلانے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمسخر کرنے میں سب سے آگے رہتا تھا، اگرچہ اس کی یہ حرکت مسلمانوں کو ناگوار گزرتی تھی، لیکن ولید مکہ والوں میں باعزت اور مالدار آدمی تھا، اس لئے اُس کو اس فعل سے روکنے کی مسلمانوں میں سے کسی کو جرأت نہیں ہوتی تھی، اُس وقت اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے صدمہ اور رنج کو دور کرنے کے لئے قرآن میں مسلمانوں سے یہ وعدہ فرمایا:

سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ [1]

ہم عنقریب اس کی ناک پر ذلت اور رسوائی کا نشان لگائیں گے۔

یہ خبر مکہ میں اُس وقت دی گئی جبکہ مسلمانوں میں دشمنوں سے مقابلہ کرنے کی معمولی طاقت بھی نہ تھی، بلکہ انہیں اپنی جان بچانی مشکل ہو رہی تھی، مگر جب ہجرت کے دو سال بعد بدر کی لڑائی ہوئی تو ولید کی ناک پر تلوار کا ایسا گہرا زخم آیا کہ اچھے ہونے کے بعد بھی اُس کا نشان نہ مٹ سکا، یہ زخم جنگ میں تلوار کے ساتھ آیا، تلوار سے صحیح نشانہ پر زخم لگانا اور وہ بھی جنگ کی حالت میں سخت دشوار ہے، پھر ہاتھ اتنا تُلا ہوا مارنا کہ ناک پر اتنا زخم پہنچے کہ جس سے اُس کا جبڑا یا ناک کٹ کر بالکل الگ نہ ہو، بلکہ اُس میں ایک ایسا گھاؤ یا نشان پڑ جائے، جس کی قرآن عزیز نے خبر دی ہے، یقیناً اس بات کی کھلی ہوئی شہادت ہے کہ یہ جو کچھ ہوا، خدائی تائید اور اُسی کی مدد سے ہوا، انسانی ارادہ اور اس کی طاقت کا اس میں ذرہ برابر دخل نہ تھا۔

---

[1] سورۃ القلم۔

Marfat.com

(۱۶) رئیسِ مکہ کے متعلق مفلسی وناداری کی حالت میں مرنے کی پیشین گوئی

ولید مکہ کا رئیس اور بڑا مالدار آدمی تھا، دولتمندی اور ریاست کی وجہ سے لوگ اُس کو ریحانہ قریش یعنی قریش کا گلدستہ کہا کرتے تھے، مکہ میں سوداگری کرتا تھا، اُس کو اس سے کافی نفع تھا، چاندی سونے کے علاوہ مال مویشی کی اُس کے پاس کوئی کمی نہ تھی، زمین اور جائیداد کا مالک تھا، دس اُس کے لڑکے تھے، مگر جتنی اُس کے پاس دولت زیادہ تھی، اسی قدر اللہ اور رسول کا نافرمان بھی زیادہ تھا، جب اس نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلانے اور اُس کے سچے رسول کی توہین اور تضحیک کرنے میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا اور پیغمبر ﷺ کی سرکشی اور انکار کرنے میں حد سے گزر گیا تو اُس وقت قرآن میں اُس کی یہ سزا سنائی گئی:

ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ ، كَلَّا ؕ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا [۱]

چونکہ یہ ہماری آیتوں کو جھٹلاتا رہتا ہے، اس لئے اب اُس کی دولت ہرگز نہیں بڑھے گی، بلکہ گھٹتی ہی جائے گی۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا، اس آیت کے نازل ہونے کے بعد اُس کی تجارت گھٹ گئی، اور کاروبار میں نقصان رہنے لگا، یہاں تک کہ مفلس اور نادار ہو کر اس رنج میں ذلت کے ساتھ مر گیا، ہر شخص جانتا ہے کہ ظاہری اسباب کے بغیر کسی کو مفلس بنانے والا اللہ کے سوا کوئی نہیں ہوسکتا۔

قرآن کی ایسی آیات جن میں دل کے چھپے ہوئے رازوں کو ظاہر کیا گیا ہے

(۱) اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ [۲]

جن لوگوں کو ہم نے توریت اور انجیل کا علم دیا ہے، وہ اس میں لکھی ہوئی نشانیوں کی وجہ سے آپ کے نبی ہونے کو ایسا یقین کے ساتھ جانتے ہیں جیسا کہ وہ اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں۔

---

[۱] المدثر:۱۵،۱۶۔ [۲] سورۃ البقرۃ:۱۴۶۔

Marfat.com

اس آیت میں آپ ﷺ کے متعلق جو اہل کتاب کو علم اور یقین حاصل ہے، اُس کی اطلاع دی گئی ہے، ظاہر ہے کہ علم اور معرفت کا تعلق دل سے ہے، جس کا پتہ اللہ کے سوا کسی غیر کو نہیں چل سکتا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے جو شروع میں یہودیوں کے زبردست عالم تھے، اور بعد میں مسلمان ہو گئے، اس آیت کے متعلق دریافت کیا کہ کیا تم ایمان لانے سے پہلے آپ ﷺ کے نبی ہونے کو یقینی طور پر جانتے تھے؟ انہوں نے جواب میں کہا کہ عمر! اللہ کی قسم ہمیں اپنی اولاد کے اولاد ہونے میں شک ہو سکتا ہے، شاید اُس کی ماں نے کوئی خیانت کر لی ہو لیکن ہمیں آپ ﷺ کے نبی ہونے میں ذرّہ شک اور شبہ نہیں ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ جواب سن کر حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی پیشانی چوم لی۔

ایک مرتبہ یہودیوں نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ توریت میں زانی کی سزا اسنگسار کرنا نہیں لکھی بلکہ ایسی عورت اور مرد کی یہ سزا ہے کہ اُس کا منہ کالا کریں اور گدھے پر سوار کر کے گلی کوچوں میں اُس کو ذلیل اور رسوا کریں، حضور ﷺ نے فرمایا تم غلط کہتے ہو، اور توریت میں زانی مرد عورت کی سزا اسنگسار کرنا اور پتھروں کے ساتھ مار ڈالنا لکھی ہے، یہودی جانتے تھے کہ حضور ﷺ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے اور توریت سے واقف نہیں جو وہ اُس سے ثبوت پیش کر سکیں، اس لئے وہ انکار پر مصر رہے، رسولِ خدا ﷺ نے اس صوریا یہودی کو جو یہودیوں میں مانا ہوا عالم تھا، قسم دی کہ تجھے اس ذات پاک کی قسم ہے جس نے موسیٰ علیہ السلام پر توریت نازل فرمائی، اور ان کو فرعون کے پنجے سے نجات دی، کیا توریت میں زانی کی سزا رجم کرنا نہیں ہے؟ اس نے جواب دیا کہ بے شک توریت کا یہی حکم ہے، یہودی یہ سُن کر اس کے پیچھے پڑ گئے اور برا بھلا کہا۔ اُس صوریا نے کہا کہ اگر میں آپ ﷺ کے سامنے جھوٹ بولتا تو عذابِ الٰہی سے ہلاک کر دیا جاتا۔

(۲) منافقین اسی خیال سے کہ مسلمانوں پر اُن کا اصل راز نہ کھل جائے، مسجد میں آتے اور سب کے سامنے نمازیں پڑھتے تھے، قرآن نے ان کے متعلق یہ خبر دی کہ یہ شوق اور محبت سے مسجد میں نہیں آتے اور نہ دل سے نماز پڑھتے ہیں بلکہ ان کی باطنی حالت یہ ہے:

Marfat.com

وَاِذَا قَامُوۡۤا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوۡا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوۡنَ النَّاسَ وَلَا يَذۡكُرُوۡنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيۡلًا [1]

جب وہ نماز پڑھنے کھڑے ہوتے ہیں تو سستی اور بیدلی کے ساتھ ہوتے ہیں، لوگوں کو دکھلانے کے لئے نماز پڑھتے ہیں، اس لئے وہ اللہ کا ذکر بہت کم کرتے ہیں۔

سستی، بیدلی اور ریاکاری یہ سب چیزیں دل سے تعلق رکھتی ہیں اور دلی حالت کا جاننے والا اللہ کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہے، اس آیت کے نازل ہونے کے بعد مسلمانوں نے منافقین کی نمازوں پر نظر رکھنی شروع کر دی، چنانچہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے نقل ہے کہ ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبح کی نماز سے فارغ ہو کر فرمانے لگے کہ فلاں شخص حاضر ہے، لوگوں نے کہا ''نہیں'' پھر آپ نے فرمایا کہ فلاں عرض کیا گیا، وہ بھی حاضر نہیں، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ دونوں نمازیں منافقوں پر گراں ہیں، یعنی صبح اور عشاء کی نماز پڑھنا منافقوں کے لئے سخت مشکل ہے، عشاء کی نماز میں تو وہ اس لئے نہیں آتے تھے کہ مسجد کے اندر کوئی چراغ نہ تھا، اور اندھیرے کی وجہ سے کسی کے آنے اور نہ آنے کا پتہ نہیں چلتا تھا اور صبح کی نماز بالعموم سویرے ہوتی ہے، وہ اس وقت سوئے رہتے تھے۔

اگر واقعی ان کو نماز سے محبت ہوتی تو دوسرے لوگوں کی طرح وہ بھی مسجد میں ضرور حاضر ہوتے، راحت اور آرام کی وجہ سے نماز کو کبھی نہ چھوڑتے لیکن اُن کی تو یہ حالت تھی کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی لوگوں کو ترغیب اور تحریص فرمائی، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد تمام مسلمان مسجد میں نماز پڑھنے کے واسطے آتے تھے، مگر منافقین پھر بھی ہر نماز میں شریک نہیں ہوتے تھے، ان حالات سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ ریاکاری اور دکھلاوے کی نماز پڑھتے تھے، دل سے اُن کو اس بات کا شوق نہ تھا، اور اُسی کی قرآن نے خبر دی تھی۔

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غزوہ تبوک میں ۲ مہینے لگ گئے، اس دو مہینے کے عرصہ میں قرآن کا جو حصہ یا

---

[1] سورۃ النساء: ۴:۱۴۲۔

Marfat.com

آیتیں نازل ہوئیں، اُن میں اکثر ان منافقین کے حالات بیان کئے گئے جو اس جنگ میں مسلمانوں کے ساتھ شریک نہیں ہوئے تھے، اور اپنے گھروں میں بیٹھے ہوئے حضرت محمد ﷺ اور مسلمانوں کی مذمت اور برائیاں کرتے اور اُن کو برا کہتے تھے اور اس خیال سے کہ مسلمان اس سفر میں زندہ اور سلامت نہ بچیں گے، اپنے شریک نہ ہونے پر بغلیں بجاتے تھے، اللہ تعالیٰ نے منافقین کی ان حرکتوں سے مسلمانوں کو آگاہ کیا اور اُن کی منافقانہ چالوں پر مذمت اور برائی بیان کی۔

ان بعض منافقین کو جو اُس غزوہ میں مسلمانوں کے ساتھ شریک تھے، یہ بات بہت گراں گزری، مگر وہ اپنے غیظ وغضب کو ظاہر کرنے سے مجبور تھے لیکن ایک دن جلاس بن سوید منافق نے اپنی جماعت میں یہ کہا کہ محمد ﷺ ہمارے آدمیوں پر جھوٹے الزام لگاتے ہیں، ان میں ہرگز یہ عیب نہیں ہیں اور اگر محمد ﷺ کی کہی ہوئی باتیں سچی مان لی جائیں تو ہم اور ہمارے بزرگ سب کے سب گدھے اور بیوقوف ٹھہرے، اتفاق سے اس جماعت میں عامر بن قیس انصاری رضی اللہ عنہ سچے اور مخلص مسلمان بھی موجود تھے، جب انہوں نے اُس کی زبان سے یہ الفاظ سنے تو غیرت ایمانی جوش میں آگئی اور غصہ ہو کر یہ فرمایا کہ بے شک تم سب گدھے ہو اور رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ خبر دی ہے وہ بالکل صحیح اور درست ہے، حضور ﷺ کو بھی اس واقعہ کی اطلاع ہوگئی، جلاس بن سوید کو بلاوا بھیجا، اُس نے اس سے صاف انکار کیا اور قسم کھائی کہ عامر نے جو کچھ کہا وہ بالکل جھوٹ ہے، میں نے ہرگز ایسا نہیں کہا، اب عامر کے پاس کوئی گواہ نہ تھا، جو اُن کی تصدیق کرتا مجبور ہو کر خاموش ہونا پڑا، اور اللہ تعالیٰ سے یہ التجاء کرنے لگے، الٰہی حق کی حمایت اور سچ کو ظاہر فرما، اللہ تعالیٰ نے اُن کی آواز سنی اور حق کو ظاہر کرنے کے لئے یہ آیت نازل فرمائی:

يَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ [1]

وہ قسم کھاتے ہیں کہ ہم نے نہیں کہا، بے شک انہوں نے ایسا کلمہ کہا ہے جس کے کہنے سے وہ اسلام ظاہر کرنے کے بعد پھر کافر ہوگئے۔

---

[1] سورۃ التوبۃ: ۷۴۔

Marfat.com

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد جلاس نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی خطا اور عامر کے سچا ہونے کا اقرار کیا، اور پھر توبہ کر کے مخلص اور دیندار مسلمانوں میں داخل ہو گیا۔ اس آیت پر جلاس کا فوراً اپنی خطا کا اقرار کرنا، اور اُس پر ندامت کا اظہار کرتے ہوئے سچی توبہ کر لینا، اس امر کی دلیل ہے کہ اُس کے نزدیک قسم کے بعد حضرت محمد ﷺ کے خیال کو بدلنے والا اور اس کی اصلیت سے اُن کو مطلع اور خبردار کرنے والا اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات کے سوا اور کوئی نہیں تھا، اور اُس نے سمجھ لیا کہ جس طرح میرے متعلق آپ کو صحیح اطلاع دی گئی ہے، اسی طرح مدینہ کے رہنے والے منافقین کے بارے میں بھی جو کچھ خبریں دی گئیں ہیں وہ بالکل صحیح اور درست ہیں۔

مخالفین کی پوشیدہ اور چھپی ہوئی باتوں کا بیان

(ا) پہلی آسمانی کتابوں خصوصاً توریت اور انجیل میں نبی آخر الزمان ﷺ کے شناخت اور پہچان کی علامت اور نشانیاں تین قسم کی مذکور تھیں:

۱۔ نبی عربی ﷺ کا اسمِ گرامی۔

۲۔ اخلاق اور واقعات کے متعلق خاص خاص باتیں۔

۳۔ حلیہ شریف۔

خمیسی نے اپنی تاریخ میں لکھا کہ توریت میں آپ کا نام "اَلْمخمنّا" ہے جس کے معنی محمد ﷺ ہیں، اور انجیل میں "فارقلیطا" جو احمد ﷺ کے ہم معنی ہے، کعب الاحبار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ توریت میں حضور ﷺ کا نام محمد رسول اللہ لکھا ہوا ہے، حسن بن محمد الدامغنی نے اپنی کتاب ''شوق العروس وانس والنفوس'' میں لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا نام توریت میں ''موذ موذ'' اور انجیل میں ''طاب طاب'' زبور میں فاروق اور دوسرے آسمانی صحیفوں میں عاقب ہے۔

کعب الاحبار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ کے اخلاق حمیدہ اور بعض خصوصی حالات کے متعلق توریت میں یہ

Marfat.com

لکھا ہوا ہے کہ محمد ﷺ اللہ کے سچے رسول اور اُس کے پسندیدہ بندہ ہیں، تند خو اور سخت طبیعت نہیں ہیں، نہ بازاروں میں شور مچانے والے اور نہ برائی کا برائی کے ساتھ بدلہ دینے والے ہیں، بلکہ عفو اور درگزر کرنے والے ہیں، اُن کا مولد اور پیدائش کی جگہ مکہ اور ہجرت گاہ مدینہ ہوگا، حکومت اُن کی ملک شام میں قائم ہوگی۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ توریت میں رسول اللہ ﷺ کی یہ صفت بھی لکھی ہوئی ہے کہ آپ کے پاس عیسیٰ بن مریم علی نبینا و علیہ السلام مدفون ہوں گے، توریت میں رسول اللہ ﷺ کی ایک نشانی یہ بیان کی گئی کہ آپ شروع میں چند دن بیت المقدس کی طرف نماز میں اپنا رُخ کریں گے، پھر ہمیشہ کے لئے خانہ کعبہ آپ کا قبلہ بنا دیا جائے گا، توریت میں آپ کا حلیہ شریف اس طرح بیان کیا گیا ہے، خوبصورت چہرہ، سر کے بال خوشنما آنکھوں میں قدرتی طور پر سرمہ کے ڈورے، قد درمیانہ۔

مگر جب آپ نے مکہ چھوڑ کر مدینہ منورہ میں مستقل قیام کا ارادہ فرمایا تو یہودی مذہب کے عالموں کو یہ خطرہ لاحق ہوا کہ اگر عام یہودیوں اور ناواقف لوگوں کو نبی آخر الزمان کی سچی نشانیاں اور اُن کا صحیح حلیہ بتا دیا گیا تو یہ لوگ ہماری پیروی اور اتباع کو چھوڑ کر محمد عربی ﷺ کے ساتھ لگ جائیں گے اور جو فائدے ہم کو متبعین اور عقیدتمندوں سے حاصل ہوتے ہیں، وہ سب کے سب جاتے رہیں گے، ہماری پیشوائی اور سرداری خاک میں مل جائے گی، اس لئے علماء یہود نے آپ کا اصلی حلیہ توریت سے مٹا کر اُس جگہ یہ لکھ دیا، دراز قد، نیلگوں آنکھیں، بال سیدھے، جب کوئی اُن کے متبعین میں سے نبی آخر الزمان کا حلیہ دریافت کرتا تو خود ساختہ حلیہ پڑھ کر سنا دیتے۔

ان کے اس مکروفریب کو ظاہر کرنے کے لئے قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی:

فَوَيۡلٌ لِّلَّذِيۡنَ يَكۡتُبُوۡنَ الۡكِتٰبَ بِاَيۡدِيۡهِمۡ ۗ ثُمَّ يَقُوۡلُوۡنَ هٰذَا مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ لِيَشۡتَرُوۡا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيۡلًا [1]

ان لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے، جو اللہ کی کتاب توریت میں اپنی طرف سے ایک بات

[1] سورۃ البقرۃ:۷۹۔

Marfat.com

لکھ کر اُس کو اللہ کی جانب منسوب کرتے ہیں، تا کہ اُس کے بدلہ میں دنیا کا کچھ نفع حاصل کرلیں۔

(۲) طعمہ بن ابیرق منافق نے زرہ چوری کر کے ایک یہودی کے پاس چھپادی، مسلمانوں نے نشان لگاتے لگاتے یہودی کو جا پکڑا، یہودی نے کہا کہ طعمہ میرے پاس زرہ امانت کے طور پر رکھ گیا ہے اور بخدا میں نے چوری نہیں کی، جب یہودی نے اپنی برأۃ پیش کر دی تو مسلمانوں نے طعمہ کو چوری کے الزام میں پکڑ لیا، طعمہ کے رشتہ داروں اور اُس کی جماعت کے دوسرے منافقین نے رات کو یہ مشورہ کیا کہ صبح مجلس نبوی میں جا کر طعمہ کے بے گناہ ہونے پر قسمیں کھائیں، اور چوری کا الزام جس طرح بھی ہو، یہودی کے سر مڑھیں، رات کو یہ مشورہ ہوا، صبح سویرے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے سے پہلے نبی کریم ﷺ کو تمام واقعہ کی بذریعہ وحی اطلاع ہوگئی، اور آپ پر یہ آیت نازل ہوئی:

يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا [1]

وہ لوگوں سے چھپاتے ہیں اور اللہ سے نہیں چھپاتے باوجود یہ کہ وہ اس وقت بھی اس کے ساتھ تھا، جب وہ ایک بے گناہ کو پھنسانے کا مشورہ کر رہے تھے جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے احاطہ علمی سے وہ چیز باہر نہیں ہے۔

خدائی اطلاع کے بغیر اس مشورہ سے واقف ہونے کا کوئی ذریعہ مسلمانوں کے پاس نہیں تھا، اس لئے معلوم ہوا کہ یہ خبر بھی اللہ ہی کی بتائی ہوئی ہے۔

تحدّی بالقرآن (قرآنی چیلنج)

قرآن کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی نازل کی ہوئی کتاب ہے، مخلوقات میں سے کوئی شخص اس طرح کا فصیح وبلیغ کلام نہیں بنا سکتا۔

---

[1] سورۃ النساء: ۱۰۸۔

Marfat.com

جب محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نبوت کا دعویٰ کیا اور یہ بات ظاہر کی کہ مجھ پر اللہ کا کلام قرآن نازل ہوتا ہے تو عرب کے فصیح و بلیغ انسانوں کے سامنے اپنی سچائی کے ثبوت میں ایک ہی بات پیش کی، اور وہ یہ تھی:

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ [1]

جو کتاب ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کی ہے، اگر تمہیں اس کے کلام الٰہی ہونے میں شک ہے تو تم بھی اس طرح کی ایک چھوٹی سی سورت بنا کر لاؤ۔

حق و باطل، سچ اور جھوٹ کے فیصلہ کے لئے جو بات اُن کے سامنے پیش کی گئی وہ اُن کے لئے نہایت درجہ سہل اور آسان چیز تھی، کیونکہ وہ عربی زبان کے ماہر، نظم و نثر کے مالک تھے، اُن کی طاقت لسانی اور زبان آوری کا شہرہ عرب کے ہر حصہ میں پھیلا ہوا تھا، وہ اپنے مقابلہ میں دنیا کی قوموں کو گونگا اور اپنے آپ کو ناطق اور بولنے والا کہتے تھے، نیز ان میں ایسے نامور شعراء اور زبان دان ادیب موجود تھے جو کعبہ کے دروازے پر اپنے لکھے ہوئے قصیدے لٹکاتے اور تمام عرب کو اس کا مقابلہ کرنے کے لئے دعوت دیتے تھے، عتبہ بن ربیعہ جیسا بلیغ الکلام اور شیریں زبان آدمی مکہ میں مقیم تھا، ولید بن مغیرہ جس کی زبان دانی عرب میں مسلم تھی، اور لوگ اپنی کلام اصلاح کی غرض سے اس کے سامنے پیش کرتے تھے، ابھی تک ان میں زندہ موجود تھا۔

اس سہولت اور آسانی کے باوجود اُن کو مقابلہ پر ابھارنے اور برانگیختہ کرنے والے اسباب بھی موجود تھے، کیونکہ قرآن میں اُن کے معبودوں کی برائی بیان کی جاتی، اُن کو چھوڑ کر ایک اللہ کے سامنے جھکنے کی تعلیم دی جاتی تھی، کبھی اُن کے آباء واجداد کو گمراہ بتایا جاتا، اُن کی رائے کی غلطی اور بیوقوفی اُن پر ظاہر کی جاتی، اور گاہے اُن کی خودسری کو توڑ کر اطاعت اور فرمانبرداری کا سبق دیا جاتا، ایمان نہ لانے کی صورت میں عذاب الٰہی سے ڈرانے، شرم اور غیرت دلانے والے الفاظ بھی اُن سے کہے جاتے، تاکہ وہ قرآن کا مقابلہ کرنے کے واسطے تیار ہوں مگر وہ کمزور انسان کی طرح منہ چھپائے رہتے اور کبھی مقابلہ پر نہیں آتے تھے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن عزیز ان کی نظر میں بے مثل تھا اور یہی اس کے کلام الٰہی ہونے کی نشانی ہے۔

---

[1] سورۃ البقرۃ: ۲۳۔

Marfat.com

بے مثل و بے مثال کتاب

بسا اوقات ایک بات ذکر کی جاتی ہے جس کے اشارہ یا اقتضاء اور دلالت سے دوسری بات سمجھی جاتی ہے، تو اس اشارہ ہی پر اکتفا کرلیا جاتا ہے، اور اس کو صریح حکم کی شکل میں ذکر نہیں کیا جاتا اور اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے ایسے الفاظ منتخب کئے جاتے ہیں، ایسی ترکیب میں اُن کو لایا جاتا ہے کہ ایک ہی عبارت سے متعدد فائدے اور مختلف احکام ظاہر ہونے لگتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید کے ہر ہر لفظ میں رموز اور نکات کا ایک خزانہ بھرا ہوا نظر آتا ہے اور جو اعتراض صدیوں کے بعد لوگوں کے دماغ میں پیدا ہونے والا ہے، اُس کا جواب قرآن عزیز ہی کے لفظوں میں موجود ہوتا ہے۔

اپنے کلام میں اِن تمام باتوں کی رعایت کرنے والا اور عالم کے دوسرے معاملات کے ساتھ اپنے کلام میں مشابہت پیدا کرنے والا اللہ کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہوسکتا اور یہی وجہ اس کے بے مثل ہونے کی ہے۔

مثال: جس شخص کے ایک لڑکی یا دو سے زیادہ لڑکیاں ہوں، اور لڑکا کوئی نہ ہو تو اُس کی میراث اور ترکہ کے تقسیم کرنے کا قاعدہ اور ضابطہ قرآن مجید میں یہ بیان کیا گیا ہے:

فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَۚ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ [1]

اگر مرنے والے کی وارث محض لڑکیاں ہی ہوں اور لڑکا کوئی نہ ہو تو ایک لڑکی کل جائیداد کا آدھا لے گی اور لڑکیاں دو سے زیادہ ہیں تو تمام لڑکیوں کو دو تہائی دینا چاہئے۔

ایک اور دو سے زیادہ لڑکیوں کا حال تو بیان کیا گیا لیکن اگر کسی شخص کی وارث دو لڑکیاں ہوں تو اُن کا حصہ میراث میں کتنا ہوگا، اس کا ذکر قرآن شریف میں صریح طور پر کسی جگہ نہیں آیا، کیونکہ اگر لڑکا اور لڑکی دونوں وارث ہوں تو جائیداد کے تقسیم کرنے کا طریقہ اس طرح بیان کیا ہے: لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے، یعنی اگر کسی کے وارث ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہو تو کل جائیداد کو تین حصوں پر تقسیم

---

[1] سورۃ النساء: ١١۔

Marfat.com

کیا جائے، جس میں سے دو تہائی لڑکے کا اور ۳/۱ لڑکی کا ہے۔

اس صورت میں ایک لڑکی کا حصہ ۳/۱ ہے اور دو لڑکیوں کے برابر یعنی ۳/۲ لڑکے کا ہے، تو اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ دو لڑکیوں کا حصہ میراث میں ۳/۲ ہے، دوسرے جب لڑکی اپنے بھائی کے ساتھ ۳/۱ کی مالک ہو جاتی ہے، باوجود یہ کہ بھائی کا درجہ اُس سے زیادہ ہے تو اس کے ساتھ جب دوسری لڑکی ہو گی تو اس وقت وہ بطریق اولیٰ ۳/۱ کی وارث ہو گی۔

جب ایک لڑکی ۳/۱ کی مالک ہے تو ۲ لڑکیاں یقیناً ۳/۲ کی وارث ہوں گی۔ تیسرے دو بہنوں کا حصہ ۳/۲ قرآن میں ذکر کیا گیا ہے، لڑکیاں رشتہ میں بنسبت بہنوں کے زیادہ قریب ہیں تو وہ بدرجہ اولی ۳/۲ کی مالک ہونی چاہئیں، چونکہ ان آیتوں کا ذکر اس طرح کیا گیا تھا کہ اس سے ۲ لڑکیوں کا حصہ بالکل ظاہر اور واضح تھا اس لئے اس کو صراحتہً بیان کرنے کی ضرورت نہ سمجھی گئی، ادھر اُن آیتوں کا کمال بھی ظاہر ہو گیا کہ مختصر ہونے کے باوجود بہت سے معانی پر حاوی ہیں۔

اور جو علمِ میراث سے واقفیت رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ پچاس صفحہ کا مضمون وراثت قرآن عزیز میں ایک صفحہ کے اندر کس خوش اسلوبی کے ساتھ درج کیا گیا ہے۔

اسلام آباد (پاکستان) کے ایک ماہرِ کمپیوٹر نے ایک سافٹ وئیر تیار کیا ہے، جس میں تقسیمِ وراثت کی دو کروڑ صورتیں فرض کر کے آیاتِ وراثت کی روشنی میں ان کا جواب دیا گیا ہے۔

ایک اور پہلو سے قرآن کا دلپذیر ایجاز

جس طرح قدرت نے مخلوقات میں جو چیز جس جگہ رکھ دی ہے، اُس کو اُسی جگہ رکھنے سے مطلوبہ فوائد حاصل ہوتے ہیں، اگر اس میں معمولی تبدیلی یا تغیر پیدا کر دیا جائے تو اس شکل کی خوبصورتی نہیں رہتی اور غرض فوت ہو جاتی ہے، بعینہ یہی حال قرآن مجید کا ہے، اگر اس میں کسی جگہ سے ایک لفظ ہٹا کر اُس کی جگہ اُسی کے ہم معنی دوسرا لفظ رکھ دیا جائے تو عبارت کی روانی اور کلام کی رونق جاتی رہتی ہے، اور جس غرض سے پہلا لفظ ذکر کیا تھا،

Marfat.com

وہ غرض بھی باقی نہیں رہتی، مثلاً:

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى [۱] ''جو کچھ دل نے دیکھا، وہ صحیح دیکھا''۔

فواد اور قلب یہ دونوں لفظ عربی زبان میں ہم معنی اور مترادف ہیں، اگر اسی آیت میں بجائے الفؤاد کے القلب رکھدیں اور یوں کہیں مَا كَذَبَ الْقَلْبُ مَا رَاٰى تو کلام کی خوبی جاتی رہے گی، کیونکہ جو تناسب اور توازن اس جگہ لفظ فواد کو حاصل ہے وہ قلب کو ہرگز نہیں ہے، کیونکہ قلب کی ب اور ما کی م نے جمع ہو کر تناسب اڑا دیا۔

اسی طرح اگر اس آیت میں:

اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ [۲]

''بے شک اس میں ان لوگوں کے واسطے نصیحت ہے جن کے پاس دل ہے، اور وہ کان لگا کر اس کلام کو سنتے ہیں''۔

بجائے قلب کے فؤاد رکھ دیا جائے تو پھر کلام کی حلاوت اور شیرینی رخصت ہو جائے گی، اس کے علاوہ یہاں قلب کے معنی عقل کے بھی لگ سکتے ہیں، اور یہ بات فواد میں نہیں ہے اور اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ نے تو کلام میں وہ لطافت پیدا کی ہے کہ اگر اس کی جگہ اس معنی کو ادا کرنے کے واسطے کوئی دوسرا لفظ رکھا جائے تو یہ خوبی اور حسن کلام میں کبھی پیدا نہیں ہوسکتا۔

مثال نمبر ۲۔ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ [۳] جو شخص نیکی کرتا ہے اُس کا فائدہ اُسی کے لئے ہے اور جو بدی اور گناہ کا کام کرتا ہے اُس کا نقصان بھی اُسی کو پہنچے گا۔

کسب کے معنی کمانا اور اکتساب کے معنی شوق اور کوشش سے کمانا ہیں، چونکہ انسان طبعی طور پر بدی کی طرف زیادہ راغب ہے اور گناہ کے کاموں میں اُس کو لذت معلوم ہوتی ہے، اس لئے جو شوق اور رغبت انسان کو گناہ کرنے میں ہوتی ہے وہ نیکی کے کام میں نہیں ہوتی، اس لئے آیت میں بدی کیلئے اِكْتَسَبَتْ اور نیکی کیلئے

[۱] النجم:۱۱۔ [۲] ق:۳۷۔ [۳] البقرة:۲۸۶۔

Marfat.com

كَسَبَتْ کا لفظ استعمال کیا ہے، اگر اِكْتَسَبَتْ کی جگہ اُسی کے ہم معنی کوئی لفظ فَعَلَتْ، صَنَعَتْ، اِقْتَرَحَتْ، عَمِلَتْ وغیرہ میں سے رکھ دیا جائے تو موجودہ غرض کبھی حاصل نہ ہوگی، اور کلام کی روانی جاتی رہے گی۔

واہ! کیا کہنے قرآن کے

انسان اپنے کلام میں ہر جگہ واقعات کا نقشہ پیش نہیں کر سکتا، کیونکہ اس میں بہت سی جزئیات پر نظر رکھنی پڑتی ہے، جس کا ہر دفعہ پورا پورا خیال رکھنا انسان کی طاقت سے باہر ہے، مگر قرآن مجید کا انداز بیان کسی جگہ بھی نہیں بدلا، شروع سے لے کر آخر تک یہی حال ہے۔

مثال (۱): حضرت لوط علیہ السلام اپنی قوم کی بداعمالیوں سے سخت تنگ آئے ہوئے ہیں، ادھر قوم کا ذوق و شوق اس بدفعلی میں ترقی پر ہے، ان دونوں کے دلی جذبات اور وجدانی کیفیتوں کا نقشہ غیر صریح لفظوں میں اصل واقعہ کو ظاہر کرتے ہوئے کس خوش اسلوبی کے ساتھ کھینچا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا یَوْمٌ عَصِیْبٌ [۱]

جب اللہ کے فرشتے نوعمر لڑکوں کی شکل میں لوط علیہ السلام کے پاس آئے تو وہ اُن کی وجہ سے غمگین ہوا اور دل تنگ ہونے لگا اور کہا کہ آج بڑی مصیبت کا دن ہے۔

یعنی اُن کو اس بات کا خوف اور ڈر ہوا کہ مبادا میری قوم کو ان کے آنے کی خبر ہو جائے اور وہ اُن کا قصد کریں، اور میں اُن کی مدافعت نہ کر سکوں، ان خیالات کے جمع ہونے سے جو اضطراب اور بے چینی اُن کے دل میں پیدا ہوئی ہے، اُس کا اصل واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے ضمنی طور پر غیر صریح لفظوں میں بیان ہے، اِضْطَرَبَ وَخَافَ وَتَحَيَّرَ فِيْ اَمْرِهِمْ یعنی بے چین ہوا، ڈرا اور اُن کے بارے میں متحیر اور پریشان ہوا، نہیں کہا، جو اس مراد پر صراحۃً دلالت کرتے ہیں۔

آگے لوط علیہ السلام کی قوم کی وجدانی کیفیت اور دلی جذبات کی تصویر کھینچی ہے:

---

[۱] سورۂ ہود: ۷۷۔

Marfat.com

وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ

''لڑکوں کی خبر سن کر اُن کے پاس قوم بے تحاشہ بھاگتی ہوئی آئی''۔

لفظ يُهْرَعُوْنَ نے اُن کے دلی جذبات اور بداخلاقی کا فوٹو کھینچ کر رکھ دیا ہے، کیونکہ اس کے معنی گرتے پڑتے، اندھا دھند بھاگتے ہوئے آنا ہیں، جس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ ان کی قوم اس بدفعلی میں اس درجہ انہماک اور غلو رکھتی تھی کہ جہاں کہیں اُن کو یہ بات نظر آتی، پھر اُن سے صبر نہیں ہو سکتا تھا، آگے اس بداخلاقی کا ذوق وشوق پیدا ہونے کی وجہ اور علت بیان کی ہے:

وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ''اس سے پہلے بداعمالیوں میں مبتلا تھے''۔

حضرت لوط علیہ السلام اور اُن کی قوم کا مکالمہ اور آپس کی گفتگو نقل کرتے ہوئے حضرت لوط علیہ السلام کی پریشانی اور قوم کی بے ہودہ اور لغو حرکتوں سے نفرت اور اُن پر غصہ کی وجدانی حالت، ادھر لوط علیہ السلام کو اپنی بے کسی اور تنہائی کا خیال، ان تمام حالات کا سماں اس طرح باندھا ہے:

قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ [1]

اے میری قوم کے لوگو! یہ میری لڑکیاں ہیں تم ان سے نکاح کر لو، یہ تمہارے واسطے پاک اور ستھری ہیں، اللہ سے ڈرو اور میرے مہمانوں کے بارے میں مجھے ذلیل اور رسوا نہ کرو، کیا تم میں ایک آدمی بھی صلاح کار نہیں ہے۔

لفظ يٰقَوْمِ اور لَا تُخْزُوْنِ لوط علیہ السلام کی بے کسی اور مجبوری پر دلالت کرتے ہیں اور هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ میں اضطراب اور بے چینی کا اظہار ہے اور اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ سے معلوم ہوتا ہے کہ لوط علیہ السلام کو اس حرکت کی وجہ سے قوم پر سخت غصہ ہے، لیکن مغلوب اور بے یار ومددگار ہونے کے سبب اسی لفظ سے زیادہ اپنی قوم کو کچھ نہیں کہہ سکتے۔

---

[1] هود: ۷۸۔

Marfat.com

پھر قوم کی اس کام کے لئے انتہاء درجہ کی گمراہی کو ظاہر کیا ہے:

قَالُوا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِي بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَإِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيدُ [1]

قوم نے کہا تو جانتا ہے کہ ہمیں تیری لڑکیوں سے کوئی سروکار نہیں ہے، اور جو ہمارا ارادہ ہے تو اُس سے واقف اور باخبر ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام اپنی قوم کا یہ جواب سن کر مایوس اور مضطرب ہو کر فرماتے ہیں:

قَالَ لَوْ أَنَّ لِي بِكُمْ قُوَّةً أَوْ آوِي إِلَىٰ رُكْنٍ شَدِيدٍ [2]

کاش تمہارے مقابلہ کی مجھ میں قوت ہوتی یا کوئی میرا قوی اور زبردست مددگار ہوتا۔

اس تمام بیان میں طرفین کے دلی جذبات کا کس قدر صحیح اور ہو بہو نقشہ کھینچا ہے، مگر کسی جگہ بھی ان حالات پر دلالت کرنے کے لئے صریح الفاظ ذکر نہیں کئے۔

جب اُن آنیوالے مہمانوں نے حضرت لوط علیہ السلام کی بے چینی بڑھتی ہوئی دیکھی تو انہوں نے اپنے آپ کو ظاہر کر دیا اور بتایا کہ ہم انسان نہیں ہیں بلکہ اللہ کے فرشتے ہیں، اس قوم کو ہلاک کرنے کے لئے آئے ہیں:

إِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ''اور یہ کل صبح ہلاک کر دیئے جائیں گے''۔

حضرت لوط علیہ السلام جو اپنی قوم سے نہایت تنگ آئے ہوئے تھے، جب قوم کی ہلاکت کا حال سنتے ہیں تو بے چینی اور اضطراب قوم کی طرف سے جاتا رہتا ہے، اور اب یہ شوق ہوتا ہے کہ وہ گھڑی کب آئے گی جبکہ یہ ناہنجار قوم اپنے کیفر کردار کو پہنچے گی، اس شوق کی وجہ سے اضطرابی کیفیت جو دل میں پیدا ہوئی اُس کو اگلی آیت میں ظاہر کیا ہے:

أَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيبٍ ''یعنی اس قدر جلدی کرنے کی کیا ضرورت ہے، کیا صبح نزدیک نہیں ہے''۔[3]

---

[1] ہود:۷۹۔ [2] ہود:۸۰۔ [3] سورۂ ہود:۸۱۔

Marfat.com

مثال (۲): حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بڑھاپے میں جبکہ اُن کی عمر ۱۲۰ برس کی اور اُن کی بیوی حضرت سارہ ۹۹ برس کی ہو جاتی ہے ایک لڑکے کے پیدا ہونے کی بشارت اور خوشخبری دی جاتی ہے، یہ بات سُن کر اُن کی بیوی کو حیرت اور تعجب ہوتا ہے اور تعجب کرنے کے وقت اُن کے دل میں ایک عزت اور حیاء اور تحیر کا طوفان اُٹھتا ہے اور اس میں سے بے چینی اور ایک اضطرابی لہر پیدا ہوتی ہے، جس کو ان لفظوں میں ظاہر کیا گیا ہے:

فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِيْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ [1]

اس پر اُن کی بیوی زور سے پکارتی ہوئی آئیں، اور انہوں نے اپنے ماتھے پر ہاتھ مارا اور کہنے لگیں: (کیا) ایک بانجھ بڑھیا (بچہ جنے گی؟)۔

ان خیالات سے جو دل میں ایک بے چینی اور اضطراب کے ساتھ ساتھ حیاء اور شرم پیدا ہوئی اس حالت کا نقشہ غیر صریح لفظوں میں کس عمدگی اور خوش اسلوبی کے ساتھ کھینچا گیا ہے۔ اور ہاتھ پاؤں سے حرکت کرتا ہے اس حالت کو فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِيْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا سے بیان کیا ہے کہ جس سے بہتر ادا کرنے کے لئے کوئی اور لفظ نہیں ہے۔

ناظرین کو ان دو مثالوں سے قرآن عزیز کی مرقع نگاری کا حال معلوم ہو گیا ہوگا کہ یہاں نہ تو جھوٹ کی آمیزش ہے اور نہ سماں باندھنے کے لئے لفظوں کی بھر مار ہے، اصلی واقعہ کے بیان کرنے سے ذرا تجاوز نہیں کیا جاتا، پھر مرقع نگاری کا اعلیٰ درجہ یعنی دلی جذبات اور موقع و محل کی خصوصیتوں کا خاکہ اور فوٹو ہو بہو کھینچ دیا جاتا ہے اور یہ بات کسی انسان کے کلام میں نہیں پائی جاتی، اور نہ انسان دوسرے کے دلی جذبات اور اندرونی احساسات کا پورا اندازہ لگا کر اُس کا صحیح چربہ اُتار سکتا ہے، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ وَمَا كَانَ هٰذَا مِنْ سَيِّئَتِيْ ۔

الٓمٓ سے والناس تک فصاحت و بلاغت اور الفاظ کی سادگی و دلآویزی

دنیا میں جس قدر چوٹی کے فصیح اور بلیغ انسان گزرے ہیں یا جتنے شاعر استاد مانے گئے، اُن میں سے ایک بھی

---

[1] سورۃ الذاریات: ۲۹۔

Marfat.com

ایسا نہ نکلے گا جس کا تمام کلام اوّل سے لے کر آخر تک فصاحت و بلاغت، الفاظ کی سادگی اور دلآویزی میں اعلیٰ درجہ پر پہنچا ہوا ہو، تمام دیوان میں ایک دو غزل یا قصیدہ اور سارے قصیدہ میں دو چار شعر ہی عمدہ اور سلیس ہوتے ہیں، خصوصاً جب کوئی ماہر انشاء پرداز اور علم ادب کا استاد ایک طویل اور ضخیم کتاب لکھنے بیٹھتا ہے تو وہ سب جگہ کلام کی روانی اور عبارت کی سلاست قائم نہیں رکھ سکتا، کسی نہ کسی جگہ کلام میں اختلال ضرور واقع ہو جاتا ہے، اگر اُس کا کچھ حصہ حُسن و لطافت میں اعلیٰ درجہ پر واقع ہوتا ہے تو اسی کلام کا بعض حصہ مبتذل اور پامال یا ردّی اور خراب بھی ضرور نظر آتا ہے۔

مگر قرآن مجید جو تقریباً ایک ہزار صفحہ کی کتاب ہے، اس قسم کے اختلال اور کمزوریوں سے بالکل پاک ہے، باوجود اس قدر ضخیم اور طویل ہونے کے ایک جگہ بھی اُس کی فصاحت و بلاغت میں فرق نہیں آیا، ہر موقع پر بندش کی خوبی اور کلام کی سادگی اور سادگی کے ساتھ سلاست اور برجستگی، لطیف استعارے، نادر تشبیہات موجود ہیں، تمام آیتیں ایک دوسرے کے ساتھ فصاحت اور بلاغت میں متاشبہ اور متناسب ہیں، عجیب نکتے اور حکمت کی باتیں انمول موتیوں کی طرح ہر صفحہ پر بکھری ہوئی نظر آ رہی ہیں، قرآن کی آیتوں میں سے ایک آیت بھی ایسی نہیں ہے جو فصاحت اور بلاغت کے ایسے درجہ پر واقع ہو جس کا جواب دینا اور مقابلہ کرنا انسان کے واسطے ممکن ہو، بلکہ ہر ایک آیت اعجاز کے انتہائی درجہ پر پہنچی ہوئی ہے جسکی نقل اُتارنا انسانی قدرت اور اُس کے اقتدار سے کوسوں دور ہے۔

انسان علمی قوتوں کے ناقص ہونے کی وجہ سے اپنے کلام میں طویل اور دراز ہونے کے باوجود فصاحت اور بلاغت کی پوری رعایت نہیں رکھ سکتا، کہیں اس سے لغزش ضرور ہو جاتی ہے، اس کے برخلاف قرآن مجید میں عبارت کی سادگی اور کلام کی روانی، اس کے لفظوں کی فصاحت اور دل آویزی اور بلاغت کے اصولوں کی رعایت کسی جگہ بھی فوت ہونے نہیں پاتی، اس لئے معلوم ہوا کہ قرآن اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور کسی انسان کی بنائی ہوئی نہیں۔

Marfat.com

قرآن میں ہر قسم کا مضمون اعلیٰ درجہ کی فصاحت وبلاغت میں ادا کیا گیا ہے

انسان کیسا سحر نگار اور جادو بیان شاعر اور انشاء پرداز کیوں نہ ہو، مگر وہ ہر ایک مضمون کو خوش اسلوبی اور فصاحت کے ساتھ ادا نہیں کر سکتا، جس مضمون سے اس کی طبیعت کا لگاؤ ہوتا ہے اور جس چیز کے ساتھ اس کے دل کو قدرتی مناسبت ہوتی ہے، اس کو ادا کرنے کے وقت اس کے کلام میں فصاحت کے ساتھ ساتھ سادگی اور روانی برجستگی اور سلاست خود بخود پیدا ہوتی ہے اور جن چیزوں کی طرف طبیعت کا میلان اور جھکاؤ نہیں ہوتا وہاں نہ کلام میں چستی نظر آتی ہے اور نہ الفاظ کی بندشوں میں کوئی خوبی، عبارت کی روانی اور اس کی سلاست بالکل کافور ہو جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ بعض لوگوں کی طبیعت ہجو میں زیادہ چلتی ہے اور بعض مدح گوئی اور تعریف میں یکتا اور طاق ہوتے ہیں، بعضوں کا کلام غزل میں اعلیٰ پایہ پر ہوتا ہے، جب وہ قصیدہ لکھنے بیٹھتا ہے تو اس سے ایک لفظ بھی اچھی طرح نہیں لکھا جاتا اور بعض قصیدہ گوئی میں استاد مانے جاتے ہیں، جب ان کا کلام غزل میں دیکھا جاتا ہے تو بالکل پھیکا اور معمولی نظر آتا ہے، کسی کو وعظ و پند کے بیان کا ملکہ حاصل ہے، کوئی مذاقیہ جملوں اور دل لگی کی باتوں میں زبان دانی کے جوہر دکھاتا ہے، کوئی حرب وضرب اور میدانِ جنگ کا نقشہ لفظوں میں کھینچ کر رکھ دیتا ہے، کسی کو مرثیہ گوئی میں بڑا کمال ہوتا ہے اور رزم بزم کی مجلسوں میں اس کی طبیعت بالکل نہیں چلتی۔

غرض دنیا کا کوئی آدمی بھی ایسا نہیں ہے جو ہر میدان میں یکّا تازی (اکیلا دشمن پر حملہ کرنے والا) کے جوہر دکھائے اور ہر مضمون کو اصلی درجہ کی فصاحت اور بلاغت میں ادا کر سکے، امرء القیس، نابغہ اور زہیب عرب کے فصیح اور بلیغ شاعروں میں سے ہیں مگر ان تینوں کی نسبت کہا جاتا ہے کہ نابغہ کی فصاحت ڈرانے کے وقت اور زہیب کی زبان دانی ترغیب دینے کی حالت میں ظاہر ہوتی ہے اور امراء القیس جیسا سوار ہونے کے وقت چھکتا ہے، سواری کے جانور اور اس کے سوار کی تعریف میں زبان کے جوہر دکھاتا ہے، وہ بیان کی نزاکت دوسرے موقع پر اس سے ظاہر نہیں ہوتی۔

Marfat.com

مگر قرآن عزیز دنیا میں ایک ایسی کتاب ہے جس میں تاریخ، وعظ، حکمت کی باتیں، مسائل، ترغیب و ترہیب، مثالیں، وعدہ وعید، اخلاقیات، معاملات، امورِ زندگی کے انصرام کے طریقے، مرنے کے بعد کے خیالات، صحیح عقیدوں کا بیان، خیالات فاسدہ کی تردید، تمدّن اور معاشرتی اصول کی تشریح وغیرہ وغیرہ، بہت سے مضامین بیان کئے گئے ہیں، مگر ایک جگہ بھی الفاظ کی سلاست، بندش کی چستی، ترکیب کی خوبی، بلاغت کا اہتمام فوت نہیں ہوا، ہر قسم کا مضمون اعلیٰ درجہ کی فصاحت اور بلاغت میں ادا کیا گیا ہے، اور کلام کا زور کسی جگہ بھی گھٹنے نہیں پایا، یہ بات انسانی کلام میں کبھی پیدا نہیں ہوسکتی، اس لئے معلوم ہوا کہ قرآن عزیز اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔

قرآن میں ہر قسم کے مضامین ہیں مگر ذرّہ برابر بھی جھوٹ کی آمیزش نہیں ہے

نماز اور روزے کے احکام، حج زکوۃ کے مسئلے، عقائد اور اعمال کا بیان، قصّے اور وعظ گوئی، قیامت کے حالات، جنت اور دوزخ کا ذکر، کافروں کی مذمت، ایماندار اور نیک عمل والوں کی مدح، حمد ونعت، اصول معاشرت وغیرہ ایسے پھیکے مضامین ہیں جن کو بیان کرنے کے وقت ایک فصیح اور بلیغ انسانی کلام کا حسن ولطافت، تحریر کا زور اور عبارت کی روانی، الفاظ کی سلاست، بندشوں کی چستی قائم نہیں رکھ سکتا، نادر تشبیہیں اور عجیب استعارے بیان کرنے سے قاصر رہتا ہے اور جب تک بہت سا جھوٹ اپنے پاس سے نہ لگا دے، کلام میں خوبی پیدا کرنی اس کے لئے دشوار ہو جاتی ہے۔

چنانچہ بہت سے ماہر انشاء پرداز اور جادو بیان شاعروں کے کلام میں جو انہوں نے حمد ونعت میں لکھا ہے، وہ زور نظر نہیں آتا جو حُسن وعشق و اخلاق و وعظ و پند وغیرہ جیسے پھیکے مضامین بیان کئے گئے ہیں جن میں ذرّہ برابر جھوٹ کی آمیزش نہیں ہے جو انسانی کلام میں نہیں پائی جاتی، اس لئے ماننا پڑتا ہے کہ قرآن شریف اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔

Marfat.com

مضامین کے تکرار کے باوجود کلام کی خوبی و حسن میں کسی جگہ بھی فرق نہیں آیا

انسان جب ایک قصہ کو کئی مرتبہ لوٹائے اور ایک مضمون کا بار بار تکرار کرے تو ہر دفعہ کلام کی خوبی اور اس کے حسن میں کوئی فرق نہ آئے، اسی کا نام علمِ بیان ہے کہ ایک مضمون کو مختلف پیرایوں میں ادا کیا جائے، مگر کسی جگہ الفاظ کی فصاحت اور کلام کی روانی اور بلاغت کا خیال ہاتھ سے نہ چھوٹے، ایسے موقعوں میں بڑا کمال قرآن عزیز کا یہ ہے کہ ایک مطلب جتنی شکلوں میں ادا کر دیا گیا ہے، ان کے علاوہ کوئی دوسرا بہتر پیرایہ اس مضمون کے ادا کرنے کے لئے نہیں ہوسکتا۔

مثلاً جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے اہل و عیال کے ساتھ مصر کو جاتے ہوئے راستہ بھول کر کوہ طور کے پاس جا نکلے، رات ہوگئی اور سردی کی وجہ سے آگ کی تلاش میں ہوئے، سامنے سے پہاڑ پر ایک روشنی نظر آئی تو اہل و عیال کو وہیں چھوڑ کر راستہ دریافت کرنے یا آگ ملنے کے خیال سے روشنی کی طرف جاتے ہوئے جو گفتگو انہوں نے اپنی اہل سے کی ہے، اُس کو ایک سورت میں اس طرح ذکر کیا ہے:

اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖۤ اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا ؕ سَاٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِیْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ [1]

اس وقت کو یاد کرو جب موسیٰ نے اپنے گھر والوں سے کہا تھا کہ مجھے ایک آگ نظر آئی ہے۔ میں ابھی تمہارے پاس وہاں سے کوئی خبر لے کر آتا ہوں، یا پھر تمہارے پاس آگ کا کوئی شعلہ اُٹھا کر لے آؤں گا، تاکہ تم آگ سے گرمی حاصل کرسکو۔

اور سورہ طٰہٰ میں یوں بیان فرمایا ہے:

لَّعَلِّیْۤ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى [2]

شاید میں اس میں سے کوئی شعلہ تمہارے پاس لے آؤں، یا اس آگ کے پاس مجھے راستے کا پتہ مل جائے۔

---

[1] سورۃ النمل: ۷۔ [2] سورہ طٰہٰ: ۱۰۔

Marfat.com

ایک ہی مضمون کو کتنے بلیغ پیرایوں میں ادا کیا ہے، ہر ایک کلام بلاغت کی انتہائی رفعت اور بلندی پر پہنچا ہوا ہے، اور عجیب نکتوں اور ادبی خوبیوں پر حاوی اور مشتمل ہے، جس کی وجہ سے کسی ایک فقرہ کی مثال لانی اور اس جیسا کلام بنانا انسانی طاقت سے دشوار بلکہ ناممکن ہو گیا ہے، اور یہ ایک جگہ نہیں ہے بلکہ ایسی مثالیں قرآن مجید میں سینکڑوں موجود ہیں اور اسی لئے یہ کتاب یکتا اور بے مثل ہے۔

فائدہ عظیمہ

قرآن قصہ اور کہانی کی کتاب نہیں ہے، وہ ایک مکمل ہدایت نامہ ہے، جس میں اعمال کی اصلاح، اخلاق کی درستگی کا سبق ہے، جو اللہ کی ذات اور صفات کے متعلق دنیا میں صحیح الخیالی پھیلانے کے لئے اتاری گئی ہے، جس کے ذریعہ سے تمدن اور معاشرت کا سبق دیا گیا ہے، جس میں خالق اور مخلوق کے درمیان تعلقات پیدا کرنے کی راہیں کھولی گئیں، وہ بنی نوع انسان جو غفلت اور جہالت کے اندھیروں میں پڑے رہنے کی وجہ سے اصلیت سے دور جا پڑے ہیں، بدی اور گناہ کے کاموں میں رات دن لگے رہنے سے نیکی کا شوق اور سچائی کی رغبت کھو چکے ہیں، اور اس لئے ان کے نفس میں نیکی سے نفرت اور بدی کی طرف میلان ہو گیا ہے، ان کے دل میں نیکی کا بیج بونے اور بدی کے خیالات مٹانے، حق اور راستی کی تعلیم دینے کے لئے یہ کتاب محمد عربی ﷺ پر نازل کی گئی۔

جب اس کتاب کے ظاہر کرنے کی اصلی غرض وغایت ہدایت دینی اور نیکی کی تعلیم کرنی ٹھہری تو ضروری ہوا کہ اس کتاب میں ہدایت وارشاد اور تعلیم وتربیت کے طریقوں کا خاص طور پر خیال رکھا جائے۔

چونکہ تعلیم میں ایک سبق کو بار بار دہرایا جاتا ہے تاکہ مضامین اچھی طرح محفوظ اور دلنشین ہو جائیں اور اسی طرح واعظ بھی ہدایت اور ارشاد کے وقت تمثیلیں اور عبرت خیز قصے، حکمت کی باتیں بیان کر کے اصل مقصود کو سمجھانے کی کوشش کرتا ہے اور اس کو ایک دفعہ نہیں بلکہ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد بار بار دہراتا ہے، اس لئے قرآن عزیز میں بھی جو ہدایت اور ارشاد کی کتاب ہے، بیان کا یہی طریقہ رکھا ہے بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو

Marfat.com

جن آیتوں میں بظاہر تکرار نظر آ رہا ہے وہاں در حقیقت تکرار نہیں ہے، کیونکہ جس غرض سے وہ آیت ایک جگہ ذکر کی جاتی ہے دوسری جگہ اسی غرض سے اُس کا اعادہ نہیں ہوتا، بلکہ وہاں اس کے ذکر کرنے کی کوئی اور ہی وجہ ہوتی ہے، وجوہات متعدد ہونے کی وجہ سے آیات کو بھی دراصل متعدد ہی کہا جائے گا اور یہ بات قصص میں خاص طور پر پائی جاتی ہے۔ واللہ اعلم۔

قرآن کے قوانین وضابطے قیامت تک کے لئے ہیں

جب قانون ساز مجلسیں قومی یا ملکی نظام کو قائم رکھنے کے لئے قاعدے اور ضابطے بنانے لگتی ہیں تو گردوپیش کے حالات دیکھ کر اور موجودہ زمانہ کی ضرورتوں کو خیال کر کے قوانین وضع کرتی ہیں اور جو ضرورتیں اُن کی نظر سے غائب ہوتی ہیں اور جن واقعات کا اُن کو علم نہیں ہوتا، ان کی رعایت اصول اور ضابطوں کو وضع کرنے کے وقت ہرگز نہیں کی جاتی، یہی وجہ ہے کہ انسان کے بنائے ہوئے قانون خواہ ملکی ہوں یا مذہبی، تجارتی ہوں یا معاشرتی، قومی ہوں یا وطنی، غرض کسی قسم کے ضوابط اور اصول ہوں، ان میں ترمیمات ہوتی رہتی ہیں، انسانی دماغ کے گھڑے ہوئے قانون اور ضابطوں میں یہ بات کبھی دیکھی نہیں گئی کہ جو واقعات اور حالات اصول بنانے کے وقت واضع قانون کی نظر میں نہ تھے، وہ قاعدے ان پر بھی حاوی ہوں اور کسی قسم کی ترمیم کرنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔

مگر قرآن عزیز ایک ایسی کتاب ہے کہ جو قانون اور ضابطے اس میں بیان کئے گئے ہیں، خواہ وہ تمدن اور معاشرت کے متعلق قواعد ہوں یا درستی اخلاق اور تزکیہ نفس کے اصول ہوں، جماعتی شیرازہ بندی کے قاعدے ہوں، ملکی یا سیاسی نظام کے ضابطے اور قانون ہوں، وہ ہر زمانہ کے لئے مفید اور ہر ایک قوم اور ملک کے واسطے یکساں کارآمد ہیں، دنیا کی کوئی ضرورت پیش نہیں آتی جس کا فیصلہ قرآن کے بیان کردہ اصول اور ضابطوں میں موجود نہ ہو، آج ساڑھے چودہ سو برس گزر چکے ہیں، مگر قرآن عزیز کے کسی قاعدے اور ضابطے میں ترمیم کرنے کی ضرورت پیش نہ آئی اور نہ آئندہ قیامت تک آئے گی۔

Marfat.com

بلکہ قرآن مجید کا وہ فیصلہ جو آج اہل زمانہ کی نظر میں غیر مفید یا مضرت رساں نظر آتا ہے، کچھ عرصہ کے بعد زمانہ کی ضرورتیں اس قاعدے کے فائدہ مند ہونے کا قطعی فیصلہ کر دیتی ہیں، پھر اہل دنیا کو ہلاکت اور تباہی سے بچنے کے لئے اس ضابطے کی پابندی کے بغیر کوئی راستہ نجات کا نظر نہیں آتا، چنانچہ جو قومیں کل تک بیواؤں کی شادی اور کثرت ازدواج کے مسئلہ پر اعتراض کرتیں تھیں، آج وہ خود اس کو اختیار کرتی جا رہی ہیں، قرآن عزیز کا ایسے محکم اور مضبوط اصول پر حاوی ہونا بتا رہا ہے کہ یہ کتاب کسی انسان کی بنائی ہوئی نہیں ہے، وہ ہی ان قوانین کا بنانے والا ہے جو زمانہ کے حالات سے باخبر، ہر قوم اور ملک کی ضرورتوں سے واقف ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہی کی مقدس اور برگزیدہ ہستی ہے۔

انسان کے فطری اور پیدائشی جذبات کی عکاسی

قرآن مجید کی بعض آیات میں انسان کی فطری اور پیدائشی جذبات کا ایسا صحیح اور مضبوط فیصلہ سنایا گیا ہے کہ جو اس نوع کے کسی فرد میں نہیں بدلا، دنیا کی تمام قومیں نسلی اور ملکی امتیازات اور عادات واطوار مختلف ہونے کے باوجود سب کی سب اس میں برابر کی شریک ہیں، مثلاً:

۱۔ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ[1]

لوگوں کے لئے ان چیزوں کی محبت خوشنما بنا دی گئی ہے جو ان کی نفسانی خواہش کے مطابق ہوتی ہیں، یعنی عورتیں، بچے، سونے چاندی کے لگے ہوئے ڈھیر، نشان لگائے ہوئے گھوڑے، چوپائے، اور کھیتیاں۔ یہ سب دُنیوی زندگی کا سامان ہے (لیکن) ابدی انجام کا حسن تو صرف اللہ کے پاس ہے۔

عورتوں، لڑکوں، مال و دولت، عمدہ گھوڑے، مویشی اور کھیتی کی محبت جو انسانی خواہشات کو پورا کرنے والی چیزیں ہیں، لوگوں کے دلوں میں پیدائشی طور پر موجود ہے، خواہ دنیا کے کسی حصہ کا رہنے والا اور کسی قوم سے تعلق

[1] آل عمران: ۱۴۔

Marfat.com

رکھتا ہو لیکن اس کی طبیعت کا لگاؤ ان چیزوں کے ساتھ ضرور رہتا ہے۔

اگرچہ بعض حالتوں میں دنیوی سامان اور اسباب کی طرف سے آدمی کا دل ہٹ جاتا ہے اور رغبت میں کمی واقع ہوتی ہے مگر ان چیزوں کی محبت کلی طور پر دل سے نہیں نکلتی، نبی عربی ﷺ سے زیادہ کوئی دوسرا شخص دنیا سے بے تعلق نہیں ہوسکتا، جنہوں نے تمام جوانی ایک بڑھیا عورت کے ساتھ بسر کردی اور ساری عمر فقر و فاقہ تنگی اور عسرت سے گزاردی باوجود یہ کہ آپ کی زندگی میں عیش و آرام کے سامان مہیا ہو چکے تھے، اگر آپ چاہتے تو شاہانہ زندگی گزار سکتے تھے، لیکن اپنے افلاس اور تنگ دستی کو دولت پر ترجیح دی اور عمر کا سارا حصہ مفلسی میں گزار دیا۔

دنیا سے اس درجہ بے تعلق ہونے کے باوجود ایک دن کا ذکر ہے کہ آپ جمعہ کا خطبہ پڑھ رہے تھے حضرت حسن رضی اللہ عنہ جن کی عمر تقریباً ۲ یا ۳ سال کی تھی، مسجد میں آگئے چونکہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا کرتا لمبا اور دراز تھا، اس لئے آپ اس میں الجھ کر گرے جاتے تھے، اس طرح گرتے پڑتے منبر کے سامنے آگئے جس پر رسول اللہ ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، آپ نے جب صاحبزادے کو آتے ہوئے دیکھا تو خطبہ چھوڑ کر منبر سے نیچے اُتر آئے اور اُن کو گود میں اٹھالیا اور یہ ارشاد کیا کہ اللہ جل جلالہ نے سچ فرمایا کہ مال اور اولاد آدمی کو فتنہ میں ڈالنے والی چیزیں ہیں، جس کو دیکھ کر مجھ سے رہا نہ گیا اور مجبوراً خطبہ چھوڑنا پڑا۔

جب رسول اللہ ﷺ کو اللہ کے ساتھ تعلق اور لگاؤ ہونے کے باوجود اولاد سے اس درجہ محبت تھی تو دوسرے کو کیا کچھ نہ ہوگی، اس کے علاوہ جو شخص اس معاملہ میں اپنے دل کی طرف رجوع کرے گا، اس کو ان چیزوں کی محبت دل کی گہرائیوں میں ضرور چھپی ہوئی نظر آئے گی، بلکہ دنیا کا ہر ایک کام ان چیزوں کی خواہش اور محبت کی وجہ سے چل رہا ہے، ورنہ اس جہان کا کاروبار کبھی کا معطل ہو گیا ہوتا، انسانی فطرت کے متعلق ایسا صحیح فیصلہ کرنا کہ جس کا کسی جگہ بھی خلاف نہ ہو، اللہ تعالیٰ کا ہی کام ہے۔

۲۔ وَأُحْضِرَتِ الْأَنفُسُ الشُّحَّ [1] ''انسان کا نفس بخل اور خودغرضی کے لئے حاضر کر دیا گیا ہے''۔ یعنی یہ بات ہر عورت مرد کی طبیعت میں فطرۃً موجود ہے کہ وہ اپنا نفع

[1] سورۃ النساء: ۱۲۸۔

Marfat.com

دوسرے کے فائدہ پر مقدم سمجھے۔

دنیا کے تمام مرد اور عورتوں کا یہی حال ہے، یہاں تک کہ میاں بیوی کے تعلقات بھی غرض کے ساتھ وابستہ ہیں، جب ان دونوں میں کوئی شخص اپنی غرض کو پورا ہوتے ہوئے نہیں دیکھتا تو وہ اس تعلق کو توڑنے اور جدا کرنے پر تیار ہو جاتا ہے، یہی حال ماں باپ اور اولاد کا ہے، فریقین میں سے جن کی غرض حاصل نہیں ہوتی وہ ناراض اور رنجیدہ ہو جاتے ہیں، اس طرح تمام جہان غرض کا بندہ ہے اور اسی کی قرآن میں خبر دی گئی ہے۔

۳۔ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَاۤ اَمۡوَالُكُمۡ وَاَوۡلَادُكُمۡ فِتۡنَةٌ [1] ''یہ بات اچھی طرح جان لو کہ تمہارے مال اور اولاد تمہیں فتنے میں ڈالنے والی چیز ہیں''۔

ایک چور کی چوری اور ڈاکو کی رہزنی اگر ہوتی ہے تو انہی دونوں کی وجہ سے ہوتی ہے، ظلم وستم کرنا اور کسی کو ناحق مار ڈالنا بھی انہی کی محبت میں ہوتا ہے، جھوٹ اور دغا بازی کی تہہ میں اُسی کا راز چھپا ہوا ہے، سفر کی صعوبتیں اور غلامی کی ذلتوں کے برداشت کرنے میں اسی کی محبت کام کر رہی ہے، وطن عزیز کو چھوڑانے والی اور دور دراز ملکوں میں بیگایوں کے اندر پھنسانے والی یہی دو چیزیں ہیں، انہی دونوں کی وجہ سے انسان دنیا کی تکلیفیں اُٹھاتا ہے اور انہی کے پیچھے آخرت کو تباہ اور برباد کر دیتا ہے، ان دونوں کا فتنہ اس قدر عام ہے کہ دنیا کا کوئی انسان ان سے بچا ہوا نہیں ہے اور اُسی کی قرآن میں خبر دی گئی۔

۴۔ وَكَانَ الۡاِنۡسَانُ عَجُوۡلًا [2] ''انسان بڑا جلد باز ہے''۔

یعنی انسان کسی کام کے عواقب اور انجام پر نظر نہیں رکھتا، بلکہ ہر کام کو بے سوچے سمجھے جلدی سے کرنا یا دیکھنا چاہتا ہے، اگر عقل کی احتیاط اور اُس کی دور اندیشی انسان کے ساتھ نہ ہوتی، وہ جلد بازی سے ہر کام خراب کر دیا کرتا ہے لیکن باوجود اس روک تھام کے پھر بھی طبیعت کا تقاضا اس کو جلدی کرنے پر کبھی نہ کبھی مجبور کر دیتا ہے، دنیا کا ہر ایک انسان اسی مرض میں مبتلا ہے اور یہی قرآن مجید کا فیصلہ ہے۔

۵۔ وَكَانَ الۡاِنۡسَانُ قَتُوۡرًا [3] ''انسان کی طبیعت میں بخل ہے''۔

---

[1] سورۃ الانفال: ۲۸۔ [2] سورۂ بنی اسرائیل: ۱۱۔ [3] سورۂ بنی اسرائیل: ۱۰۰۔

Marfat.com

یعنی جس طرح بخیل فقر و فاقہ اور احتیاط کے ڈر سے پیسہ کو روک رکھتا ہے اور خرچ نہیں کرتا، ہر انسان میں کم و بیش یہ خصلت موجود ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ صبح کا کھانا شام کے لئے اور شام کا صبح کے واسطے جمع کر کے رکھتا ہے، اللہ کو رزاق اور روزی رساں کہتا ہے لیکن اس پر پورا بھروسہ اور پختہ اعتقاد نہیں رکھتا، اور اگلے وقت کے لئے اندوختہ جمع کرنے کے فکر میں لگا رہتا ہے، دُنیا میں ایک آدمی بھی ایسا نظر نہ آئے گا جس میں یہ عادت نہ پائی جاتی ہو، انسان کیسا ہی زاہد اور تارکُ الدنیا ہو مگر یہ خصلت کسی نہ کسی وقت ظاہر ہو کر ضرور رہتی ہے۔

۶ وَكَانَ الْإِنسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا [1] ''انسان بڑا جھگڑالو ہے''۔

درحقیقت انسان بڑا کٹ حُجتی واقع ہوا ہے، جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہے، اور یہ بھی جانتا ہے کہ خدائی کاموں کے سمجھنے سے انسانی عقل قاصر ہے لیکن وہ خدائی کاموں میں دخل دیئے بغیر نہیں رہتا، زمین کیوں بنائی، آسمان سات کیوں بنائے، ہوا کس لئے چلی، اس وقت بارش کیوں ہوئی، اس طرح کی سینکڑوں حجتیں ہیں جو انسان اللہ کے کاموں میں نکالتا رہتا ہے اور یہ اُس کے کٹ حجتی ہونے کی دلیل ہے۔

۷ كَلَّا إِنَّ الْإِنسَانَ لَيَطْغَىٰ ۔ أَن رَّآهُ اسْتَغْنَىٰ [2] ''انسان جب اپنے آپ کو مستغنی اور بے پرواہ دیکھتا ہے تو وہ اکڑتا اور سرکشی کرتا ہے''۔

یعنی اہلِ ثروت ہونے کے بعد انسان کی طبیعت میں ترفع اور بڑائی پیدا ہو جاتی ہے، اس کا پتہ اُس وقت چلتا ہے کہ جب اس سے کم حیثیت کا آدمی اس کے برابر بیٹھ جاتا ہے، تو اُس کے دل میں کراہیت اور تنفر پیدا ہوتا ہے، اگرچہ وہ زبان سے کچھ نہ کہے لیکن اُس کا دل مساوی برتاؤ ہونے کیلئے رضامند نہیں ہوتا، پھر یہ ترفع بعض طبائع میں نخوت اور غرور تک پہنچ جاتا ہے اور کوئی تکبر اور سرکشی میں ایسا بڑھ جاتا ہے کہ اپنی رائے کے مقابلہ میں اللہ اور رسول کے فیصلوں کی پرواہ نہیں کرتا، بلکہ اُن کو ٹھکراتا اور اُن کے ماننے سے انکار کرتا ہے۔

اگرچہ ریاضت اور مجاہدے کر کے اور نفس کُشی کے ذریعہ سے اس عادت کو مغلوب کر لیا جاتا ہے، مگر اُس کی اصل اور جڑ پھر بھی نہیں جاتی، یہی وجہ ہے کہ دشمن کے مقابلہ میں اور جنگ کے موقعہ پر ہر شخص ترفع اور بڑائی کا

[1] سورۃ الکھف: ۵۴۔ [2] سورۃ العلق: ۶، ۷۔

Marfat.com

استعمال کرنا اچھا اور محمود سمجھتا ہے۔

قرآن کی بعض خصوصیات کا ذکر

(۱) وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ [1] ''ہم نے قرآن کا یاد کرنا آسان کر دیا ہے، کیا کوئی یاد کرنے والا ہے''۔

دنیا میں قرآن ہی ایک ایسی کتاب ہے جس کا یاد کرنا آسان ہے، سینکڑوں حافظ بچے سے لے کر بوڑھے تک موجود ہیں اور بہت سے حافظ ایسے ہیں جو اُس کو ایک سال کے بعد اُٹھا کر دیکھتے ہیں، لیکن پھر بھی نہیں بھولتے اور اُس کو از بر سُنا دیتے ہیں، اتنی ضخامت والی کتاب کا یاد کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے اور پھر اُس کو ایک دفعہ یاد کر کے مدتوں نہ بھولنا، انسان کی طاقت سے باہر ہے، اوّل تو دنیا کی کوئی ایسی ضخیم کتاب یاد نہیں ہوتی اور یاد کرنے کے لئے بڑی محنت اُٹھانی پڑتی ہے اور اگر یاد بھی ہو جائے تو وہ دیر تک محفوظ نہیں رہتی، قرآن عزیز میں ایسی بات پیدا کرنی اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے۔

(۲) حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک روز یہ ارشاد فرمایا:

قرآن مجید بار بار پڑھنے اور تلاوت کرنے سے پرانا نہیں ہوتا اور نہ اس کی نصیحتیں تمام ہوتی ہیں، اور نہ اُس کے عجائبات ختم ہونے میں آتے ہیں۔

پرانا نہ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ جس طرح دنیا کی ایک کتاب کو اچھی طرح غور سے پڑھ لینے کے بعد دوبارہ ہاتھ لگانے کو جی نہیں چاہتا، اور اُس کے مضامین سے واقف ہونے کے بعد اُس کا پڑھنا دل پر شاق اور گراں گزرتا ہے، اس طرح قرآن کا حال نہیں ہے۔ جس قدر کثرت سے قرآن عزیز کی تلاوت کی جاتی ہے، اسی قدر شوق میں زیادتی اور رغبت میں ترقی پیدا ہوتی ہے، یہ بات دنیا کی کسی کتاب کو میسر نہیں ہے۔

اسی طرح حکمت اور نصیحت کی کتابوں سے ہر مرتبہ وہ ہی مضامین ذہن میں آتے ہیں جو الفاظ سے سمجھ

---

[1] سورۃ القمر: ۱۷۔

Marfat.com

آرہے ہیں مگر قرآن عزیز کا حال اس سے بالکل ہی جدا ہے، ہر مرتبہ بغور تلاوت کرنے سے قلب کی صفائی، شکوک اور شبہات کا ازالہ اور طبیعت پر نصیحتوں کا خاص اثر ہوتا ہے، نئے نئے لفظوں کا انکشاف، دقیق اور باریک باتوں کا پتہ چلتا ہے، غرض قرآن عزیز عجائبات کا ایک غیر متناہی خزانہ ہے جو ختم ہونے میں نہیں آتا، انسانی کلام میں سے کسی کو یہ بات نصیب نہیں ہے، ایسا عجیب اثر رکھنے والا کلام اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے کا نہیں ہوسکتا۔

یہود و نصاریٰ اور مشرکین کا قرآن کے سامنے عاجز ہونا

جب اُحد کی لڑائی میں مسلمانوں کا نقصان ہوا اور کچھ آدمی مارے گئے تو مرنے والوں میں بعض آدمی ان منافقین کے رشتہ دار بھی تھے جو جنگ سے جان بچا کر گھروں میں بیٹھ رہے تھے اور اُس میں شریک نہیں ہوئے تھے، جب اُن کو اپنے عزیزوں اور دوستوں کے مرنے کی خبر ہوئی تو انہوں نے اُن پر افسوس ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ اگر وہ بھی ہماری طرح اپنے گھروں میں بیٹھے رہتے اور جنگ میں شریک نہ ہوتے تو کیوں مارے جاتے، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی:

قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ

اُن سے کہہ دو کہ اگر تم سچے ہو تو اپنے نفس کو موت سے بچاؤ۔ [1]

یعنی اگر گھر میں بیٹھے رہنے سے آدمی کو موت نہیں آتی تو تم اپنے آپ کو مرنے سے بچاؤ، دیکھیں کس طرح بچتے ہو۔ مدارک اور فتح البیان میں لکھا ہے کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی تو منافقین میں سے وہ لوگ جنہوں نے یہ کہا تھا کہ اگر وہ جنگ میں نہ جاتے تو کیوں مارے جاتے اُسی وقت ہلاک ہو گئے۔

بغیر کسی ظاہری اسباب کے منافقین کا دفعۃً مر جانا بتا رہا ہے کہ یہ واقعہ خدائی قدرت کے ذریعہ سے ظہور میں آیا تھا، ورنہ انسان میں یہ طاقت ہرگز نہیں ہے، اس لئے معلوم ہوا کہ یہ آیت اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کی نازل کی ہوئی ہے۔

---

[1] سورۂ آل عمران۔

Marfat.com

یہود ونصاریٰ اور مشرکین کا قرآن کی عظمت اور بزرگی کو تسلیم کرنا

جب یہ آیت نازل ہوئی:

اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآءِ ذِى الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ [1]

''اللہ تعالیٰ انصاف اور نیکی کرنے اور رشتہ داروں کو دینے کی ہدایت کرتا ہے، ظلم وستم کرنے اور گناہ کے کاموں سے روکتا ہے''۔

تو ابوجہل نے سن کر جس کی ساری عمر اسلام کی دشمنی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مخاصمت میں گزر گئی، یہ کہا:

اِنَّ رَبَّ مُحَمَّدٍ لَيُعَلِّمُهٗ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ

''اللہ کی قسم! محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ربّ اُس کو اخلاق کی باتیں سکھاتا ہے''۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆

[1] سورۃ النحل۔

Marfat.com

قرآنی احکام کے بنیادی اصول

قرآن مجید میں بہت سے مضامین اور موضوعات کا ذکر آیا ہے۔ ان میں توحید، رسالت، آخرت، پہلی قوموں اور انبیائے سابقین کے حالات و واقعات، عبادات، معاملات، اخلاقیات اور عملی احکامات وغیرہ شامل ہیں۔ قرآن مجید ایک مکمل ضابطۂ حیات پیش کرتا ہے اور پوری انسانی زندگی کے لئے رہنما ہے، وہ شریعت کے احکام کا پہلا اور بنیادی ماخذ ہے، قرآنی احکام ایسی حکمتوں اور مصلحتوں پر مبنی ہیں جو انسانی فطرت کے عین مطابق ہیں اور ان میں درج ذیل چار اصولوں کو بطور خاص ملحوظ رکھا گیا ہے:

۱۔ اجمال واختصار ۲۔ تدریج ۳۔ آسانی اور سہولت ۴۔ عدمِ حرج۔

ان چاروں کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ اجمال واختصار

قرآن مجید کے اکثر احکام مجمل اور مختصر ہیں، عام طور پر احکامات کو سرسری طور پر بیان کیا گیا ہے اور ان کی وضاحت نہیں کی گئی، اگرچہ بعض احکام کو قرآن نے بڑی تفصیل سے بھی بیان کیا ہے، جیسے وراثت کے احکام وغیرہ، تاہم بیشتر اُمور ایسے ہیں جن کی وضاحت اور تشریح ہمیں قرآن میں نہیں ملتی، بلکہ سنت میں ملتی ہے، مثال کے طور پر قرآن میں چوری کے جرم کے بارے میں ارشاد ہے:

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ -[1]

"اور چور مرد ہو یا عورت ہو، دونوں کے ہاتھ کاٹ دو، یہی اُن کی کمائی کا بدلہ ہے اور اللہ جل جلالہ کی طرف سے عبرت ناک سزا بھی، اور اللہ جل جلالہ زبردست اور حکمت والا ہے"۔

---

[1] المائدہ:۳۸۔

Marfat.com

اس آیت میں چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا گیا ہے لیکن کئی باتوں کی وضاحت نہیں کی گئی، مثلاً چوری کی تعریف کیا ہے؟ چور کسے کہتے ہیں؟ کتنے مال کی چوری پر ہاتھ کاٹا جائے گا؟ کس قسم کے مال کی چوری قانونی طور پر چوری کہلائے گی؟ کن حالات میں چوری کی حد نافذ ہوگی؟ اور کن حالات میں نافذ نہیں ہوگی؟ چوری کے جرم کو ثابت کرنے کے لئے کتنے گواہوں کی ضرورت ہوگی، یعنی گواہوں کا نصاب کیا ہوگا؟ چور کا ہاتھ کہاں سے کاٹا جائے گا؟ کہنی سے یا کلائی سے یا کندھے سے؟

یہ سب باتیں قرآن مجید میں واضح نہیں ہیں اور جب تک یہ اُمور واضح نہ ہوں عملی طور پر چوری کی حد نافذ نہیں کی جاسکتی، ان تمام سوالوں کے جوابات ہمیں سنت میں ملتے ہیں اور چوری کی حد نافذ کرنے اور اس کی تفصیلات سنت سے واضح ہیں، کیونکہ سنت قرآن کی تشریح کرتی ہے۔

۲۔ تدریج

قرآن مجید تقریباً تیئس (۲۳) سال کے عرصے میں تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوا، اس نے ایک بگڑے ہوئے معاشرے کی اصلاح کی، جو راتوں رات نہیں ہوسکتی تھی، انسانوں کی بُری عادتوں کی اصلاح فوری طور پر ممکن نہیں، صدیوں کے غلط رسم و رواج کو جڑ سے اکھیڑنا ایک دو دِن کا کام نہیں تھا، چنانچہ قرآن مجید کی مکی سورتوں میں زیادہ زور عقائد کی درستی اور ذہن سازی پر تھا اور عملی احکامات زیادہ تر مدنی سورتوں میں دیئے گئے ہیں، لیکن تمام احکامات کے سلسلے میں تدریج کا اصول کارفرما رہا ہے۔

مثال کے طور پر اسلام میں شراب پینا حرام ہے، لیکن اسے اچانک حرام قرار نہیں دیا گیا، بلکہ چار مختلف مراحل میں اسے حرام ٹھہرایا گیا، تاکہ ایک بُری عادت کی آہستہ آہستہ اصلاح کردی جائے جو اچانک ختم نہیں ہوسکتی تھی، چنانچہ سب سے پہلے درجے میں شراب کے بارے میں ارشاد ہوا ہے:

وَمِنْ ثَمَرَاتِ النَّخِيلِ وَالْأَعْنَابِ تَتَّخِذُونَ مِنْهُ سَكَرًا وَرِزْقًا حَسَنًا [1]

اور تم کھجوروں اور انگوروں کے پھل سے نشے کی چیزیں بھی بناتے ہو اور کھانے کی

---

[1] النحل: ۶۷۔

Marfat.com

اچھی چیز بھی۔

گویا سب سے پہلے یہ بتایا گیا کہ شراب کوئی اچھا یا پاکیزہ رزق نہیں ہے، بلکہ یہ بُری چیز ہے، جس سے بچنا چاہیے۔ پھر دوسرے درجے میں شراب کے بارے میں فرمایا گیا:

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۭ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا [1]

"اے نبی! لوگ آپ ﷺ سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں، آپ ﷺ کہہ دیں کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے، ابھی بعض لوگوں کا مفاد ان سے وابستہ ہے، مگر ان دونوں کا گناہ ان سے وابستہ مفاد سے بڑھ کر ہے"۔

گویا اس موقع پر شراب نوشی کے کبیرہ گناہ ہونے کا بتا دیا گیا اور اس کاروبار سے وابستہ لوگوں کے مفاد کی طرف بھی اشارہ کر دیا اور پھر مفاد پر گناہ کو بھاری قرار دیا گیا، پھر تیسرے درجے میں یہ آیت اُتری:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ [2]

"اے ایمان والو! نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ، یہاں تک کہ جو کچھ تم زبان سے کہو اسے سمجھو۔

اس موقع پر گویا یہ حقیقت بیان کی گئی کہ نمازوں کے اوقات میں شراب نوشی سے پرہیز کیا جائے، تاکہ نماز پڑھنے میں اس سے کوئی خلل واقع نہ ہو، پھر چوتھے اور آخری درجے میں حکم ہوا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۔ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ [3]

---

[1] البقرۃ:۲۱۹۔ [2] النسا:۴۳۔ [3] المائدہ:۹۰،۹۱۔

Marfat.com

اے ایمان والو! شراب، جوا، بتوں کے آستانے اور تیروں سے فال گیری، سب گندے کام ہیں شیطان کے، لہٰذا ان سے بچو، تاکہ تم فلاح پاؤ، شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے درمیان دشمنی اور بغض ڈال دے اور تمہیں اللہ جل جلالہٗ کی یاد سے اور نماز سے روک دے، تو کیا تم باز نہیں آؤ گے؟

اس طرح شراب کو مکمل طور پر حرام ٹھہرایا گیا۔ (اور پھر سنت میں اس کے لئے سزا بھی رکھی گئی)۔ اس مقام پر ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول بھی قابل غور ہے:

''پہلے وہ سورتیں نازل ہوئیں جن میں جنت و دوزخ کا ذکر ہے، پھر جب لوگ اسلام پر مضبوطی سے قائم ہو گئے تو حلال و حرام کے احکام نازل ہوئے، اگر شراب سے ابتدا میں روکا جاتا تو لوگ نہ رُکتے اور اگر انہیں شروع میں زنا چھوڑنے کا حکم دیا جاتا تو وہ اس سے باز نہ آتے''۔ [۱]

اس سے معلوم ہوا کہ قرآنی احکامات میں تدریج کا اصول مدِنظر رکھا گیا ہے۔

۳۔ آسانی اور سہولت

قرآنی احکام میں آسانی اور سہولت کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے، اللہ تعالیٰ خالق کائنات ہے اور اس نے انسان کو بھی پیدا فرمایا ہے اور وہ اس کی فطرت، نفسیات، مزاج اور اس کی طبیعت سے خوب واقف ہے۔ اللہ سبحانہ نے انسان کے لئے وہی احکام دیئے ہیں، جنہیں کرنے کی وہ طاقت رکھتا ہے، ارشادِ الٰہی ہے:

لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا [۲]

''اللہ کسی پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا''۔

ایک اور جگہ فرمایا:

یُرِیْدُ اللّٰهُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ [۳]

[۱] صحیح بخاری، مسند احمد۔ [۲] البقرۃ:۲۸۶۔ [۳] البقرۃ:۱۸۵۔

Marfat.com

''اللہ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے اور وہ تم پر سختی نہیں چاہتا''۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہوا:

يُرِيدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيفًا [1]

''اللہ جل جلالہ چاہتا ہے کہ تم سے بوجھ ہلکا کرے، کیونکہ انسان کمزور بنایا گیا ہے''۔

اس سلسلے میں چند احادیث بھی ملاحظہ ہوں:

۱۔ بُعِثْتُ بِالْحَنِيفِيَّةِ السَّمْحَةِ ''مجھے آسان اور سیدھا سادہ دین دے کر بھیجا گیا''۔ [2]

۲۔ اَلدِّيْنُ يُسْرٌ ''دین آسانی کا نام ہے''۔ [3]

۳۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سرکاری ملازموں کو ارشاد فرمایا:

يَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا ''آسانی پیدا کرو اور تنگی اور مشکل پیدا نہ کرو''۔ [4]

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن وسنت نے ہمارے دین میں بہت آسانیاں رکھی ہیں۔

۴۔ عدمِ حرج

قرآنی احکام میں تنگی اور دشواری نہیں ہے، جہاں کوئی تنگی یا دشواری آ جائے، وہاں رخصت دے دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ [5]

''اور اس اللہ جل جلالہ نے دین کے معاملے میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی''۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ [6]

''اللہ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے اور وہ تم پر سختی نہیں چاہتا''۔

---

[1] النساء:۲۸۔ [2] مسند احمد۔ [3] بخاری، نسائی۔ [4] بخاری ومسلم۔ [5] الحج:۷۸۔ [6] البقرۃ:۱۸۵۔

Marfat.com

ایک اور مقام پر ارشاد ہوا:

مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ [1]

''اللہ جل جلالہ نہیں چاہتا کہ تم پر کوئی تنگی ڈالے''۔

آسانی سہولت اور عدم حرج میں فرق ہے، مثال کے طور پر آسانی سہولت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے پورے سال میں صرف ایک ماہ (رمضان) کے روزے فرض کئے ہیں، عدم حرج یہ ہے کہ اگر رمضان کے مہینے میں بھی کوئی بیمار یا مسافر ہو تو اسے روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے، بعد میں جب چاہے اپنے چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا پوری کر لے، جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے:

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ [2]

''پھر اگر کوئی بیمار ہو یا مسافر ہو تو اور دنوں میں قضا روزے رکھ کر تعداد پوری کر لے''۔

گویا پہلے سے کسی حکم میں جو آسانی رکھی گئی ہے وہ سہولت ہے، اور اس پہلے حکم پر عمل کے وقت کوئی دشواری یا تنگی پیش آ گئی تو مزید رُخصت دے دی گئی اور یہی عدمِ حرج ہے اور یہ بندوں پر اللہ تبارک و تعالیٰ جل جلالہ کی رحمت ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆

---

[1] المائدہ:٦۔ [2] البقرۃ:١٨٤۔

Marfat.com

قرآن مجید کے اہداف و مقاصد

۱۔ حصولِ علم کے لئے قرآن پڑھنا

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

مَنْ اَرَادَ الْعِلْمَ فَلْیَقْرَءِ الْقُرْآنَ فَاِنَّ فِیْهِ عِلْمَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ [۱]

''جو علم حاصل کرنا چاہے وہ قرآن مجید پڑھ لیا کرے، اس میں اگلے پچھلے تمام لوگوں کا علم موجود ہے''۔

سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا:

اِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ رَأَوُا الْقُرْآنَ رَسَائِلَ مِنْ رَّبِّهِمْ فَكَانُوْا یَتَدَبَّرُوْنَهَا بِاللَّیْلِ وَیَتَفَقَّدُوْنَهَا فِی النَّهَارِ [۲]

''تم سے پہلے لوگ قرآن مجید کو اپنے ربّ کی طرف سے آنے والے پیغامات سمجھا کرتے تھے، وہ ان پیغامات پر راتوں کو غور و فکر کرتے تھے اور دن کو ان کی چھان بین میں مصروف رہتے تھے''۔

کوفہ کے جلیل القدر تابعی سیدنا مسروق بن اجدع رحمۃ اللہ علیہ، جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علم کو سب سے زیادہ جمع کرنے والے تھے، فرماتے ہیں:

مَا نَسْأَلُ اَصْحَابَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ شَیْءٍ اِلَّا وَعِلْمُهُ فِی الْقُرْآنِ، وَلٰكِنْ قَصُرَ عِلْمُنَا عَنْهُ [۳]

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے ہم نے جس چیز کا بھی سوال کیا، اس کا جواب قرآن مجید میں موجود تھا لیکن ہمارا علم اس سے قاصر تھا''۔

[۱] مصنف ابن ابی شیبۃ، ج:۶، ص:۲۶۰۔ [۲] التبیان للنووی، ص:۲۸۔ [۳] شعب الایمان، ج:۵، ص:۲۳۱۔

Marfat.com

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کا فرمان ہے:

عَلَيْكُمْ بِالْقُرْآنِ فَتَعَلَّمُوْهُ وَعَلِّمُوْهُ اَبْنَائَكُمْ فَاِنَّكُمْ عَنْهُ تُسْاَلُوْنَ وَبِهٖ تُجْزَوْنَ وَ كَفٰى بِهٖ وَاعِظًا لِمَنْ عَقَلَ [1]

''قرآن مجید کو لازم پکڑو، اسے سیکھو، اپنی اولاد کو سکھاؤ، اس کے بارے میں تم سے سوال ہوگا اور اسی کا تمہیں بدلہ ملے گا، عقلمند کیلئے قرآن کریم سے بڑھ کر نصیحت کرنے والا کوئی نہیں''۔

۲۔ثواب کی نیت سے قرأتِ قرآن

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ مَاْدُبَةُ اللهِ. فَخُذُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ فَاِنِّيْ لَا اَعْلَمُ شَيْئًا اَصْفَرَ مِنْ خَيْرٍ مِّنْ بَيْتٍ لَيْسَ فِيْهِ مِنْ كِتَابِ اللهِ شَيْئٌ. وَاِنَّ الْقَلْبَ الَّذِيْ لَيْسَ فِيْهِ مِنْ كِتَابِ اللهِ شَيْئٌ خَرِبٌ كَخَرَابِ الْبَيْتِ الَّذِيْ لَا سَاكِنَ لَهٗ [2]

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا دسترخوان ہے، لہٰذا تم جتنی بھی استطاعت رکھتے ہو اس سے (متاعِ بے بہا) حاصل کرلو، بے شک میں اس گھر سے زیادہ خیر و برکت سے محروم کسی کو نہیں سمجھتا جس میں اللہ کی کتاب کا کچھ بھی حصہ نہ ہو، اور جس دل میں اللہ تعالیٰ کی کتاب کا کچھ حصہ بھی نہیں، وہ دل ویرانہ ہے، اس ویران گھر کی طرح جس میں کوئی مقیم نہ ہو۔

سیدنا ابواحوص رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے:

اِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ مَاْدُبَةُ اللهِ. فَتَعَلَّمُوْا مَاْدُبَةَ اللهِ مَا اسْتَطَعْتُمْ. وَاِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ حَبْلُ اللهِ وَهُوَ النُّوْرُ الْمُبِيْنُ وَالشِّفَاءُ النَّافِعُ، عِصْمَةٌ لِّمَنْ تَمَسَّكَ بِهٖ

[1] فضائل القرآن للقاسم بن سلام، حدیث: ۱۰۔ [2] سنن الدارمی: ۳۵۷۰۔

Marfat.com

وَنَجَاةٌ لِّمَنْ تَبِعَهُ. لَا يَعْوَجُّ فَيُقَوَّمُ وَلَا يَزِيغُ فَيُسْتَعْتَبُ وَلَا تَنْقَضِي عَجَائِبُهُ وَلَا يَخْلَقُ عَنْ كَثْرَةِ الرَّدِّ. اُتْلُوهُ فَإِنَّ اللهَ يَأْجُرُكُمْ عَلَى تِلَاوَتِهِ بِكُلِّ حَرْفٍ عَشْرَ حَسَنَاتٍ. أَمَا إِنِّي لَا أَقُولُ (الٓمٓ) حَرْفٌ وَلٰكِنْ أَلِفٌ عَشْرًا وَلَامٌ عَشْرًا وَمِيمٌ عَشْرًا [1]

بے شک یہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا دسترخوان ہے، لہٰذا تم حسبِ استطاعت اللہ کے اس دسترخوان سے (متاعِ عظیم) حاصل کرو۔ یہ قرآن اللہ جل جلالہ کی رسی ہے، یہی درخشاں نور، شفا ہے، اور نفع بخش ہے۔ جو اسے تھامے گا اس کیلئے پاک دامنی ہے اور جو اس کی پیروی کرے گا تو یہ اس کیلئے ذریعہ نجات ہے۔ اور اس میں کبھی کوئی کج روی نہیں آئے گی کہ اسے ٹھیک کرنا پڑے، نہ وہ بھٹکے گا کہ اسے سیدھی راہ پر گامزن کرنا پڑے۔ اس (قرآن) کے عجائبات کبھی ختم نہ ہوں گے، نہ پے در پے بار بار پڑھنے سے اس کی لذت وحلاوت میں کمی واقع ہوگی۔ اس کی تلاوت کیا کرو، اللہ اس کی تلاوت پر ہر حرف کے بدلے دس نیکیاں عطا فرماتا ہے اور ہاں میں یہ نہیں کہتا کہ ''الم'' ایک حرف ہے بلکہ تنہا الف پر دس، لام پر دس اور میم پر دس نیکیاں ملتی ہیں۔ (یعنی صرف ''الم'' پڑھنے کے بدلے ۳۰ نیکیاں عطا کی جاتی ہیں)۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا:

اَلْبَيْتُ الَّذِي يُتْلٰى فِيهِ كِتَابُ اللهِ كَثُرَ خَيْرُهُ وَحَضَرَتْهُ الْمَلَائِكَةُ وَخَرَجَتْ مِنْهُ الشَّيَاطِينُ وَالْبَيْتُ الَّذِي لَا يُتْلٰى فِيهِ كِتَابُ اللهِ ضَاقَ بِأَهْلِهِ وَقَلَّ خَيْرُهُ وَحَضَرَتْهُ الشَّيَاطِينُ وَخَرَجَتْ مِنْهُ الْمَلَائِكَةُ [2]

جس گھر میں کتاب اللہ کی تلاوت کی جائے اس میں کثرت سے خیر و برکت کا نزول ہوتا ہے اور وہاں فرشتے موجود رہتے ہیں اور شیاطین وہاں سے نکل بھاگتے ہیں اور جس

[1] اتحاف الخیرۃ، رقم الحدیث: ۵۹۴۹۔ [2] الزہد، لابن المبارک، ج:۱، ص: ۲۷۳۔

Marfat.com

گھر میں اللہ کی کتاب کی تلاوت نہ ہو وہ اپنے رہنے والوں کیلئے تنگ ہو جاتا ہے، اس میں خیر ختم ہو جاتی ہے، وہاں شیاطین ڈیرے ڈال لیتے ہیں اور فرشتے وہاں سے چلے جاتے ہیں۔

۳۔عمل کی غرض سے قرآن پڑھنا

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے حاملین علم وعرفان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

يَا حَمَلَةَ الْعِلْمِ. اِعْمَلُوْا بِهٖ فَاِنَّمَا الْعَالِمُ مَنْ عَمِلَ بِمَا عَلِمَ وَوَافَقَ عِلْمُهٗ عَمَلَهٗ وَسَيَكُوْنُ اَقْوَامٌ يَّحْمِلُوْنَ الْعِلْمَ لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ. يُخَالِفُ عَمَلُهُمْ عِلْمَهُمْ وَتُخَالِفُ سَرِيْرَتُهُمْ عَلَانِيَتَهُمْ. يَجْلِسُوْنَ حِلَقًا فَيُبَاهِيْ بَعْضُهُمْ بَعْضًا، حَتّٰى اِنَّ الرَّجُلَ لَيَغْضَبُ عَلٰى جَلِيْسِهٖ اَنْ يَّجْلِسَ اِلٰى غَيْرِهٖ وَيَدَعَهٗ. اُولٰٓئِكَ لَا تَصْعَدُ اَعْمَالُهُمْ فِيْ مَجَالِسِهِمْ تِلْكَ اِلَى اللّٰهِ [1]

اے حاملین علم! اپنے علم کے مطابق عمل کیا کرو کیونکہ درحقیقت عالم وہی شخص ہے جو اپنے علم کے مطابق عمل کرتا ہے اور اس کا علم وعمل باہم موافق ہوتا ہے۔عنقریب ایسے لوگ علم حاصل کرنے آئیں گے جن کا علم حلق سے نیچے نہیں اترے گا، ان کا عمل علم کے خلاف ہوگا، ان کا باطن ظاہر کے برعکس ہوگا، وہ مجالس میں بیٹھیں گے تو ایک دوسرے پر فخر کریں گے حتیٰ کہ بسا اوقات ایک شخص اپنے ہم مجلس پر اس لئے ناراض ہوگا کہ وہ مجھے چھوڑ کر دوسرے کی علمی مجلس میں کیوں چلا گیا۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جن کے اعمال ان علمی مجلسوں سے بلند ہو کر کبھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف نہیں جائیں گے۔

سیدنا حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے:

اُمِرَ النَّاسُ اَنْ يَّعْمَلُوْا بِالْقُرْاٰنِ فَاتَّخَذُوْا تِلَاوَتَهٗ عَمَلًا [2]

”لوگوں کو قرآن مجید پر عمل کا حکم دیا گیا لیکن انہوں نے صرف تلاوت ہی کو عمل بنا لیا“۔

[1] سنن الدارمی، رقم الحدیث: ۴۰۲۔ [2] تفسیر السمعانی، ج:۴،ص:۱۱۹۔

Marfat.com

سیدنا حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ ہی سے منقول ہے:

اِقْرَءِ الْقُرْآنَ مَا نَهَاكَ فَإِذَا لَمْ يَنْهَكَ فَلَيْسَتْ بِقِرَائَةٍ [1]

''اس وقت تک قرآن مجید پڑھتے رہو جب تک وہ تمہیں برائی سے روکے اور جب برائی سے نہ روکے تو سمجھ لو کہ تم نے قرأتِ قرآن کا حق ادا نہیں کیا''۔

سیدنا حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ ہی فرماتے ہیں:

اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِهٰذَا الْقُرْآنِ مَنِ اتَّبَعَهٗ وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ يَقْرَؤُهٗ [2]

''قرآن مجید سے سب سے زیادہ تعلق والا شخص وہی ہے جو اس کی پیروی کرتا ہے، ہر چند وہ اس کی تلاوت نہ کر سکے''۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

اِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُقْرِؤُهُمُ الْعَشْرَ ، فَلَا يُجَاوِزُوْنَهَا اِلٰى عَشْرٍ اُخْرٰى حَتّٰى يَتَعَلَّمُوْ مَا فِيْهَا مِنَ الْعَمَلِ . فَتَعَلَّمْنَا الْقُرْآنَ وَالْعَمَلَ جَمِيْعًا [3]

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دس آیات کی تعلیم دیتے تھے، پھر اگلی دس آیات کی تعلیم اس وقت تک نہیں دیتے تھے جب تک وہ ان پر عمل کرنا نہ سیکھ لیتے، لہٰذا ہم (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) نے قرآن اور عمل ساتھ ساتھ ہی سیکھا ہے۔

سیدنا حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

اِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ قَدْ قَرَأَهٗ عَبِيْدٌ وَصِبْيَانٌ لَا عِلْمَ لَهُمْ بِتَأْوِيْلِهٖ ، وَمَا تَدَبُّرُ آيَاتِهٖ اِلَّا اتِّبَاعَهٗ بِعَمَلِهٖ ، وَمَا هُوَ بِحِفْظِ حُرُوْفِهٖ وَاِضَاعَةِ حُدُوْدِهٖ ، حَتّٰى اِنَّ اَحَدَهُمْ لَيَقُوْلُ : لَقَدْ قَرَأْتُ الْقُرْآنَ كُلَّهٗ ، فَمَا اَسْقَطْتُ مِنْهُ

---

[1] کنز العمال، ج:۱، ص:۲۷۷۶۔ [2] فضائل القرآن للقاسم بن سلام:۱۳۶۔ [3] تفسیر القرطبی، ج:۱، ص:۳۹۔

Marfat.com

حَرْفًا وَقَدْ وَاللهِ اَسْقَطَهُ كُلَّهُ مَا يُرٰى لَهُ الْقُرْآنُ فِي خُلُقٍ وَلَا عَمَلٍ، حَتّٰى اِنَّ اَحَدَهُمْ لَيَقُوْلُ: اِنِّيْ لَاَقْرَاُ السُّوْرَةَ فِيْ نَفْسٍ! وَاللهِ مَا هٰؤُلَاءِ بِالْقُرَّاءِ وَلَا الْعُلَمَاءِ وَلَا الْحُكَمَاءِ وَلَا الْوَرَعَةِ مَتٰى كَانَتِ الْقُرَّاءُ مِثْلَ هٰذَا؛ لَا كَثَّرَ اللهُ فِي النَّاسِ مِثْلَ هٰؤُلَاءِ [1]

بے شک یہ قرآن غلام اور بچے بھی پڑھتے ہیں جن کو ان کے معانی کا علم نہیں ہوتا، آیات میں تدبر صرف اسی کو کہتے ہیں کہ اس کی اتباع عمل کے ذریعے کی جائے، تدبر یہ نہیں ہے کہ حروف کو تو حفظ کر لو مگر احکام و حدود کو فراموش کرتے رہو۔ بسا اوقات ان میں سے کوئی یہ کہتا ہے کہ میں نے مکمل قرآن مجید پڑھ لیا، ایک حرف بھی نہیں چھوڑا، حالانکہ اللہ کی قسم! وہ سارا قرآن چھوڑ چکا ہوتا ہے کیونکہ اس کے اخلاق اور کردار میں کہیں قرآن نظر نہیں آتا۔ بسا اوقات کوئی یہ کہتا ہے کہ میں ایک ہی سانس میں پوری سورت پڑھ لیتا ہوں، اللہ کی قسم! یہ لوگ قراء، حکما اور پرہیز گار نہیں ہو سکتے، بھلا پہلے ایسے بے عمل قراء کب اور کہاں ہوتے تھے، اللہ تعالیٰ جَلَّ جَلَالُہٗ ایسے لوگوں کی تعداد میں کبھی اضافہ نہ فرمائے۔

سیدہ عائشہ رَضِیَ اللہُ عَنْہَا سے جب اللہ کے فرمان: وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ کی تفسیر کے متعلق سوال ہوا تو انہوں نے فرمایا:

كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ يَغْضَبُ لِغَضَبِهِ وَيَرْضٰى لِرِضَاهُ [2]

"آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کا اخلاق قرآن تھا، اسی کی ناراضی پر آپ ناراض ہوتے تھے اور اسی کی رضامندی پر آپ راضی ہوتے تھے"۔

---

[1] المصنف لعبد الرزاق، رقم الحدیث: ۵۹۸۴۔ [2] المعجم الاوسط للطبرانی، ج:۱، ص:۳۰۔

Marfat.com

ایک شخص اپنے بیٹے کو لے کر سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور عرض کی:

اِنَّ ابْنِیْ ھٰذَا قَدْ جَمَعَ الْقُرْآنَ فَقَالَ : اَللّٰھُمَّ غَفْرًا ، اِنَّمَا جَمَعَ الْقُرْآنَ مَنْ سَمِعَ لَہٗ وَاَطَاعَ [1]

''یہ میرا بیٹا ہے، اس نے قرآن مجید حفظ کر لیا ہے۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ بخشش فرمائے، درحقیقت قرآن مجید اُس نے جمع (حفظ) کیا ہے جس نے اسے سنا اور اس کی اطاعت وفرمانبرداری کی''۔

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:

یَامَعْشَرَ الْقُرَّاءِ! اِسْتَقِیْمُوْا فَقَدْ سَبَقْتُمْ سَبْقًا بَعِیْدًا ، فَاِنْ اَخَذْتُمْ یَمِیْنًا وَّشِمَالًا لَقَدْ ضَلَلْتُمْ ضَلَالًا بَعِیْدًا [2]

''اے قراء کی جماعت! سیدھی راہ اختیار کرو، تم بہت آگے بڑھ جاؤ گے اور اگر تم دائیں بائیں کا راستہ لو گے تو بہت دور کی گمراہی میں جا پڑو گے''۔

۴۔ اللہ تعالیٰ سے مناجات کے لئے تلاوت کرنا

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

لَا تَھُذُّوا الْقُرْآنَ ھَذَّ الشِّعْرِ وَلَا تَنْثُرُوْہُ نَثْرَ الدَّقْلِ ، قِفُوْا عِنْدَ عَجَائِبِہٖ وَحَرِّکُوْا بِہِ الْقُلُوْبَ [3]

''قرآن مجید کو اشعار کی طرح تیزی سے نہ پڑھو، نہ اسے ردی کھجوروں کی طرح بکھیرے جاؤ، بلکہ اس کے عجائبات پر ٹھہرو اور اس کے ذریعے اپنے دلوں کو متحرک کرو''۔

[1] فضائل القرآن للقاسم بن سلام: ۱۳۳۔ [2] صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۷۲۸۲۔ [3] تفسیر البغوی، ج:۴، ص:۴۰۷، شعب الایمان ،ج:۱،ص:۳۴۴۔

Marfat.com

محمد بن کعب قرظی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لَأَنْ أَقْرَأَ فِي لَيْلَتِي أُصْبِحَ بِإِذَا زُلْزِلَتْ وَالْقَارِعَةُ، لَا أَزِيدُ عَلَيْهِمَا وَأَتَرَدَّدُ فِيهِمَا وَأَتَفَكَّرُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَهُذَّ الْقُرْآنَ لَيْلَتِي هَذًّا [1]

''میں اگر رات بھر صبح تک صرف سورت اذا زلزلت اور سورۃ القارعہ کی تلاوت کروں اور انہیں بار بار دہرا کر اس پر غور وفکر کروں، یہ مجھے اس بات سے کہیں زیادہ پسند ہے کہ میں ساری رات جلدی جلدی قرآن مجید پڑھ کر بسر کردوں''۔

سیدنا عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

سَأَلْتُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيَّ، قُلْتُ: الرَّجُلُ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ أَيُّ شَيْءٍ يَنْوِي بِقِرَاءَتِهِ وَصَلَاتِهِ؟ قَالَ: يَنْوِي أَنَّهُ يُنَاجِي رَبَّهُ [2]

''میں نے سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ آدمی جب نماز کے لئے کھڑا ہو تو اپنی قرأت اور نماز میں کس چیز کی نیت کرے؟ انہوں نے فرمایا: وہ اپنے پروردگار سے مناجات کی نیت کرے''۔

سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِآيَةٍ حَتَّى أَصْبَحَ يُرَدِّدُهَا (إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ) [3]

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک آیت کو قیام میں پڑھنا شروع کیا اور صبح تک بار بار اسی آیت کو دہراتے رہے، وہ آیت یہ تھی: إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں معاف کردے تو تو غالب ہے، حکمت والا ہے''۔

[1] الزھد لابن المبارک، ج:۱، ص:۹۷۔ [2] تعظیم قدر الصلاۃ للمروزی، ج:۱، ص:۹۲۔ [3] المائدۃ:۱۱۸، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث:۱۳۵۰۔

Marfat.com

سیدنا عباد بن حمزہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے:

دَخَلْتُ عَلٰى اَسْمَاءَ وَهِيَ تَقْرَأُ: فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ [1] قَالَ: فَوَقَفْتُ عَلَيْهَا ، فَجَعَلَتْ تَسْتَعِيْذُ وَتَدْعُوْ. قَالَ عَبَّادٌ: فَذَهَبْتُ اِلَى السُّوْقِ فَقَضَيْتُ حَاجَتِيْ، ثُمَّ رَجَعْتُ وَهِيَ فِيْهَا بَعْدُ تَسْتَعِيْذُ وَتَدْعُوْ [2]

''میں سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کے پاس گیا، اُس وقت وہ سورۂ طور کی اس آیت کی تلاوت کر رہی تھیں: فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ (اس اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے ہم پر بڑا احسان کیا اور ہمیں تیز وتند گرم ہواؤں کے عذاب سے بچالیا) وہ اسی آیت پر ٹھہری رہیں، دعائیں کرتی رہیں اور اللہ کے عذاب سے پناہ مانگتی رہیں، پھر میں بازار چلا گیا اور اپنا کام مکمل کیا، جب میں واپس ان کے پاس آیا تو وہ بدستور اللہ کے عذاب سے پناہ مانگ رہی تھیں اور مسلسل دعا کئے جارہی تھیں، یعنی وہی آیت بار بار پڑھے جارہی تھیں۔

سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں مروی ہے:

انہوں نے سورۂ بقرہ کی اس آیت: وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ کو بیس سے زیادہ مرتبہ دہرایا۔[3]

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق مروی ہے:

آپ نے ایک رات سورۃ النحل کی یہ آیت پڑھنی شروع کی وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو تم ایسا نہیں کر سکتے، بے شک اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔ وہ رات بھر یہی آیت پڑھتے رہے یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔[4]

[1] الطور: ۲۷۔ [2] المصنف لابن ابی شیبۃ، ج:۲، ص:۲۵، رقم الحدیث: ۶۰۳۷۔ [3] المصنف لابن ابی شیبۃ، ج:۷، ص:۲۰۳۔ [4] مختصر قیام اللیل للمروزی، ص:۱۵۱۔

Marfat.com

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے ایک رات قیام کیا اور طلوع سحر تک بار بار اسی ایک آیت کی تلاوت کرتے رہے:

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ [1]

''کیا ان لوگوں کو جو برے کام کرتے ہیں یہ گمان ہے کہ ہم انہیں ان لوگوں جیسا کر دیں گے جو ایمان لائے اور نیک کام کئے کہ ان کا مرنا جینا یکساں ہوگا؟ برا ہے وہ فیصلہ جو وہ کر رہے ہیں''۔

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

هٰذِهٖ عَادَةُ السَّلَفِ يُرَدِّدُ اَحَدُهُمُ الْاٰيَةَ اِلَى الصُّبْحِ [2]

''سلف صالحین کی عادت مبارک یہ تھی کہ ان میں کوئی شخص ایک آیت پڑھتا تو اسی آیت کو بار بار پڑھتے ہوئے صبح کر دیتا تھا''۔

اللہ تعالیٰ جل جلالہ ہمیں بھی سلف صالحین کے نقشِ قدم پر چلنے اور تدبر کے ساتھ قرآن مجید پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆

---

[1] الجاثیۃ:۴۵، المعجم الکبیر للطبرانی، ج:۲،ص:۵۰۔ [2] مفتاح دار السعادۃ، ج:۱،ص:۲۲۲۔

Marfat.com

قرآن مجید کے حقوق

قرآن مجید کے پانچ حقوق ہیں، حقوق کی ادائیگی کے سلسلے میں ہمیں کوتاہی نہیں کرنی چاہئے، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک کتاب ''اِصلاحِ انقلابِ اُمت'' ہے، جس میں اس سلسلہ کی ہماری کوتاہیوں کی تفصیلات بیان کی گئیں ہیں۔

پہلا حق، قرآن مجید پر ایمان لایا جائے

قرآن مجید کا پہلا حق یہ ہے کہ اس پر ایمان لایا جائے، قرآن مجید پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ زبان سے اس کا اقرار کیا جائے کہ یہ اللہ جل جلالہ کا کلام ہے جو حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے سے آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تقریباً ۲۳ سال میں نازل ہوا۔ زبان کے اقرار کے بعد اسی چیز کا اقرار دل سے کروانا، یعنی قلبی تصدیق کرنا کہ واقعی یہ قرآن اللہ تعالیٰ جل جلالہ کا کلام ہے جو جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے سے آخری نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کیا گیا۔

زبان کا اقرار اور دلی تصدیق کر لینا قرآن مجید پر ایمان لانے کے لئے کافی نہیں بلکہ اس قولی اقرار و قلبی تصدیق کو عملی جامہ پہنانا اور جسم کے تمام اعضا پر نافذ کرنا اور سر سے پاؤں تک اس اقرار کے مطابق عمل کروانا عین ایمان ہے۔ سب سے پہلے ایمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (جن کو مومنوں کی صفت سے متصف کیا گیا ہے) نے قبول اور تسلیم کیا جیسا کہ ربّ ذوالجلال نے خود اسی قرآن مجید میں فرمایا ہے:

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ [1]

''رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس (ہدایت) پر ایمان لائے ہیں جو ان کے ربّ کی طرف سے ان پر نازل کی گئی ہے اور سارے مؤمن بھی''۔

---

[1] البقرۃ: ۲۸۵۔

Marfat.com

یعنی نبی کریم ﷺ اس پر ایمان لائے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ایمان لائے تو ایمان کی دولت پا لینے کے بعد اللہ جل جلالہ نے ان کو مؤمنوں کے لقب سے نواز دیا، چنانچہ انہوں نے اس لقب کی اتنی قدر کی کہ اپنا اُٹھنا بیٹھنا اس قرآن مجید کے مطابق کرلیا اور پوری کائنات کے لئے آئیڈیل بن گئے۔

قرآن مجید پر ایمان لانے کا مطلب

قرآن مجید پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ قلوب میں یقین محکم ہو کہ یہ کتاب، اللہ جل جلالہ کی طرف سے اس کے نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی جس کو جبرائیل علیہ السلام کے واسطے سے نازل کیا گیا، جیسا کہ قرآن مجید خود گواہی دیتا ہے:

تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ [1] قرآن مجید رب العالمین کا اتارا ہوا ہے۔

دوسری جگہ فرمایا:

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ. نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ. بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ [2]

''اور بلا شبہ یہ (قرآن) یقیناً رب العالمین کا نازل کیا ہوا ہے، روح الامین (جبرائیل علیہ السلام) اسے لے کر نازل ہوا، آپ کے دل پر، تاکہ آپ ڈرانے والوں میں سے ہوں، واضح عربی زبان میں''۔

مذکورہ آیاتِ قرآنیہ اس بات کی غمازی کرتی ہیں کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی نازل کردہ کتاب ہے اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری بھی خود پروردگارِ عالم نے لے رکھی ہے۔ مگر بعض مستشرقین خبیث آراء پھیلا رہے ہیں کہ یہ قرآن مجید اصل نہیں۔ بعض نے تو باقاعدہ قرآن مجید میں شکوک پیدا کرنے کے لئے کتابیں لکھیں جن میں سے حسین النوری طبرسی رافضی ہے۔ اس نے اپنی کتاب کا نام "فَصْلُ الْخِطَابِ فِيْ اِثْبَاتِ تَحْرِيْفِ كِتَابِ رَبِّ الْاَرْبَابِ" رکھا اور آیات کو بدلا، اور بعض زنادقہ نے تو یہ بھی کہا کہ قرآنی آیت وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ

[1] الحاقۃ: ۴۳۔ [2] الشعراء: ۱۹۲ تا ۱۹۵۔

Marfat.com

اللّٰہُ بِبَدْرٍ (بِسَیْفِ عَلِیٍّ) وَاَنْتُمْ اَذِلَّۃٌ ہے۔(والعیاذ باللہ) الغرض مؤمن کا ایمان محکم ہونا چاہئے کہ قرآن مجید جہاں اللہ تعالیٰ جَلَّ جَلَالُہٗ کا کلام ہے وہاں یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اتارا گیا اور یہ رہتی دنیا تک رشد و ہدایت کا منبع، مصدر اور مشعل راہ ہے۔[1]

ہمارے دل میں قرآن مجید کی ظاہری اور باطنی دونوں طور پر عظمت ہونی چاہئے۔ باطنی عظمت کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید کا جتنا مرتبہ اور اس کی بڑائی ہے، وہ خوب دل میں بیٹھ جائے، چنانچہ جس کو حق تعالیٰ شانہ نے قرآن مجید کا علم عطا فرمایا ہو، مثلاً حافظ ہو، عالم ہو، تو وہ دنیا کی نعمت کو دیکھ کر کبھی دل میں یہ حسرت نہ لائے کہ: افسوس مجھے یہ چیز (مثلاً کار، کوٹھی وغیرہ) نہیں ملی، واللہ العظیم دنیا کی کوئی نعمت قرآن مجید سے بڑھ کر نہیں، یہ اتنی بڑی دولت ہے کہ دنیا کی دوسری تمام نعمتیں اگرچہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں، اس نعمت قرآن کے سامنے گردِ راہ ہیں، اور تختِ سلیمانی اس کے سامنے ہیچ ہے۔

صرف ایک ”سبحان اللہ“ ہزار تختِ سلیمانی سے بہتر

حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے تخت پر کہیں تشریف لے جا رہے تھے، آپ کے جلو میں جنات، انسان اور پرندے پرا باندھے ہوئے تھے، عجیب سماں تھا، اتنے میں کسی نے زمین سے حضرت سلیمان علیہ السلام کی اس کرّ و فر کو دیکھا تو کہا سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ نے کیسی سلطنت حضرت سلیمان علیہ السلام کو عطا فرمائی ہے، حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب یہ کہتے ہوئے کسی سے سنا، تو حکم فرمایا کہ تخت زمین پر اتارا جائے، زمین پر اتر کر اس شخص کو بلایا اور اس سے پوچھا کہ تم نے یہ کیا کہا؟ اس نے سمجھا کہ شاید گستاخی ہوگئی ہے، کہنے لگا: یا حضرت! یہ بے اختیار نکل گیا کہ اللہ تعالیٰ جَلَّ جَلَالُہٗ نے آپ کو کیسی حکومت عطا فرمائی ہے، حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ: بندۂ خدا تیرے منہ سے جو ”سبحان اللہ“ نکلا ہے، وہ ہزار تختِ سلیمانی سے بہتر ہے۔

قرآن مجید کی دولت کے مقابلے میں، کائنات کی تمام چیزیں بچوں کے کھلونوں کی طرح ہیں، اصل دولت تو یہ قرآن مجید ہے، اس کی جتنی عظمت دل میں آئے گی، قرآن مجید اتنا ہی اپنا رنگ دکھائے گا۔

---

[1] تفسیر القرطبی، ج:۱، ص:۸۲۔

Marfat.com

دوسرا حق، قرآن مجید کو پڑھا جائے

مسلمان ہونے کے ناطے ہم پر جو دوسرا حق عائد ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ہم قرآن مجید کو پڑھیں۔ اسے بار بار اور اس طرح پڑھا جائے جس طرح اس کے پڑھنے کا حق ہے، یعنی اس کے مطالب و مفاہیم کو اچھی طرح سمجھا جائے، چنانچہ خود باری تعالیٰ حکم فرماتے ہیں:

وَاتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ صلے لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا [1]

''اور آپ اس کی تلاوت کیجئے جو کچھ آپ کے ربّ کی کتاب میں سے آپ کی طرف وحی کیا گیا ہے، اس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں، اور آپ اس کے سوا کوئی جائے پناہ ہر گز نہیں پائیں گے''۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ [2]

''جو کتاب (قرآن مجید) آپ کی طرف وحی کی گئی ہے اسے پڑھیے اور نماز قائم کیجئے''۔

ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی تلاوت مسلسل کرنا ضروری ہے، یہ مؤمن کی روح کی غذا ہے اور اس کے ایمان کو تر و تازہ اور سرسبز و شاداب رکھنے اور مشکلات و موانع کے مقابلے کے لئے سب سے مؤثر ہتھیار اور اہم ترین ذریعہ ہے، قرآن مجید میں ہے:

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ (وہ رسول ان پر اللہ کی آیات کی تلاوت کرتا ہے)۔ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً (رسول، اللہ کی طرف سے تلاوت کرتا ہے پاکیزہ صحیفے)۔

ایک بزرگ فرماتے تھے کہ یہ تو اللہ تعالیٰ جل جلالہ کا انعام ہے کہ ہمارے اور اللہ کے درمیان دو واسطے ہیں،

[1] الکھف: ۲۷۔ [2] العنکبوت: ۴۵۔

Marfat.com

ایک حضرت جبرائیل علیہ السلام کا اور دوسرا آپ ﷺ کی زبان مبارک سے قرآن مجید کا جاری ہونا، اگر یہ واسطے درمیان میں نہ ہوتے، تو ہم قرآن مجید کی تلاوت پر قادر نہ ہوتے، آپ ﷺ کی خدمت میں ایک وفد آیا آپ ﷺ سے براہ راست قرآن مجید سنا، آپ ﷺ کی زبان مبارک سے قرآن مجید سن کر دلوں پر کیا اثرات پڑے ہوں گے؟ کون اندازہ کرسکتا ہے؟ وہ حضرات تلاوت سن کر رونے لگے۔

ٹی وی اور اخبارات کی نحوست

آج ہم لوگوں کو تلاوت کی توفیق کم ہوتی ہے، آج مسلمانوں کے گھروں میں کتنے پڑھے لکھے لوگ ہیں، مگر انہیں قرآن مجید کی تلاوت کی توفیق کم ہی ہوتی ہے۔ دوسری کتابیں کتنی پڑھی جاتی ہیں، جب سے اخبارات، ٹی وی آگیا ہے اور ناول، افسانے آگئے ہیں، مسلمانوں کے ہاتھوں سے قرآن مجید چھین لیا گیا ہے، بہت سے گھر ہیں جن میں مہینوں تک قرآن مجید کی تلاوت نہیں ہوتی۔

حدیث شریف میں ہے:

"اِنَّ الَّذِیْ لَیْسَ فِیْ جَوْفِهٖ شَیْءٌ مِّنَ الْقُرْاٰنِ کَالْبَیْتِ الْخَرِبِ" [1]

جس انسان کے دل کے اندر قرآن مجید کا کچھ حصہ بھی نہ ہو، اس دل کی مثال ویران گھر کی سی ہے۔

مثال مشہور ہے "خانہ خالی را دیوے گیرد" (خالی گھر میں شیطان بسیرا جمالیتا ہے)۔

پریشانیوں کا سبب

افسوس آج ہمارے گھر قرآن مجید کی تلاوت سے خالی ہو گئے ہیں، نتیجہ یہ ہوا کہ شیاطین نے بسیرا کرلیا، یہی وجہ ہے کہ آج ہر گھر میں پریشانیاں بڑھ گئی ہیں، گھر میں ہر نعمت موجود ہے، مگر قلب کا سکون نہیں ہے، آپ کسی کو تھوڑا سا چھیڑ دیں، اور ٹٹولیں تو وہ اپنی پریشانیوں کی داستان سنانا شروع کردے گا، پریشانیاں ہیں، مگر وجہ معلوم نہیں ہے، ۹۰ فیصد گھروں میں تصویریں لگی ہوئی ہیں، حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

---

[1] مشکوٰۃ، ص: ۱۸۶۔

Marfat.com

لَا تَدْخُلُ الْمَلٰئِكَةُ بَيْتًا فِيْهِ كَلْبٌ وَلَا تَصَاوِيْرُ [1]

''کہ جس گھر میں تصویر یا کتّا ہوگا اس گھر میں رحمت کے فرشتے نہیں آئیں گے''۔

گھر میں قرآن کی تلاوت نہیں ہوتی، ذکر نہیں ہوتا، درود شریف نہیں پڑھا جاتا اور دوسری دین کی بات نہیں ہوتی، اس لئے رحمت رخصت ہوگئی، دل کا مسکرانا کہاں سے حاصل ہوگا؟

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے:

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا جَلَسَ قَوْمٌ مَجْلِسًا لَمْ يَذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْهِ وَلَمْ يُصَلُّوْا عَلٰى نَبِيِّهِمْ اِلَّا كَانَ عَلَيْهِمْ تِرَةً فَاِنْ شَآءَ عَذَّبَهُمْ وَاِنْ شَآءَ غَفَرَ لَهُمْ [2]

ان لوگوں کی مثال جو ایک جگہ جمع ہوئے (اور انہوں نے کھانا وغیرہ کھایا) مگر اللہ کا ذکر کئے اور درود شریف پڑھے بغیر اُٹھ گئے، انہوں نے بہت بڑا نقصان کیا، اگر اللہ پاک چاہیں تو ان کو عذاب دیں یا چاہیں تو ان کو معاف فرمادیں۔

اسی طرح ابوداؤد شریف میں ہے:

مَا مِنْ قَوْمٍ يَقُوْمُوْنَ مِنْ مَجْلِسٍ لَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ فِيْهِ اِلَّا قَامُوْا عَنْ مِثْلِ جِيْفَةِ حِمَارٍ وَكَانَ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً [3]

جو لوگ کسی مجلس سے اس حال میں اٹھے کہ انہوں نے اس میں اللہ کا ذکر نہیں کیا تو وہ ایسے ہیں جیسے (چند کتے) مردار گدھے پر جمع ہوئے اور کھا کر چلے گئے، ایسی مجلس ان لوگوں پر قیامت کے دن حسرت وافسوس کا سبب ہوگی۔

ہم شام سے لے کر صبح تک اور صبح سے لیکر شام تک اپنی زندگی کا جائزہ لیں، کہ گھر میں قرآن پڑھا جاتا ہے یا نہیں؟ پہلے ہر گھر میں اس کا اہتمام ہوتا تھا، روزانہ گھروں میں تلاوت ہوتی تھی، تلاوت کا سب سے بہترین وقت نماز فجر کے بعد کا وقت ہے، فجر کی نماز سے پہلے تسبیحات افضل ہیں اور نماز کے بعد تلاوت، باقی دونوں

[1] مشکوٰۃ، ص: ۳۸۵۔ [2] ترمذی، ج:۲، ص: ۱۷۴۔ [3] ابوداؤد، ج:۲، ص: ۳۱۰۔

Marfat.com

سونے کی کانیں ہیں، بڑے گھروں میں لوگ اُٹھتے ہی بہت دیر سے ہیں، دیر سے سوتے ہیں، عشاء کے بعد ٹی وی دیکھا جارہا ہے، تبصرے ہو رہے ہیں، باتیں کی جارہی ہیں، حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے، چنانچہ حدیث میں ہے:

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْرَهُ النَّوْمَ قَبْلَ صَلٰوةِ الْعِشَاءِ وَالْحَدِيْثَ بَعْدَهَا [1]

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عشاء سے پہلے نیند کرنے کو اور نماز عشاء کے بعد باتیں کرنے کو ناپسند فرماتے تھے"۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں عشاء کے بعد قانوناً بات کرنے کی ممانعت تھی، حکم تھا کہ عشاء کے بعد سو جاؤ، جلدی سونے سے تہجد کے لئے اٹھنا آسان ہوگا، بے خوابی کی شکایت نہیں ہوگی، گولیوں کی ضرورت نہیں رہے گی، سنت کے خلاف کرو گے تو ایسا ہی ہوگا، بہرحال مسلمانوں کا کوئی گھر تلاوت سے خالی نہیں ہونا چاہئے۔

تلاوت کے معمول اکابر کے مختلف رہے ہیں، روزانہ ایک قرآن مجید، ۱۵ پارے روزانہ، ۱۰ پارے روزانہ اور کم سے کم معمول ایک پارہ روزانہ اور مہینہ میں ۳۰ پارے، یہ اپنے اوپر لازم کر لینا چاہئے، جتنا ادب و احترام کے ساتھ پڑھو گے، اتنا ہی اللہ جل جلالہ نوازیں گے۔ ایک صاحب قرآن پڑھنا نہیں جانتے تھے، انگلی پھیر کر "هٰذَا كَلَامُ رَبِّيْ. هٰذَا كَلَامُ رَبِّيْ" پڑھتے رہتے تھے، حق تعالیٰ شانہ نے اس کی برکت سے بخش دیا۔

تلاوت کی برکات

پہلے تلاوت قرآن مسلمانوں کے روزمرہ کے معمولات میں تھی، تلاوت سے دل، بدن اور آنکھوں میں نور آتا ہے، دل مجمع الانوار، نور الانوار بنتا ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے ہر ہر حرف کے نیچے تجلیات رکھی ہیں، تلاوت کا ثواب قیامت کو تو ملے گا ہی، مگر دنیا میں بھی بہت کچھ ملے گا، مشکلات آسان ہوں گی، دل میں سکون

[1] مؤطا امام مالک، ص: ۱۰۱۔

Marfat.com

آئے گا، گھروں میں برکتیں اور رحمتیں آئیں گی، اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے ارشاد فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ [۱]

''اے لوگو تمہارے پاس آتی ہے نصیحت تمہارے ربّ سے اور شفاء دلوں کے روگ کی اور ہدایت اور رحمت مسلمانوں کے لئے''۔

تم اس کو کہاں بھول گئے؟ یہ بھولنے کی چیز نہیں ہے، قرآن مجید تمہاری سب ظاہری، باطنی، اندرونی اور بیرونی بیماریوں کے لئے شفاء ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ابتدائی ایام میں تاکیدی حکم تھا کہ رات کا اکثر حصہ اپنے رب کے سامنے کھڑے ہو کر قرآن مجید ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے ہوئے بسر کرو، اور خصوصاً جب مشکلات و مصائب کا زور ہوتا تھا اور صبر و استقامت کی خصوصی ضرورت ہوتی تھی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تلاوتِ قرآن مجید کا حکم دیا جاتا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تلاوت فرماتے اور تمام مصائب دور ہو جاتے، تروتازگی اور خوشیاں لہلہانے لگتیں اور مصائب کا قلع قمع ہو جاتا، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اسی طرح قرآن پاک کی تلاوت کرتے تھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ ان کی کیفیت یوں بیان فرماتے ہیں:

الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَتْلُونَهُ حَقَّ تِلَاوَتِهِ أُولَٰئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ [۲]

''وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب (قرآن مجید) عطا کی ہے وہ اس کی تلاوت اس طرح کرتے ہیں کہ جس طرح کرنے کا حق ہے، یہی لوگ اس (قرآن مجید) پر ایمان رکھتے ہیں''۔

قرآن مجید کو ترتیل سے پڑھنے کی اہمیت وضرورت

قرآن مجید کی تلاوت کا حق ادا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کو ترتیل کے ساتھ پڑھا جائے۔ ترتیل کے لغوی معنی یہ ہیں کہ قرآن مجید کو ٹھہر ٹھہر کر خوش اسلوبی، خوش الحانی، حسنِ ادائیگی اور ترتیب کے ساتھ

---

[۱] یونس: ۵۷۔ [۲] البقرہ: ۱۲۱۔

Marfat.com

پڑھا جائے۔اور اصطلاح میں ترتیل کہتے ہیں:

قِرَاءَةُ الْقُرْآنِ الْكَرِيْمِ بِتَمَهُّلٍ وَاطْمِئْنَانٍ مَعَ تَدَبُّرِ الْمَعَانِيْ وَمُرَاعَاةِ كَيْفِيَّةِ تِلَاوَةِ كِتَابِ اللهِ الْمُنَزَّلَةِ مِنْهُ [1]

''اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی طرف سے نازل شدہ کتاب قرآن مجید کو ٹھہر ٹھہر کر اطمینان اور معانی کے تدبر اور اس کیفیت کا لحاظ کرتے ہوئے پڑھنا جس طرح اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے پڑھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا''۔

قرآن میں ہے: وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ''اور ہم نے اسے (قرآن کو) ٹھہر ٹھہر کر ہی (ترتیل کے ساتھ) پڑھ کر سنایا ہے''۔قرآن مجید اسی طرح نازل ہوا ہے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى قَرَأَ طٰهٰ وَيٰسٓ قَبْلَ اَنْ يَّخْلُقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِاَلْفِ عَامٍ فَلَمَّا سَمِعَتِ الْمَلَائِكَةُ الْقُرْآنَ قَالَتْ: طُوْبٰى لِاُمَّةٍ يَنْزِلُ هٰذَا عَلَيْهَا، وَطُوْبٰى لِاَجْوَافٍ تَحْمِلُ هٰذَا، وَطُوْبٰى لِاَلْسِنَةٍ تَتَكَلَّمُ بِهٰذَا۔ [2]

اللہ جل جلالہ نے زمین و آسمان کے پیدا کرنے سے ایک ہزار سال پہلے سورۂ طٰہٰ اور سورۂ یٰسین تلاوت کی، جب فرشتوں نے سنا تو کہنے لگے: سعادت (رشک، خیر، بہتری، عمدگی) ہے اس اُمت کیلئے جس پر یہ نازل ہوگا اور سعادت مند ہیں وہ پیٹ (سینے) جو اسے اُٹھائیں گے (یاد کریں گے) اور سعادت مند ہیں وہ زبانیں جو اسے پڑھیں گی۔

اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے فرشتوں کو قرآن ترتیل کے ساتھ پڑھ کر سنایا، اور اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ بھی اسی ترتیل کے ساتھ پڑھیں، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيْلًا [3] ''اور قرآن مجید کو خوب ٹھہر ٹھہر کر (ترتیل کے ساتھ) پڑھا کرو''۔

[1] فتح القدیر، ج:۵، ص:۴۱۹، ابن کثیر، ج:۴، ص:۵۵۹۔ [2] سنن الدارمی، رقم الحدیث:۳۴۱۵۔ [3] مزمل:۴۔

Marfat.com

سیدہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

كَانَ يُقَطِّعُ قِرَاءَتَهُ آيَةً آيَةً ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ثُمَّ يَقِفُ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ، ثُمَّ يَقِفُ [1]

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قرأت کو ایک ایک آیت کر کے پڑھتے تھے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ پڑھتے اور ٹھہر جاتے، پھر اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھتے اور ٹھہر جاتے''۔

اسی ترتیل کی تفسیر حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے یوں کی ہے:

اَلتَّرْتِيْلُ هُوَ تَجْوِيْدُ الْحُرُوْفِ وَمَعْرِفَةُ الْوُقُوْفِ ترتیل کے معنی ہیں حروف کی تجوید (حروف کو شناخت کے ساتھ ان کے مخارج وصفات کے ساتھ ادا کرنا) اور وقوف کی معرفت حاصل کرنا۔[2]

اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی (جو خود ترتیل کے ساتھ پڑھا کرتے تھے) لوگوں کو یہی حکم دیا:

جَوِّدُوا الْقُرْآنَ وَزَيِّنُوْهُ بِأَحْسَنِ الْاَصْوَاتِ ''قرآن کو تجوید کے ساتھ پڑھو اور اسے اچھی آوازوں کے ساتھ مزین کرو''۔[3]

گویا کہ یہ ان کا قول ترتیل کی تفسیر ہی ہے اور پھر فعلاً اسے اپنے شاگردوں کو بھی پڑھایا، جیسا کہ موسیٰ بن یزید الکندی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كَانَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ يُقْرِئُ رَجُلًا فَقَرَأَ الرَّجُلُ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ ، مُرْسَلَةً فَقَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ: مَا هٰكَذَا اَقْرَاَنِيْهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَيْفَ اَقْرَأَكَهَا؛ قَالَ اَقْرَأَنِيْهَا اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ فَمَدَّهَا [4]

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ایک آدمی کو پڑھایا کرتے تھے تو اس آدمی نے پڑھا اِنَّمَا

[1] صحیح الجامع، رقم الحدیث: ۵۰۰۰۔ [2] منار الهدیٰ فی بیان الوقف والا بتدا، ج:۱، ص:۹۔ [3] النشر فی القرات العشر، ج:۱، ص:۲۳۶۔
[4] الدر المنثور: ۴۴۹/۹۔

Marfat.com

الصَّدَقٰتُ لِلۡفُقَرَآءِ وَالۡمَسٰكِيۡنِ اور لِلۡفُقَرَآءِ کو بغیر مد کے پڑھا، تو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نہیں پڑھایا تھا۔ اس آدمی نے عرض کیا کہ پھر آپ کو کیسے پڑھایا تھا؟ تو فرمانے لگے اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلۡفُقَرَآءِ وَالۡمَسٰكِيۡنِ، یعنی لِلۡفُقَرَآءِ میں مد کی۔

علمِ تجوید کی اہمیت وضرورت

علماء نے ایک علم کی بنیاد رکھی، جس کا نام علمِ تجوید رکھا، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کے اقوال سے مستنبط کیا گیا ہے، حتی کہ علامہ محمد مکی نصر نے اپنی کتاب "نہایۃ قول المفید" میں تجوید کے وجوب پر علماء کا اجماع نقل کیا ہے، اور فرماتے ہیں:

فَقَدِ اجۡتَمَعَتِ الۡاُمَّةُ الۡمَعۡصُوۡمَةُ مِنَ الۡخَطَاءِ عَلٰى وُجُوۡبِ التَّجۡوِيۡدِ مِنۡ زَمَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ اِلٰى زَمَانِنَا وَلَمۡ يَخۡتَلِفۡ فِيۡهِ اَحَدٌ مِنۡهُمۡ وَهٰذَا مِنۡ اَقۡوَى الۡحُجَجِ [1]

امت اسلامیہ کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے لے کر آج تک تجوید وترتیل کے وجوب پر اجماع ہے اور کسی نے بھی اس میں اختلاف نہیں کیا اور یہ تمام دلائل سے قوی حجت ہے۔

کسی نے خوب کہا ہے:

اَلۡقَارِئُ بِالتَّجۡوِيۡدِ مُحۡسِنٌ مَاۡجُوۡرٌ وَمُخَالِفُهٗ اِمَّا مُسِيۡئٌ مَاۡزُوۡرٌ اَوۡ مُقَصِّرٌ مَغۡرُوۡرٌ اَوۡ ضَعِيۡفٌ مُتَعۡتِعٌ مَعۡذُوۡرٌ

''قرآن مجید کو تجوید سے پڑھنے والا اچھا کام کرنے والا ہے اور اَجر پانے والا ہے، اور اس کی مخالفت کرنے والا غلطی کا مرتکب اور گنہگار ٹھہرتا ہے، نیز تجوید کی مخالفت

[1] ہدایۃ القاری الی تجوید کلام الباری، ص: ۲۶۔

Marfat.com

وہ کرے گا جو مغرور اور متکبر ہوگا، یا وہ شخص ہکلاتے ہوئے (اٹک اٹک کر) پڑھتا ہے مگر وہ اس وجہ سے معذور کہلائے گا''۔

علامہ جزری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مَنْ یُحْسِنُ التَّجْوِیْدَ یَظْفَرُ بِالرُّشْدِ [1]

''جو اچھی طرح تجوید میں ماہر ہوگا وہ ہدایت پائے گا''۔

تجوید و ترتیل کے بغیر قرآن پڑھنے والا گنہگار اس لئے ہوتا ہے کہ جب وہ ترتیل و تجوید کا لحاظ نہیں رکھے گا تو حروف صحیح نہیں ادا ہوں گے اور جب حروف صحیح طور پر نہ پڑھے جائیں تو ان کے معنی بھی غلط ہوں گے، جس کی چند مثالوں سے وضاحت کی جاتی ہے۔ مثلاً:

- ہم نماز پڑھتے ہیں تو کہتے ہیں: اَللّٰہُ اَکْبَرُ اللہ بہت بڑا ہے، لیکن اگر غلط طور پر بغیر تجوید کے پڑھا ہوگا تو وہ اکبر کے کاف کو اقبر موٹا کر دیتا ہے جس کے معنی یہ بنتے ہیں کہ اللہ نے قبر کھودی تو ظاہر ہے نعوذ باللہ یہ اللہ کی توہین ہے۔ اس سے نماز کیسے سلامت رہے گی؟
- پھر نماز میں ہم کہتے ہیں اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ جس کے معنی ہیں: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں، لیکن اگر حا کو ''ھا'' پڑھ دیا (اَلْھَمْدُ) تو اس کے معنی یہ ہو جائیں گے: ''آگ کی حرارت کو ختم ہونا اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے لئے ہے'' جبکہ یہ معنی تو یہاں مقصود ہی نہیں۔
- اسی طرح قرآن مجید میں ہم پڑھتے ہیں: اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ''اللہ تعالیٰ جل جلالہ ہر چیز پر قادر ہے''۔ (البقرۃ: ۲۰) اگر ہم نے قدیر کی قاف کو باریک کر دیا تو یہ کاف بن جائے گا جس کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ ہر چیز پر کدورت رکھنے والا ہے اور یہ بندوں کی صفت ہے، اللہ تعالیٰ جل جلالہ ایسی گندی صفات سے منزہ اور مبرا ہے۔
- اسی طرح قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ جنتیوں کے بارے میں فرماتا ہے: وَنُدْخِلُھُمْ ظِلًّا ظَلِیْلًا ''ہم

[1] شرح المقدمۃ الجزریۃ، ج:۱،ص:۱۰۔

Marfat.com

جنتیوں کو گھنے سایوں میں داخل کریں گے‘‘ [1]۔ اگر اس ظا کو موٹا نہ پڑھا بلکہ باریک پڑھ دیا تو معنی ہوں گے: ذِلًّا ذَلِیلًا ہم جنتیوں کو بڑی ذلالتوں میں داخل کریں گے۔

❁ اسی طرح قرآن کریم میں ارشاد ہے:

اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ كَانُوْۤا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ ’’بے شک فضول خرچ شیطان کے بھائی ہیں‘‘۔ [2] اب اگر الْمُبَذِّرِیْنَ کی ذال کو موٹا پڑھ دیں تو یہ ظا بن جائے گی جس کے معنی یہ ہوں گے کہ ختنے کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔ ذرا سوچیں ایک تو قرآن کا مفہوم غلط ہوا اور دوسرا فطرت کی دس چیزوں میں سے ایک ختنہ کرنا بھی ہے، ایک طرف تو ختنہ کرنا فطرت کی علامت ہے، دوسری طرف ہم اس کو شیطانی فعل صرف اپنی جہالت کی بنا پر بنا رہے ہیں۔

❁ اسی طرح قرآن مجید میں حکم ربانی ہے: فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ’’اے محمد (ﷺ)! تو اپنے رب کے لئے نماز پڑھ اور قربانی کر‘‘۔ [3] اگر وَانْحَرْ جو کہ نَحَرَ سے ہے جس کے معنی قربانی کرنے کے ہیں اس کو حا کے بجائے ھا پڑھ دیا اور وہ نَهَرَ ڈانٹنے سے ہوگا اس کے معنی ہوں گے: اے محمد! تو اپنے ربّ کے لئے نماز پڑھ اور ڈانٹ۔

❁ اسی طرح ہم صبح وشام تینوں قل (سورۂ اخلاص، والفلق، والناس) پڑھتے ہیں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ جس کے معنی یہ ہیں: ’’کہو: وہ اللہ ایک ہے‘‘ لیکن اگر ہم نے قل کے قاف کو بارک کر دیا تو یہ کُلْ بن جائے گا جس کے معنی یہ ہو جائیں گے: کھا وُ وہ اللہ ایک ہے۔

❁ اسی طرح اگر ترتیل وتجوید کی معرفت نہ ہو تو آیات قرآنی پر بغیر معرفت کے وقف ایسا ہو جاتا ہے جس سے معنی خراب ہو جاتے ہیں، اللہ کے فرمان: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ [4] پر وقف کریں تو معنی یہ ہوتے ہیں: ’’اے ایمان والو! نماز کے قریب نہ جاؤ‘‘ حالانکہ نماز نہ پڑھنے والا کافر ہے۔ تو یہاں وقف نہیں ہوگا، بلکہ ہر آیت پر وقف کریں یا جہاں معنی پورے ہوتے ہوں جیسا کہ اسی

[1] النسآء: ۵۷۔ [2] بنی اسرائیل: ۲۷۔ [3] الکوثر: ۲۔ [4] النسآء: ۴۳۔

Marfat.com

آیت کے اگلے الفاظ ہیں: وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى ”جب تم نشے میں ہو“۔

معلوم ہوا کہ اوقاف کی معرفت ترتیل و تجوید کے بغیر ناممکن ہے اور بسا اوقات لازم وقف کرنا ہوتا ہے مگر ہم نہیں کرتے، بلکہ وصل کرتے ہیں مثلاً: وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا [1] کو اگر اکٹھا پڑھیں تو اس کے معنی یہ ہوں گے: اے نبی! تم کو ان (مشرکوں و کافروں) کی یہ باتیں غم میں نہ ڈالیں کہ ساری عزت اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ حالانکہ یہی تو لڑائی تھی کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کو عبادت کے لئے نہیں سمجھتے تھے، اس کے شریک بناتے تھے، لیکن یہ معنی کب پیدا ہوا جب ہم نے اسے ملا کر پڑھا، اس لئے قَوْلُهُمْ پر ٹھہرنا لازمی اور ضروری ہے، پھر آگے پڑھیں تو معنی یہ ہوں گے: تمہیں ان کی باتیں غم میں نہ ڈالیں، ساری عزت تو اللہ تعالیٰ کے لئے ہے (وہی تمہیں عزت دے گا یہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے)۔

الغرض! تجوید کے بغیر قرآن مجید تو کیا نماز کی دعاؤں کا مفہوم بھی تبدیل ہو جاتا ہے، مثلاً: ہم دعائے استفتاح میں پڑھتے ہیں وَتَبَارَكَ اسْمُكَ جس کے معنی ہیں: اے اللہ! تیرا نام بڑا بابرکت ہے۔ اکثر سین کو ثا پڑھتے ہیں (اِثْمُكَ) اس کے معنی یہ بن جاتے ہیں: برکت والا گناہ ہے (اے اللہ) نَعُوْذُ بِاللّٰهِ۔ کیا ہم اس طرح اللہ تعالیٰ کی تعریف کر رہے ہیں یا برائی بیان کر رہے ہیں۔

استاد کی اہمیت و ضرورت

ترتیل کی کیفیت بغیر استاد کے ممکن نہیں، اس لئے جو شخص استاد سے نہیں پڑھتا، بلکہ خود ہی پڑھتا ہے، وہ صحیح نہیں پڑھ سکتا، جیسا کہ علامہ الحسینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مَنْ يَأْخُذُ الْعِلْمَ عَنْ شَيْخٍ مُشَافَهَةً ، يَكُنْ عَنِ الزَّيْغِ وَ التَّصْحِيْفِ فِيْ حَرَمٍ
وَ مَنْ يَكُنْ آخِذًا لِّلْعِلْمِ مِنْ صُحُفٍ ، فَعِلْمُهٗ عِنْدَ اَهْلِ الْعِلْمِ كَالْعَدَمِ

جو شخص کسی شیخ کے سامنے زانو طے کر کے علم حاصل کرتا ہے، اس کا علم ٹیڑھ پن اور تحریف سے محفوظ رہتا ہے، اور جو شخص صحائف (کتابوں) سے علم حاصل کرتا ہے، اس کا علم اہل علم کے

---

[1] الیونس: ۶۵۔

Marfat.com

نزدیک نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے۔[1]

قرآن مجید کو یاد کیا جائے اور روزانہ کا معمول بنایا جائے

قرآن مجید کے حفظ کا سلسلہ نہایت ہی مبارک اور حفاظت قرآن کی ربانی تدابیر میں سے ایک تدبیر ہے۔ اس کی طرف توجہ وانہماک کی اشد ضرورت ہے، آج بھی اگرچہ قرآن مجید کے لاکھوں حافظ ہیں، لیکن المیہ یہ ہے کہ حفظ ایک رواج بن گیا ہے، قرآن مجید تو اس لئے حفظ کرنا تھا کہ اس سے زیادہ سے زیادہ ہدایت لے سکیں اور رات کی تاریکیوں میں اس سے محظوظ ہوسکیں، جب مہاجرین ہجرت کر کے مدینہ گئے اور قباء کی جگہ ٹھہرے تو ان لوگوں کو سالم، جو ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کے غلام تھے، نماز پڑھاتے، اس کی وجہ یہ تھی کہ کَانَ اَکْثَرُھُمْ قُرْآنًا انہوں نے قرآن مجید باقی ساتھیوں سے زیادہ یاد کیا ہوا تھا۔[2]

اسی وجہ سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن کے قاری کو امام بنانے کا حکم دیا ہے، ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یَؤُمُّ الْقَوْمَ اَقْرَؤُھُمْ لِکِتَابِ اللّٰہِ ''قوم کا امام وہ بنے جو اللہ کی کتاب کو سب سے زیادہ پڑھنے والا ہو (جسے سب سے زیادہ قرآن مجید یاد ہو)''۔[3]

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِذَا کَانُوْا ثَلَاثَۃً فَلْیَؤُمَّھُمْ اَحَدُھُمْ وَاَحَقُّھُمْ بِالْاِمَامَۃِ اَقْرَأُھُمْ [4]

''جب (نماز پڑھنے والے) تین ہوں تو ان میں سے ایک امامت کروائے اور ان تینوں میں سے امامت کا زیادہ حق وہ رکھتا ہے جو ان میں سے زیادہ (قرآن) پڑھا ہو۔

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں حافظ قرآن کو فوقیت دی جاتی تھی، اگرچہ وہ عمر میں چھوٹا ہو۔

حضرت عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

فَقَدَّمُوْنِیْ بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَاَنَا ابْنُ سِتٍّ اَوْ سَبْعِ سِنِیْنَ، وَکَانَتْ عَلَیَّ بُرْدَۃٌ، کُنْتُ اِذَا سَجَدْتُّ تَقَلَّصَتْ عَنِّیْ، فَقَالَتِ امْرَأَۃٌ مِنَ الْحَیِّ: اَلَا تُغَطُّوْنَ عَنَّا

[1] القول السدید فی بیان حکم التجوید، ص: ۵۰۔ [2] صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۶۹۲۔ [3] صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۶۷۳۔ [4] صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۶۷۲۔

Marfat.com

اِسۡتَ قَارِئُکُمۡ؟ [۱]

''میری قوم کے لوگوں نے نماز کی امامت کے لئے مجھے آگے کر دیا، میں اس وقت چھ یا سات برس کا تھا۔ میرے پاس ایک ہی چادر تھی جو سجدے کے وقت (پیچھے سے) سمٹ جاتی (اور میں برہنہ ہو جاتا تھا) قبیلے کی ایک عورت نے کہا: تم اپنے قاری (امام) کی پچھاڑی ہم سے کیوں نہیں چھپاتے؟۔

سنن نسائی میں حضرت عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی عمر آٹھ سال مذکور ہے۔[۲]

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بچوں کو چھوٹی عمر ہی میں قرآن مجید حفظ کرواتے تھے، کیونکہ چھوٹی عمر میں تعلیم ذہن میں خوب راسخ ہوتی ہے، جیسا کہ مشہور مقولہ ہے:

اَلتَّعَلُّمُ فِی الصِّغَرِ کَالنَّقۡشِ فِی الۡحَجَرِ چھوٹی عمر میں تعلیم ایسے ہے جیسے پتھر پر نقش۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

تُوُفِّیَ رَسُوۡلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا ابۡنُ عَشۡرِ سِنِیۡنَ وَقَدۡ قَرَأۡتُ الۡمُحۡکَمَ [۳]

''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوت ہوئے تو میں دس سال کا تھا جبکہ میں اس وقت محکم سورتیں پڑھ چکا تھا''۔

حقیقت میں قرآن تین چیزوں سے یاد ہوتا ہے: (۱) تہجد میں پڑھنے سے (۲) امامت کروانے سے، (۳) حفظ کرنے سے۔ سیدنا تمیم داری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنۡ قَرَأَ بِمِائَةِ اٰیَةٍ فِیۡ لَیۡلَةٍ کُتِبَ لَهٗ قُنُوۡتُ لَیۡلَةٍ [۴]

جو رات کو صرف ۱۰۰ آیات (نماز میں) پڑھے، اس کیلئے پوری رات کا قیام لکھا جاتا ہے۔

اور فرمایا:

[۱] صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۴۳۰۲۔ [۲] سنن النسائی: ۷۹۰۔ [۳] صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۵۰۳۵۔ [۴] صحیح الجامع، رقم الحدیث: ۶۴۶۸۔

Marfat.com

يَآيُّهَا النَّاسُ ! اَفْشُوا السَّلَامَ ، وَاَطْعِمُوا الطَّعَامَ ، وَصِلُوا الْاَرْحَامَ ، وَصَلُّوا بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ ، تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ [1]

''اے لوگو! سلام پھیلاؤ اور لوگوں کو کھانا کھلاؤ اور صلہ رحمی کرو اور تہجد پڑھو جبکہ لوگ سو رہے ہوتے ہیں، تم جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے۔

غور فرمائیں! اگر قرآن حفظ نہ کیا ہوگا تو تہجد میں کیا پڑھے گا۔ ایک حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ کا یہ ارشاد بھی ہے:

مَنْ قَامَ بِعَشْرِ آيَاتٍ لَمْ يُكْتَبْ مِنَ الْغَافِلِيْنَ ، وَمَنْ قَامَ بِمِائَةِ آيَةٍ كُتِبَ مِنَ الْقَانِتِيْنَ ، وَمَنْ قَامَ بِأَلْفِ آيَةٍ كُتِبَ مِنَ الْمُقَنْطِرِيْنَ [2]

''جو رات کو قیام میں دس آیتیں پڑھے اس کا نام غافلوں میں نہیں لکھا جائے گا اور جو ۱۰۰ آیات پڑھے اس کا نام قانتین (عابدین) میں لکھا جائے گا، اور جو ۱۰۰۰ آیات پڑھے اس کا نام مقنطرین (بے انتہا ثواب جمع کرنے والوں) میں لکھا جائے گا۔

اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں کہ جبرائیل علیہ السلام آئے اور کہا:

يَا مُحَمَّدُ! عِشْ مَاشِئْتَ فَإِنَّكَ مَيِّتٌ ، وَاَحْبِبْ مَنْ شِئْتَ فَإِنَّكَ مُفَارِقُهُ ، وَاعْمَلْ مَاشِئْتَ فَإِنَّكَ مَجْزِيٌّ بِهِ ، وَاعْلَمْ اَنَّ شَرَفَ الْمُؤْمِنِ قِيَامُهُ بِاللَّيْلِ ، وَعِزُّهُ اسْتِغْنَاءُهُ عَنِ النَّاسِ ۔ [3]

اے محمد! (ﷺ) جب تک زندگی ہے جی لو، آخر آپ کو مرنا ہے، اور جس سے چاہو محبت کر لو، آخر فراق ہونا ہے۔ جو عمل کر رہے ہو کر لو، اس کی جزا دی جائے گی، اور جان لو! مومن کا شرف رات کے قیام میں ہے اور اس کی عزت لوگوں سے

[1] سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۳۲۵۱۔ [2] صحیح ابن خزیمہ، رقم الحدیث: ۱۳۹۸۔ [3] صحیح الجامع ص: ۷۳۔

Marfat.com

مستغنی ہونے میں ہے۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

تَعَاهَدُوا الْقُرْآنَ فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَهُوَ اَشَدُّ تَفَصِّيًا مِنْ قُلُوْبِ الرِّجَالِ مِنَ الْاِبِلِ مِنْ عُقُلِهَا [1]

''قرآن مجید کو بار بار پڑھا کرو، مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یہ قرآن بندوں کے دلوں سے اونٹ کے اپنی رسی تڑوا کر بھاگ جانے سے زیادہ تیزی سے نکل جاتا ہے''۔

ایک روایت میں اِسْتَذْكِرُوا الْقُرْآنَ ''قرآن کو دہرایا کرو'' کے الفاظ ہیں۔[2]

قرآن مجید یاد رہ جائے اس کے لئے اِس کا بار بار پڑھنا اور دَور کرنا بہت ضروری ہے، روزانہ دس پارے پڑھیں، یعنی کم از کم تین دن میں ختم کریں، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِقْرَءِ الْقُرْآنَ فِيْ ثَلَاثٍ اِنِ اسْتَطَعْتَ اگر تجھ میں طاقت ہو تو قرآن مجید کو تین دنوں میں ختم کرو[3]

یا پھر پانچ دنوں میں ختم کر لیں جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِقْرَءِ الْقُرْآنَ فِيْ خَمْسٍ ''قرآن مجید کو پانچ دنوں میں ختم کرلو''۔[4]

یا پھر سات دنوں میں ختم کرلو جیسا کہ حکم فرمایا:

اِقْرَاْهُ فِيْ سَبْعٍ ''سات دنوں میں ختم کرلو''۔[5]

یا پھر دس دنوں میں ختم کرلو جیسا کہ فرمایا: اِقْرَاْهُ فِيْ عَشْرٍ۔

یا پھر پندرہ دنوں میں ختم کرلو جیسا کہ حکم فرمایا: اِقْرَاْهُ فِيْ خَمْسَ عَشْرَةَ۔

یا پھر ۲۰ دنوں میں ختم کرلو جیسا کہ حکم فرمایا: اِقْرَاْهُ فِيْ عِشْرِيْنَ لَيْلَةً [6]

[1] صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۵۰۳۳۔ [2] صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۷۹۰۔ [3] صحیح الجامع، رقم الحدیث: ۱۱۵۵۔ [4] صحیح الجامع، رقم الحدیث: ۱۱۵۶۔
[5] صحیح الجامع، رقم الحدیث: ۱۱۵۷۔ [6] صحیح الجامع، رقم الحدیث: ۱۱۵۸۔

Marfat.com

یا پھر ۲۵ دنوں میں ختم کرلو جیسا کہ فرمایا: اِقْرَاْهُ فِیْ خَمْسٍ وَّعِشْرِیْنَ [۱]

یا پھر ایک مہینے میں ختم کرو جیسا کہ حکم فرمایا: اِقْرَءِ الْقُرْآنَ فِیْ کُلِّ شَهْرٍ [۲]

یا پھر چالیس دنوں میں ضرور ختم کرو جیسا کہ فرمایا: اِقْرَءِ الْقُرْآنَ فِیْ اَرْبَعِیْنَ [۳]

ان تمام احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ مدت چالیس دن ہے۔ چالیس دنوں میں ضرور ختم کرنا چاہئے، یہ روزانہ کا تقریباً ایک پارے سے کم بنتا ہے اور کم سے کم مدت تین دن ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ سات دن سے پہلے نہ ختم کرے بلکہ تسلی سے سمجھ کر پڑھے، کیونکہ نبی کریم ﷺ تین دن سے پہلے ختم نہیں کرتے تھے، جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

کَانَ لَا یَقْرَأُ الْقُرْآنَ فِیْ اَقَلَّ مِنْ ثَلَاثٍ [۴]

''رسول اللہ ﷺ تین دن سے کم مدت میں قرآن ختم نہیں کرتے تھے''۔

نیز رسول اللہ ﷺ نے تین دن سے کم مدت میں قرآن پڑھنے سے منع فرمایا:

لَا یَفْقَهُهُ مَنْ یَقْرَؤُهُ فِیْ اَقَلَّ مِنْ ثَلَاثٍ [۵]

''جو تین دن سے کم مدت میں قرآن ختم کرتا ہے اس نے قرآن کو سمجھا ہی نہیں''۔

ایک روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا:

اِقْرَاْهُ فِیْ سَبْعٍ وَلَا تَزِدْ عَلٰی ذٰلِكَ [۶]

''قرآن سات دنوں میں پڑھو اور اس پر زیادتی نہ کرو (یعنی کم مدت میں نہ پڑھو)''۔

معلوم ہوا کہ کم از کم سات دنوں میں اور زیادہ سے زیادہ چالیس دن میں قرآن مجید ایک بار ختم کرنا ضروری ہے۔

قرآن مجید کو دل لگی سے جب تک چاہو پڑھو

قرآن مجید کی تلاوت کی مٹھاس اتنی زیادہ ہے کہ جتنا بھی پڑھو انسان سیر نہیں ہوتا بلکہ اور زیادہ لذت محسوس

---

[۱] صحیح الجامع، رقم الحدیث: ۱۱۵۷۔ [۲] صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۵۰۵۴۔ [۳] صحیح الجامع، رقم الحدیث: ۱۱۵۴۔ [۴] صحیح الجامع، رقم الحدیث: ۴۸۶۶۔
[۵] صحیح الجامع، رقم الحدیث: ۱۱۵۷۔ [۶] صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۵۰۵۴۔

Marfat.com

ہوتی ہے، لیکن جب تک جی چاہتا ہو تو ٹھیک ہے، البتہ جب اکتاہٹ محسوس ہو تو اُٹھ جانا چاہئے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

اِقْرَؤُوا الْقُرْآنَ مَا ائْتَلَفَتْ عَلَيْهِ قُلُوبُكُمْ فَإِذَا اخْتَلَفْتُمْ فَقُومُوا عَنْهُ [1]

''قرآن مجید کی تلاوت اس وقت تک کرو جب تلک دل اس پر مائل رہیں اور جب تمہیں اختلاف کا اندیشہ ہو (دل اُچاٹ ہو جائے) تو پھر اُٹھ جاؤ''۔

ایک حدیث مبارکہ میں آپ ﷺ نے فرمایا:

اِقْرَؤُوا كَمَا عُلِّمْتُمْ فَإِنَّمَا أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ اِخْتِلَافُهُمْ عَلَى أَنْبِيَاءِهِمْ [2]

''تمہیں جیسے پڑھایا گیا ہے اسی طرح پڑھو، بلاشبہ تم سے پہلے لوگ اپنے انبیاء کے ساتھ اختلاف کی وجہ سے ہلاک ہوئے''۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

اَلْمِرَاءُ فِي الْقُرْآنِ كُفْرٌ [3] ''قرآن مجید میں جھگڑنا کفر ہے''۔

مزید فرمایا:

لَا تُجَادِلُوا فِي الْقُرْآنِ فَإِنَّ جِدَالًا فِيهِ كُفْرٌ [4]

''قرآن مجید میں جھگڑا نہ کیا کرو کیونکہ اس میں جھگڑا کرنا کفر ہے''۔

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

اِقْرَؤُوا الْقُرْآنَ وَسَلُوا اللهَ بِهِ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَ قَوْمٌ يَقْرَؤُونَ الْقُرْآنَ فَيَسْأَلُونَ بِهِ النَّاسَ [5]

قرآن مجید کو پڑھو اور اللہ تعالیٰ جل جلالہ سے مانگو، اس سے پہلے کہ ایسی قوم آئے جو قرآن مجید کو پڑھے اور اس قرآن کی وجہ سے لوگوں سے مانگے گی۔

[1] صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۵۰۶۱۔ [2] صحیح الجامع، رقم الحدیث: ۱۱۷۱۔ [3] سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: ۴۶۰۳۔ [4] صحیح الجامع، رقم الحدیث: ۷۲۲۳۔ [5] صحیح الجامع، رقم الحدیث: ۱۱۶۹۔

Marfat.com

ایک اور حدیث میں فرمایا:

اِقْرَؤُا الْقُرْآنَ وَابْتَغُوْا بِهِ اللهَ تَعَالٰى مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ قَوْمٌ يُّقِيْمُوْنَهٗ اِقَامَةَ الْقِدْحِ يَتَعَجَّلُوْنَهٗ وَلَا يَتَاَجَّلُوْنَهٗ [1]

قرآن مجید کو پڑھو اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرو، اس سے پہلے کہ ایسی قوم آئے جو قرآن مجید کو (نوک و پر کے بغیر) تیر کی طرح گھڑیں گے اور اس کی جزا جلدی طلب کریں گے، آخرت کے لئے ذخیرہ نہیں کریں گے۔

یعنی دنیا ہی میں اس کا بدلہ لینا چاہیں گے آخرت کا انتظار نہیں کریں گے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں قرآن مجید کو محبت سے پڑھنے اور اپنی رضا حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

تلاوت قرآن سے کسی کو بیزار نہ کریں

قرآن مجید ایک عظیم نعمت ہے، اس لئے اس کی قدر کرنا اور کروانا ضروری ہے۔ پہلے لوگوں کے سامنے قرآن کی عظمت بیان کی جائے، پھر اس کو پڑھا جائے، یہ نہ ہو کہ وہ اپنی جہالت کی بنا پر اس کا انکار کریں یا بے حرمتی کریں، جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:

حَدِّثُوا النَّاسَ بِمَا يَعْرِفُوْنَ، اَتُحِبُّوْنَ اَنْ يُّكَذَّبَ اللهُ وَرَسُوْلُهٗ [2]

’’لوگوں کو وہی کچھ بیان کرو جو وہ جانتے پہچانتے ہیں، کیا تم چاہتے ہو کہ (ایسی چیز بیان کر کے جو وہ نہیں جانتے) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو جھٹلایا جائے۔

اس لئے قرآن مجید کی تلاوت اونچی آواز میں وہاں کی جائے جہاں باقی لوگ بھی اونچی آواز میں پڑھ رہے ہوں، ورنہ آہستہ پڑھیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَلَا اِنَّ كُلَّكُمْ مُنَاجٍ رَبَّهٗ، فَلَا يُؤْذِيَنَّ بَعْضُكُمْ بَعْضًا، وَلَا يَرْفَعْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الْقِرَاءَةِ [3]

---

[1] مسند احمد، رقم الحدیث: ۱۴۸۵۵۔ [2] صحیح البخاری۔ [3] صحیح الجامع، رقم الحدیث: ۲۶۳۹۔

Marfat.com

''لوگو، سن لو! تم میں سے ہر ایک اپنے رب سے مناجات کرتا ہے، چنانچہ تم ایک دوسرے کو تکلیف نہ دو اور قرآن مجید کی تلاوت کے دوران ایک دوسرے سے آواز بلند نہ کرو''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَلْجَاهِرُ بِالْقُرْآنِ كَالْجَاهِرِ بِالصَّدَقَةِ، وَالْمُسِرُّ بِالْقُرْآنِ كَالْمُسِرِّ بِالصَّدَقَةِ [1]

''قرآن مجید کو اونچی آواز میں پڑھنے والا اس شخص کی مانند ہے جو اعلانیہ صدقہ کرتا ہے (تاکہ دوسرے لوگ بھی کریں) اور آہستہ پڑھنے والا ایسے ہے جیسے چھپا کر صدقہ کرنے والا ہے (تاکہ ریا کاری سے بچے)''۔

ایک ضروری تنبیہ

اگر نماز میں قرآن بھول جائیں تو اُسے رکوع یا سجدے میں جا کر بجائے رکوع سجدے کی تسبیح کے، اپنی منزل دہرانا جائز نہیں ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَلَا! وَاِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَقْرَاَ الْقُرْآنَ رَاكِعًا اَوْ سَاجِدًا، وَاَمَّا الرُّكُوْعُ فَعَظِّمُوْا فِيْهِ الرَّبَّ عَزَّوَجَلَّ، وَاَمَّا السُّجُوْدُ فَاجْتَهِدُوْا فِي الدُّعَاءِ، فَقَمِنٌ اَنْ يُّسْتَجَابَ لَكُمْ [2]

''لوگو، سن لو! مجھے رکوع اور سجدے کی حالت میں قرآن مجید پڑھنے سے منع کیا گیا ہے۔ رکوع میں اپنے رب عزوجل کی عظمت بیان کرو اور سجدے میں دعائیں زیادہ کرو، یہ زیادہ لائق ہے کہ تمہاری دعائیں قبول کی جائیں''۔

---

[1] سنن النسائی، رقم الحدیث: ۲۵۶۲۔ [2] صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۴۷۹۔

Marfat.com

تیسرا حق: قرآن مجید کو سمجھا جائے

قرآن مجید کا مسلمان پر تیسرا حق یہ ہے کہ جس طرح صدق نیت سے اس پر ایمان لایا اور ترتیل کے ساتھ پڑھا تھا، اسی طرح ہی صدق نیت کے ساتھ اسے سمجھے بھی، جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قرآن کریم کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات، افعال اور تقریرات کی روشنی میں سمجھا، تب ہی یہ سمجھ کامرانی اور رضائے باری تعالیٰ جل جلالہ کا موجب بن سکتی ہے، لیکن اگر فہم میں بھی عقل و دانش کے گھوڑے دوڑائے اور تاویلات سے کام لیا تو یہ فہم اسے عذاب جہنم سے نہیں بچا سکے گا، اکثر فرقے اسی لئے گمراہ ہوئے کہ انہوں نے علم و فہم حاصل کیا تو کسی خاص غرض کے لئے جیسا کہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

اِنِّیْ رَأَیْتُ النَّاسَ فِیْ دَھْرِنَا لَا یَطْلُبُوْنَ الْعِلْمَ لِلْعِلْمِ اِلَّا مُبَاھَاۃً لِّاَخْوَالِھِمْ وَحُجَّۃً لِّلْخَصْمِ وَالظُّلْمِ

”میں نے اپنے زمانے کے لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ علم معرفت کے لئے نہیں بلکہ اپنے رشتہ داروں کے لئے فخر، جھگڑے کے لئے دلیل اور ظلم کی غرض سے حاصل کرتے ہیں“۔

فہم قرآن اور تفقہ فی الدین، اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی طرف سے بندے پر خاص انعام ہیں، جیسا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَلْخَیْرُ عَادَۃٌ، وَالشَّرُّ لَجَاجَۃٌ، وَمَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُّفَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ [1]

”بھلائی عادت حسنہ ہے اور برائی دشمنی میں مداومت، جھگڑا اور ضد ہے اور جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے دین حنیف میں سمجھ بوجھ عطا فرما دیتا ہے“۔

جو شخص دین کے بنیادی مسائل کی سمجھ بوجھ حاصل نہیں کرتا، وہ خیر سے خالی ہے، ابویعلیٰ کی روایت ہے:

---

[1] سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۲۲۱۔

Marfat.com

وَمَنْ لَّمْ یَتَفَقَّهْ فِی الدِّیْنِ لَمْ یُبَالِ اللّٰهُ بِهٖ [۱]

''جو دین میں تفقہ حاصل نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس کی کوئی پرواہ نہیں کرتا''۔

اور قرآن مجید میں اللہ جل شانہ نے فرمایا ہے:

فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ یَّهْدِیَهٗ یَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ یُّرِدْ اَنْ یُّضِلَّهٗ یَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَیِّقًا [۲]

''جس شخص کو اللہ تعالیٰ ہدایت دینا چاہتا ہے اس کے سینے کو اسلام (کی سمجھ بوجھ) کے لئے کھول دیتا ہے اور جسے گمراہ کرنا چاہتا ہے اس کے سینے کو تنگ کر دیتا ہے (وہ دین کی سمجھ سے عاری ہو جاتا ہے)۔

اسی بات کو کچھ وضاحت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے یوں بیان کیا ہے:

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِیْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْیُنٌ لَّا یُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا یَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۔ [۳]

''اور ہم نے ایسے بہت سے جن اور انسان جہنم کے لئے پیدا کئے ہیں، ان کے دل تو ہیں مگر وہ اس سے (حق کو) سمجھتے نہیں اور ان کی آنکھیں ایسی ہیں جن سے دیکھتے نہیں اور ان کے کان ایسے ہیں کہ ان سے سنتے نہیں، یہ لوگ چوپایوں کی طرح بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں، یہی لوگ غافل ہیں۔

چنانچہ جو شخص قرآن وسنت کی سمجھ حاصل نہیں کرتا وہ غافل ہے، اسی لئے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کُوْنُوْا رَبّٰنِیّٖنَ ''رب والے بن جاؤ'' [۴] کے معنی ''حکماء وفقہاء'' بیان کئے ہیں، یعنی حکیم اور دین کے فقیہ بن جاؤ۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: تَفَقَّهُوْا قَبْلَ اَنْ تَسَوَّدُوْا ''سردار بننے سے پہلے دین کی گہری سمجھ حاصل کرلو''۔ [۵]

[۱] فتح الباری، ج:۱،ص:۲۱۷۔ [۲] الانعام:۱۲۵۔ [۳] الاعراف:۱۷۹۔ [۴] آل عمران:۷۹۔ [۵] فتح الباری، ج:۱،ص:۲۱۸۔

Marfat.com

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ قول ذکر کرنے کے فوراً بعد فرمایا: وَبَعْدَ اَنْ تَسَوَّدُوْا ''سردار بننے کے بعد بھی فقہ حاصل کرو''۔ اس لئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی ادھیڑ عمروں میں بھی دین کی فقاہت حاصل کی۔ قرآن تو نازل ہی اس لئے ہوا کہ ایمان وتلاوت کے بعد اسے سمجھ کر عمل کیا جائے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ [1]

''اور ہم نے آپ کی طرف ذکر (قرآن) اتارا، تاکہ جو لوگوں کی طرف نازل کیا گیا ہے اسے آپ بیان کریں، تاکہ وہ غور وفکر کریں''۔

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ مُبٰرَكٌ لِّیَدَّبَّرُوْٓا اٰیٰتِهٖ وَلِیَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ [2]

''یہ کتاب مبارک ہے جو ہم نے تمہاری طرف نازل کی ہے تاکہ لوگ اس کی آیات میں تدبر کریں اور سمجھ دار لوگ نصیحت حاصل کریں''۔

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا كَثِیْرًا [3]

''کیا یہ لوگ قرآن میں تدبر نہیں کرتے؟ اور اگر یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ نہ ہوتا تو اس میں وہ بڑا اختلاف پاتے''۔

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا [4]

''کیا یہ قرآن میں تدبر نہیں کرتے؟ یا ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں''۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول تھا کہ وہ دس آیتیں پڑھتے، جب تک ان کے معانی نہ سمجھ لیتے آگے نہ پڑھتے، جیسا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كَانَ الرَّجُلُ مِنَّا اِذَا تَعَلَّمَ عَشْرَ اٰیَاتٍ لَمْ یُجَاوِزْهُنَّ حَتّٰی یَعْرِفَ مَعَانِیَهُنَّ وَالْعَمَلَ بِهِنَّ [5]

[1] النحل: ۴۴۔ [2] ص: ۲۹۔ [3] النساء: ۸۲۔ [4] محمد: ۲۴۔ [5] تفسیر ابن کثیر، ج: ۱، ص: ۸۔

Marfat.com

''ہم سے جو آدمی دس آیتیں سیکھتا تو جب تک ان کے معانی نہ جان لیتا اور ان پر عمل نہ کر لیتا، آگے نہ بڑھتا''۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دینی فقاہت کی عظمت واہمیت اپنے فرمان سے یوں سمجھائی:

فَقِيهٌ وَاحِدٌ اَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ [1]

''ایک فقیہ ۱۰۰۰ عبادت گزاروں سے بڑھ کر، شیطان کے خلاف سخت ہوتا ہے''۔

اور ساتھ یہ بھی حکم دیا کہ میرے صحابہ!

اِنَّ النَّاسَ لَكُمْ تَبَعٌ، وَاِنَّ رِجَالًا يَاْتُوْنَكُمْ مِّنْ اَقْطَارِ الْاَرْضِ يَتَفَقَّهُوْنَ فِي الدِّيْنِ، فَاِذَا اَتَوْكُمْ فَاسْتَوْصُوْا بِهِمْ خَيْرًا [2]

''لوگ تمہارے تابع ہیں، دنیا کے مختلف کونوں سے لوگ تمہارے پاس دین کی فقاہت کے لئے آئیں گے، جب وہ آئیں تو ان کے ساتھ بھلائی کرنا''۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تقاضے کے لئے گئے تو میں نے پانی رکھا، پوچھنے لگے کس نے رکھا ہے؟ بتلایا گیا کہ ابن عباس نے، اس ادب کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا دی:

اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ [3] ''اے اللہ اسے دین کا فقیہ بنا''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی فقاہت کو اچھائی وبھلائی کا معیار بنایا، فرماتے ہیں:

فَخِيَارُكُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُكُمْ فِي الْاِسْلَامِ اِذَا فَقُهُوْا [4]

''تم میں سے جو لوگ دورِ جاہلیت میں سب سے اچھے تھے وہی اسلام میں بھی سب سے اچھے ہیں بشرطیکہ دین کی سمجھ حاصل کر لیں''۔

حتیٰ کہ بہترین اسلام کو فقاہت کے ساتھ معلق فرمایا:

خَيْرُكُمْ اِسْلَامًا اَحَاسِنُكُمْ اَخْلَاقًا اِذَا فَقُهُوْا [5]

[1] سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۲۲۲۔ [2] جامع الترمذی، رقم الحدیث: ۲۶۵۰۔ [3] صحیح البخاری، رقم الحدیث ۱۴۳۔ [4] صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۳۳۷۴۔ [5] مسند احمد، ج: ۲، ص: ۴۶۹۔

Marfat.com

''تم میں سے بہترین اسلام والا وہ ہے جس کا اخلاق اچھا ہو اور وہ فقیہ ہو''۔

الغرض! ایک تو ہم قرآن سمجھ کر پڑھیں، دوسرا، عزت اسلام میں تلاش کریں جو کامل دین ہے، جس کی زبان (عربی) سب سے اعلیٰ ہے، اور اسی بات کی وضاحت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو کی تھی:

اِنَّا كُنَّا اَذَلَّ قَوۡمٍ. فَاَعَزَّنَا اللهُ بِالۡاِسۡلَامِ. فَمَهۡمَا نَطۡلُبُ الۡعِزَّ بِغَيۡرِ مَا اَعَزَّنَا اللهُ بِهٖ اَذَلَّنَا اللهُ [1]

''ہم ذلیل قوم تھے، اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسلام کی بدولت عزت دی اور جب بھی ہم اسلام کے علاوہ عزت تلاش کریں گے اللہ تعالیٰ ہمیں ذلیل کر دے گا''۔

اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن وسنت کو کما حقہ سمجھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے، اور ہمارا خاتمہ بالخیر فرما کر جنت الفردوس کا وارث بنائے۔ آمین۔

چوتھا حق: قرآن مجید پر عمل کیا جائے

قرآن مجید پر ایمان لانے، اسے ترتیل سے پڑھنے اور اس میں تفکر وتدبر کرنے کے بعد ہر مسلمان پر یہ حق ہے کہ اس پر عمل پیرا ہو، کیونکہ اسے ماننا، اس کی تلاوت کرنا اور اس کا فہم حاصل کرنا حقیقت میں اس پر عمل کرنے کے لوازمات ہیں، اصل مقصود عمل ہے۔

عمل کے بغیر، ایمان معتبر نہیں، کیونکہ ایمان قول وعمل کا نام ہے، زبانی کلامی ایمان مرجیہ کا عقیدہ ہے جو کہ درست نہیں، اگر ایمان صرف قول کا نام ہوتا تو پھر تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا نے بھی کہا تھا:

وَ لَقَدۡ عَلِمۡتُ بِاَنَّ دِيۡنَ مُحَمَّدٍ مِنۡ خَيۡرِ اَدۡيَانِ الۡبَرِيَّةِ دِيۡنًا
لَوۡ لَا الۡمُلَامَةُ اَوۡ حِذَارُ مَسَبَّةٍ لَوَجَدۡتَّنِيۡ سَمۡحًا بِذَاكَ مُبِيۡنًا

میں جانتا ہوں کہ دینِ محمد تمام ادیان سے اچھا دین ہے،
اگر ملامت اور گالی کا ڈر نہ ہوتا تو میں واضح طور پر آپ کو اسے قبول کرتا ہوا نظر آتا۔

[1] المستدرک للحاکم، ج:۱،ص:۶۲۔

Marfat.com

یعنی دین محمدی کی سچائی کا اقرار آپ کا چچا بھی کرتا تھا لیکن زبانی اقرار کو کافی نہ سمجھا گیا، لہٰذا اس کا کچھ فائدہ نہ ہوا چنانچہ سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ایمان اگر صرف قول سے ہو، بغیر عمل کے، تو یہ کفر ہے، اور اگر قول کے ساتھ نیت بھی اچھی ہو لیکن اتباع رسول، یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقے کے مطابق عمل نہیں تو بدعت ہے۔

قرآن مجید پر ایمان لانے اور اس سے استفادہ حاصل کرنے کی صحیح صورت یہی ہے کہ اس کا جتنا علم وفہم انسان کے پاس آتا جائے، اسے اپنے کردار کا حصہ بناتا جائے، اگر وہ قرآن مجید کے حلال وحرام اور اوامر ونواہی پر عمل پیرا نہیں ہے تو اس کا ایمان قرآن مجید سے کوسوں دور ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَا آمَنَ بِالْقُرْآنِ مَنِ اسْتَحَلَّ مَحَارِمَهُ [1]

''جو قرآن کی حرام کردہ چیزوں کو حلال قرار دے وہ قرآن پر ایمان نہیں رکھتا''۔

قرآن مجید پر عمل پیرا ہونا ہدایت کی نوید سناتا ہے اور بدعملی کفر کی طرف دھکیل دیتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

بَادِرُوا بِالْأَعْمَالِ فِتَنًا كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ، يُصْبِحُ الرَّجُلُ مُؤْمِنًا وَيُمْسِي كَافِرًا أَوْ يُمْسِي مُؤْمِنًا وَيُصْبِحُ كَافِرًا، يَبِيعُ دِينَهُ بِعَرَضٍ مِنَ الدُّنْيَا قَلِيلٍ [2]

''اعمال (صالحہ) میں جلدی کرو کیونکہ اندھیری رات کے ٹکڑوں کی طرح فتنے ہوں گے، حتیٰ کہ صبح کے وقت ایک شخص مؤمن ہوگا تو شام کو کافر اور اگر شام کو مؤمن ہوگا تو صبح کے وقت کافر اور وہ اپنے دین کو دنیا کے تھوڑے سے مال کے بدلے بیچ دے گا''۔

زیاد بن لبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی چیز کا تذکرہ کیا اور فرمایا: ''یہ اس وقت ہوگا جب علم اُٹھ جائے گا''، میں نے کہا: اللہ کے رسول! علم کیسے اُٹھ جائے گا؟ ہم قرآن پڑھتے ہیں،

---

[1] جامع الترمذی، رقم الحدیث: ۲۹۱۸۔ [2] مسند احمد، ج: ۲، ص: ۳۰۴۔

Marfat.com

اپنے بیٹوں کو پڑھاتے ہیں اور اسی طرح ہمارے بیٹے اپنے بیٹوں کو قیامت تک پڑھائیں گے، تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ يَا زِيَادُ! إِنْ كُنْتُ لَأَرَاكَ مِنْ أَفْقَهِ رَجُلٍ بِالْمَدِينَةِ، أَوَلَيْسَ هٰذِهِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارٰى يَقْرَءُونَ التَّوْرَاةَ وَ الْإِنْجِيلَ، لَا يَعْمَلُونَ بِشَيْءٍ مِمَّا فِيهِمَا؟ [1]

''اے زیاد! تیری ماں تجھے گم پائے میں تجھے مدینے کا بڑا فقیہ سمجھتا ہوں، کیا یہ یہودی اور عیسائی تورات اور انجیل نہیں پڑھا کرتے تھے؟ لیکن ان دونوں میں جو کچھ تھا اس پر عمل نہیں کرتے تھے''۔

آج کل قرآنی علوم ایک رواج کے طور پر حاصل کیے جاتے ہیں، حالانکہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

مَنْ تَعَلَّمَ الْعِلْمَ لِيُبَاهِيَ بِهِ الْعُلَمَاءَ، وَيُجَارِيَ بِهِ السُّفَهَاءَ، وَيَصْرِفَ بِهِ وُجُوهَ النَّاسِ إِلَيْهِ، أَدْخَلَهُ اللهُ جَهَنَّمَ [2]

''جو شخص علماء کے مابین فخر کے لئے، بے وقوفوں کے ساتھ جھگڑے کے لئے اور لوگوں کے چہروں کو اپنی طرف پھیرنے کے لئے علم سیکھتا ہے، اللہ اسے جہنم میں داخل فرمائے گا''۔

ایک اور حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے:

مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا، مِمَّا يُبْتَغٰى بِهِ وَجْهُ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ، لَا يَتَعَلَّمُهُ إِلَّا لِيُصِيبَ بِهِ عَرَضًا مِنَ الدُّنْيَا، لَمْ يَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ [3]

''جو شخص وہ علم جس سے اللہ عزوجل کی رضا حاصل کی جاتی ہے، اس لئے حاصل کرے تاکہ اس کے ذریعے سے دنیا کا مال ومتاع حاصل کرے، تو قیامت کے

---

[1] سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۴۰۴۸۔ [2] سنن ابن ماجہ: ۲۶۰۔ [3] سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: ۳۶۶۴۔

Marfat.com

دن وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا''۔

اسی لئے سختی سے منع کرتے ہوئے فرمایا:

لَا تَعَلَّمُوا الْعِلْمَ لِتُبَاهُوْا بِهِ الْعُلَمَاءَ، اَوْ تُمَارُوْا بِهِ السُّفَهَاءَ، وَلَا لِتُجْرِءُوْا بِهِ الْمَجَالِسَ، فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَالنَّارُ فَالنَّارُ [1]

''علم کو علماء کے درمیان فخر اور بے وقوفوں کے ساتھ جھگڑنے اور مجالس میں جرأت کرنے کے لئے نہ سیکھو، جس نے یہ کام کیا (اس کے لئے) آگ ہے، آگ ہے''۔

حقیقت یہی ہے کہ جو علم دنیوی اغراض کے لئے سیکھا گیا ہو، اس کی تاثیر نہیں ہوتی، وہ واقعی جہنم کا ایندھن بنائے گا، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی اِذَا کَانَ یَوْمُ الْقِیَامَةِ یَنْزِلُ اِلَی الْعِبَادِ لِیَقْضِیَ بَیْنَهُمْ وَ کُلُّ اُمَّةٍ جَاثِیَةٌ، فَاَوَّلُ مَنْ یَدْعُوْ بِهٖ رَجُلٌ جَمَعَ الْقُرْاٰنَ، وَرَجُلٌ قُتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ، وَرَجُلٌ کَثِیْرُ الْمَالِ، فَیَقُوْلُ اللّٰهُ لِلْقَارِیءِ: اَلَمْ اُعَلِّمْكَ مَا اَنْزَلْتُ عَلٰی رَسُوْلِیْ؟ قَالَ: بَلٰی یَا رَبِّ! قَالَ: فَمَاذَا عَمِلْتَ فِیْمَا عَلِمْتَ ؟ قَالَ: کُنْتُ اَقُوْمُ بِهٖ اٰنَاءَ اللَّیْلِ وَاٰنَاءَ النَّهَارِ، فَیَقُوْلُ اللّٰهُ لَهٗ: کَذَبْتَ، وَتَقُوْلُ الْمَلَائِکَةُ لَهٗ: کَذَبْتَ، وَیَقُوْلُ اللّٰهُ لَهٗ: بَلْ اَرَدْتَّ اَنْ یُّقَالَ: فُلَانٌ قَارِیءٌ، فَقَدْ قِیْلَ ذَاكَ.... یَا اَبَا هُرَیْرَةَ! اُولٰئِكَ الثَّلَاثَةُ اَوَّلُ خَلْقِ اللّٰهِ تُسَعَّرُ بِهِمُ النَّارُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ [2]

''اللہ جل شانہ قیامت کے دن بندوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے اُترے گا جبکہ ہر امت اوندھے منہ گری ہوگی، تو سب سے پہلے اس شخص کو بلایا جائے گا جس نے قرآن مجید یاد کیا ہوگا اور جو اللہ کی راہ میں شہید ہوا ہوگا اور جو صاحبِ مال ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس

[1] صحیح الجامع، رقم الحدیث: ۷۳۷۰۔ [2] جامع الترمذی، رقم الحدیث: ۲۳۸۲۔

Marfat.com

قاری (عالم دین) سے فرمائے گا: کیا میں نے تمہیں وہ چیز نہیں سکھلائی جسے میں نے اپنے رسول پر نازل کیا تھا؟ وہ کہے گا: کیوں نہیں اے میرے ربّ! پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جو تُو نے سیکھا اس پر کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا: میں دن رات قرآن مجید کی تلاوت کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو جھوٹ بول رہا ہے، اور فرشتے کہیں گے: تو جھوٹ بول رہا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا تُو تو یہ چاہتا تھا کہ لوگ تجھے قاری (عالم دین) کہیں، تو وہ دنیا میں کہا جا چکا ہے (پھر اسے گھسیٹ کر جہنم میں لے جایا جائے گا)۔ حدیث کے آخر میں ہے، اے ابوہریرہ! ان تین قسم کے اشخاص کو سب سے پہلے آگ میں پھینکا جائے گا''۔

جو شخص قرآن مجید پر عمل نہیں کرتا، اور نماز، روزے اور زکوۃ وغیرہ کا اہتمام نہیں کرتا، وہ اپنے ایمان میں مخلص نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

اَوَّلُ شَیْءٍ یُرْفَعُ مِنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ الْخُشُوْعُ، حَتّٰى لَا تَرٰى فِيْهَا خَاشِعًا [1]

''اس اُمت سے سب سے پہلے خشوع اُٹھے گا حتیٰ کہ تم کوئی خشوع کرنے والا نہیں پاؤ گے''۔

اس لئے خشوع خضوع کے ساتھ نماز ایسے پڑھیں جیسے یہ زندگی کی آخری نماز ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابی سے فرمایا تھا:

صَلِّ صَلَاةَ مُوَدِّعٍ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِنْ كُنْتَ لَا تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ، وَايْئَسْ مِمَّا فِي أَيْدِي النَّاسِ تَعِشْ غَنِيًّا، وَإِيَّاكَ وَمَا يُعْتَذَرُ مِنْهُ [2]

''نماز ایسے پڑھو گویا کہ تم الوداعی نماز پڑھ رہے ہو اور اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو، اور اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے اور جو کچھ (مال و دولت) لوگوں کے ہاتھوں میں ہے اس سے نا اُمید ہو جاؤ (اللہ تعالیٰ پر توکل کرو) تم امیری کی زندگی گزارو گے، اور

[1] صحیح الجامع، رقم الحدیث: ۲۵۶۹۔ [2] صحیح الجامع، رقم الحدیث: ۳۷۷۶۔

Marfat.com

ایسے کاموں سے بچو جس کا پھر عذر پیش کیا جائے''۔

اللہ تعالیٰ عزاسمہٗ نے ہر انسان میں فطری طور پر برائی و اچھائی کی تمیز رکھی ہے، جسے ایمان کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

اِذَا سَرَّتْكَ حَسَنَتُكَ وَسَائَتْكَ سَيِّئَتُكَ فَأَنْتَ مُؤْمِنٌ [1]

''اگر تمہاری اچھائی تمہیں اچھی لگے اور تمہاری برائی تمہیں بری لگے تو تم مؤمن ہو''۔

میرے عزیزو! قرآن پر ایمان عمل ہی سے مکمل ہوگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایمان باللہ اور ایمان بالقرآن کی کچھ نشانیاں بیان کی ہیں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

كُنْ وَرِعًا تَكُنْ اَعْبَدَ النَّاسِ ، وَكُنْ قَنِعًا تَكُنْ اَشْكَرَ النَّاسِ ، وَاَحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ تَكُنْ مُؤْمِنًا ، وَاَحْسِنْ مُجَاوَرَةَ مَنْ جَاوَرَكَ تَكُنْ مُسْلِمًا وَاَقِلَّ الضِّحْكَ فَاِنَّ كَثْرَةَ الضِّحْكِ تُمِيْتُ الْقَلْبَ [2]

''گناہوں سے دور رہنے والا بن جا، تو تمام لوگوں سے زیادہ عبادت گزار بن جائے گا، قناعت کرنے والا بن جا، تو تمام لوگوں سے زیادہ شکر گزار بن جائے گا، لوگوں کے لئے وہی پسند کر جو تو اپنے لئے پسند کرتا ہے، تو مومن بن جائے گا، اپنے پڑوسی کے ساتھ احسان کر، تو مسلمان بن جائے گا، اور ہنسنا کم کردے کیونکہ زیادہ ہنسنا دل مردہ کردیتا ہے''۔

ہمیں چاہئے کہ ہم قرآن مجید کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھالیں، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا وارضاہا کے ایک شاگرد حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ تھے وہ آپ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں تھے، انہوں نے عرض کیا: يَا اُمَّاهُ! نَبِّئِيْنِيْ عَنْ خُلُقِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (اماں جان! مجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق بتلائیے) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: يَا بُنَيَّ اَوَمَا تَقْرَأُ الْقُرْآنَ؟ كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ (صاحب زادے کیا

---

[1] مسند احمد، ج:۵،ص:۲۵۲۔ [2] صحیح الجامع، ۴۵۸۰۔

Marfat.com

تم قرآن نہیں پڑھتے ؟ آپ کا خلق تو قرآن ہی تھا)۔ آپ ﷺ کا اخلاق سراپا قرآن ہی تھا، جہاں قرآن نے کھڑا کر دیا، کھڑے ہو گئے، جہاں بٹھا دیا، بیٹھ گئے، جہاں روک دیا، رک گئے، جہاں چلا دیا چل دیئے، جہاں کھانے کو کہا، کھالیا۔ آپ ﷺ کی پوری زندگی قرآن مجید کی عملی تفسیر تھی، قرآن مجید ہمارے لئے نازل ہوا ہے، ہمیں چاہئے کہ ہم قرآن مجید کے مطابق بن جائیں۔

ایک حدیث شریف میں ہے:

مَثَلُ الْقُرْاٰنِ مَثَلُ الْاِبِلِ الْمُعَلَّقَةِ اِنْ تَعَاهَدَهَا صَاحِبُهَا اَمْسَكَهَا وَاِنْ تَرَكَهَا ذَهَبَتْ [1]

''یعنی قرآن کی مثال اس اونٹ کی سی ہے جس کی ناک میں نکیل ہو، (اور ناک زخمی ہو، اگر بچہ بھی اس اونٹ کو لے چلے گا، تو چلا جائے گا، جہاں اس کو بٹھائے وہ بیٹھ جاتا ہے، اگر اٹھا دیا جائے تو اُٹھ جاتا ہے) اور اگر چھوڑ دیا تو بھاگ جاتا ہے''۔

ہماری نکیل قرآن کے ہاتھ میں ہے، ہمیں چاہئے کہ جہاں قرآن مجید بٹھا دے، ہم بیٹھ جائیں، جہاں چلا دے، چل پڑیں، ہم نے آج قرآن پر عمل کرنے کی بجائے اسے طاق میں رکھ دیا ہے، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا: کیا قرآن مجید کو چومنا جائز ہے؟ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''چومنا تو جائز ہے ہی، اس کو دل میں اتارا جائے''۔ آج ہماری نکیل قرآن کے ہاتھ میں نہیں رہی، اب تو یہ ہونے لگا ہے کہ اگر قرآن مجید کی کوئی بات سامنے آتی ہے تو اس میں تاویل کی جاتی ہے، قرآن مجید میں ہے:

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِکَاحًا فَلَیْسَ عَلَیْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَهُنَّ غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍ بِزِیْنَةٍ وَّاَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّهُنَّ۔ [2]

''وہ بوڑھی عورتیں جو نکاح کی حد سے گزر گئی ہیں، ان پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے کپڑے (پردہ) اتار رکھیں، کہ نہ دکھاتیں پھریں اپنا سنگھار، اگر وہ اس سے بچیں

[1] مسند احمد، ج:۲، ص:۲۳۔ [2] النور:۶۰۔

Marfat.com

(یعنی پردہ میں رہیں) تو ان کے لئے بہتر ہے"۔

اب قصہ برعکس ہوگیا، بوڑھی کجا، نوجوان بھی پردہ نہیں کرتیں، برقعہ تو گیا، دوپٹہ بھی اُتر گیا ہے، اگر ہماری بہنیں چاہتی ہیں کہ گھروں میں آرام اور چین وسکون ہو، دلوں کو راحت نصیب ہو، تو قرآن مجید پر عمل کریں، آج چہرے کا پردہ نہیں، تو کس کا پردہ ہے؟ قرآن مجید میں "قَرْنَ" کا لفظ ہے کہ ٹک کر اور جم کر گھروں میں بیٹھیں، بناؤ سنگار نہ کرتی پھریں، مگر آج معاملہ اس کے برعکس ہوگیا ہے، عورتیں گھروں میں بیٹھنے کی بجائے دفاتر اور اسمبلیوں میں ہیں، اور اُن کی بھرتی ہورہی ہے، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی حفاظت فرمائے۔

الغرض! قرآن مجید کا ہر مسلمان پر چوتھا حق یہ ہے کہ قرآن مجید کی انگلی پکڑ کر اس کے ساتھ چلنا شروع کر دے، جہاں وہ بٹھا دے وہاں بیٹھ جائے، جہاں چلا دے وہاں چل پڑے، جو حکم کرے اس کی اطاعت کرے اور جس سے روکے اس سے رُک جائے، حتیٰ کہ قرآن مجید اس کی زندگی کا لائحہ عمل اور نصب العین بن جائے اور ھُدًی لِّلنَّاسِ کی عملی تصویر سامنے آئے۔

پانچواں حق: قرآن مجید کو آگے پہنچایا جائے

قرآن مجید کا پانچواں حق یہ ہے کہ اسے دوسروں تک پہنچایا جائے جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مل کر اور انفرادی طور پر اسے آگے پہنچایا تھا، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ جل شانہٗ کا حکم تھا:

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ [1]

"اے رسول! جو کچھ بھی آپ کی طرف آپ کے ربّ سے نازل کیا گیا ہے اسے پہنچا دیجئے، اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی رسالت ادا نہیں کی"۔

اس آیت مبارکہ میں دین کو لوگوں تک پہنچانے کے لئے قرآنی اصطلاح "تبلیغ" استعمال ہوئی ہے، قرآن مجید کے نزول کا مقصد بھی یہ ہے کہ یہ اطراف عالم میں پھیل جائے، فرمانِ باری ہے هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ

[1] المائدة:٦٧۔

Marfat.com

وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ ’’یہ قرآن مجید تمام لوگوں کے لئے اطلاع نامہ ہے کہ اس کے ذریعے سے وہ ڈرائے جائیں‘‘[1]

نبی کریم ﷺ پر اپنے نزول کا اولین مقصد خود قرآن مجید نے بیان کیا:

وَاُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ [2]

’’اور میرے پاس یہ قرآن بطور وحی بھیجا گیا ہے کہ میں اس کے ذریعے سے تم کو اور جس جس کو یہ قرآن مجید پہنچے، ان سب کو ڈراؤں‘‘۔

چنانچہ بعثت کی پہلی گھڑی سے زندگی کی آخری رمق تک اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے فرض منصبی کے لئے انتھک محنت کی، اس کی تلاوت، تبلیغ، تعلیم اور تبیین وتوضیح میں آپ مسلسل مصروف رہے۔

قرآن مجید تقریباً چار مقامات پر آپ ﷺ کے طریق دعوت واصلاح کی وضاحت کچھ یوں کرتا ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ [3]

’’بے شک مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ نے یہ احسان فرمایا کہ انہی میں سے ایک رسول ان میں بھیجا جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب (قرآن مجید) اور حکمت سکھاتا ہے‘‘۔

مذکورہ آیات کا نتیجہ یہ ہے کہ جو کچھ آپ ﷺ پر نازل کیا گیا ہے، آپ نے بلا کم وکاست اسے لوگوں تک پہنچانا ہے۔ اور بلاشبہ آپ ﷺ نے اسے پہنچانے کا حق ادا کیا، جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جم غفیر سے فرمایا تھا: اَلَاهَلْ بَلَّغْتُ؟ کیا میں نے پہنچا دیا؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جواب دیا: نَعَمْ ’’جی ہاں‘‘ تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ ’’اے اللہ! گواہ رہنا (کہ میں نے آپ کا پیغام ان تک پہنچا دیا ہے)۔[4]

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سبق کو جب نبی کریم ﷺ نے وفد عبدالقیس کو پڑھایا تو ساتھ ہی یہ فرمایا:

---

[1] ابراہیم: ۵۲۔ [2] الانعام: ۱۹۔ [3] آل عمران: ۱۶۴۔ [4] صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۴۴۰۳۔

Marfat.com

اِحۡفَظُوۡہُ وَاَخۡبِرُوۡہُ مَنۡ وَّرَآئَکُمۡ ''تم اسے خوب یاد رکھو اور ان لوگوں کو مطلع کرو جو تمہارے پیچھے رہ گئے ہیں''[1]۔ کسی کو جہالت سے نکال کر اسلام کی روشنی اور شرک، بدعت اور خرافات سے نکال کر توحید وسنت کی روشنی میں لانا، واقعتاً صدقہ ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

فَوَاللهِ لَاَنۡ یَّهۡدِیَ اللهُ بِكَ رَجُلًا وَاحِدًا خَیۡرٌ لَّكَ مِنۡ اَنۡ یَّكُوۡنَ لَكَ حُمۡرُ النَّعَمِ [2]

''اللہ کی قسم! اگر تمہاری کوشش سے کسی ایک آدمی کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے دے تو یہ تمہارے لئے سرخ اُونٹوں سے بہتر ہے''۔

کسی شخص کی نیکی کی طرف رہنمائی کی، تو اللہ کے رسول ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے: مَنۡ دَلَّ عَلٰی خَیۡرٍ فَلَهٗ مِثۡلُ اَجۡرِ فَاعِلِهٖ ''جو شخص نیکی کی طرف کسی کی رہنمائی کرتا ہے تو اس کے لئے اتنا ہی اجر ہے جتنا نیکی کرنے والے کے لئے ہے''۔[3]

اور یہ بھی فرمایا: اَلدَّالُّ عَلَی الۡخَیۡرِ کَفَاعِلِهٖ ''نیکی کی طرف رہنمائی کرنے والا گویا کہ نیکی کرنے والا ہے''۔[4]

اور یہ بھی فرمایا: دَلِیۡلُ الۡخَیۡرِ کَفَاعِلِهٖ ''نیکی کی طرف کسی کی رہنمائی کرنا گویا کہ نیکی کرنا ہے''۔[5]

اگر کوئی برائی نظر آرہی ہو پھر بھی انسان منع نہ کرے تو یہ ایمان کے کمزور ہونے کی علامت ہے، اور اگر اس نے برائی کے بارے میں سنا ہے، لیکن کسی قسم کی ناراضگی کا اظہار نہیں کیا بلکہ راضی ہوا ہے، تو وہ گویا اس برائی میں برابر کا شریک ہے، اسے اسی طرح گناہ ہوگا جیسے ایک شخص برائی کے پاس ہو اور روکتا نہیں ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

---

[1] صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۸۷۔ [2] صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۳۷۰۱۔ [3] صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۱۸۹۳۔ [4] صحیح الجامع، رقم الحدیث: ۱۶۰۵۔
[5] صحیح الجامع، رقم الحدیث: ۳۳۹۰۔

Marfat.com

إِذَا عُمِلَتِ الْخَطِيئَةُ فِي الْأَرْضِ كَانَ مَنْ شَهِدَهَا فَكَرِهَهَا كَانَ كَمَنْ غَابَ عَنْهَا، وَمَنْ غَابَ عَنْهَا فَرَضِيَهَا كَانَ كَمَنْ شَهِدَهَا [1]

''جب زمین میں کوئی برائی اور نافرمانی کی جائے تو اس میں حاضر اور موجود شخص نے اسے بُرا جانا تو وہ ایسے ہوگا جیسے وہ اس برائی کے پاس تھا ہی نہیں، لیکن جو غائب اور دور تھا مگر اس نافرمانی اور برائی کو اس نے پسند کیا تو وہ ایسے ہوگا جیسے وہ برائی میں حاضر اور موجود تھا''۔

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

مَا مِنْ قَوْمٍ يُعْمَلُ فِيهِمْ بِالْمَعَاصِي، هُمْ أَعَزُّ وَأَكْثَرُ مِمَّنْ يَعْمَلُهُ، ثُمَّ لَمْ يُغَيِّرُوهُ إِلَّا عَمَّهُمُ اللهُ تَعَالَى مِنْهُ بِعِقَابٍ [2]

''جس کسی قوم میں اللہ کی نافرمانی کے کام ہوتے ہوں اور معاصی اور نافرمانی سے بچنے والے زیادہ باعزت ہوں اور ان کی تعداد بھی زیادہ ہو اور دوسروں کی کم ہو، مگر پھر بھی وہ لوگوں کو معاصی اور اللہ کی نافرمانی سے نہ روکیں تو اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنے عقاب و عذاب کی لپیٹ میں لے گا''۔

دوسری بات یہ ہے کہ وہ جو دعا بھی کریں گے قبول نہیں ہوگی۔ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ أَوْ لَيُوشِكَنَّ اللهُ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عِقَابًا مِنْهُ، ثُمَّ تَدْعُونَهُ فَلَا يَسْتَجِيبُ لَكُمْ [3]

''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم ضرور نیکی کا حکم کرو اور ضرور برائی سے روکو، ورنہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنی طرف سے عذاب بھیجے، پھر تم اس سے دعا بھی کرو گے تو اللہ تعالیٰ اسے قبول نہیں فرمائے گا''۔

[1] سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: ۴۳۴۵۔ [2] مسند احمد، ج: ۴، ص: ۳۶۴۔ [3] جامع الترمذی، رقم الحدیث: ۲۱۶۹۔

Marfat.com

ایک حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ اللہَ تَعَالٰی لَیَسْأَلُ الْعَبْدَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ حَتّٰی یَسْأَلَهٗ مَا مَنَعَكَ اِذَا رَأَیْتَ الْمُنْكَرَ اَنْ تُنْكِرَهٗ؟ [1]

”قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بندے سے سوال کریں گے حتیٰ کہ یہ بھی پوچھیں گے کہ جب تُو نے برائی دیکھی تو تجھے کس چیز نے منع کیا تھا کہ اس کو روکے؟“۔

اس لئے نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا ہر مرد وعورت پر فرض ہے نہ کہ صرف مرد پر جیسا کہ عموماً سمجھا جاتا ہے کہ یہ مرد کی ذمہ داری ہے عورت کی نہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ”اور ہاں قاعدے کے مطابق بات کریں“ [2]۔ جس کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

اَمَرَهُنَّ بِالْاَمْرِ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْیِ عَنِ الْمُنْكَرِ [3]

”اللہ تعالیٰ نے نبی کی بیویوں کو نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کا حکم دیا ہے“۔

ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ۘ یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ [4]

”مومن مرد اور مومن عورت ایک دوسرے کے لئے ولی (مددگار، معاون) ہیں، وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں“۔

چنانچہ ابن نحاس دمشقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قُلْتُ وَفِیْ ذِكْرِهٖ تَعَالٰی (وَالْمُؤْمِنَاتُ) هُنَاكَ دَلِیْلٌ عَلٰی اَنَّ الْاَمْرَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْیَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاجِبٌ عَلَی النِّسَاءِ كَوُجُوْبِهٖ عَلَی الرِّجَالِ حَیْثُ وُجِدَتِ الْاِسْتِطَاعَةُ [5]

[1] سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۴۰۱۷ [2] سورۃ الاحزاب: ۳۲ [3] تفسیر القرطبی، ج: ۱۴، ص: ۱۷۸ [4] التوبہ [5] تنبیہ الغافلین عن اعمال الجاھلین: ۲۰

Marfat.com

’’میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے قول وَالْمُؤْمِنَات میں دلیل ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر عورتوں پر اسی طرح واجب ہے جس طرح مردوں پر واجب ہے جب استطاعت ہو‘‘۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

وَالْمَرْاَةُ رَاعِیَةٌ عَلٰی اَھْلِ بَیْتِ زَوْجِھَا وَوَلَدِہٖ، وَھِیَ مَسْئُوْلَةٌ عَنْھُمْ [1]

’’عورت اپنے خاوند کے گھر اور اپنے خاوند کی اولاد کی مسئول ہے اور قیامت کے دن ان کے بارے میں اس سے پوچھا جائے گا‘‘۔

راعی اسے کہتے ہیں جو نصیحت کا حکم دے اور خیانت اور بری چیزوں سے روکے [2]۔ اس لئے عورتوں پر بھی نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا واجب ہے۔ تاریخ اسلامی کے اوراق اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ صحابیات نے یہ کام احسن انداز سے اور ذمہ داری سمجھتے ہوئے کیا، جیسا کہ:

اُم سلیم رضی اللہ عنہا نے اپنے بیٹے کو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنے کا حکم دیا۔ [3]

اُم سلیم رضی اللہ عنہا نے اپنے خاوند مالک بن نضر پر اسلام پیش کیا۔ [4]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھائی کو وضو مکمل کرنے کا حکم دیا۔ [5]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے سعد بن ہشام کو شادی نہ کرنے سے منع کیا۔ [6]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے سلمہ بن عبدالرحمن کو زمین میں جھگڑا کرنے سے منع کیا۔ [7]

اُم حکیم رضی اللہ عنہا نے اپنے خاوند کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آنے اور اسلام قبول کرنے کا حکم دیا۔ [8]

عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی پھوپھی نے اسے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آنے کا حکم دیا۔ [9]

---

[1] صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۱۳۸۷۔ [2] معالم السنن، ج ۳، ص: ۲۔ [3] سیر اعلام النبلاء، ج: ۲، ص: ۳۰۵۔ [4] الاستیعاب، ج: ۴، ص: ۱۹۴۰۔
[5] صحیح مسلم: ۲۴۰۔ [6] مسند احمد، ج: ۶، ص: ۱۱۲۔ [7] صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۱۴۸۱۔ [8] الاصابۃ، ج: ۸، ص: ۲۲۵۔ [9] مسند احمد، ج: ۴، ص: ۳۷۸۔

Marfat.com

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے مریض کے پاؤں میں بلا اور مصیبت کو دور کرنے کے لئے پازیبیں پہننے سے منع کیا۔ [1]

سلمٰی رضی اللہ عنہا نے اپنے خاوند کو نماز میں وضو ٹوٹ جانے پر وضو کا حکم دیا۔ [2]

اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے قریبی کو نماز میں پھونکنے سے منع کیا۔ [3]

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کو شادی کا حکم دیا۔ [4]

میمونہ رضی اللہ عنہا نے اپنے قریبی سے شراب کی بو پا کر اسے ڈانٹا۔ [5]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایسے کپڑے پہننے سے عورت کو منع کیا جس میں صلیب کا نشان تھا۔ [6]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک بچی کے بالوں کو ڈھانپا۔ [7]

زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا نے بچی کا نام برّہ رکھنے سے منع کیا۔ [8]

بریرہ رضی اللہ عنہا نے عبدالملک بن مروان کو خلافت کے وقت خون بہانے پر ڈرایا۔ [9]

سعد بن معاذ کی ماں نے اپنے بیٹے کو حکم دیا کہ وہ جلدی مسلمانوں کے لشکر سے جا ملیں۔ [10]

صفیہ رضی اللہ عنہا نے عراقی عورتوں کو گھڑے میں نبیذ کے بارے میں کثرت سوال سے منع کیا۔ [11]

حفصہ بنت سیرین رضی اللہ عنہا نے جوانوں کو اپنی جوانی کو غنیمت جاننے کا حکم دیا۔ [12]

ام الدرداء نے عبدالملک بن مروان کے خادم کو گالی دینے سے روکا۔ [13]

الغرض! نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا صرف مردوں پر ہی فرض نہیں بلکہ عورتوں پر بھی ان کے دائرہ کار میں رہ کر اپنی استطاعت کے مطابق فرض اور واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس واجب کو قابل عمل بنانے اور اسے پورا کرنے کی توفیق دے۔ آمین۔

---

[1] المستدرک علی الصحیحین، ج:۴، ص:۲۱۷۔ [2] مسند احمد، ج:۶، ص:۲۷۲۔ [3] مسند ابی یعلی: ۶۹۵۴۔ [4] مسند الشافعی: ۳۱۔ [5] سیر اعلام النبلاء، ج:۲، ص:۲۴۴۔ [6] مسند احمد، ج:۶، ص:۱۴۰۔ [7] المصنف لعبدالرزاق، ج:۲، ص:۲۲۹۔ [8] صحیح مسلم: ۲۱۴۲۔ [9] الاستیعاب، ج:۴، ص:۱۷۹۵۔ [10] سیر اعلام النبلاء، ج:۱، ص:۲۸۲۔ [11] مسند احمد، ج:۶، ص:۳۳۷۔ [12] صفۃ الصفوۃ، ج:۴، ص:۲۴۔ [13] صحیح مسلم، ۲۵۹۸۔

Marfat.com

قول وفعل میں موافقت

تبلیغ قرآن کے سلسلے میں جہاں نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا انتہائی اہمیت کا حامل ہے، وہاں نیکی کو عملاً کر کے دکھانا اور برائی سے عملاً دور ہونا، دعوتی میدان کی کامیابی کی کلید ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے عالم کی جو لوگوں کو نیکی کا حکم دیتا ہے لیکن خود عمل نہیں کرتا، مثال یوں بیان کی ہے:

مَثَلُ الْعَالِمِ الَّذِیْ یُعَلِّمُ النَّاسَ الْخَیْرَ وَیَنْسٰی نَفْسَهٗ کَمَثَلِ السِّرَاجِ یُضِیْءُ لِلنَّاسِ وَیُحَرِّقُ نَفْسَهٗ [1]

''ایسا عالم جو لوگوں کو خیر و بھلائی سکھلاتا اور بتاتا ہے اور اپنے آپ کو بھول جاتا ہے، وہ ایسے چراغ کی مانند ہے جو لوگوں کے لئے تو روشنی کرتا ہے لیکن اپنے آپ کو جلاتا ہے''۔

چنانچہ اسی جلانے کی تفصیل اور وضاحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یوں بیان کی ہے:

رَاَیْتُ لَیْلَةَ اُسْرِیَ بِیْ رِجَالًا تُقْرَضُ شِفَاهُهُمْ بِمَقَارِیْضَ مِنْ نَّارٍ، فَقُلْتُ: یَا جِبْرِیْلُ مَنْ هٰؤُلَاءِ؟ قَالَ: هٰؤُلَاءِ خُطَبَاءُ مِنْ اُمَّتِكَ، یَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَیَنْسَوْنَ اَنْفُسَهُمْ وَهُمْ یَتْلُوْنَ الْکِتَابَ، اَفَلَا یَعْقِلُوْنَ [2]

میں نے معراج کی رات دیکھا کہ لوگوں کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے ہیں۔ میں نے کہا: اے جبرائیل! یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: یہ آپ کی امت کے خطباء ہیں جو لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے تھے اور اپنے آپ کو بھول جاتے تھے، حالانکہ وہ کتاب پڑھتے تھے، کیا انہیں اتنی بھی سمجھ نہیں؟

اللہ جل جلالہ نے بھی قرآن مجید میں فرمایا ہے:

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَکُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْکِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ [3]

---

[1] المعجم الکبیر للطبرانی، ج:۲، ص:۱۶۵۔ [2] مسند احمد، ج:۳، ص:۲۳۹۔ [3] البقرہ: ۴۴۔

Marfat.com

''کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو؟ اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو، حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو کیا تم اتنی بھی عقل نہیں رکھتے؟''۔

گزشتہ حدیث اسی آیت کی تفسیر ہے۔اس آیت میں ان لوگوں کے لئے ڈانٹ ڈپٹ ہے جو لوگوں کو نیکی کی رغبت دلاتے ہیں اور خود عمل سے دور ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ ان کی زبان وکلام میں تاثیر نہیں اور ان کے بلند و بانگ خطبے، پرترنم تقریریں اور معلومات افزا لیکچر ومحاضرات لوگوں پر اثر نہیں کرتے ،اس لئے کہ اس پر خود عمل نہیں ہوتا اور محنت ضائع ہوجاتی ہے، کسی نے کیا خوب کہا تھا:

مَنْ وَعَظَ بِكَلَامِهٖ ضَاعَ سِهَامُهٗ ، وَ مَنْ وَعَظَ بِعَمَلِهٖ نَفَذَ سِهَامُهٗ

جو شخص کلام سے وعظ ونصیحت کرتا ہے اس کا تیر ضائع ہوجاتا ہے اور جو شخص عمل سے وعظ (تبلیغ) کرتا ہے اس کا تیر نشانے پر لگتا ہے، یعنی اس کی وعظ ونصیحت اور تبلیغ لوگوں میں اثر کرتی ہے۔جو عالم عمل نہیں کرتا اس کا علم بھی اس سے دور ہوجاتا ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

هَتَفَ الْعِلْمُ بِالْعَمَلِ فَاِنْ اَجَابَهٗ وَاِلَّا ارْتَحَلَ [1]

''علم عمل کو آواز دیتا ہے اگر عمل آجائے تو ٹھیک وگرنہ علم بھی رخصت ہوجاتا ہے''۔

یعنی علم،عمل کا نام ہے، اگر عمل نہ ہو تو علم بھی رخصت ہوجاتا ہے، اس لئے جو انسان دعوت وتبلیغ کا کام کر رہا ہے اگر وہ خود باعمل ہے تو اس کی بات میں تاثیر ہوگی، دعوت کا کام بڑے احسن انداز میں ہوگا اور دینی مقاصد بہت جلد حاصل کئے جاسکتے ہیں، بصورت دیگر اگر وہ بدعمل ہے تو عذاب الٰہی کیلئے اپنے آپ کو پیش کرنا ہوگا۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَتَيْتُ لَيْلَةَ اُسْرِيَ بِيْ عَلٰى قَوْمٍ تُقْرَضُ شِفَاهُهُمْ بِمَقَارِيْضَ مِنْ نَّارٍ، كُلَّمَا قُرِضَتْ وَفَتْ . فَقُلْتُ: يَاجِبْرِيْلُ مَنْ هٰؤُلَاءِ؟ قَالَ: خُطَبَاءُ اُمَّتِكَ

[1] اقتضاء العلم العمل،ص:۴۲۔

Marfat.com

اَلَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ مَا لَا یَفْعَلُوْنَ وَ یَقْرَئُوْنَ کِتَابَ اللہِ وَلَا یَعْمَلُوْنَ بِہٖ۔ [1]

میں معراج کی رات ایک ایسی قوم کے پاس آیا جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جارہے تھے، جب بھی کاٹے جاتے وہ پھر ٹھیک ہوجاتے (ایسے ہی عمل رہتا) تو میں نے کہا: اے جبرائیل! یہ کون لوگ ہیں؟ تو انہوں نے کہا: یہ آپ کی اُمت کے خطباء ہیں جو ایسی باتیں لوگوں کو بتلاتے ہیں جو خود نہیں کرتے اور قرآن مجید کو پڑھاتے ہیں لیکن خود اس پر عمل نہیں کرتے۔

اس حدیث میں ہر ایک کے لئے لمحہ فکریہ ہے کہ ان کی محنتیں ثمر آور کیوں نہیں ہوتیں، اس لئے کہ وہ خود عمل سے عاری ہوتے ہیں، اسی لئے ہلال بن اُمیہ نے کہا تھا:

طَلَبُ الْعِلْمِ شَدِیْدٌ، وَحِفْظُهٗ اَشَدُّ مِنْ طَلَبِهٖ، وَالْعَمَلُ بِهٖ اَشَدُّ مِنْ حِفْظِهٖ، وَالسَّلَامَةُ مِنْهُ اَشَدُّ مِنَ الْعَمَلِ بِهٖ۔ [2]

''علم کو سیکھنا بہت مشکل ہے اور اسے یاد کرنا اس کی طلب سے بھی مشکل ہے، اور اس پر عمل اس کے حفظ سے بھی زیادہ سخت ہے اور اسکے وبال سے سلامتی اس پر عمل کرنے سے بھی زیادہ سخت ہے''۔

اور زبید یامی کہتے ہیں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ایک کلمہ نے مجھے بیس سال تک چپ کروائے رکھا، وہ کلمہ یہ تھا:

مَنْ کَانَ کَلَامُهٗ لَا یُوَافِقُ فِعْلَهٗ فَاِنَّمَا یُوَبِّخُ نَفْسَهٗ [3]

''جس کا کلام فعل کے موافق نہ ہو، وہ درحقیقت اپنے آپ کو ہی ڈانٹ پلاتا ہے''۔

اسی بارے میں کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

یَا اَیُّهَا الرَّجُلُ الْمُعَلِّمُ غَیْرَهٗ .... هَلَّا لِنَفْسِكَ کَانَ ذَا التَّعْلِیْمُ

---

[1] شعب الایمان، ج:۲، ص:۲۸۳۔ [2] الجزاء من جنس العمل، ج:۲، ص:۲۴۷۔ [3] الجزاء من جنس العمل، ج:۲، ص:۲۴۶۔

Marfat.com

اے لوگوں کو سکھلانے والے ! تو اپنے آپ کو کیوں نہیں سکھلاتا،

تَصِفُ الدَّوَاءَ لِذِی السِّقَامِ وَذِی الضَّنٰی کَیْمَا یَصِحُّ بِهٖ وَاَنْتَ سَقِیْمٗ

تو بیماری اور لاغری کی دوا تو بیان کرتا ہے وہ کیسے صحیح ہو جبکہ تو خود مریض ہے،

اِبْدَأْ بِنَفْسِكَ فَانْهَهَا عَنْ غَيِّهَا ۔ فَاِذَا انْتَهَتْ عَنْهُ فَاَنْتَ حَكِيْمٗ

اس لئے اپنے آپ سے شروع کر اور اپنے نفس کو اس کی ضلالت سے روک

جب تُو نے اسے روک لیا تو پھر تو حکیم بن جائے گا۔

لَاتَنْهَ عَنْ خُلُقٍ وَتَأْتِیَ مِثْلَهٗ .. عَارٌ عَلَيْكَ اِذَا فَعَلْتَ عَظِيْمٗ

لوگوں کو ایسی بات سے نہ روک جو تو خود کرتا ہے ، اور اگر تو خود وہی کام کرے گا (جس سے تو دوسروں کو روکتا ہے) تو یہ بہت بڑا گناہ ہے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

یُجَاءُ بِالرَّجُلِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ فَیُلْقٰی فِی النَّارِ فَتَنْدَلِقُ اَقْتَابُهٗ فِی النَّارِ فَیَدُوْرُ كَمَا یَدُوْرُ الْحِمَارُ بِرَحَاهُ فَیَجْتَمِعُ اَهْلُ النَّارِ عَلَیْهِ فَیَقُوْلُوْنَ: یَا فُلَانُ! مَا شَأْنُكَ؟ اَلَیْسَ كُنْتَ تَأْمُرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَانَا عَنِ الْمُنْكَرِ؟ قَالَ: كُنْتُ اٰمُرُكُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَا اٰتِیْهِ، وَاَنْهَاكُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاٰتِیْهِ[1]

قیامت کے دن ایک آدمی کو لایا جائے گا اور اسے جہنم میں پھینک دیا جائے گا تو دوزخ میں اس کی انتڑیاں نکل پڑیں گی اور وہ اس طرح گھومتا پھرے گا جس طرح گدھا اپنی چکی کے گرد گھومتا ہے، پھر اہل جہنم اس کے پاس جمع ہو کر کہیں گے اے فلاں! تیرا کیا حال ہے؟ تمہیں کیا ہوا کیا تم ہمیں نیکی کا حکم نہیں دیتے تھے اور ہمیں برائی سے نہیں روکتے تھے؟ تو وہ کہے گا: ہاں کیوں نہیں، میں تمہیں نیکی کا حکم دیتا تھا لیکن خود نیکی نہیں

[1] صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۳۲۶۷۔

Marfat.com

کرتا تھا اور تمہیں برائی سے منع کرتا تھا مگر خود برائی کرتا تھا۔

اس لئے اس طرف توجہ دینا ہمارا فرض ہے اور خصوصاً ان کے لئے لمحہ فکریہ ہے جو دعوت کے میدان میں کام کرتے ہیں لیکن بد عمل ہیں، اس لئے آج ہی سے اللہ تعالیٰ سے توفیق مانگیں پھر شاید موقع نہ مل سکے۔ جوان کو تو بڑھاپے کی (غلط) اُمید ہوتی ہے لیکن بوڑھے کو کسی کی امید نہیں ہوتی۔ بقول شاعر:

قَالَ الشَّابُ لَعَلَّنَا فِيْ شَيْبِنَا ، نَدَعُ الذُّنُوْبَ فَمَا يَقُوْلُ الْاَشْيَبُ

''جوان تو کہتے ہیں کہ ہم شاید بڑھاپے میں گناہوں کو چھوڑ دیں تو بوڑھا کیا کہتا اور کیا کہے گا؟''

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ساتھ خود بھی نیک کام کرنا اور برائی سے رُکنا یہی سلف صالحین کا امتیاز تھا جس وجہ سے شاعر کا قول ان پر فٹ آتا ہے:

قَدْ مَاتَ قَوْمٌ وَهُمْ فِي النَّاسِ اَحْيَاءُ

''کتنے ہی لوگ مر چکے ہیں لیکن وہ لوگوں میں (نیک اعمال کی وجہ سے) زندہ ہیں''۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ ہمیں نیکی کا حکم دینے اور اس پر عمل کرنے اور برائی سے روکنے اور اس سے رُکنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆

Marfat.com

قرآن ہمیں کیا حکم دیتا ہے؟

انطباقِ عمل

۱۔ قرآن ہمیں توحید اور خالص اللہ کے لئے عبادت کا حکم دیتا ہے، لہٰذا ہم پر واجب ہے کہ اپنے تمام اقوال وافعال میں خلوص پیدا کریں۔

۲۔ قرآن ہمیں ہر اَمر میں طاعتِ رسُول ﷺ کی اور ہر نہی میں اُس سے باز رہنے کی تلقین کرتا ہے، لہٰذا ہم پر واجب ہے کہ ہم رسول کریم ﷺ کی ہر اَمر میں اطاعت کریں اور ہر نہی میں اس سے باز رہیں۔

۳۔ قرآن ہمیں اوقاتِ نماز میں نماز کا حکم دیتا ہے، لہٰذا ہم پر واجب ہے کہ مکمل شرائط، واجبات اور سنن کی رعایت کے ساتھ اوقاتِ نماز میں ادائے نماز کا اہتمام کریں اور اس کو وقت سے مؤخر نہ کریں اور ادائیگی میں سستی نہ کریں۔

۴۔ قرآن ہمیں اداءِ زکوٰۃ، روزہ اور حج کا حکم دیتا ہے، لہٰذا ہم پر واجب ہے کہ بروقت ان فرائض کی ادائیگی میں مستعدی کا ثبوت دیں۔

۵۔ قرآن ہمیں نیکیوں کی طرف سبقت کرنے کا اور برائیوں کے ترک کرنے کا اور نیکی وتقویٰ پر تعاون کا حکم دیتا ہے، لہٰذا ہم پر واجب ہے کہ تعمیل کا پورا خیال رکھیں۔

۶۔ قرآن ہمیں ظلم وزیادتی، خیانت ووعدہ خلافی سے روکتا ہے، لہٰذا ہم پر واجب ہے کہ ان چیزوں سے رُک جائیں۔

۷۔ قرآن ہمیں امانت کی ادائیگی کا حکم دیتا ہے، لہٰذا ہم پر واجب ہے کہ اپنی عبادتوں اور اپنے معاملات میں امین ہونے کا مظاہرہ کریں۔

۸۔ قرآن ہمیں سچائی کا حکم دیتا ہے، لہٰذا ہم پر واجب ہے کہ اپنے قول وفعل میں سچے بن جائیں۔

Marfat.com

۹۔ قرآن ہمیں والدین، اقرباء اور پڑوسیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیتا ہے، لہٰذا ہم پر واجب ہے کہ ان حضرات کے ساتھ حسنِ سلوک کریں۔

۱۰۔ قرآن ہمیں غافل اور بددین لوگوں کے ساتھ ہمنشینی سے روکتا ہے، لہٰذا ہم پر واجب ہے کہ ایسے لوگوں کی صحبت سے کنارہ کشی اختیار کریں۔

۱۱۔ قرآن ہمیں صلحاء اور صادقین کی صحبت میں بیٹھنے کا حکم دیتا ہے، لہٰذا ہم پر واجب ہے کہ ایسے لوگوں کی تلاش کریں اور ان کی صحبت و ہمنشینی اختیار کریں۔

۱۲۔ قرآن ہمیں علانیہ اور خفیہ اللہ کی معیت و خشیت کے مراقبہ کا حکم دیتا ہے، لہٰذا ہم پر واجب ہے کہ اپنے قول و فعل میں خوفِ خداوندی کا استحضار رکھیں۔

۱۳۔ قرآن ہمیں اللہ کی تقدیر پر صبر و رضاء کا اور اس کی نعمتوں پر شکر بجالانے کا حکم دیتا ہے، لہٰذا ہم پر واجب ہے کہ خوشحالی میں شکر بجالائیں اور تنگی کے وقت نیز قدر و قضاء میں صبر و تسلیم کا مظاہرہ کریں۔

۱۴۔ قرآن ہمیں اللہ پر توکُّل کا اور اُسی کی طرف معاملہ کی تسلیم کا حکم دیتا ہے، لہٰذا ہم پر واجب ہے کہ متوکلین میں سے بن جائیں اور اپنے معاملات اسی کے سپرد کردیں۔

۱۵۔ قرآن ہمیں نظر نیچی رکھنے کا اور شرمگاہ کی حفاظت کا حکم دیتا ہے، لہٰذا ہم پر نظر نیچی رکھنی اور شرمگاہ کی حفاظت بہت ضروری ہے۔ وعلیٰ ہٰذا القیاس ہم پر واجب ہے کہ اُن تمام اَوامر کو بجالائیں جن کا قرآن نے ہمیں حکم دیا ہے اور اُن تمام نواہی سے باز آجائیں جن سے قرآن نے منع کیا ہے، تاکہ ہم دنیا کی سعادت سے بہرہ ور ہوجائیں اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرلیں۔

۱۶۔ ارشاداتِ ربانیہ: ''اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ [1] اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ [2] وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ [3] مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَا اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا''۔ [4]

---

[1] آل عمران:۵۔ [2] حٰم السجدہ:۴۰۔ [3] الحدید:۴۔ [4] المجادلۃ:۷۔

Marfat.com

ہمیں سبق دیتے ہیں کہ خفیہ اور علانیہ ہم اپنے ہر قول وعمل میں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا استحضار رکھیں کہ اُس پر زمین و آسمان کی کوئی چیز بھی پوشیدہ نہیں ہے، وہ ہمارے سب عملوں کو دیکھ رہا ہے، ہم جہاں بھی ہوں وہ ہمارے ساتھ ہیں، تین آدمی خفیہ بات کر رہے ہوں تو چوتھی ذات اُس کی موجود ہے، پانچ آدمی پوشیدہ راز کی بات کر رہے ہوں تو چھٹی اُس کی ذات وہاں موجود ہے، اسی طرح کم وبیش جتنے افراد بھی محو گفتگو ہوں اُس کی ذات یقیناً اُن کے پاس موجود ہے، اگر ہمیں یہ سبق پختہ ہو جائے تو کوئی غلط بات ہمارے منہ سے نہیں نکل سکتی، کوئی افواہ ہم نہیں پھیلا سکتے، کسی پر بہتان یا الزام تراشی یا غیبت وچغلی کی جرأت نہیں کر سکتے بلکہ اس صورت میں ہم سے کوئی بھی گناہ سرزد نہیں ہوسکتا۔

۱۷- لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰى تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ [۱] یہ آیت ہمیں یہ درس دے رہی ہے کہ ہم بخل، کنجوسی، حرص اور طمع سے پرہیز کریں، جو چیز ہمیں محبوب ومرغوب ہے اس کو اللہ کے راستے میں خرچ کریں تب ہمیں کامل نیکی حاصل ہوسکتی ہے، اگر ہمیں یہ درس پختہ ہو جائے تو پورے معاشرہ میں باہمی اُلفت و محبت کا دَور دورہ ہو جائے۔

۱۸- وَلۡتَكُنۡ مِّنۡكُمۡ اُمَّةٌ يَّدۡعُوۡنَ اِلَى الۡخَيۡرِ وَيَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ ؕ وَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ [۲] نیز فَبِمَا رَحۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنۡتَ لَهُمۡ ۚ وَلَوۡ كُنۡتَ فَظًّا غَلِيۡظَ الۡقَلۡبِ لَانۡفَضُّوۡا مِنۡ حَوۡلِكَ [۳]

یہ آیات ہمیں سبق دیتی ہیں کہ ہر مسلمان دوسرے کو خیر کی دعوت دے، اچھائی کا حکم کرے اور برائی سے روکے، نرم خوئی کا مظاہرہ کرے، اکھڑپن اور سخت دلی کا مظاہرہ نہ کرے، اگر ہر مسلمان یہ سبق پختہ کرلے تو پورے معاشرہ میں سے شر وفساد ختم ہو جائے اور اس کی جگہ مسلمانوں کے تمام افراد میں خیر کا غلبہ ہو جائے اور سب مسلمانوں کو رحمت، برکت، ہدایت اور نیکی عام وتام ہو جائے۔

۱۹- اِنَّ اللّٰهَ يَاۡمُرُكُمۡ اَنۡ تُؤَدُّوا الۡاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهۡلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمۡتُمۡ بَيۡنَ النَّاسِ اَنۡ تَحۡكُمُوۡا بِالۡعَدۡلِ [۴]

---

[۱] آل عمران: ۹۲۔ [۲] آل عمران: ۱۰۴۔ [۳] آل عمران: ۱۵۹۔ [۴] النساء: ۵۸۔

Marfat.com

یہ آیت یہ درس دے رہی ہے کہ ہر مسلمان کو اپنی عبادات اور اپنے معاملات میں امانتدار، اور خیانت سے دُور ہونا چاہئے، فیصلہ میں اور اپنی تمام تر ذمہ داریوں اور سونپے ہوئے امور و معاملات و اعمال میں عدل و انصاف کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہئے، اگر ہم تلاوتِ قرآن کے بعد یہ سبق پختہ کر کے اُٹھیں تو پورے معاشرہ میں آپ کو کسی جگہ بھی دھوکے اور خیانت اور دجل و فریب کاری کا نشان بھی نہ ملے گا، رزق اور کمائی میں برکت عام و تام ہو جائے گی۔

۲۰۔ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ [۱] یہ آیت ہمیں یہ تعلیم دیتی ہے کہ قولی و فعلی، چھوٹے بڑے، ظاہر و پوشیدہ تمام بے حیائی کے کاموں سے مسلمان کو بچنا چاہئے، اگر ہم تلاوت کے وقت یہ تعلیم پختہ کر لیں تو پورے معاشرہ میں اخلاق کی صفائی، نفوس کی پاکیزگی اور روحوں کی ستھرائی کا دَور دورہ ہو جائے۔

۲۱۔ خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ [۲] یہ آیت اپنے قاری کو یہ سبق دیتی ہے کہ بدسلوکی کرنے والوں کو اور مجرموں کو معاف کر دو۔ آپس میں صلہ رحمی، تقویٰ، نگاہ نیچی رکھنے اور تمام اچھائی کے کاموں کا حکم کرو، ظالموں، جاہلوں، ناسمجھ لوگوں کے ساتھ اُلجھنے سے پرہیز کرو۔ اگر ہر مسلمان ان اخلاق سے موصوف ہو جائے تو پورے معاشرہ میں اخوت کی روح پھیل جائے، آپس میں نفرت، بغض، حسد اور قطع رحمی کا قلع قمع ہو جائے۔

۲۲۔ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ [۳] اگر قاری اس آیت پر عمل کرتے ہوئے اپنے ہر قول و فعل میں صداقت اور سچائی اختیار کر لے تو پورے معاشرہ کی اصلاح ہو جائے، کیونکہ صداقت نیکی کی طرف اور نیکی جنت کی طرف راستہ دکھاتی ہے۔

۲۳۔ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ [۴] اگر تلاوت کرنے والا اس آیت سے سبق حاصل کر کے اپنے تمام دینی اور دنیاوی امور و معاملات میں حسن طریقہ کو اپنا لے تو پورے معاشرے میں سعادت کا دَور

---

[۱] الانعام: ۱۵۱۔ [۲] الاعراف: ۱۹۹۔ [۳] التوبۃ: ۱۱۹۔ [۴] النحل: ۹۰۔

Marfat.com

دورہ ہوجائے اور تمام افرادِ اُمت کی سب مشکلیں اور پریشانیاں رفع ہوجائیں۔

۲۴۔ قُلۡ لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ یَغُضُّوۡا مِنۡ اَبۡصَارِهِمۡ وَیَحۡفَظُوۡا فُرُوۡجَهُمۡ ذٰلِكَ اَزۡكٰى لَهُمۡ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیۡرٌۢ بِمَا یَصۡنَعُوۡنَ وَقُلۡ لِّلۡمُؤۡمِنٰتِ یَغۡضُضۡنَ مِنۡ اَبۡصَارِهِنَّ وَیَحۡفَظۡنَ فُرُوۡجَهُنَّ وَلَا یُبۡدِیۡنَ زِیۡنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنۡهَا [1]

اگر ان آیتوں کی تلاوت کرنے والا مسلمان مرد حرام مواقع سے اپنی نگاہ کو نیچے رکھے، غیر حلال عورتوں سے اپنی شرم گاہ کی حفاظت رکھے، اسی طرح ہر مسلمان عورت اللہ کے حکم کے مطابق اپنی نگاہ کو نیچے رکھے اور اپنی شرم گاہ کی حفاظت رکھے، پوری عزت اور کامل پردہ کے ساتھ بغیر کسی زیب وزینت کے گھر سے نکلے تو پورا معاشرہ اخلاقِ حمیدہ، فاضلہ سے معمور ہوجائے اور اخلاقِ رذیلہ اور بے حیائی کا بالکل قلع قمع ہوجائے۔

۲۵۔ جب قرآن کریم کی تلاوت کرو تو یہ تصور کرو کہ میں ہی اس کا مخاطب ہوں، لہٰذا جب کسی امر والی آیت سے گزرو تو اپنے متعلق سوچو کہ کیا میں اس امر کو بجالانے والا ہوں، یا اس کو ترک کرنے والا ہوں؟ اس کے برعکس جب کسی نہی والی آیت سے گزرو تو اپنے بارے میں غور کرو کہ کیا میں اس نہی سے باز رہنے والوں میں سے ہوں یا اس کا ارتکاب کرنے والا ہوں؟

۲۶۔ جب تم اُن آیتوں سے گزرو جن میں مؤمنوں کی صفات اور اُن کے اخلاق کا تذکرہ ہے تو اپنے نفس کو اُن صفات پر پیش کرو اور جائزہ لو کہ کیا تم اُن لوگوں میں سے ہو؟ اس صورت میں اللہ کا شکر بجالاؤ اور مزید کی توفیق طلب کرو، یا تم اُن میں سے نہیں ہو؟ اگر ایسا ہے تو کوشش کرو اور اُن صفتوں سے اپنے آپ کو موصوف اور مزین کرنے کی تگ ودو کرو۔ اس کے برعکس جب منافقوں کی صفات سے گزرو تو محتاط ہو جاؤ کہ شاید تم بھی انہی میں سے ہو اور تمہیں خبر ہی نہ ہو رہی ہو۔

۲۷۔ جب حق تعالیٰ شانہٗ کے اس ارشاد سے گزرو یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا تو اُس کے بعد آنے والے مضمون

---

[1] النور: ۳۰، ۳۱۔

Marfat.com

کی طرف اپنے کان اور دِل کو متوجہ کر دو، اگر وہ امر ہو تو اُس کو بجالاؤ اور اگر نہی ہو تو اس سے باز رہو، اور بعض حضرات سلف جب یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کی تلاوت کرتے تو عرض کرتے لَبَّیْكَ رَبِّیْ وَسَعْدَیْكَ اے میرے پروردگار! میں حاضر ہوں اور تابعدار ہوں (جو آپ کا فرمان ہوگا اس پر دِل وجان سے عملدر آمد کروں گا)۔

مثال کے طور پر تم یہ آیت پڑھو یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا قُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ وَ اَهۡلِیۡکُمۡ نَارًا وَّ قُوۡدُهَا النَّاسُ وَ الۡحِجَارَةُ [1] تو اپنے اہل وعیال کے متعلق سوچو، اُن کے نماز روزے کا کیا حال ہے؟ حدث وجنابت اور حیض ونفاس کی حالت میں اُن پر کون کون سے احکام واجب العمل ہیں؟ کیا وہ ان احکام کو بجالا رہے ہیں؟ کیا اُنہیں وہ احکام معلوم ہیں؟ اگر تو وہ ان احکام کو جانتے ہوں اور بجالا رہے ہوں تب تو مزید وعظ ونصیحت اور یاددہانی کرادو، لیکن اگر وہ علم یا عمل میں کوتاہی کر رہے ہوں تو پھر ان کو وعظ و نصیحت اور زجر وتوبیخ کرو اور حصولِ علم نیز رعایتِ عمل کی خوب تاکید کرو اور ان کی خوب نگرانی رکھو۔

۲۸۔ جب تم یہ آیت تلاوت کرو یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا تُوۡبُوۡۤا اِلَی اللّٰهِ تَوۡبَةً نَّصُوۡحًا [2] تو اپنے برے افعال یاد کرو اور اُن سے اللہ کی طرف رجوع کرو، اسی قیاس پر پورے قرآن کا چکر لگاؤ اور بار بار غور وفکر کرو، امر ہو تو بجالاؤ، نہی ہو تو رُک جاؤ، خوف ہو تو ڈر جاؤ، امید ہو تو توقع رکھو، استغفار کی آیتیں ہوں تو استغفار کرو، وعظ ونصیحت کی آیات ہوں تو نصیحت کو قبول کرلو، قصوں کی آیتیں ہوں تو عبرت اور سبق حاصل کرو، اعتقاد وایمان کی آیتیں ہوں تو اپنے عقیدے اور ایمان کو پختہ کرلو، باری تعالیٰ کی ثبوتی صفات ہوں تو ان کے ثبوت کا عقیدہ رکھو، سلبی صفات کی آیتیں ہوں تو اُن صفات سے اُس کی ذات کے مقدس اور پاک ہونے کا اعتقاد رکھو۔

۲۹۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنی وفات کے وقت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو وصیت کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں عمر! کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خوف کی آیتوں کے ساتھ اُمید کی آیتیں اور اُمید کی آیتوں

---

[1] التحریم:۶۔ [2] التحریم:۸۔

Marfat.com

کے ساتھ خوف کی آیتیں اس لئے اتاری ہیں کہ مؤمن رغبت اور خوف دونوں کا پیکر بن جائے، نہ تو اتنا امیدوار بنے کہ جس نعمت کا وہ حقدار نہیں اُس کی تمنا کرنے لگ جائے اور نہ اتنا خوف زدہ ہو جائے کہ اپنے ہاتھ پاؤں کھو بیٹھے اور اللہ کی رحمت سے قطعی ناامید ہو جائے۔

۳۰۔ پھر فرمایا عمر! کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اہل دوزخ کا ذکر ان کی بدعملیوں کے ساتھ فرمایا ہے، لہٰذا جب تم ان کے تذکرے سے گزرو تو یوں کہو کہ بفضلہ تعالیٰ مجھے امید ہے کہ میں اُن میں سے نہیں ہوں گا اور اہل جنت کا ذکر حق تعالیٰ شانہٗ نے اُن کے نیک عملوں کے ساتھ کیا ہے، کیونکہ اُن کے برے اعمال سے اُس نے درگزر فرمادیا ہے، لہٰذا جب تم ان کے تذکرے سے گزرو تو یہ سوچو کہ نہ معلوم میرے اعمال کے ساتھ بھی اہل جنت کے اعمال والا معاملہ ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر تم میری اس وصیت کو یاد رکھو گے تو موت سے زیادہ کوئی غائب چیز تمہیں محبوب نہ ہوگی اور یاد رکھو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے بلکہ موت بہرحال آکر رہے گی۔ [۱]

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆

---

[۱] ابن جریر از مجاہد کذا فی الدر المنثور، ج:۶، ص:۴۱۰۔

Marfat.com

کتابِ الٰہی انسان کی سب سے بڑی ضرورت

انسان کی سعادت وشقاوت کے اصول بتلانے کیلئے عقل انسانی کافی نہیں، ایک: تو اس وجہ سے کہ عقل کے معلومات سائنس کے اصول کے تحت تجربات اور مشاہدات کے تجزیہ وتحلیل سے ماخوذ ہیں اور سعادت و شقاوت کے اصول عقائد، اخلاق اور اعمال کی خصوصیات کی معرفت سے ماخوذ ہیں جو کہ تجربات، مشاہدات اور محسوسات کے دائرہ سے خارج ہیں، تجربہ اور مشاہدہ کے ذریعہ ان کا تجزیہ وتحلیل نہیں کیا جاسکتا اور نہ ان کیلئے کوئی لیبارٹری ہے۔

دوم: اس وجہ سے کہ عقل کے فیصلوں میں وہم کی مداخلت ہوتی ہے، جس کی وجہ سے عقل کے فیصلوں میں غلطی واقع ہوجاتی ہے۔ تیسری: وجہ یہ ہے کہ عقول متفاوت ہیں، عقل صحیح کی صورتیں کم اور عقول فاسدہ کی صورتیں ان امور کے متعلق زیادہ ہیں۔ چوتھی: یہ کہ عقل کے فیصلے بسااوقات جذبات کے تحت ہوتے ہیں، جن کی وجہ سے ان کے فیصلے اکثر غلط ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ اقوام عالم کی عقلوں کے فیصلے معرفت الٰہی، دریافت حقیقت نبوت، اور مجازات اعمال اور امور آخرت اور صحیح اور غلط اعمال کے متعلق متضاد ہیں، کوئی قوم شرک کو صحیح سمجھتی ہے، کوئی تثلیث کو، کوئی خدا پرستی کو، کوئی مخلوق پرستی کو، کوئی قوم گائے کا گوشت کھانے کو معصیت سمجھتی ہے، کوئی اس کے خلاف، کوئی خنزیر خوری کو اچھا سمجھتا ہے، کوئی اس کے خلاف، کسی کا طریقہ عبادت ورضا الٰہی کچھ ہے کسی کا کچھ، کسی کا تصور نبوت اور ہے کسی کا اور، کوئی مجازات اعمال، جنت ودوزخ کی شکل میں مانتا ہے، کوئی بصورت راحت والم روحانی اور کوئی بصورت تناسخ۔

یہی حال تمام امور روحانیہ میں ہے، جو اس امر کی دلیل ہے کہ مذکورہ امور میں عقل کافی نہیں، بلکہ قرآن کی ضرورت ہے، تاکہ انسان کی سعادت وشقاوت کے اصول کا قطعی فیصلہ اس طرح ہوجائے کہ جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش باقی نہ رہے، جس کے دلائل حسبِ ذیل ہیں:

Marfat.com

پہلی دلیل، دلیلِ بقائی ہے

فطرۃً ہر انسان کی خواہش ہے کہ اس کو دوام بقاء و حیات حاصل ہو، کیونکہ انسان کی کل نعمتیں وابستہ حیات ہیں، اگر حیات نہ ہو تو کل نعمتیں، مال، جاہ، اقتدار، خوراک، پوشاک، بیوی، سب بے کار ہیں۔ اس فطری جذبے کی دلیل یہ ہے کہ ہر انسان کی بقاء حیات پر اگر کوئی دشمن حملہ کرے تو وہ حب ذات اور حب بقاء کے جذبے کے تحت مدافعت کی کوشش کرتا ہے اور حیات و بقاء کو محفوظ رکھنے کی جدو جہد کرتا ہے، اسی طرح اگر اس پر کسی بیماری کا حملہ ہو جس سے حیات و بقاء کو خطرہ لاحق ہوتا ہے تو وہ علاج و معالجہ پر بڑی رقم خرچ کر کے بقاء حیات کے لئے سعی کرتا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ حب بقاء کا جذبہ فطری ہے۔

اب اس عالم تغیرات اور جہان فنا میں کسی انسان کو یہ فطری مقصد حاصل نہیں، اب اگر زندگی کے کسی دور میں بھی انسان کو دوام حیات اور استمرار بقاء کا مقصد حاصل نہ ہو تو ایسی صورت میں یہ کہا جائے گا، کہ انسان نے ایک ناممکن چیز کی فطری خواہش کی جو علم النفسیات کے لحاظ سے درست نہیں، کیونکہ ناممکنات فطری مطلوب نہیں ہو سکتے اور نہ ایک ناممکن مقصد پر تمام افراد انسانی متفق ہو سکتے ہیں، یہ بات ناممکن ہے کہ دو جمع دو پانچ ہو، تو کیا پوری انسانی تاریخ میں صرف ایک شخص ایسا مل سکتا جس کی یہ خواہش ہو کہ دو جمع دو پانچ ہو جائے، یہ ناممکن عقلی ہے۔

اسی طرح ناممکن عادی بھی فطرۃً تمام انسانوں کا مطلوب نہیں بن سکتا، کوئی انسان اپنی فطرت کے اعتبار سے یہ خواہش نہیں رکھتا کہ وہ انسان ہو کر ساری عمر کھانے پینے اور سانس لینے سے بے نیاز ہو جائے، اس سے معلوم ہوا کہ ناممکن امر خواہ عقلی ہو یا عادی، تمام انسانوں کا فطری مطلوب نہیں بن سکتا، تو دوام حیات جو فطرۃً تمام انسانوں کا مطلوب ہے وہ ناممکن نہیں بلکہ ممکن الحصول ہے۔

اب دوام بقاء کے لئے اس دنیا میں جو عالم تغیرات ہے ایسی چیزیں موجود ہیں جو اگر جلد خراب اور بگڑ جانے والی چیزوں کے ساتھ لگ جائے تو ان کے ربط و تعلق سے اس کو ایک محدود زمانے تک بقاء حاصل ہو جاتی ہے، مثلاً تازہ مچھلی کو نمک لگا کر اور خشک کر کے ایک مدت تک باقی رکھا جا سکتا ہے، چین وغیرہ میں شہد سے بھرے

Marfat.com

ہوئے صندوق میں آدمی کی لاش کو رکھ کر بقاء محدود کا سامان کیا جاتا ہے، مصر کے آثار قدیمہ میں ایسے سیب دریافت ہوئے کہ اس پر لکھی ہوئی تاریخ سے یہ معلوم ہوا کہ پانچ ہزار سال سے وہ سیب ممی کی وجہ سے جو انسانوں کے ایک عالم تغیر میں ایک دریافت کردہ مسالہ ہے، محفوظ ہے، تو کیا جب عالم تغیر میں اضافہ بقاء کا یہ سامان موجود ہے تو ابدی اور لافانی اشیاء میں ایسا کوئی مسالہ نہیں جس کا ربط و تعلق انسان کی روح سے حاصل ہو کر اس کو دوام بقاء اور استمرار حیات کے وصف سے متصف کردے۔

ابدی اور لازوال چیزیں اللہ اور اس کی صفات ہیں، جن سے انسان کے ساتھ قابل اتصال چیز صرف اللہ کا وصف کلام یا وحی الٰہی ہے، جو اپنی ابدیت کی وجہ سے انسان کیلئے دوام حیات اور بقاء مستمر کا سامان بن سکتی ہے، اس لئے اللہ جل جلالہ نے مختلف انبیاء علیہم السلام پر اپنا کلام اتارا تاکہ انسان کو دوام حیات جو اس کا فطری مطلوب ہے حاصل ہو، اس سے معلوم رہا کہ دوام بقاء کے فطری جذبے کی تکمیل کیلئے کلام الٰہی اور وحی ربانی کی ضرورت ہے۔

یہ شبہ نہ کیا جائے کہ اسلامی زاویہ نگاہ سے کلام الٰہی پر ایمان رکھنے والوں کو جس طرح جنت کی صورت میں دوام حیات حاصل ہوگا تو منکرین کلام الٰہی اور کفار کو بھی دوزخ کی صورت میں دوام حیات ہوگا، لیکن وہ حیات موت سے بدتر ہے، جس کا جواب یہ ہے کہ کلام الٰہی کا اثر دوام حیات ہے، کیونکہ کلام الٰہی ابدی ہے اور اسکا اثر بھی حیات انسانی کو ابدی بنا تا ہے، جو مومنین اور کفار دونوں کے حق میں بشکل دوام جنت اور دوام دوزخ موجود ہے، تو کلام الٰہی کا اصل اثر دوام حیات رہا، لیکن دوامِ حیات کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ دوام باراحت　　　۲۔ دوام بادرد والم

یعنی ایک سُکھ کا دوام اور دوسرا دکھ کا دوام، یہ فرق انسانی استعداد اور طرز عمل نے پیدا کیا ہے کہ سکھ والوں نے ایمانی استعداد کے ساتھ کلام الٰہی سے ربط قائم کیا اور کفار نے مخالفت اور استعداد انکار کے ساتھ قائم کیا، اس لئے دوام کی نوعیت میں فرق آیا، جس کی مثال یہ ہے کہ سورج کے شعلوں کا اثر چیز کو سفید کرتا ہے لیکن جب دھوبی گھاٹ میں کپڑے دھوتا ہے اور سورج کی روشنی پڑتی ہے تو اس سے کپڑے تو سفید ہو جاتے ہیں لیکن خود دھوبی کا بدن سیاہ اور کالا ہو جاتا ہے، حالانکہ سورج کا ربط دونوں سے یکساں

Marfat.com

ہے، یہ تفاوت کپڑے اور دھوبی کے بدن کی استعداد کے فرق کی وجہ سے ہوا، یہی حال اہل ایمان اور اہل کفر کا ہے، قرآن نے بھی اسی فرق کو واضح کیا ہے:

وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَ لَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا [1]۔

''ہم قرآن کو اتارتے ہیں تمام کمزوریوں کو دور کرنے اور رأفت و رحمت کا سامان کرنے کیلئے لیکن کفار کے معاندانہ ظلم کی وجہ سے یہ قرآن ان کے لئے نقصان کا سامان بن جاتا ہے''۔

۲۔ دلیلِ قانونی

انسان میں فطرۃً دو قوتیں شہویہ و غضبیہ موجود ہیں، قوت شہویہ قدرت نے اس کو اس لئے عطاء کی ہے کہ اس کے ذریعہ اپنے فوائد کے لئے جدوجہد کرے اور غضبیہ اس لئے کہ اگر کوئی دوسری قوت ان کے ساتھ ان فوائد کے حصول میں مزاحمت اور مقابلہ کرے تو قوت غضبیہ کے ذریعہ مدافعت کر کے اس کا مقابلہ کرے۔

انسانی فوائد کے کلیات ماکول، مشروب، ملبوس، مسکن ہیں، اور بعد از بلوغ منکوح یعنی بیوی ہے، یہی تمام انسانوں کے محبوب مقاصد ہیں، یہ سب جسمانی مقاصد ہیں، یعنی کھانے کا سامان، پینے کا سامان، پوشاک اور مکان رہائش، اور روحانی اور معنوی مقاصد دو اور ہیں: دین اور جاہ یعنی وہ دین اور عزت کی طلب بھی کرتا ہے اور اگر کوئی مزاحمت کر دے تو قوت غضبیہ کے ذریعہ اس مزاحم سے مقابلہ بھی کرتا ہے۔

جب یہ سب چیزیں تمام انسانوں کے مقاصد ہیں تو ہر ایک ان کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور ان کے حصول کی راہ میں جو بھی مانع و حائل بنے گا تو اس کے ساتھ مزاحمت و مقابلہ کرے گا، جن کی وجہ سے ان امور میں افراد انسانی کے درمیان جھگڑے اور منازعات اور مخاصمات قائم ہوں گے اور دیوانی و فوجداری مقدمات برپا ہوں گے جو ہر ملک اور ہر قوم میں ہمیں صاف نظر آ رہے ہیں، اس لئے ان سات حقوق کی حفاظت کے لئے

---
[1] بنی اسرائیل۔

Marfat.com

قانونِ عادلانہ کی ضرورت فطرتاً ناگزیر ہے، تاکہ اقامت انصاف ہو اور نزاع ختم ہو، اب وہ قانون کس کا ہو؟ انسان کا یا اللہ کا، تو یہ ظاہر ہے کہ اس قانون عادلانہ کے بنانے والے کے لئے مندرجہ ذیل چار اوصاف کا ہونا ضروری ہے:

(۱) علمِ محیط (۲) رحمتِ کاملہ (۳) قدرتِ تامہ (۴) غیر جانبداری

علمِ محیط: اس لئے ضروری ہے کہ انسانی حقوق کے ہر پہلو کا علم رکھتا ہو، اور انسانی فوائد وحقوق کے متعلق اس کو انسان کے تمام ادوارِ حیات پر نظر ہو، یعنی دنیا، قبر، آخرت تاکہ اس کا عادلانہ فیصلہ انسانی زندگی کی ان تمام منزلوں میں درست ہو۔

رحمتِ کاملہ: اس لئے ضروری ہے کہ قانون عادلانہ کی تدوین کے وقت غفلت نہ برتی جائے اور دیدہ ودانستہ قانون میں ایسے اجزاء شامل نہ کردے جو خلافِ انصاف ہوں۔

قدرتِ کاملہ: اس لئے ضروری ہے کہ کسی دباؤ میں آکر راہِ عدل سے انحراف نہ کردے، یا مجرم کو سزا دینے میں کمزوری نہ دکھائے۔

غیر جانبداری: یعنی قانون ساز کیلئے غیر جانبدار ہونا اس لئے ضروری ہے کہ وہ ہم قوم، ہم وطن، ہم رنگ اور ہم زبان لوگوں کی طرفداری نہ کرے، اور قانون سازی میں ان کی رعایت کرکے اوروں کو نقصان نہ پہنچائے۔

یہ چاروں صفات جو قانون عادلانہ کی تشکیل کے لئے ضروری ہیں وہ صرف ذات خداوندی میں موجود ہیں، نہ اس کے برابر کسی کا علم محیط ہے، نہ اس کے برابر کسی کی رحمت، اَللّٰہُ اَرْحَمُ بِعِبَادِہٖ مِنَ الْاُمِّ بِوَلَدِھَا ''اللہ جل شانہٗ کی رحمت اس سے زیادہ ہے جو ماں کو اولاد پر ہے''۔[1]

نہ اس کے برابر کسی کی قدرت ہے کہ کسی سے دب کر قانون بنانے میں اس کی رعایت کرے یا مجرم کی سزا میں کسی سے ڈرے، اور صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات ہے جو غیر جانبدار ہے، نہ وہ کسی کے ساتھ قومیت یا

---

[1] حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء: ج:۳،ص:۲۸۸۔

Marfat.com

وطن میں شریک ہے کہ ہم قوم اور ہم وطن لوگوں کی رعایت کرے، نہ کسی کا ہم رنگ اور ہم زبان ہے، بلکہ وہ ایسی ذات ہے جو لَمۡ یَلِدۡ وَلَمۡ یُوۡلَدۡ، لَیۡسَ کَمِثۡلِهٖ شَیۡءٌ [1] نہ اس کی نسل ہے، نہ کسی سے شرکت ہے، اس لئے قانون عادلانہ جو انسان کا فطری حق ہے وہ صرف اسی ذات سے مختص ہے: اِنِ الۡحُکۡمُ اِلَّا لِلّٰهِ [2] ''قانون بنانا صرف خالق کائنات کا حق ہے''۔

اور وہی قانونِ الٰہی، وحی الٰہی اور احکام ربانی یا قرآن کا نام ہے، لہٰذا قرآن کی ضرورت نوع انسانی کیلئے ثابت ہوئی، بہر حال انسانی حقوق کے متعلق قانونِ الٰہی کے سواء کسی انسانی قانون کی حکمرانی جاہلیت کی حکمرانی ہے۔

اَفَحُکۡمَ الۡجَاهِلِیَّةِ یَبۡغُوۡنَ وَمَنۡ اَحۡسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُکۡمًا لِّقَوۡمٍ یُّوۡقِنُوۡنَ [3]
''کیا لوگ انسان کے جاہلانہ قانون طلب کرتے ہیں، اللہ سے بہتر قانون کس کا ہے اس قوم کے لئے جو حقیقت پر یقین کرتی ہو''۔

۳۔ دلیلِ غذائی

انسان جسم اور روح سے مرکب ہے، جس میں روح جسم کی نسبت اعلیٰ اور اشرف ہے اور بدن اس کی نسبت ادنیٰ اور خسیس ہے، یہی وجہ ہے کہ جب موت کے ذریعہ بدن سے روح نکل جاتی ہے تو بدن بیکار ہو جاتا ہے اور روح کی یہ برتری اس قدر واضح اور بدیہی ہے کہ حیوانات اور جمادات تک اس سے باخبر ہیں، مثلاً:

اگر روح بدن میں موجود ہو اور وہ کئی دن کسی جگہ سویا ہوا ہو تو کوئی چیز اس پر حملہ آور نہیں ہوتی، نہ کیڑے مکوڑے پاس پھٹکتے ہیں، نہ کوّے گدھ اس کا گوشت نوچتے ہیں، نہ زمین اس کے بدن کو کھاتی ہے اور نہ ہوا اور سورج کی دھوپ اس کو بدبودار کرسکتی ہے، لیکن اسی انسان کے بدن سے جب جان اور روح نکل جاتی ہے تو جمادات اور حیوانات اس پر حملہ آور ہو جاتے ہیں، حالانکہ مرنے سے پہلے وہ کائنات کا حاکم تھا، نہ کہ محکوم، وَسَخَّرَ لَکُمۡ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ [4] ، پھر زمین اس کے جسم کو کھاتی ہے، اور دھوپ بدبو کرنا

[1] الشوریٰ:۱۱۔ [2] الیوسف:۳۹۔ [3] المائدۃ:۴۹۔ [4] الجاثیہ:۱۳۔

Marfat.com

شروع کرتی ہے، اور کیڑے مکوڑے ناک اور منہ میں گھسنا شروع کرتے ہیں، اور کوّے گدھ اس کا گوشت نوچنا شروع کردیتے ہیں۔

یہ سب چیزیں جو پہلے انسان سے مغلوب تھیں موت کے بعد کیوں غالب آگئیں؟ اسی وجہ سے کہ وہ الہام الٰہی کے ذریعہ اس امر سے واقف ہیں کہ انسان میں قوت و غلبے کی علت اس کی روح ہے، موت سے جب وہ جدا ہوئی تو اب وہ غالب نہیں رہا بلکہ ان سب چیزوں سے مغلوب ہو گیا، جو روح کی برتری کی دلیل ہے۔

اب جب بدن کم تر اور روح برتر ہے اور کمتر کی غذا کے لئے قدرت نے انتظام کیا ہے، یہاں تک کہ گندم کا دانہ جس کو انسان کھاتا ہے تو اس کا پودا جب بنتا ہے کہ یہ وسیع کارخانہ عالم اس میں اپنا کام کرے، زمین اور پانی تخم گندم سے پودا اگاتے ہیں، ہوا اس کو تازہ وتر رکھتی ہے، ستاروں کی کشش اس کی نشوونما کی خدمت کرتی ہے، سورج اس فصل اور دانے کے پکا کردینے میں مددگار ہے، اس طرح یہ وسیع کارخانۂ عالم، بدنِ انسانی کی تیاری میں لگا ہوا ہے، یہاں تک کہ سورج سمندروں سے بخارات اڑا کر بادل میں تبدیل کرتا ہے تاکہ پانی برسے اور اس حقیر جزء انسانی یعنی بدن کی غذا کی تکمیل ہو۔

اب یہ ضروری ہے کہ قدرت نے ضرور انسان کے اس اعلیٰ اور برتر جزء کی غذا کا بھی انتظام کیا ہوگا، کیونکہ یہ ممکن نہیں اور حکمت کے خلاف ہے کہ کمتر جزء کی غذا کا انتظام کیا جائے، اور اعلیٰ جزء کی غذا کو نظر انداز کیا جائے، یہ تو ایسا ہوگا کہ کوئی گھوڑے پر سوار رئیس کسی کا مہمان ہو جائے، وہ گھوڑے کے کھانے پینے کا انتظام کر دے لیکن خود گھوڑے کے سوار یعنی اس رئیس کو نظر انداز کردے، نہ کھانے کا بندوبست، نہ پینے کا۔

یہاں بھی بدن سواری کی طرح ہے، اور روح اس پر سوار ہے، اگر بدن اور سواری کی غذا کا انتظام قدرت کی طرف سے ہوا ہے، تو روح کی غذا کا انتظام بھی ضروری ہے کیونکہ نہ گھوڑا غذا کے بغیر اپنے فرائض بجا لاسکتا ہے، نہ گھوڑے کا سوار فرائض پورے کرسکتا ہے، اس لئے کہ غذا کی ضرورت دونوں کو ہے، دونوں یعنی بدن اور روح اسی عالم تغیر میں رہائش رکھتے ہیں اور دونوں اپنے اپنے فرائض کی بجا آوری میں غذا کے محتاج ہیں، ورنہ گھوڑا چل سکے گا اور نہ سوار جو کئی دن سے غذا سے محروم ہو، گھوڑے کی لگام کو قابو میں رکھ سکے گا اور ممکن ہے کہ ٹھوکر

Marfat.com

لگنے سے دونوں کا خاتمہ ہو جائے۔

بدن بھی زمینی ہے اور اس کی غذا بھی زمینی ہے لیکن روح امر ربی ہونے کی وجہ سے عالم بالا سے تعلق رکھتی ہے، لہٰذا اس کی غذا بھی لطیف اور عالم بالا سے ہونی چاہئے، اور وہ غذا وحی ربانی اور کلام الٰہی یا قرآن ہے، جس میں غذا ہونے کی دو خصوصیات موجود ہیں، میلان طبعی، اور نشو وارتقاء، جیسے غذا مثلاً روٹی اور گوشت کی غذا ہونے کی یہ دو علامتیں ہیں، اوّل طبیعت کا مائل ہونا، پتھر اور لوہا غذا جسمانی اس لئے نہیں کہ اس کی طرف میلان نہیں، کوئی نہیں چاہتا کہ وہ پتھر لکڑی کو پیس کر کھائے، یا لوہے کا برادہ نکال کر کھائے۔

دوم نشونما بھی، جو گوشت روٹی میں موجود ہے وہ لکڑی اور پتھر دونوں میں نہیں، اگر کوئی پتھر اور لکڑی پیس کر کھائے تو ترقی بدن نہیں ہوگی بلکہ بدن ہلاک ہوگا، یہی دو علامتیں غذا روحانی ہونے کی قرآن میں موجود ہیں، میلان بھی کہ اجنبی زبان اور ضخیم کتاب ہونے کے باوجود لوگ اس کی تلاوت کرتے ہیں، اور اس کو حفظ کرتے ہیں اور بقاء حفظ کے لئے موت تک اس کا دور و تکرار کرتے ہیں، اور وقت اور محنت کی یہ قربانی قرآنی غذائیت کی روحانی کشش کا نتیجہ ہے، اس لئے وہ غذا روحانی ہے، اگر غذا جسمانی نہ ہونے سے موت جسم واقع ہوتی ہے، تو غذا روحانی نہ ہونے سے موت روح جو حقیقی موت ہے، واقع ہوجاتی ہے، اور اسی غذا قرآنی سے حیات حقیقی کا پیدا ہونا اس آیت میں مذکور ہے:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ [1]

''اے ایمان والو! اللہ و رسول کا کہا مانو، جبکہ وہ تم کو اس قرآن کی طرف بلاتے ہیں جس میں تمہاری حقیقی زندگی ہے''۔

وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ [2]

''اعلان کردو کہ قرآنی غذا سے محروم مردہ لوگ ان لوگوں کے برابر نہیں جنھوں نے قرآن کی غذا، روحانی سے حقیقی حیات پائی ہے''۔

---

[1] الانفال: ۲۴۔ [2] الفاطر: ۲۱۔

Marfat.com

۴۔ دلیلِ دوائی

قدرت نے جب انسان کو اس عالم تغیر میں بسایا ہے تو ساتھ ہی اسی عالم کون و فساد میں اس نے ان کے امراض اور بدنی تغیرات کے علاج کے لئے قدرتی دوائیں بھی رکھی ہیں، تاکہ ان کے استعمال سے وہ صحت یاب ہو، بدن اور اس کی دوا چونکہ دونوں مادی چیزیں ہیں، اس لئے انسان اپنے تجربہ اور تحلیل و تجزیہ کے ذریعہ ان کی خاصیات کو دریافت کر کے بدنی امراض کے ازالہ کے لئے ان کو استعمال کر سکتا ہے، اور مسلسل تجربہ کے ذریعہ ایک جسمانی طب کے قوانین کو مرتب کرنے کی اہلیت رکھتا ہے، لیکن روح انسانی اور اس کی صفات اور امراض، تجربہ انسانی کے دائرہ سے خارج ہیں، اس لئے اس کے متعلق نہ انسان کوئی تجربہ کر سکتا ہے، نہ اس کے امراض کی تشخیص کر سکتا ہے، اور نہ موثر ادویہ کو متعین کر سکتا ہے، روح خود امر ربی اور عالم بالا سے متعلق حقیقت ہے، لہٰذا اس کی دوا بھی عالم بالا سے ہوگی جس سے اس کے امراض کا ازالہ ہوگا، زمینی دوا اس پر اثر انداز نہیں ہوسکتی، کیونکہ خود روح زمینی نہیں۔

اور روحانی امراض کا علاج بدنی امراض کے علاج سے زیادہ اہم ہے کہ بدنی مرض سے وقتی موت اور روحانی امراض سے دائمی موت و ہلاکت واقع ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ بدن کا معالجہ خالق کائنات نے خود انسانی تجربے کے سپرد کر دیا ہے لیکن روحانی علاج کے لئے سلسلہ انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ انتظام فرمایا، وہی انتظام، وحی الٰہی اور کلام ربانی ہے جو صحت روحانی کا علاج مجرب اور نسخہ بے خطاء ہے:

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ [1]

''ہم نے قرآن اتارا جس میں روح کا علاج اور اس کی قوت بخشی کا سامان موجود ہے جو اللہ کی رحمت ہے یقین کرنے والوں کیلئے''۔

اس لئے قرآن کے سوا اس وقت ازالہ امراض روحانی و فیضان صحت روحانی کے لئے اور کوئی علاج اور نسخہ کائنات میں موجود نہیں، کیونکہ مُهَيْمِنًا عَلَيْهِ [2] کے تحت قرآن تمام نسخہ جات انبیاء کرام علیہم السلام الیقین کو شامل

---

[1] بنی اسرائیل:۸۲۔ [2] المائدہ:۴۸۔

Marfat.com

ہے اور اس میں ابدی صحت روحانی کے ابدی اصول موجود ہیں، یہی وجہ ہے کہ یورپ نے علوم کے انبار پڑھ ڈالے اور انہی کے ذریعے آسمانی ترقی پر پہنچے لیکن اس شفاء روحانی کی محرومی کی وجہ سے شرف انسانیت سے محروم ہیں، نہ ان میں نیکی ہے نہ خدا ترسی، نہ عدل، نہ اطمینان قلب، نہ امن، بلکہ ان مریض اور گندہ روحوں کی وجہ سے دنیا روز بروز جہنم کدہ بنتی جا رہی ہے، اور فواحش و منکرات اور خونریزی کا وہ سیلاب موجزن ہے جس کے رک جانے کی امید نہیں، بلکہ پوری دنیا کی تباہی کا شدید خطرہ پیدا ہو گیا ہے، کیونکہ برائی روز افزوں ہے۔

۵۔ دلیلِ نوری

اشیاء کی دو قسمیں ہیں، ایک مبصرات جو آنکھوں سے نظر آتی ہیں، جیسے زمین سے آسمان تک کی چیزیں، دوم غیر مبصرات بلکہ معقولات، جیسے ایمان، کفر، طاعت، معصیت، اعمال انسانی کا حسن و قبح۔ پہلی قسم کی چیزوں کے لئے قدرت نے دو نور پیدا کئے ہیں: (۱) داخلی نور (۲) خارجی نور۔

داخلی نور یعنی آنکھ کی روشنی جو داخل انسان میں ہے، اگر کسی کی آنکھ اندھی ہو اور بینائی کے نور داخلی سے محروم ہو تو وہ سانپ اور رسی میں فرق نہیں کر سکتا۔

دوم نور خارجی جو انسان سے باہر ہے، مثلاً سورج یا خاص مثلاً بجلی، لالٹین، چراغ وغیرہ جو انسانی بدن سے خارج اور باہر ہے، اگر یہ خارجی روشنی نہ ہو تو چاہے داخلی روشنی یعنی آنکھ کی بینائی درست ہو، جب بھی تاریکی میں وہ سانپ اور رسی میں فرق نہیں کر سکتا، دونوں نور خارجی اور داخلی جمع ہوں تب علم و امتیاز حاصل ہوگا۔

اسی طرح دوسری قسم کی چیزوں کے لئے بھی داخلی اور اندرونی روشنی یعنی عقل کی روشنی اور خارجی یعنی آسمانی روشنی کی ضرورت ہے تاکہ وہ ایمان و کفر، نیک و بد اور خیر و شر میں فرق کر سکے، وہ خارجی روشنی روحانی امور کے لئے کلام الٰہی ہے جو سورج کی طرح آسمانی نور ہے: وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗ [1] ''پیروی کرو اس روشنی کی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نازل کی گئی''۔

---

[1] الاعراف: ۱۵۷۔

Marfat.com

٦۔ دلیلِ حُبّی

انسان بدن اور روح کا مجموعہ ہے، وہ بدن اور جسم کے لحاظ سے جسمانی محبوبات مثلاً کھانے، پینے، پوشاک، مکان اور جوان محبوبات کی تحصیل کا ذریعہ ہو، مثلاً مال کا خواہاں ہے، یعنی ان سے فطرۃً محبت کرتا ہے، اسی طرح اپنی روحانی خواہش کے فطری تقاضے کے تحت وہ فطرۃ خالق کائنات اور خدا سے بھی محبت کرتا ہے، جو اس کا فطری تقاضا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان اپنی پوری تاریخ میں اسی حب الٰہی کے تقاضے سے خالی نہیں رہا، خواہ اس نے فطری تقاضا کا صحیح اظہار کیا ہے، جیسے موحدین و مومنین نے یا غلط اظہار کیا ہے، جیسے مشرکین، اور بت پرستوں نے کہ انہوں نے غیر اللہ کو اللہ کا مظہر سمجھ کر اس کی عبادت کی، لیکن ان دونوں کا صحیح اور غلط طریقوں کی پرستش کا اصلی محرک یہی حب الٰہی کا فطری جذبہ رہا، یہاں تک کہ روس اور چین کے منکرین خدا بھی اسی جذبہ کی وجہ سے مجبور ہوئے کہ چونکہ اس فطری جذبہ حب الٰہی کو مٹایا نہیں جا سکتا، اس لئے انہوں نے اس فطری جذبہ کی تسکین کے لئے لینن اور ماؤزے تنگ کی تصویریں اور مجسمے قدم قدم پر نصب کر دیئے، جن کی پرستارانہ تعظیم انہوں نے عملاً جاری کی۔

''کمیونزم اور اسلام'' نامی کتاب میں کمیونسٹوں کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ ''خدا کی جگہ پر لازم ہے کہ ہم ایک مصنوعی خدا لوگوں کے لئے بطور بدل تجویز کر دیں، تا کہ اس فطری جذبے کی تسکین ہو''۔ چنانچہ انہوں نے اشتراکیت کے ممتاز لیڈروں کو یہ مقام دیدیا۔

بہر حال اس سے یہ ثابت ہوا کہ محبت الٰہیہ فطری جذبہ ہے اور ہر جذبے کے تقاضے ہوتے ہیں، اس حب الٰہی کے لئے مظہر ہونا ضروری ہے اور وہ مظہر خدا کی پسند اور ناپسند کی پیروی کرنا ہے، کیونکہ ہر محبوب کی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ جو امور اس کو پسند ہوں مُحِبّ اس کو بجا لائے اور جو اس کو ناپسند ہوں ان سے اجتناب کرے، تا کہ جذبہ محبت کی تکمیل ہو، لیکن اس امر کا فیصلہ کہ خدا کی پسند اور ناپسند چیزیں کون سی ہیں تا کہ اس کی مرضیات اور لامرضیات کا پتہ لگ سکے، یہ اس وقت ممکن ہے کہ خدا خود اپنے کلام کے ذریعے

Marfat.com

اپنی پسند اور ناپسند امور کا تعین کر دے، خدا تو بہت بلند ہے اپنے جیسے انسانوں کی مرضی اور لا مرضی اور پسند اور ناپسند کا پتہ ہمیں نہیں لگ سکتا، تا وقت یہ کہ وہ اپنے کلام کے ذریعے سے اس کی وضاحت نہ کر دے، یہاں تک کہ میزبان کے پاس اگر مہمان آجائے تو اس سے یہ پوچھا جاتا ہے کہ تم کس قسم کا کھانا پسند اور کون سا ناپسند کرتے ہو، تا کہ اس کے مطابق انتظام کیا جائے، جب مہمان قول و کلام کے ذریعے سے بتلا دے تب اس کے پسندیدہ کھانے کا انتظام کیا جا سکتا ہے۔

لہٰذا یہ ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کی تکمیل کے لئے وہ ہمیں بتلا دے کہ فلاں عقائد و اخلاق و اعمال و اقوال اس کو پسند ہیں اور فلاں اس کو ناپسند ہیں، جب جا کر اس کی رضا مندی کی راہ کھل سکتی ہے، اور محبت کا تقاضا پورا ہو سکتا ہے، اور یہ بتلانا بغیر کلام الٰہی کے ناممکن ہے، اس لئے وحی اور کلام الٰہی کی ضرورت ہے، تا کہ اس کی مرضیات اور غیر مرضیات کا علم حاصل کیا جا سکے اور وہ کلام قرآن ہے، جس سے ضرورت قرآن ثابت ہوئی۔

۷۔ دلیلِ اتباعی

دنیا میں اتباع اور تابعداری موجود ہے، اولاد والدین کی اطاعت کرتی ہے، تلامذہ اور شاگرد اپنے اساتذہ کی اطاعت کرتے ہیں، رعیت، حکومت کی اطاعت گزار ہے، ماتحت عملہ اپنے افسران کا تابع فرمان ہے، زیر احسان افراد اپنے محسن کے وفا شعار ہیں، یہ صورتیں اور ان صورتوں کے علاوہ تابعداری کی جس قدر شکلیں ہیں وہ سب فطری اور معقولی ہیں، اور اسی اطاعت کی وجہ سے نظام تمدن قائم ہے۔

اگر اولاد اپنے والدین کی اطاعت نہ کرے تو عائلی زندگی تباہ ہو جائے گی، شاگرد استاد کا کہنا نہ مانے تو نظام تعلیم درہم برہم ہو جائے گا، رعیت میں حکومت کے لئے اور ماتحت عملے میں افسران کی اطاعت نہ ہو تو نظام مملکت ختم ہو جائے گا، اسی طرح جس پر احسان کیا جائے وہ اگر محسن کا تابع فرمان نہ ہو تو دنیا سے احسان کا وجود ختم ہو جائے گا۔

Marfat.com

اب غور طلب امر یہ ہے کہ دنیا عالم اسباب ہے، لہٰذا اس دنیا میں ہر چیز کے لئے کوئی نہ کوئی علت اور سبب کا ہونا ضروری ہے، بناء براں ان مذکورہ اطاعتوں کے لئے علت اطاعت اور سبب اتباع کا ہونا ضروری ہے، وہ سبب اطاعت کیا ہے، وہ خود ان امور میں غور کرنے سے نمایاں ہے اور وہ صرف دو چیزیں ہیں: ایک احسان، دوم اقتدار۔

اولاد پر والدین، شاگرد پر استاد اور زیر احسان افراد پر محسن کا احسان ہے اور احسان ان تینوں صورتوں میں اطاعت کا سبب ہے، ان پانچ صورتوں کے علاوہ دو صورتیں اور بھی ہیں، جن میں اطاعت پائی جاتی ہے، مثلاً عاشق معشوق کی اطاعت کرتا ہے، عوام اہل علم مثلاً امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور اہل معرفت مثلاً شیخ عبدالقادر جیلانی و دیگر بزرگان دین کی اطاعت کرتے ہیں۔ ان دونوں صورتوں کا سبب ایک ہی چیز ہے، وہ حسن یعنی خوبی ہے، خواہ ظاہری حسن ہو، جیسے معشوق کا حسن، عاشقوں کی نظر میں، یا باطنی اور معنوی حسن ہو جو علماء دین اور بزرگان دین میں موجود ہے، لہٰذا اطاعت کی تمام صورتوں کے علل و اسباب صرف تین ہیں:

(۱) قدرت (۲) احسان (۳) حسن

یعنی تین اسباب ہیں، جہاں کہیں ایک سبب بھی موجود ہوگا اس کا فطری تقاضا یہ ہوگا کہ وہاں اطاعت کی جائے، اب ہم اس معیار پر انسان اور خالق کائنات کا تعلق پرکھتے ہیں، اگر اللہ جل جلالہ میں اسباب اطاعت موجود ہوں تو اس کی اطاعت بھی انسان کیلئے لازم ہوگی ورنہ نہیں، ظاہر ہے کہ انسان میں جو قدرت ہے، یا احسان جس کا معنی بخشش نعمت ہے یا حسن، وہ سب خالق کائنات کا عطیہ اور بخشش ہے کہ وہی ہر قدرت و نعمت و حسن کا اصلی مرکز ہے، اس کی قدرت کے برابر کسی حاکم اور انسانی بادشاہ کی قدرت نہیں، نہ اسکے برابر کوئی احسان کرسکتا ہے اور نہ اسکے برابر کسی میں حسن ہے کیونکہ ہر حسین ظاہری و باطنی کا حسن اسی ذات کا عطیہ ہے۔

انسانوں میں یہ تین اسباب ضعیف ہیں اور اللہ تعالیٰ میں قوی تر، پھر انسان میں ان تین اسباب ضعیفہ میں سے صرف ایک سبب موجود ہے اور اللہ تعالیٰ میں تینوں جمع ہیں، اور قوی تر درجے میں ہیں، تو کیا پھر فطرۃً اس کی اطاعت ضروری نہ ہوگی؟ یقیناً ہوگی لہٰذا اللہ تعالیٰ کی ہستی عقلاً واجب الاطاعت ٹھہری، اور اطاعت نام ہے حکم

Marfat.com

ماننے کا، لہٰذا اس فطری اتباع اور اطاعت کے لئے یہ ضروری ہے کہ اسی اللہ کے احکام کا مجموعہ بشکل کلام اور وحی انسانوں کو پہنچے تاکہ اتباع و اطاعت کے اس فطری جذبے کی تکمیل کا سامان ہو، وہی کلام قرآن ہے جو اب تک محفوظ ہے، لہٰذا قرآن کی نوع انسانی کے لئے ضرورت ثابت ہوئی۔

۸۔ دلیلِ نفسیاتی

انسان اگر اپنے نفس اور روح کے آئینہ پر نظر ڈالے تو کلام الٰہی یا قرآن کی ضرورت خود اس کے دل و دماغ اور ضمیر کی خاموش آواز ہے، ایک سلیم الفطرۃ انسان خواہ صحرائے افریقہ میں ہو یا آزاد قبائل کے کوہستان میں، جب وہ کسی برائی کا ارتکاب کرتا ہے خواہ زناء ہو یا قتل ناحق، تو اس کا دماغ اور ضمیر اس کے جرم کے ارتکاب سے ضرور متاثر ہوتا ہے اور وہ خود اپنے ضمیر کے اندر اس جرم کے اثر سے ایک قسم کا انفعال، تاثر اور تکدر و انقباض محسوس کرتا ہے، اگرچہ اس کے اس فعل پر کوئی گرفت کرنے والا موجود نہ ہو اور نہ کوئی حکومت موجود ہو اور نہ کوئی عدالت اور پولیس اور نہ اس جگہ ضابطہ قانون نافذ العمل ہو، بلکہ وہ علاقہ جس میں یہ جرم عمل میں آیا ہے، ہر قانون سے آزاد ہو۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسی حالت میں اس تاثر، تکدر قلب، اور انقباض کا سبب کیا ہے؟ اگر کہا جائے کہ تاثر اس وجہ سے ہے کہ اس نے جرم کیا یعنی قانون کو توڑا ہے تو مفروضہ صورت میں کوئی انسانی قانون موجود نہیں اور نہ سزا کا اندیشہ ہے، پھر تاثر کیوں پیدا ہوا؟ ظاہر ہے کہ چاہے غیر شعوری طور پر سہی لیکن مذکورہ مجرم کے ضمیر نے محسوس کیا کہ اس نے کسی قانون کی خلاف ورزی ضرور کی ہے، اگر وہاں انسانی قانون ناپید ہے تو ایک حقیقی اور الٰہی ضابطہ انسانی، اعمال کے متعلق ضرور موجود ہے کہ اس جرم سے اسی ضابطہ کو توڑا گیا ہے اور وہی حقیقی اور الٰہی قانون جس کی خلاف ورزی نے اس مجرم کے ضمیر میں تاثر پیدا کیا، وہ کلام الٰہی ہے یا بالفاظ دیگر قرآن ہے، جس سے قرآن کی ضرورت، نفسیاتی تاثر سے ثابت ہوئی۔

Marfat.com

۹۔دلیلِ تخلیقی

عالَم یعنی ماسواء اللہ،صرف دو چیزوں کا نام ہے،انسان اور خادمِ انسان،اوران دونوں کا نام عالَم ہے،عالَم چونکہ تخلیق الٰہی اور فعلِ خداوندی ہے،لہٰذا ضروری ہے کہ اس کی تخلیق میں کوئی حکمت ہوگی جبکہ انسان حقیر کوئی فعل بلا منفعت وحکمت نہیں کرتا تو خالق حکیم کیونکر بے فائدہ اور بے مصلحت کام کرے گا،مشہور ہے فِعْلُ الْحَکِیْمِ لَایَخْلُوْا عَنِ الْحِکْمَۃِ ''حکیم کا کوئی بھی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا''،اب مخلوقاتِ الٰہیہ میں عقلاً وجودِ حکمت ضروری ٹھہرا،خواہ انسان ہو یا خادمِ انسان،مؤخر الذکر یعنی خادمِ انسان کی حکمت کی دریافت بالکل ظاہر ہے کہ عرش سے لے کر فرش تک کل کائنات خادمِ انسان ہے،جن سے انسان کی پرورش ہوتی ہے،خواہ انسان اس کو جانے یا نہ جانے،زمین،معدنیات،نباتات،حیوانات،آگ،ہوا،سمندر سب سے انسان کی منفعت وابستہ ہے،سورج کی گرمی اور روشنی،ستاروں کی چمک اور کشش سب انسان کی فائدہ رسانی میں مصروف ہیں،قرآن کا ارشاد ہے:

وَسَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ [1]

''اور مسخر کیا تمہارے واسطے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے''۔

خالق کائنات نے زمین اور آسمان کو تمہاری خدمت اور نفع رسانی میں لگا دیا ہے اور ایسی زبردست تسخیری اور جبری ڈیوٹی میں ان سب کو جکڑ دیا ہے کہ کسی نگران کی ضرورت نہیں،اور نہ ادائے خدمت انسان میں سستی اور غفلت کا اندیشہ ہے،لہٰذا ماسوائے انسان جو مخلوقات ہیں،ان کی حکمت تخلیق واضح ہے کہ انسان کی خدمت گزاری اور اس کی تربیت ہے،یہی وجہ ہے کہ اگر ان اشیاء میں ایک بھی موجود نہ ہو تو انسان زندہ نہیں رہ سکتا،جس سے یہ ثابت ہوا کہ انسان کی زندگی کو قائم رکھنا ان تمام چیزوں کی تخلیق کا مقصد ہے۔

لیکن یہ چھوٹا سا انسان جس کی خدمت گزاری کے لئے قدرت نے اس قدر کائنات کا عظیم الشان کارخانہ پھیلا رکھا ہے،اس کی تخلیق کس حکمت کے لئے ہوئی ہے؟ کارخانہ کائنات کا مقصد تو خود انسان ہے لیکن خود

[1] الجاثیہ:۱۳۔

Marfat.com

انسان کی تخلیق کس مقصد کے لئے ہوئی، وہ مقصد ظاہر ہے کہ کارخانہ عالم سے متعلق نہیں، کیونکہ عرش سے فرش تک کی کائنات کو انسان کی تخلیق اور وجود سے کوئی فائدہ نہیں، البتہ انسان کو اس سے فائدہ ہے، جس کی بڑی دلیل یہ ہے کہ اگر یہ کارخانہ نہ ہوتو انسان زندہ نہیں رہ سکتا، بلکہ معدوم ہوگا، لیکن اگر انسان نہ ہو اور باقی کارخانہ موجود ہوتو وہ قائم رہ سکتا ہے اور اس کا کچھ نہیں بگڑتا۔

انسان سب سے اشرف ہے لہٰذا اس کا مقصد بھی اشرف ہوگا، جیسے گھوڑا اشرف ہے گدھے سے، تو اس کا مقصد بھی گدھے کے مقصد سے اعلیٰ ہوتا ہے، وہ مقصدِ تخلیقِ انسانی اس کے بغیر کچھ نہیں کہ جہان انسان کیلئے ہے اور انسان خالقِ جہان یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کے لئے ہے کہ وہ نائب اور خلیفہ خدا ہونے کی حیثیت سے وہ کام کرے جو اس کے آقا کا منشاء ہے، اسی منشاء الٰہی پر خود عامل ہو اور دوسروں کو عامل بنائے، اسی کا معنی ہے عبدیت اور بندگی:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ [1]

''جن وانس کی تخلیق، کائنات کی عبدیت اور بندگی کیلئے ہے''۔

اس بندگی اور منشاء الٰہی کی تکمیل میں اللہ تعالیٰ کا کوئی نفع نہیں بلکہ خود انسان کا فائدہ ہے کہ اس طرح وہ اپنے مقصد تخلیق کی تکمیل کر کے حیات ابدی کی مسرتوں سے بہرہ ور ہو جائے گا، اب مقصد تخلیق یا منشاء الٰہی معلوم کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ خود اللہ تعالیٰ اپنے منشاء کی وضاحت کر دے اور وہ وضاحت اللہ کے کلام اور وحی الٰہی کے بغیر ناممکن ہے، لہٰذا کلام الٰہی کی ضرورت ثابت ہوئی، جو قرآن حکیم ہے۔

۱۰۔ دلیلِ ترحمی

رحمت اور شفقت صفات کمال اور خوبی ہے اور رحمت کا نہ ہونا نقص ہے جس سے اللہ جَلَّ جَلَالُهُ کی ذات پاک ہے، اس لئے قرآن میں جگہ جگہ رحمت الٰہی کا تذکرہ موجود ہے اور دیگر کتب سماویہ میں بھی اور عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ خالق کائنات میں رحمت کا ہونا ضروری ہے، اس کے علاوہ عالم کائنات کا موجودہ نقشہ اس کی رحمت

---

[1] الذریٰت: ۵۵۔

Marfat.com

کے مشاہدے کا آئینہ ہے، کائنات میں جو کچھ ہے وہ صرف دو چیزیں ہیں:

(۱) مرحوم و مُنعَم: یعنی جس پر رحمت اور انعام ہوا ہو، وہ انسان ہے۔

(۲) رحمت و نعمت: وہ تمام مخلوقات علوی و سفلی کا نام ہے، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کے لئے نعمت ہے اور اس کے لئے سامان رحمت ہے۔

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ [۱]

''اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو گن نہیں سکتے، بے شک انسان بے انصاف اور ناشکرا ہے''۔

جب اللہ جل جلالہ کی رحمت کا یہ حال ہے تو اب قیاس کرو کہ انسانی اعمال میں نہ سب مفید ہیں، نہ مضر بلکہ کچھ مفید اور نفع مند ہیں اور کچھ مضر اور تباہ کن ہیں، اس پر اقوام عالم کا اتفاق ہے، مثلاً عدل اچھا ہے اور ظلم برا، لیکن اعمال لطیف اشیاء ہیں جن کی مضرت اور منفعت کسی لیبارٹری کے ذریعہ تحلیل و تجزیہ کے ذریعہ معلوم نہیں کی جا سکتی، خواہ وہ اعمال و عقائد ہوں یا اخلاق و عبادات و معاملات، لہٰذا اگر ان امور کے متعلق جن تک انسانی فکر و عقل کی رسائی ناممکن ہے اگر خداوند تعالیٰ کی طرف سے بھی ہدایت کا سامان موجود نہ ہو اور انسان تباہ کن اور زہر آلودہ عقائد و اعمال میں مبتلا ہو جائے اور خالق کائنات صرف تماشائی بن کر رہے تو یہ اس کی شان رحمت کے خلاف ہے۔

اگر ایک انسان کو یہ معلوم ہو کہ اس طعام میں زہر ملا دیا گیا ہے اور دوسرا بے خبر انسان اس کو کھا رہا ہو اور باخبر انسان خاموش رہے اور اس کو نہ بتلائے تو یہ خاموشی اس خاموش انسان کی بے رحمی کی دلیل ہے، اسی طرح اگر اندھا کنوئیں یا کھڈے میں پاؤں رکھ رہا ہو اور بینا انسان اس کی اطلاع دینے سے چپ رہے، تو یہ بھی بے رحمی ہے۔

جب ایک انسان باخبر کا یہ فرض ہے کہ وہ دوسرے بے خبر انسان کو مضر امر کی مضرت کی اطلاع دے تو

---

[۱] الابراہیم: ۳۴۔

Marfat.com

احکم الحاکمین اور ارحم الراحمین کے لئے کب یہ شایان شان ہے کہ وہ مضر ومہلک وتباہ کن اور زہریلے اعمال کی اطلاع ان انسانوں کو نہ دے جو ان کی تباہ کاریوں اور مضرت رسانیوں سے بے خبر ہیں اور ان کے پاس مضرت معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ بھی نہیں، لہٰذا ضروری ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا ہدایت نامہ موجود ہو جس میں نجات دہندہ اور مہلک عقائد واعمال کی تشریح کی گئی ہو، یہی ہدایت نامہ کلام الٰہی یا قرآن ہے، جس کی انسان کو ضرورت ہے۔ [1]

☆☆☆☆☆☆☆☆ ☆ ☆☆☆☆☆☆☆☆

قرآن کے الفاظ اور معانی دونوں مقصود بالذات ہیں

قرآن کے متعلق یہود ونصاریٰ کا تصوّر

قرآن مجید کے متعلق یہود ونصاریٰ کا یہ تصور ہے کہ ''اِس کے الفاظ مقصود بالذات نہیں، بلکہ صرف تدبّر وہدایت ہی مقصود بالذات ہے''۔ درحقیقت قرآن کے الفاظ ومعانی دونوں بغیر ذرّہ برابر فرق وتفاوت کے بالکل مساوی درجہ میں مقصود بالذات ہیں، دونوں کا باہمی چولی دامن کا تعلق ہے، معانی کیلئے الفاظ اور الفاظ کیلئے معانی لازم وملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں، بلکہ غور کیا جائے تو الفاظِ قرآن اول نمبر پر مقصود بالذات ہیں، معانی کا ترتب انہی الفاظ پر ہے۔ اگر ڈھانچہ نہ ہو تو روح کہاں ڈالی جائے گی، جیسے کسی عمارت کا میٹریل اور سامانِ تعمیر اُس عمارت کی اصل جڑ ہے، اسی طرح قرآن مجید کے الفاظ اُس کے معانی کی بنیاد ہیں، اسی لئے ایک اعتبار سے حفاظ علماء کا درجہ غیر حفاظ علماء سے زیادہ ہے جیسا کہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: خَيْرُكُمْ مَّنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ۔ [2]

یہ یہود ونصاریٰ کا قرآن کی خصوصیت پر حملہ ہے کہ مقصود بالذات تدبر وہدایت ہے، بظاہر توصیف وتعریف

[1] افادات: بحرالعلم حضرت مولانا شمس الحق افغانی''۔ [2] بخاری: ۵۰۲۷۔

Marfat.com

ہے مگر مکاری و عیاری ہے، تاکہ حفظ و تلاوت کی اہمیت ختم کریں، جب ظرف گیا تو مظروف گیا، جب نفسِ الفاظ کی حفاظت نہ رہے گی تو معانی کی حفاظت بہت مشکل ہے۔

کتابِ الٰہی کے الفاظ اولاً مقصود ہیں

قرآن، لفظ اور معنی ہر دو کا نام ہے، مگر ان دونوں میں سے اولیت اور اولویت کا درجہ الفاظِ قرآن کو حاصل ہے، جس کی بے شمار دلیلیں ہیں، مثلاً یہ کہ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ [1]. فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهِ [2]. لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ [3]. فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِّثْلِهِ [4] کے قرآنی چیلنج پہلے نمبر میں قرآنی الفاظ و عبارات کی فصاحت و بلاغت ہی کے متعلق ہیں۔ دوسرے یہ کہ ارشادِ خداوندی فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ۔ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ [5] میں تفسیر و توضیحِ معانی کو دوسرے نمبر پر ذکر فرمایا گیا ہے۔ علاوہ ازیں معانی کی صحت، حروف و الفاظ کی صحت و حفاظت پر مبنی ہے، اسی لئے لفظِ قرآنی کی تبدیلی حرام ہے تاکہ معانی میں تبدیلی پیدا نہ ہو۔ چوتھے یہ کہ ذاتِ الٰہی نے الفاظِ قرآنی کا براہ راست تکلّم فرمایا ہے، معانی کا تکلّم نہیں فرمایا۔

کوئی کتاب اتنی نہیں پڑھی جاتی جتنا قرآن پڑھا جاتا ہے

دُنیا کی کوئی کتاب اتنی نہیں پڑھی جاتی جتنا قرآن پڑھا جاتا ہے، ہوسکتا ہے کہ بائبل کی جلدیں زیادہ فروخت ہوتی ہوں (بزعمِ یہود و نصاریٰ) لیکن پیغمبر اسلام کے کروڑوں پیروکار قرآن کی لمبی لمبی آیات دِن میں پانچ مرتبہ پڑھنا اُس وقت سے شروع کرتے ہیں جب وہ باتیں کرنا سیکھتے ہیں۔

قرآن کریم کے نزول کا مقصد جہاں اس میں غور، تدبر اور عمل ہے اس سے کہیں زیادہ یہ ہے کہ ہم اس کی آیات تلاوت کر کے دینی و دُنیوی برکات اور اپنے مسائل کے بہترین حل تلاش کریں۔ نیز ایمان پر حُسنِ خاتمہ کی دولت آسانی سے حاصل کریں، جو لوگ تلاوت یا حفظ قرآن کو بغیر عمل کے بجالاتے ہیں وہ اگرچہ اعلیٰ درجہ کے ثواب سے محروم رہتے ہیں مگر قرآن کے فیضان سے وہ بھی ہرگز محروم نہیں۔

---

[1] بقرۃ: ۲۳۔ [2] ہود: ۱۳۔ [3] بنی اسرائیل: ۸۸۔ [4] طور: ۳۴۔ [5] القیامۃ: ۱۸، ۱۹۔

Marfat.com

تلاوت اپنی جگہ مقصود ہے

تلاوت اور مُردوں پر پڑھنا بھی اپنی حد تک مطلوب اور مقصود بالذات ہے، جو لوگ اِن چیزوں پر ناک بھوں چڑھاتے اور پھبتیاں کستے ہیں اور ان اُمور کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے ہیں، اُن کی قرآن کے ساتھ حُسنِ عقیدت میں بے انتہا نقص و خلل ہے، وہ اپنے ایمان کی خیر منائیں، ایسا نہ ہو کہ بظاہر غور و تدبر اور عمل کی رٹ لگا کر دوسرے پہلوؤں سے وہ بغضِ قرآن کا ثبوت دے رہے ہوں۔

کیا الٓمٓ کی تلاوت پر اَجر و ثواب حدیث پاک میں وارد نہیں ہوا؟ حالانکہ اس کے معنی ہمیں معلوم نہیں، کیا موت کے وقت مُردوں کے سامنے یٰسٓ پڑھنے کی فضیلت حدیث شریف میں وارد نہیں ہوئی؟ کیا قرآن پاک میں وارثینِ قرآن کی تین قسمیں ظالم، متوسط اور سابق بیان کر کے تینوں ہی کو اِصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا کے تمغہ سے نہیں نوازا گیا؟

پھر محض بے عملی کی وجہ سے تلاوت و حفظ کو بے کار یا غیر اہم قرار دینا کتنی بڑی ستم ظریفی اور قرآن کے ساتھ کس قدر گستاخی کا معاملہ ہے۔ یقینی امر ہے کہ ایسے لوگ جو اپنے زعم میں غور و تدبر اور عمل کا دعویٰ کرتے ہیں، سب سے زیادہ انہی کے گھروں میں بد عملی والے اعمال یعنی ٹی وی، بے پردگی و فیشن پرستی، مخلوط تعلیم اور داڑھی منڈوانے کی بیماریاں موجود پائیں گے، نیز ایسے لوگ قریب المرگ مُردوں کے سامنے سورہ یٰسٓ نہیں پڑھتے۔

دشمنانِ اسلام یہود و نصاریٰ کو ہمنوائی کا دم

معلوم ہوا کہ ان لوگوں کا بے عملی اور بے فہمی کی آڑ لے کر تلاوت علی الموتیٰ وغیرہ کو غیر اہم قرار دینا اور اس کو تمسخرانہ انداز میں ذکر کرنا، یہ حُبِّ معنی و عمل کی شکل میں در پردہ اور فی الحقیقۃ بُغضِ تلاوت و حفظ اور اُن کی اندرونی تلاوت و حفظ دُشمنی والی کیفیت کا منہ بولتا ثبوت ہے، جس میں وہ دشمنان اسلام یہود و نصاریٰ کی ہمنوائی کا دم بھر رہے ہیں جو محض اس لئے کہ الفاظِ قرآن کی حفاظت و تلاوت کی وجہ سے قرآن مجید کیوں محفوظ

Marfat.com

رہ گیا اور تورات وانجیل کی طرح اس میں بھی تحریف کی کوئی گنجائش کیوں نہیں نکل پاتی، جَل بھُن رہے ہیں: قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ [1] ۔ (ان سے) کہہ دو کہ اپنے غصے میں خود مر رہو، اللہ سینوں میں چھپی ہوئی باتیں خوب جانتا ہے۔ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ [2] کہو کہ کیا تم اللہ اور اس کی آیتوں اور اُس کے رسول کے ساتھ دل لگی کر رہے تھے؟۔ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ [3] بغض ان کے منہ سے ظاہر ہو چکا ہے، اور جو کچھ (عداوت) ان کے سینے چھپائے ہوئے ہیں وہ کہیں زیادہ ہے۔

تلاوتِ قرآن اُمتِ محمدیہ ﷺ کی خصوصیت

تلاوتِ قرآن کی نعمت فرشتوں کو بھی حاصل نہیں اور اگلی امتیں بھی اس سعادت سے محروم تھیں۔ چنانچہ حضرت علامہ سید انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تلاوتِ قرآن اس امت کی خصوصیت ہے حتیٰ کہ یہ نعمت فرشتوں کو بھی حاصل نہیں، اسی لئے فرشتے نماز میں شریک ہوتے ہیں کہ امام کی تلاوت سنیں، جب سورۂ فاتحہ ختم ہوتی ہے تو آمین کہتے ہیں اور جہاں قرآن مجید پڑھا جائے وہاں ملائکہ جمع ہو کر عرش تک اوپر نیچے پرا ،لگا دیتے ہیں اور گھیرا ڈال دیتے ہیں کہ اس قرآن کی تلاوت کی وجہ سے جو رحمتیں نازل ہوتی ہیں فرشتے بھی اس کے مورد بن سکیں اور اُسے سُن سکیں۔

نیز شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرآن کی تلاوت کی فضیلت ومنقبت صرف اس امت کو حاصل ہے، اگلی اُمتیں اس سعادت سے محروم تھیں، اس لئے بھی قرآن کی تلاوت کی سعادت حاصل کرنی چاہئے۔ علامہ اقبال کہتا ہے ’’قرآن کثرت سے پڑھنا چاہئے تا کہ قلب محمدی نسبت پیدا کرے، اِس نسبت محمدیہ کی تولید کیلئے یہ ضروری نہیں کہ قرآن کے معنی بھی آتے ہوں، خلوصِ دل کے ساتھ محض قرأت کافی ہے‘‘۔ [4]

---

[1] آل عمران:۱۱۹۔ [2] توبۃ:۶۵۔ [3] آل عمران:۱۱۸۔ [4] مکاتیب اقبال بحوالہ قرآن نمبر جلد دوم۔

Marfat.com

تلاوتِ الفاظِ قرآنی کی افضلیت و فوقیت

معانی قرآن کے مقابلہ میں تلاوتِ الفاظِ قرآنی کو افضلیت و فوقیت کا درجہ حاصل ہے کیونکہ قرآن کے معانی کا فہم و تدبر، الفاظ کی تلاوت و صحت کی بنیاد پر قائم ہے اور بسا اوقات الفاظ کی تبدیلی سے معانی بھی تبدیل ہو جاتے ہیں، مثلاً اِثْمٌ بمعنیٰ گناہ اور اِسْمٌ بمعنیٰ نام، وَانْحَرْ بمعنی آپ قربانی کیجئے اور وَانْهَرْ بمعنی آپ ڈانٹئے، مَحْذُوْر بمعنیٰ قابلِ خوف چیز اور مَحْظُوْر بمعنی شیٔ ممنوع، قَلْبٌ بمعنیٰ دِل اور کَلْبٌ بمعنیٰ کتّا، وغیرذٰلک۔

لہٰذا الفاظ کی صحت کے بغیر، فہم و تدبّر قطعی بے معنیٰ اور لا حاصل ہے، لیکن اس کے برعکس محض الفاظ کی تلاوت، بغیر فہم و تدبر کے، احادیث کی رو سے یقیناً موجب اَجر و رفع درجات ہے، لہٰذا الفاظ کو معانی پر فوقیت حاصل ہے، اسی لئے احادیث شریفہ میں تلاوت اور تعلیم و تعلّمِ قرآن، نیز حفاظ قرآن علماء کے فضائل بنسبت غیر حفاظ علماء کے زیادہ وارد ہوئے ہیں۔ محض قرآن کی تلاوت بھی ایمان میں اضافے اور سکون و روحانیت کا باعث ہوتی ہے۔

الفاظِ قرآنی مقصودِ اوّلی ہیں، قرآن کے فہم و تدبر کی اہمیت اپنی جگہ مسلم، مگر دوسری کتب سماویہ کے مقابلہ میں یہ قرآن مجید کی خصوصیت ہے کہ اس کے علاوہ ہر کتاب کے صرف معانی و مطالب مقصود ہیں لیکن قرآن کریم کے صرف الفاظ کا پڑھنا یا سننا بھی بالکل اُسی طرح بلکہ اُس سے بھی کہیں زیادہ مقصود و مطلوب ہے جس طرح اُس کے معانی و مطالب مقصود و مطلوب ہیں، جس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ حروف مقطعات و متشابہات کے پڑھنے پر بھی حدیث شریف میں ثواب وارد ہوا ہے، حالانکہ مقطعات کے معنی کسی کو معلوم نہیں۔ اسی طرح متشابہات مثلاً اللہ کے لئے ید (ہاتھ) اور ساق (پنڈلی) کے جو الفاظ قرآن پاک میں استعمال کئے گئے ہیں اُن کے بھی حقیقی مطالب و مقاصد کا علم اللہ ہی کے پاس ہے وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللّٰهُ [1] ''اللہ کے سوا کسی کو اُن کی حقیقی مُراد قطعی معلوم نہیں اور کسی بھی انسانی عقل و فہم کی وہاں تک رسائی نہیں ہو

[1] آل عمران: ۷۔

Marfat.com

سکتی''۔ مگر اس کے باوجود صرف اِن الفاظ کا پڑھنا بھی مقصود ہے۔

قرآن مجید میں الفاظ کا درجہ معانی سے بھی مقدم اور فائق ہے

قرآن مجید میں الفاظ کا درجہ معانی سے بھی مقدم و فائق اور اوّل نمبر پر ہے جس کی دلیل یہ فرمان باری ہے:

اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهٗ [1]

''ہمارے ذمہ ہے قرآن کا جمع کر دینا اور اس کا پڑھوا دینا، تو جب ہم اس کو پڑھنے لگا کریں تو آپ اس کے تابع ہو جایا کیجئے، پھر اس کا بیان کرا دینا ہمارے ذمہ ہے''۔

باقی ان لوگوں کا تدبر، تدبر کی رٹ لگانا در حقیقت اس بات سے ناواقفیت پر مبنی ہے کہ تدبر جس طرح معانی میں ہوتا ہے، یہ قرآن پاک کی خصوصیت ہے کہ بالکل اسی طرح وہ تدبر اُس کے محض الفاظ کی تلاوت کے طرق واُصول واحکام میں بھی جاری ہوتا ہے، نظر کو وسیع کر کے غور کریں اور الفاظ قرآن کو جو دوسری کتابوں پر خصوصیت حاصل ہے اُس کی اہمیت و رفعت کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

قرآن کا محض ترجمہ بلا متنِ عربی لکھنا ناجائز ہے، کیونکہ الفاظ قرآن بھی مطلوب بالذات ہیں۔ قرآن کریم کے متعلق تمام علماء اس بات پر متفق ہیں کہ اس کا ہو بہو اور کما حقہٗ ترجمہ ہو ہی نہیں سکتا، اس لئے مفسرین اور حکماء مطالبِ قرآن کے بیان پر اکتفا کرتے ہیں، ترجمہ کا دعویٰ نہیں کرتے، قرآن کو عربی میں پیش نہ کرنا بلکہ محض اُردو، پنجابی یا کسی اور زبان میں پیش کرنا اسلام سے غداری کے مترادف ہے۔

بغیر معنی سمجھے تلاوت کا مفید ہونا

علماء کے نزدیک تو قرآنی الفاظ بہر حال کلام اللہ ہیں، اور معنی سمجھ میں آئے یا نہ آئے، اُس کی تلاوت ثواب سے خالی نہیں، مگر گزشتہ نصف صدی سے کچھ لوگ ایسے بھی نکلے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ طوطے مینا کی طرح پڑھ لینا محض بیکار اور وقت کا ضیاع ہے، یہ نظریہ غلط ہے، اس نظریہ کے غلط ہونے کے متعلق دلائل سُنیں:

---

[1] القیامۃ: ۱۷، ۱۸۔

Marfat.com

پہلی دلیل

تعجب کی بات ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام اگر اپنی یاد سے تورات لکھا دیں تو اس کی وجہ سے اللہ جل جلالہ کے بیٹے پکارے جائیں اور مسلمانوں کے لئے اللہ جل شانہ نے اپنے کلام شریف کے حفظ یاد ہو جانے کے لطف و احسان کو ''قرآن شریف کا ایک کھلا ہوا معجزہ ہونے کے طور پر'' عام فرما رکھا ہے، ورنہ اس سے آدھی تہائی مقدار کی کتاب بھی اُس جیسے معیار پر یاد ہونا مشکل ہی نہیں بلکہ تقریباً ناممکن ہے۔ تو اس کی یہ قدردانی کی جارہی ہے کہ اس کو لغو اور بیکار اور اضاعت وقت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

دوسری دلیل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد عالی سے الٓمّٓ کی تلاوت پر تیس نیکیوں کا ملنا ثابت ہوتا ہے، حالانکہ ان حروف مقطعات کے معنی ہر شخص سمجھ بھی نہیں سکتا، بلکہ بڑے بڑے علماء بھی ان کی یقینی مراد سمجھنے سے قاصر ہیں۔ پس جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ قرآن کے معنی سمجھے بغیر اس کو حفظ کرنا اور اس کی تلاوت کرنا طوطے کی طرح رٹنے کے مانند ہے اور اس کا کوئی فائدہ نہیں، ان کا یہ قول سراسر باطل اور غلط ہے اور یہ خیال بالکل لغو ہے۔ دراصل بات یہ ہے کہ ایسے لوگوں کے قلوب قرآن مجید کی عظمت سے خالی اور ان کی زبانیں اس کی ضرورت سے منکر ہیں، اس لئے وہ ایسے گندے خیالات پھیلا کر اوروں کو بھی تعلیم قرآن سے روکنا چاہتے ہیں۔

تیسری دلیل

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ میں نے رب العزت کو خواب میں دیکھا تو عرض کیا یارب! تقرُّب حاصل کرنے والے جن ذرائع سے آپ کا قُرب حاصل کرتے ہیں اُن میں سب سے افضل ذریعہ کیا ہے؟ فرمایا اے احمد! میرا کلام ہے۔ میں نے عرض کیا اے پروردگار! سمجھ کر پڑھا جائے تب یا بے سمجھے بھی؟ فرمایا سمجھ کر پڑھیں یا بے سمجھے، دونوں صورتوں میں میری نزدیکی کا بہترین ذریعہ ہے۔ [1]

---

[1] نشر کبیر، ج:۱، ص:۴۔

Marfat.com

چوتھی دلیل

جب کوئی شخص قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہے تو تلاوت کے انوار و تجلیات اسے حاصل ہوں گے اور وہ تلاوت کے ثواب اور فیوض و برکات سے محروم نہیں رہے گا، خواہ معنی و مفہوم کو وہ سمجھتا ہو یا نہ سمجھتا ہو۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ آپ ایک پھل یا مٹھائی لاتے ہیں، مجھے نہ تو اس کا نام معلوم ہے نہ میں اس کے خواص اور تاثیرات سے واقف ہوں، مگر اس لاعلمی کے باوجود اگر میں اس پھل یا شیرینی کو کھاتا ہوں تو اس کی حلاوت و شیرینی اور اس کے ظاہری و باطنی فوائد سے محروم نہیں رہوں گا۔

پانچویں دلیل

جس طرح قرآن کے معانی و مطالب مقصود ہیں، ٹھیک اسی طرح اس کے الفاظ کی تعلیم و تلاوت بھی ایک اہم مقصد ہے، اور یہ ایسا عظیم الشان مقصد ہے کہ قرآن کریم نے اس کو نبی کریم ﷺ کے فرائضِ نبوت میں اولین مقصد قرار دیا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ [1]

’’حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر احسان کیا جبکہ اُن میں اُن ہی کی جنس سے ایک ایسے پیغمبر کو بھیجا کہ وہ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں، اور ان لوگوں کی صفائی کرتے رہتے ہیں، اور ان کو کتاب اور فہم کی باتیں بتلاتے رہتے ہیں، اور بالیقین یہ لوگ پہلے سے صریح غلطی میں تھے‘‘۔

جس چیز کو آنحضرت ﷺ کے فرائضِ نبوت میں سے اولین فریضہ قرار دیا گیا ہو، اُمت کا اس کے بارے میں یہ خیال کرنا کہ یہ غیر ضروری ہے، کتنی بڑی جسارت اور کس قدر سُوءِ ادب ہے۔

---

[1] آل عمران: ۱۶۴۔

Marfat.com

قرآن کریم کے مقدس الفاظ ہی تمام علوم کا سرچشمہ ہیں، قرآن کریم کے معنی ومفہوم کا سمندر بھی انہی الفاظ میں موجزن ہے۔ اگر خدانخواستہ اُمت کے ہاتھ سے الفاظِ قرآن کا رشتہ چھوٹ جائے تو ان تمام علوم کے سوتے خشک ہوجائیں گے اور اُمت نہ صرف کلامِ الٰہی کی لذّت وحلاوت سے محروم ہوجائے گی بلکہ قرآن کریم کے علوم ومعارف سے بھی تہی دامان ہوجائے گی۔ [1]

چھٹی دلیل

اگر بچپن میں قرآن نہ پڑھا جائے تو بڑے ہوکر اعصابِ دہن (یعنی منہ کے رگ اور پٹھوں) میں کچھ ایسی خشونت (سختی وکرختگی) آجاتی ہے کہ زبان جن حروف کو ادا کرنے کی ابتداء سے خوگر نہیں ہوتی، پھر وہ حروف اُس سے بڑی عمر میں ادا نہیں ہوتے۔

ساتویں دلیل

اگر طوطے کی طرح مسلمان بچوں کے لئے قرآن پڑھنا بے سود ہوتا تو نومولود (نوزائیدہ بچے) کے کان میں اذان دینا، اس سے زیادہ بے سود اور فعل عبث ہوتا۔

آٹھویں دلیل

کلام اللہ میں متکلم کی تجلی ہے، لہٰذا زیادہ تلاوت کرنے والے کے قلب پر تجلیاتِ ذات وصفات کا ورودو ظہور ہوتا ہے۔ مجاہدات سے راستہ طویل ہوتا ہے اور تلاوت سے راستہ (باعتبار وسائط وذرائع کے) چھوٹا ہوتا ہے، تلاوت کی خاصیت، اصلاح ہے۔

قرآن فہمی اور قرآن سے نفع حاصل ہونے کی اہم شرط

قرآن مجید سے نفع، اجروثواب اور ظاہری وباطنی اصلاح حاصل ہونے کی سب سے اہم شرط یہ ہے کہ غفلت اور بے توجہی، لاپرواہی اور بے فکری کو برطرف ڈال کر دل کی کامل توجہ اور حضوری سے خوب جی لگا

[1] ازافادات مولانا محمد یوسف لدھیانوی مدظلہ۔

Marfat.com

کر اُس کی تلاوت وسماعت کی جائے۔ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ [1] یعنی جو کہا جائے اس کو دِل لگا کر سُنا جائے۔ دل حاضر ہو کیونکہ غفلت اور لاپراہی و بے توجہی اثر نہیں ہونے دیتی۔ پس جب موثر یعنی قرآن مجید محل قابل یعنی دل بیدار میں واقع ہو یا کم از کم اپنی تلاوت ہی کو بغور سنے اور اثر پیدا ہونے کی شرط یعنی توجہ کامل موجود ہو اور اثر زائل کرنے والی چیز یعنی غفلت اور بے توجہی حائل نہ ہو تو ان شاء اللہ مقصود یعنی قرآن سے نفع حاصل ہو جائے گا۔

اسی طرح قرآن فہمی اور معنی ومطلب سمجھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ نیکیاں اختیار کی جائیں اور برائیوں سے بچا جائے کہ اس طریقہ پر عمل کرنے سے فہم قرآن کا راستہ کھلنے میں مدد ملتی ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اتقان میں لکھا ہے کہ:

> ''اگر کسی کے دل میں تکبر، بدعت، ہوا پرستی اور دنیا کی محبت موجود ہو یا اگر کوئی شخص گناہ کا عادی ہو یا ایمان کمزور ہو یا تحقیق کا مادہ کم ہو یا غیر مستند لوگوں کی تفسیر قبول کر لیتا ہو تو وہ نہ قرآن سمجھ سکتا ہے اور نہ اسرار اُس پر کھل سکتے ہیں''۔

اس کی دلیل یہ فرمان الٰہی ہے: سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ [2] جس کا حاصل یہ ہے کہ متکبر لوگوں سے قرآن کی آیتوں کو چھین لیا جاتا ہے۔ اسی لئے اگر پڑھتے وقت دل اللہ تعالیٰ کی عظمت اور قرآن کی رفعت سے معمور ہو اور نورِ یقین رکھتا ہو تو قرآن سے نفع حاصل ہوتا ہے۔

کتابِ الٰہی سمجھ کر پڑھیں

ہماری مروجہ عقیدت بالقرآن بھی قرآن کے عرفان اور عمل بالقرآن کی راہ میں ایک طرح سے رکاوٹ بن رہی ہے، قرآن اندھی عقیدت پر راضی نہیں ہوتا لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا [3] وہ ایمان کے بعد علم، تدبر و تفکر اور عمل مانگتا ہے۔

---

[1] ق:۳۷۔ [2] الاعراف:۱۴۶۔ [3] الفرقان:۷۳۔

Marfat.com

اس عبارت سے دھوکا کھا کر ''جذباتی رنگ میں عقیدت بالقرآن'' کوترک نہ کرنا چاہئے، بلکہ قرآن مجید کے ساتھ عقیدت و محبت کا تعلُّق، تعقُّلی اور منطقی رنگ کی بجائے جذباتی رنگ میں ہی ہونا عین ایمان ہے۔ لہٰذا بے فہمی یا بے عملی کی آڑ میں عوام الناس کی اس مروجہ عقیدت بالقرآن کو دھچکا لگانا اور اس کو غیر وقیع اور بے وزن قرار دے دینا، عوام کو قرآنی عقیدت و محبت سے خالی اور کورا کر دینے کے مترادف ہے۔ اس طرح تو عوام الناس کا رہا سہا تعلق بالقرآن بھی بالکلیہ ختم ہو جائے گا اور وہ بالکل ہی چکنے لوٹے کی طرح تعلق قرآنی سے کورے ہو جائیں گے۔

مندرجہ بالا طرز بیان بے حد مخدوش اور قطعی ناموزوں اور بغور دیکھا جائے تو قرآن کے ساتھ بے ادبی کے قریب قریب ہے۔ امام رازی علیہ الرحمۃ کا قول ہے:

''میں نے علم کلام کے سارے مباحث اور فلسفہ کے تمام ابواب پر پوری طرح غور کیا تو اس نتیجہ پر پہنچا کہ اس سے نہ بیمار تندرست ہوتا ہے اور نہ پیاسا سیراب، میں نے پایا کہ منزل مقصود تک لے جانے والا سب سے قریب راستہ قرآن پاک کا ہے''۔

قرآن مجید سے مسلمانوں کو جو والہانہ عقیدت ہے اس کا اندازہ کرنا مشکل اور اُن کے دِلوں سے اس کو نکالنا ناممکن ہے، اُس کی برکات وخواص کے حُصول سے وہ اپنی عقیدت مندی کا ثبوت دیتے ہیں، قرآن پاک کلام اللہ ہونے کی وجہ سے متبرک ہے اور قرآن مجید کو ہماری زندگی میں مرکزی اہمیت حاصل ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆

Marfat.com

عظمتِ قرآن

قرآن مجید کی تعظیم وتکریم

تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ قرآن مجید کی تعظیم وتکریم کرنا واجب ہے اور قرآن ہر طرح کی حفاظت و صیانت کا مستحق ہے اور اسی طرح اس بات پر بھی اجماع ہوا ہے کہ جو شخص علم رکھتا ہو، اگر ایک حرف کی کمی بیشی کا اعتقاد رکھے گا جس کو کوئی بھی نہیں پڑھ رہا ہے تو وہ قطعاً کافر ہے۔

امام حافظ ابو الفضل قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جاننا چاہئے کہ جس نے قرآن یا مصحف یا اور کسی قرآنی چیز کا استخفاف کیا یا اس کو برا کہا یا کسی حرف تک کا انکار کیا یا اس کی ایک مدّ کی بھی تکذیب کی جس کی تصریح حکم یا خبر کے ذریعہ موجود ہے یا ایسی چیز کی نفی کی جو موجود ہے یا جو موجود نہیں ہے، اس کو موجود مانا اور وہ اس کا عالم بھی ہے، یا قرآن کی کسی چیز میں شک کیا تو وہ کافر ہے اور اس پر تمام فرقِ اسلامیہ حقہ کا اجماع ہو چکا ہے، اسی طرح اگر کسی نے توریت یا انجیل کی یا اور کتب منزلہ کی تکذیب کی اور انکار کیا یا ان کو بُرا جانا یا ہلکا جانا تو وہ بھی کافر ہے۔

اسی طرح تمام فرق اسلامیہ اہل السنۃ والجماعۃ کا اجماع ہے کہ جو قرآن تمام عالم میں تلاوت کیا جاتا ہے اور جو اس مصحف میں لکھا ہوا ہے جو مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہے اور دو دگتوں کے درمیان ہے، شروع اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سے اور ختم مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ پر ہوتا ہے، یہ اللہ جل جلالہ کا کلام اور اس کی وحی ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بذریعہ جبرائیل علیہ السلام نازل ہوا، اس کے اندر جو کچھ ہے حق ہے، لہٰذا جو شخص بھی اس میں نقص نکالے یا اس کو کسی دوسرے حرف سے بدلے یا زیادہ کرے تو وہ کافر ہے، ابو عثمان بن الحذاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تمام اہل توحید اس بات پر متفق ہیں کہ قرآن کے ایک حرف کا انکار کرنا بھی کُفر ہے۔

Marfat.com

قرآن کا ادب واحترام

مسلمانوں کا قرآن کے احترام اور اس کی حفاظت پر اجماع ہو چکا ہے، اسی بنا پر اگر نعوذ باللہ کوئی مسلمان قرآن کو غلاظت میں ڈال دے تو وہ کافر ہو جاتا ہے، قرآن کا تکیہ لگانا حرام ہے بلکہ کسی دینی کتاب کے ساتھ ایسا کرنا حرام ہے۔ جب قرآن لایا جائے تو اس کے لئے اُٹھنا مستحب ہے، جس طرح علماء اور فضلاء کے لئے اُٹھا جاتا ہے تو قرآن کے لئے اولیٰ ہے اور اسی طرح قرآن کے کسی جز کو جمع کر لینا بھی احترام کا مستحق ہے۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ قرآن کو اپنے سر پر رکھ کر فرمایا کرتے کہ یہ میرے رب کی کتاب ہے۔

اس طرح کہنا کہ میں فلاں آیت بھول گیا مکروہ ہے، بلکہ ادب یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ بھلا دی گئی یا ساقط کر دی گئی، کیونکہ صحیحین میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ کوئی یوں نہ کہے کہ میں نے فلاں فلاں آیت بھلا دی بلکہ وہ ایک ایسی چیز تھی جو بھلا دی گئی۔ [1]

نیز صحیحین میں اور بھی روایتیں اسی مفہوم کی ہیں، حتیٰ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک روایت اس طرح بھی مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک آدمی کو پڑھتے سنا، فرمایا اللہ اس پر رحم فرمائے کہ اس نے مجھ کو یاد دلایا جو میں نے ساقط کر دیا تھا۔ [2]

قرآن مجید، حجت اور واجب الاطاعت ہے

اہلِ اسلام کا اس پر اجماع اور کامل اتفاق ہے کہ قرآن مجید تمام انسانوں کے لئے حجت اور واجب الاطاعت ہے، اور یہ کہ وہ اسلامی قانون کا اولین ماخذ ہے۔ قرآن صرف یہ نہیں کہتا کہ اس پر ایمان لایا جائے، بلکہ وہ اپنے سے پہلی کتابوں مثلاً توریت، زبور، انجیل وغیرہ پر بھی ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے، لیکن وہ اس کے ساتھ ساتھ یہ اعلان بھی کرتا ہے کہ اب ان کتابوں میں تحریف ہو چکی ہے اور اب وہ اپنی اصل حالت پر محفوظ نہیں ہیں، ان میں تغیر وتبدل ہو چکا ہے، اب وہ اللہ کا کلام نہیں ہیں اور ان کو اللہ عزوجل کی کتاب کہنا بھی درست نہیں۔

---

[1] بخاری ۵۰۳۲، مسلم ۱۸۴۱۔ [2] صحیح مسلم ۱۸۳۷

Marfat.com

اس کا سبب یہ ہے کہ ہر پیغمبر کسی خاص قوم اور مخصوص مدت کے لئے آیا تھا، اس کی کتاب بھی اسی قوم کے لئے تھی اور ایک خاص مدت تک کے لئے تھی، جبکہ حضرت محمد ﷺ کی نبوت و رسالت آخری ہے، عالمگیر ہے اور قیامت تک کے لئے ہے، اس لئے حضور ﷺ کو جو قرآن ملا وہ بھی عالمگیر اور قیامت تک کے لئے ہے۔ چنانچہ قرآن مجید کو ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ [1]

''بے شک ہم نے اس ذکر یعنی قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں''۔

دوسری جگہ ارشادِ الٰہی ہے:

وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ [2] ''اور بے شک یہ زبردست کتاب ہے''۔

قرآن مجید کے ادب واحترام کا حیرت انگیز واقعہ

قرآن عظیم الشان کتاب ہے، جو اس کا ادب واحترام کرے گا یہ اُسے بلندیوں پر لے جائے گا، سلطنت عثمانیہ کا نام روشن کرنے والا ایک غریب شخص تھا جو ایک گاؤں میں رہتا تھا، مفلس تھا، تنگ دست تھا، مگر مسافروں کی خدمت کرنا اس کا شعار تھا، مہمان نوازی اس کا کام تھا، گھر میں کھانے کو نہ ہوتا تو بھی مہمان کی تواضع کرتا تھا، گاؤں والوں نے تنگ کرنا شروع کیا، آخر اسے گھر سے باہر نکال دیا۔

دنیا کا قاعدہ ہے جب کسی کو تکلیف پہنچتی ہے تو اسے خدا یاد آتا ہے، چنانچہ عثمان بھی اپنے پیر صاحب کی طرف دوڑا اور پیر صاحب کی خدمت میں پہنچ کر عرض کیا یا حضرت! مجھے گاؤں والوں نے گاؤں سے باہر نکال دیا ہے، میرے پاس کچھ نہیں، اب میں کہاں جاؤں؟ پیر صاحب نے کمال شفقت سے اسے اپنے مکان کے اندر آنے کا حکم دیا، اپنا کمرہ اس کے حوالے کر کے آپ اندر تشریف لے گئے، عثمان تھکا ماندہ تو تھا ہی، کمرے میں لیٹ گیا، تھوڑی دیر بعد کیا دیکھتا ہے کہ جس طرف اس کے پاؤں تھے اسی طرف قرآن مجید رکھا ہوا ہے، عثمان تھا تو جاہل مگر ایمان کا مضبوط تھا، سچا مسلمان تھا، جب اس نے کلام مجید کو دیکھا تو کانپ گیا اور اُٹھ

---

[1] الحجر: ۹۔ [2] حم السجدۃ: ۴۱۔

Marfat.com

کر بیٹھ گیا، قرآن مجید کے نزدیک جا کر ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا، درگاہ ایزدی میں گڑگڑاتا اور توبہ استغفار کرتا رہا، روتا تھا اور عرض کرتا تھا کہ ''میرے مولا! مجھ سے بے ادبی ہوئی ہے، اس مکان میں تیرا کلام پاک رکھا تھا اور میں پاؤں پسارے پڑا رہا، مجھے معاف فرما اور میرا گناہ بخش دے''، رات بھر کھڑا روتا رہا۔

قرآن مجید کے ادب واحترام کے طفیل عثمان اور آل عثمان کو ترکی میں سلطنت عثمانیہ حاصل ہوئی

پچھلے پہر حضرت پیر صاحب تشریف لائے، آپ نے فرمایا ''عثمان مبارک ہو! آج رات قرآن شریف نے بارگاہ ایزدی میں تیری سفارش کی ہے، یہ سفارش منظور ہوگئی ہے، تیرے لئے حکم ہوا ہے کہ ''تو بادشاہ، تیری اولاد بادشاہ'' عثمان نے رو کر کہا حضرت گاؤں والوں نے تو مجھے گھر تک سے جواب دے دیا، گاؤں سے باہر نکال دیا، لیکن پیر صاحب نے فرمایا کہ ''غم مت کر تو بادشاہ اور تیری اولاد بادشاہ'' عثمان حیران تھا، بار بار عرض کرتا تھا اور یہی جواب پاتا تھا، آخر پیر صاحب کی اجازت پا کر رخصت ہوا، باہر نکلا ہی تھا کہ اسے بارہ سوار ملے، انہوں نے اسے ایک گھوڑا دیا اور کہا کہ ہم آپ کے غلام ہیں، آپ کا ہر حکم ماننے کو تیار ہیں، عثمان ان سپاہیوں کو لے کر آگے بڑھا۔

راستے میں ایک گاؤں آیا، عثمان نے اس گاؤں کے سردار سے کہا کہ اطاعت قبول کرو، یا میدان میں اترو، اس نے کچھ روپیہ پیش کیا اور متابعت قبول کی، عثمان کوچ کرتا جاتا اور روپیہ اور فوج جمع کرتا جاتا تھا، اس زمانے میں روم کا بادشاہ عیسائی تھا، جب اسے یہ معلوم ہوا کہ عثمان کے پاس روپیہ بھی ہے اور فوج بھی، تو اسے فوج کا افسر بنا دیا، آخر عثمان کمانڈر انچیف بن گیا۔

اس بادشاہ کے نرینہ اولاد نہیں تھی، اس کے مرنے کے بعد عثمان بادشاہ ہوا، سلطنت عثمانیہ اس کی یادگار ہے، قرآن کریم کا یہ معجزہ آج تک آل عثمان کو یاد ہے، سلطان عبدالحمید خان غازی مرحوم ومغفور نے حکم دیا تھا کہ ایام جنگ میں انکی تمام رعایا قرآن مجید کی تلاوت کیا کرے، اسی قرآن مجید کے طفیل ترکوں کو یہ

Marfat.com

عزت نصیب ہوئی ہے، اسلامی ممالک میں پہلے قرآن شریف کا بڑا ادب واحترام کیا جاتا تھا، لیکن اس زمانے میں یہ صفت محمودہ مفقود ہے۔

قرآن مجید، عظیم الشان نعمت

قرآن مجید حق تعالیٰ شانہٗ کی عظیم الشان نعمت ہے، اور یہ وہ نعمت ہے کہ سوائے مسلمانوں کے کسی قوم کے پاس نہیں، اس صحیفہ مقدسہ کے علاوہ جتنی دنیا کی کتابیں ہیں، وہ سب کی سب محرف اور مبدل ہیں۔

مباحثہ شاہ جہان پور میں اسلام کی عظمت

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ بانی دارالعلوم دیوبند، مباحثہ شاہ جہان پور میں تشریف لے گئے تھے، وہاں عیسائیوں، مسلمانوں اور دوسری قوموں کا مشترکہ جلسہ تھا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو اس جلسہ کا پتہ چلا تو آپ بھی تشریف لے گئے اور وہاں پہنچ کر اطمینان سے بیٹھ گئے، عیسائیوں نے اپنی بڑی تیاری کر رکھی تھی، اس وقت حکومت بھی نئی نئی انگریزوں کی بنی تھی، انگریزوں کا بہت رعب داب تھا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے عیسائیوں کے نمائندہ سے فرمایا کہ عیسائی صاحب! کچھ فرمانا چاہتے ہیں تو فرمائیں، اس عیسائی مناظر پر اتنا رعب طاری ہوا، حالانکہ حضرت کا قد بھی چھوٹا تھا، اور وہ لباس بھی ایسا ہی بوسیدہ پہنے ہوئے تھے، ایک نیلی لنگی پاس ہوتی تھی اور سر پر ٹوپی اور بس، جب حضرت نے للکارا کہ ہاں کوئی ہے، جو مقابلے میں آنا چاہتا ہے؟ اور اپنی کتاب کی کوئی فضیلت بیان کرنا چاہتا ہے تو بیان کرے، انہوں نے کہا کہ حضرت! آپ ہی بیان فرمائیں۔

بائبل میں پانچ لاکھ غلطیاں

اسی بھرے جلسے میں فرمایا کہ عیسائیوں نے خود اعتراف کیا ہے کہ پانچ لاکھ غلطیاں ہماری کتاب میں ہیں، بائبل کی چھوٹی سی کتاب ہے اور پانچ چار آدمیوں کی لکھی ہوئی ہے، چھوٹے چھوٹے اس کے حصے ہیں، اس کے علاوہ اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف جو کتابیں منسوب کی جاتی ہیں وہ بھی ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ پانچ لاکھ غلطیاں ان کی بائبل میں موجود ہیں اور ان (علمائے مسیحی) میں سے کوئی

Marfat.com

شخص آپ کے مقابلے میں نہیں بولا۔

اس کے بعد حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے عام اعلان کیا کہ کوئی صاحب اپنی کتاب کی حقانیت ثابت کرنا چاہتے ہیں تو میں حاضر ہوں، پیش کریں اور اسلام کی حقانیت اور قرآن کریم کا صحیح مستند ہونا، بغیر کسی تحریف اور بغیر کسی تبدیلی کے ہونا، میں ثابت کروں گا، چنانچہ کوئی شخص بھی آپ کے مقابلے میں نہیں اُٹھا، ان کے بڑے بڑے علماء بھی موجود تھے، عیسائیوں کی حکومت تھی، عیسائیوں کی صدارت تھی، لیکن کوئی نہیں اُٹھا، یہ میدان مسلمان جیت گئے۔

ہم لوگ تو دنیا کے چکروں میں لگ گئے، دنیا کے قصوں میں لگ گئے اور یوں سمجھ لیا کہ قرآن مجید پڑھنا، پڑھانا تو مولویوں کا کام ہے، یہ خود ہی سب کچھ کرتے رہیں گے اور لڑتے مرتے رہیں گے، ہمیں تو اپنی دنیا کمانی ہے، اپنی دکانیں چلانی ہیں، اور ہمیں فلاں فلاں کام کرنا ہے، اتنی فرصت کس کے پاس ہے کہ وہ قرآن پاک پڑھے یا اس کے معنی ومفہوم کو سمجھے، یا مسجد میں جاکر کسی استاذ سے قرآن مجید کے صحیح تلفظ کو معلوم کرے، جیسا کسی نے الٹا سیدھا ہمیں بچپن میں پڑھا دیا، ایسا ہی ہم پڑھ رہے ہیں، اور زیادہ تر رمضان المبارک میں ہم پڑھتے ہیں، دوسرے گیارہ مہینے اپنے کام کے لئے ہیں، اور ایک مہینہ رمضان المبارک کا ہے اس میں کچھ تھوڑا سا پڑھتے ہیں، بہت سے ایسے ہیں کہ رمضان المبارک میں بھی قرآن مجید پورا نہیں کرتے، اوّل سے آخر تک قرآن مجید بھی پورا نہیں کرتے۔

جہاں تک قرآن مجید کی تعلیمات کا تعلق ہے، اللہ رب العزت نے ہماری ہدایت کے لئے نازل کیا ہے، اللہ جل جلالہ کا اس میں کوئی مفاد نہیں ہے، چونکہ اکثر لوگوں کو اس کا موقع کم ہی ملتا ہے اور یوں بھی جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ عام لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات راسخ ہوگئی ہے کہ قرآن پڑھنا، پڑھانا تو مولویوں کا کام ہے، ملاؤں کا کام ہے، ہمیں اپنی دکانداریاں کرنی ہیں، تجارتیں کرنی ہیں، بڑے بڑے کاروبار کرنے ہیں، یہ مسجد میں بیٹھ کر کے قرآن پڑھانا یا پڑھنا تو ملاؤں کا کام ہے۔

Marfat.com

حضرت جبرائیل علیہ السلام ہر رمضان میں قرآن کا دور کرتے

یہ کتاب، جس کو ہم قرآن مجید کہتے ہیں، اور جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تیئیس سال کے عرصے میں تھوڑی تھوڑی نازل ہوئی، کبھی ایک آیت، کبھی دو آیتیں اور کبھی ایک سورت، اس طرح تیئیس سال کے عرصے میں یہ کتاب نازل ہوئی، اس کی بڑی نرالی شان ہے، حدیث شریف میں آتا ہے:

كَانَ يَلْقَاهُ فِيْ كُلِّ لَيْلَةٍ مِّنْ رَمَضَانَ فَيُدَارِسُهُ الْقُرْاٰنَ [1]

''حضرت جبرائیل علیہ السلام ہر رمضان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور پورے قرآن کا دور کرتے تھے۔

حالانکہ ابھی قرآن نازل نہیں ہوا تھا لیکن پورے قرآن کا یا جتنا اُتر چکا تھا اس کا دور کرتے تھے۔

عَنْ فَاطِمَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: اَسَرَّ اِلَيَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ جِبْرِيْلَ يُعَارِضُنِيْ بِالْقُرْاٰنِ كُلَّ سَنَةٍ وَاِنَّهُ عَارَضَنِي الْعَامَ مَرَّتَيْنِ وَلَا اُرَاهُ اِلَّا حَضَرَ اَجَلِيْ۔ [2]

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا (جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور ہمارے سر کا تاج ہیں) فرماتی ہیں کہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلایا اور بلا کے فرمایا: فاطمہ! جبرائیل علیہ السلام ہر سال رمضان المبارک میں میرے پاس آتے تھے اور ایک بار قرآن کریم کا دور کرتے تھے، فاطمہ! اس سال جبرائیل علیہ السلام نے میرے ساتھ قرآن مجید کا دو مرتبہ دور کیا ہے، اور میں سمجھتا ہوں کہ شاید میرے جانے کا وقت آ گیا ہے۔

ستّر ہزار آدمی بغیر حساب و کتاب جنت میں

ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کتنی محنت اور مشقت کے ساتھ اس قرآنِ کریم کو اس اُمت تک پہنچایا ہے، تاکہ یہ اُمت محروم نہ رہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ میری اُمت

[1] بخاری: ص ۳۔ [2] بخاری، باب کان جبریل یعرض علی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ج ۲، ص ۷۴۸۔

Marfat.com

کے ستر ہزار آدمی ایسے ہوں گے جو بغیر حساب و کتاب کے جنت میں داخل ہو جائیں گے، چنانچہ ترمذی شریف میں ہے:

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زِيَادٍ الْأَلْهَانِي قَالَ سَمِعْتُ اَبَا اُمَامَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: وَعَدَنِيْ رَبِّيْ اَنْ يُّدْخِلَ الْجَنَّةَ مِنْ اُمَّتِيْ سَبْعِيْنَ اَلْفًا لَا حِسَابَ عَلَيْهِمْ وَلَا عَذَابَ، مَعَ كُلِّ اَلْفٍ سَبْعُوْنَ اَلْفًا وَّثَلٰثُ حَثَيَاتٍ مِّنْ حَثَيَاتِ رَبِّيْ. هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ [1]

"حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرماتے تھے کہ میرے رب نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ میری امت کے ستّر ہزار آدمی بغیر حساب و کتاب کے اس طرح جنت میں داخل ہوں گے کہ ان کو کوئی عذاب نہیں دیا جائے گا، (صرف یہی نہیں بلکہ) ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار مزید بھی جائیں گے اور اللہ تعالیٰ اپنی تین لپیں (چلو) بھر کر جنت میں داخل کریں گے"۔

ایک اور حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

اِنَّ اللهَ عَزَّوَجَلَّ وَعَدَنِيْ اَنْ يُّدْخِلَ الْجَنَّةَ مِنْ اُمَّتِيْ اَرْبَعَ مِائَةِ اَلْفٍ بِلَا حِسَابٍ فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ زِدْنَا يَارَسُوْلَ اللهِ! قَالَ وَهٰكَذَا فَحَثَا بِكَفَّيْهِ وَجَمَعَهُمَا فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ زِدْنَا يَارَسُوْلَ اللهِ! قَالَ وَهٰكَذَا فَقَالَ عُمَرُ دَعْنَا يَا اَبَابَكْرٍ فَقَالَ وَمَا عَلَيْكَ اَنْ يُّدْخِلَنَا اللهُ كُلَّنَا الْجَنَّةَ فَقَالَ عُمَرُ اِنَّ اللهَ عَزَّوَجَلَّ اِنْ شَاءَ اَنْ يُّدْخِلَ خَلْقَهُ الْجَنَّةَ بِكَفٍّ وَّاحِدٍ فَعَلَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَدَقَ عُمَرُ. [2]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ میری امت میں

---

[1] ترمذی، ج:۲، ص:۷۰۔ [2] مشکوٰۃ، ص:۴۹۴۔

Marfat.com

سے چار لاکھ آدمیوں کو بلا حساب جنت میں داخل فرمائیں گے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! کچھ زیادہ مانگ لیا ہوتا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اتنا اور زیادہ مانگا تھا، یہ کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں ہاتھوں کو یکجا کر کے چلو بنایا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پھر عرض کیا: یارسول اللہ! اس تعداد میں اور اضافہ کر دیجئے۔ آپ نے پھر چلو بنا کر فرمایا: اچھا اتنا اور زیادہ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا: بس کیجئے، اور ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دیجئے (یعنی اتنی رعایت نہ کرائیے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے کرم پر اعتماد کر کے بیٹھ جائیں اور عذاب خداوندی سے بے خوف ہو کر عمل کرنا چھوڑ دیں)۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس میں تمہیں کیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہم سب کو بلا حساب و کتاب جنت میں داخل فرما دیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اگر اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایک چلو میں بھر کر جنت میں داخل کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بات سن کر فرمایا: عمر سچ کہتے ہیں۔

ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِیْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَنْ قَالَ لَآاِلٰهَ اِلَّا اللهُ خَالِصًا مِّنْ قَلْبِهٖ اَوْنَفْسِهٖ [1]

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن میری شفاعت سے وہ شخص حصہ پائے گا جس نے خلوص دل سے یا یہ فرمایا خلوص نفس سے لا الٰہ الا اللہ پڑھا ہوگا''۔

یعنی کسی ایسے آدمی کو جہنم میں نہیں رہنے دوں گا جس نے اخلاص سے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ کا اقرار کیا ہوگا، آخر میں فرمایا کہ مجھے اللہ تبارک و تعالیٰ حکم فرمائیں گے فرشتوں کے ساتھ، نبیوں کے ساتھ

[1] رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ، بحوالہ مشکوۃ، ص:۴۸۹۔

Marfat.com

،صدیقین کے ساتھ، صالحین کے ساتھ، جاؤ اور جہنم میں تمہیں جتنے بھی آدمی نظر آتے ہیں انہیں نکال لو۔ نکال لیں گے، اور آکر عرض کریں گے کہ یا اللہ! اب تو جہنم میں کوئی آدمی بھی نہیں رہا، جتنے آدمی نکال سکتے تھے نکال لئے، جس کے دل میں ایک جَو کے دانے کے برابر بھی ایمان تھا وہ بھی نکال لیا، جس کے دل میں ایک گیہوں کے دانے کے برابر ایمان تھا وہ بھی نکال لیا، جس کے دل میں ایک تِل کے دانے کے برابر ایمان تھا وہ بھی نکال لیا، اب کوئی جہنم میں نہیں رہا، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے:

شَفَعَ النَّبِيُّوْنَ وَشَفَعَتِ الْمَلَائِكَةُ وَشَفَعَ الصِّدِّيْقُوْنَ ، وَلَمْ يَبْقَ اِلَّا اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ [1]

یعنی نبیوں نے شفاعت کرلی، فرشتوں نے شفاعت کرلی، صدیقین نے شفاعت کرلی، ایک ارحم الراحمین باقی ہے، (جس کو ابھی شفاعت کرنی ہے)۔

مخلوق کی نظریں وہاں تک نہیں پہنچ سکیں، جہاں تک اللہ کی نظر پہنچے گی، فرمایا تین لپیں اللہ تبارک وتعالیٰ جہنم سے نکالیں گے، اور اللہ تعالیٰ کی ان لپوں میں کتنے آدمی آئیں گے؟ یہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے، ان کو نہر حیات میں ڈالا جائے گا، کوئلے کی شکل میں داخل ہوں گے، اور چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتے ہوئے باہر نکلیں گے۔

میدانِ محشر میں تمام انبیاء کرام علیہم السلام شفاعت سے انکار کردیں گے

ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل اللہ تعالیٰ نے ہم پر بے شمار انعامات فرمائے ہیں، قیامت کے دن کوئی شفاعت کرنے والا نہیں ہوگا سوائے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے، لوگ آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے کہ آپ ہمارے جدامجد ہیں، آپ سے اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو شروع کیا ہے، آپ ہماری شفاعت کریں، وہ فرمائیں گے کہ میرا حوصلہ نہیں ہے شفاعت کرنے کا، اس لئے کہ مجھ سے ایک چوک ہوگئی تھی، اور مجھے اندیشہ ہے کہ میں اس چوک کی وجہ سے پکڑ نہ لیا جاؤں، آج میرے اللہ کو اتنا غضب ہے، اتنا غصہ ہے کہ لَمْ يَغْضَبْ

[1] مشکوٰۃ، ص: ۴۹۰۔

Marfat.com

مِثْلَهٗ قَبْلَهٗ وَلَا بَعْدَهٗ [1] ''نہ ایسا غصہ اس سے پہلے کبھی ہوا، نہ ایسا غصہ اس کے بعد کبھی ہوگا''۔

پھر حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جائیں گے، اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جائیں گے، اور آخر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے، تمام نبی ہاتھ جوڑ دیں گے کہ نہیں! نفسی نفسی، نفسی نفسی!!! ہمیں تو اپنی جان کے لالے پڑے ہوئے ہیں۔

شفاعتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

صرف ایک ہستی ہوگی، جو شفاعت کرے گی، اور وہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں گے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

آخرت میں جب مخلوق سخت پریشان ہوگی، تپش بہت زیادہ ہوگی، سورج کی گرمی دس سال کی گرمیوں کے برابر ہوگی یعنی دس سال کے سورج میں جتنی تپش ہوتی ہے اتنی اُس ایک دن کے سورج میں ہوگی، اللہ کے پیارے اور نیک لوگ عرش کے سائے کے نیچے ہونگے، باقی سب پسینے میں ڈوبے ہوئے ہونگے، کسی کا ٹخنے تک، کسی کا گھٹنے تک اور بعضوں کا پسینہ، منہ تک آیا ہوگا، سارے لوگ اکٹھے ہو کر بڑے بڑے انبیاء کرام علیہم السلام کے پاس سفارش کیلئے جائیں گے، اللہ کے جلال کی ہیبت اتنی ہوگی کہ ہر ایک عذر کر دے گا، آخر میں پاک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئیں گے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں لمبا سجدہ کروں گا، میرا یہ سجدہ ایک ہفتے کے برابر ہوگا، اللہ تعالیٰ اپنے کمالات اور محامد مجھے القاء کریں گے جو اس وقت مجھے مستحضر نہیں ہیں، اسی وقت اللہ تعالیٰ مجھے سُجھائیں گے، میں ان کلمات کے ساتھ اللہ کی تعریف کروں گا، پھر مجھ سے کہا جائے گا: ''اِرْفَعْ رَأْسَكَ، سَلْ تُعْطَهْ، اِشْفَعْ تُشَفَّعْ'' اپنا سر اٹھایئے اور سوال کیجئے، ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سوال پورا کریں گے، آپ سفارش کریں، ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سفارش قبول کریں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمائیں گے اے اللہ! مخلوق سخت پریشان ہے، اپنی مخلوق کا حساب لیجئے۔ [2]

---

[1] مشکوۃ، ص: ۴۸۸۔ [2] بخاری کتاب الرقاق، رقم الحدیث ۶۵۶۵، ج ۲ ص ۹۷۱، مسلم کتاب الایمان، رقم الحدیث ۳۲۲، ج:۱، ص:۱۰۹، الترمذی ابواب صفۃ القیامۃ، رقم الحدیث ۲۴۳۴۔

Marfat.com

قرآن کریم کی قدرومنزلت پہچانیں

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل اللہ تعالیٰ نے ہمیں قرآن مجید عطا فرمایا، قرآن کریم کی قدرومنزلت ہمیں اب معلوم نہیں ہے، اب تو زیادہ سے زیادہ ہم یہ کر لیتے ہیں کہ قرآن مجید خرید لیا، بہت اچھا سا غلاف اس پر چڑھالیا اور طاق میں رکھ لیا، الماری میں رکھ لیا، اور پھر سال بھر دیکھنے کی توفیق بھی نہیں ہوتی، کیونکہ ہمارے گھروں میں اور دلچسپی کے سامان بہت ہیں، کیبل بھی ہے، کمپیوٹر بھی ہے، اور دوسرے آلات لہو ولعب بھی ہیں، یہ ساری چیزیں موجود ہیں، قرآن کریم کے پڑھنے اور دیکھنے کی فرصت کس کو ملتی ہے؟ لیکن ہمیں اس کی قدر اس وقت معلوم ہوگی جب کہ ہمیں یہاں سے چلتا کیا جائے گا، چلو یہاں رہنے کی میعاد ختم ہوگئی، پھر بندہ کہے گا: یا اللہ! مجھے تھوڑی سی مہلت اور مل جائے، میں اپنی اصلاح کرلوں، جو نمازیں میرے ذمے ہیں پوری کرلوں، جو زکوٰتیں میرے ذمے ہیں، ان کو پورا کرلوں، اگر حج نہیں کیا تو حج کرلوں، بچوں کو قرآن نہیں پڑھایا تو پڑھالوں۔

بچے کیبل دیکھ رہے ہوں گے، کمپیوٹر چلا رہے ہوں گے، ایف ایم ریڈیو سن رہے ہوں گے، دوسری خرافات میں مبتلا ہوں گے، اور قبر میں سانپ اور بچھوؤں کی شکل میں عذاب ہمیں ہو رہا ہوگا، یہ میں کوئی ایسی بات نہیں کر رہا، واقعات جو ہمارے سامنے آنے والے ہیں، ان کی وضاحت کر رہا ہوں، اس وقت تو ہماری آنکھیں بند ہیں، ہمیں نظر نہیں آرہا، ہمیں اپنا ماحول نظر نہیں آرہا، کہاں سے آئے تھے اور نا معلوم کہاں جا رہے ہیں۔

قرآن پاک کو اپنے حق میں سفارشی بنالیں

صرف ایک قرآن کریم ہے، اس کی تعلیمات پر ہم عمل کریں گے تو یہ ہمارا سفارشی ہوگا، اور اگر ہم نے اس کو کنگال کر دیا، اس کو پس پشت ڈال دیا، اس کی قدر نہ کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم پر جو احسانات فرمائے، اور اپنے مقبول بندوں کی پیروی کا ہمیں حکم فرما کر گئے، اس کی ہم نے پرواہ نہ کی، تو پھر تم دیکھ لو کہ کیا ہوگا، خود سوچ لو، ایک لمحہ کے لئے ذرا سوچ لو کہ میری دنیا میں رہنے کی میعاد ختم ہوگئی ہے اور میرے لئے چلنے کا حکم ہونے والا

Marfat.com

ہے، روزانہ ہمارے سامنے، ایک محلے میں، دوسرے محلے میں یہ مناظر پیش آتے رہتے ہیں، تو آیا میں اپنے ساتھ کیا لے کر جا رہا ہوں، ہر بندہ اپنے بارے میں اچھی طرح جانتا ہے کہ وہ کیا عمل ساتھ لے کر جا رہا ہے، اس لئے اب بھی وقت ہے کہ ہم قرآن پاک کو اپنے حق میں سفارشی بنالیں۔

قرآن پر ایمان نہیں لائیں گے تو اور کس چیز پر ایمان لائیں گے؟

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ [1]

''اگر نزول قرآن کے بعد لوگ اس پر ایمان نہیں لائیں گے تو پھر اس کے بعد کون سی چیز آئے گی جس پر وہ ایمان لائیں گے''۔

یہ اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے جسے اس نے انسانیت کی فلاح اور کائنات کی بہتری کیلئے نازل فرمایا ہے، یہ کتاب اللہ تعالیٰ کے آخری نبی حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوئی ہے، اب نہ کوئی نیا نبی آنے والا ہے اور نہ کوئی شریعت نازل ہوگی، اب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نوشتہ یا صحیفہ نازل نہیں ہوگا، لہٰذا تمام انسانیت کا فرض ہے کہ وہ اس آخری کتاب پر ایمان لے آئیں کہ اسی میں ان کی فلاح ہے۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی موجود ہے کہ قیامت کے دن جب محاسبے کی منزل آئے گی تو اللہ کا رسول ﷺ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکایت کرے گا:

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا [2]

رسول عرض کریں گے اے پروردگار! میری اس قوم نے قرآن کو پس پشت ڈال دیا۔

یعنی نظر انداز کر دیا، نظر انداز کرنے سے مراد یہ ہے کہ کافر لوگ تو اس پر ایمان نہیں لاتے مگر جو لوگ زبانی تسلیم بھی کرتے ہیں وہ لاپروائی سے کام لیتے ہیں، اس کی تعلیمات کو قبول نہیں کرتے۔

---

[1] المرسلات: ۵۰۔ [2] الفرقان: ۳۰۔

Marfat.com

جہادِ کبیر

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی قرآن کریم میں موجود ہے:

فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا [1]

اے پیغمبر! آپ کافروں کی بات نہ مانیں اور ان کے خلاف اس قرآن کے ذریعے بڑا جہاد کریں۔

گویا جہاد بالسیف کو جہادِ صغیر فرمایا اور قرآن کے ذریعے دنیا میں انقلاب برپا کرنے کو جہاد کبیر کہا گیا ہے، قرآن پاک تمام باطل ادیان و مذاہب، تمام باطل رسومات کفر، شرک اور الحاد کے خلاف تعلیم دیتا ہے، اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب صرف اسی چیز کی تعلیم دیتی ہے جو اللہ کے نزدیک برحق ہے، لہٰذا اس کی تعلیمات کو دنیا میں عام کرنا بہت بڑا جہاد ہے، جہاد بالسیف تو کسی نہ کسی وقت پر ختم ہو کر امن کی حالت قائم ہو جاتی ہے مگر جہاد بالقرآن ہمیشہ جاری رہتا ہے۔

فائدہ

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ الفوز الکبیر میں لکھتے ہیں کہ قرآن میں سزا کی وعید سے متعلق جتنی آیات موجود ہیں ان کا شان نزول یہ ہے کہ دنیا میں جب تک برائی موجود ہے یہ آیات اس کی وعید سناتی رہیں گی، اس طرح اس کتاب میں بشارت والی تمام آیات دنیا میں پائی جانے والی ہر نیکی کے حق میں نازل ہوئی ہیں، شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ قرآنی آیات کے شان نزول کے لئے لمبے چوڑے قصے کہانیوں کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ہر برائی کیلئے وعید والی آیت نازل ہوئی ہے اور ہر نیکی کے کام کے لئے بشارت والی آیت اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے۔ [2]

---

[1] الفرقان: ۵۲۔ [2] معالم العرفان۔

Marfat.com

پادری بھاگ گیا

ایک مرتبہ دہلی کے چوک میں ایک پادری نے چیلنج کر دیا اے مسلمانو! اگر تمہاری کتاب سچی ہے تو تم اپنی کتاب قرآن کو لاؤ اور میں اپنی کتاب انجیل کو لاتا ہوں اور سامنے آگ جلا دی، کہتا ہے کہ تم بھی اپنی کتاب (قرآن) کو آگ میں ڈالو اور میں بھی اپنی کتاب (انجیل) کو آگ میں ڈالتا ہوں، جو کتاب محفوظ رہ گئی اس کی کتاب سچی اور اس کا مذہب بھی سچا اور جس کی کتاب جل گئی اس کی کتاب جھوٹی اور اس کا مذہب بھی جھوٹا۔

جب اس پادری نے یہ باتیں کہیں تو ایک آدمی نے جا کر حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو اطلاع دی کہ اس طرح پادری نے چیلنج کیا ہے، مسلمان پریشان ہیں، آگ کا چِۃ جل رہا ہے، یہ بات سُن کر حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے گئے اور آپ نے نورِ بصیرت سے سمجھ لیا کہ اس نے اپنی کتاب کو مصالحہ لگایا ہوا ہے، تو حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کتابوں کو آگ میں ڈالنا یہ کیا بہادری ہے، بلکہ ہم اس طرح کرتے ہیں کہ تم اپنی کتاب کو اپنے سینے سے لگاؤ، میں اپنی کتاب اپنے سینے سے لگاتا ہوں اور دونوں آگ میں چھلانگ لگاتے ہیں، ہم میں سے جو اپنی کتاب کے ساتھ بچ جائے اسکی کتاب بھی سچی، اس کا مذہب بھی سچا اور جو جل گیا تو اس کا سب کچھ جھوٹا۔

اب وہ پادری جان چھڑانے لگا اور بھاگنے لگا تو لوگوں نے کہا اب کہاں بھاگتا ہے، وہ پادری کہنے لگا میں نے اپنی کتاب انجیل کو مصالحہ لگایا، میں نے اپنے بدن پر مصالحہ نہیں لگایا۔

یہ قرآن کی تاثیر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے دل کو مضبوط کر دیا، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اللہ کی قسم! میں اس آگ کے چِۃ سے جنت کی خوشبو سونگھ رہا تھا اور میرے دل پر یہ بات ڈال دی گئی کہ اے عبدالعزیز! اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نمرود کی جلائی ہوئی آگ گلزار ہو سکتی ہے تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک غلام پر بھی قرآن کی تاثیر سے یہ آگ گلزار ہو سکتی ہے۔

Marfat.com

قرآن مجید کا حفظ ہو جانا، سعادتِ عظمیٰ ہے

قرآن عظیم الشان کتاب ہے، جو اس کی حفاظت کرے گا سعادت مند بن جائے گا، حق تعالیٰ کا کلام کسی بندے کے سینے میں آ جانا یہ خود ایک عظیم سعادت ہے، حق تعالیٰ کی ذات بابرکات اور اس کی صفات کمال نور مطلق ہیں اور بندہ ظلمت محض ہے، اس ظلمت کدہ میں یہ چراغ روشن ہو جانا اور نور مطلق کی کرنیں اس میں گھومنا اور انشراح قلب، اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑی نعمت ہے۔

حافظ کو موت نہیں آتی

اے حفاظِ کرام! جب یہ نعمت آپ کے سینے میں محفوظ ہوگئی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ زندہ ہیں مردہ نہیں ہو سکتے ہیں، یہ مردنی بدن پر طاری ہوگی اور بدن پہلے ہی سے باطل ہے، اسے موت آ جائے تو کون سی بڑی بات ہے، اصل میں زندہ روح ہے، اس کا زندگی کا سامان تو وہ دوامی زندگی ہے تو حافظ اور قاری مرنے والا نہیں، بدن مرتا ہے، اس کی روح زندہ ہی رہتی ہے، اس روح کا فیضان اس عالم میں پہنچتا رہتا ہے، اس لئے موت حقیقت میں اس کے پاس بھٹکتی ہی نہیں۔

اور موت کا یہ حاصل ہے کہ بدن کھانے پینے کے قابل نہ رہا بلکہ روح کھانے پینے کے قابل ہے، اسے وہاں بھی غذا مل رہی ہے، یہاں بھی مل رہی ہے، یہاں بھی اس کی غذا علم و معرفت تھی اور برزخ میں بھی اس کی غذا علم و معرفت ہے اور جنت میں بھی اس کی غذا اعلیٰ سے اعلیٰ علم و معرفت ہوگی۔ تو ہر جگہ اسے زندگی ہے، بدن کو یہاں غذا ملی تھی مگر بہت سی دفعہ بیمار ہو کر یہاں بھی محروم ہو جاتا ہے، برزخ میں پہنچا وہاں بھی محروم ہوگا، حشر میں پہنچے گا تو وہاں بھی محروم رہے گا، جب تک وہ روح کے ساتھ نہ ملے، اُس کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔

روح کی غذا جس سے ابدی حیات ملتی ہے

تو بدن کی نہ یہاں زندگی، نہ برزخ میں زندگی اور نہ وہاں حشر میں زندگی، اور روح یہاں بھی زندہ، برزخ میں بھی زندہ اور عالم آخرت میں بھی زندہ، اور روح کی غذا یہی قرآن کریم ہے جس سے حیات ابدی ملتی ہے۔

Marfat.com

اس کا مطلب یہی ہے کہ حافظ مرتا نہیں وہ زندہ ہی رہے گا، اس کے لئے موت نہیں۔ ایک حسی موت ہے کہ بدن ناکارہ ہوجائے، روح اسے چھوڑ کر چلی جائے گی، مگر روح جو لے کر گئی ہے وہ قائم ہے اس کے ساتھ، وہ اس سے ہٹنے والی چیز نہیں۔ وہ قرآن ہے جو روح ہے، بلکہ روح خداوندی ہے۔

تو حافظ کی شان یہ ہے کہ باطل اس کے پاس نہیں آئے گا، جس حد تک وہ قرآن کو لے چکا ہے اور حیات اس کی دائمی بن گئی ہے اور وہ مشابہ بن گیا نبی کریم ﷺ کے اور اللہ تعالیٰ کی صفات اور خطابات اسے مل گئے، کس کے ایسے نصیب ہیں؟ اسی واسطے اس کا اثر ہوگا۔

حافظِ قرآن کے والدین کی تاج پوشی

حدیث پاک میں فرمایا گیا ہے کہ قیامت کے دِن حافظ کے والدین کی تاج پوشی کی جائے گی، یعنی میدانِ حشر میں جہاں اوّلین و آخرین جمع ہوں گے، وہاں حافظِ قرآن کے والدین کو تاج پہنایا جائے گا جس کی نورانیت سے پورا محشر منور ہوگا، اعلان ہوگا کہ یہ وہ عظیم والدین ہیں جنہوں نے اپنے بچے کو قرآن کریم یاد کرایا تھا، یہ آج ان کی عزت افزائی ہو رہی ہے، جو تاج پوشی کی گئی ہے۔

دنیا میں اگر کسی کی تاج پوشی کی جائے، یہ عظیم ترین اعزاز ہے، اس سے بڑھ کر کوئی فخر و اعزاز کی چیز نہیں۔ لیکن کسی بادشاہ کی اگر تاج پوشی ہو تو اس ملک کے جو اعیان ہیں وہ جمع ہوتے ہیں اور بادشاہ کو تاج پہنا کر اعلان کرتے ہیں کہ آج سے یہ ہمارا بادشاہ ہے، ملک والوں کو فخر ہوتا ہے، اس میں ہر اقلیم کے لوگ جمع نہیں ہوتے بلکہ اپنے ملک والے لوگ جمع ہو کر تاج پہنائیں گے، اور ایک یہ کہ اگر مان لیا جائے کہ کسی کی تاج پوشی میں ساری دنیا کے ملکوں کے نمائندے جمع ہو گئے اور سب نے کھڑے ہو کر تاج پہنایا مگر اس زمانہ کے جو لوگ گزر چکے ہیں وہ تو نہیں آئیں گے، یا آئندہ آنے والے ہیں وہ تو شریک نہیں ہوں گے، پھر تاج پوشی ناقص رہی۔

بے مثال جشنِ تاج پوشی

مگر میدانِ محشر میں آدم علیہ السلام کی ساری اولاد جمع ہوگی، اوّل سے آخر تک، اربوں کھربوں انسان جمع

Marfat.com

ہوں گے۔ جلسہ ہوگا، صدر، حق تعالیٰ شانہ ہوں گے، ملائکہ معاون ہوں گے، جلسہ کے تمام آفاق پر، زمینوں پر، ان کی فوجیں کھڑی ہوئی ہوں گی، بیچ میں بنی آدم ہوں گے، اس میں مسلم، غیر مسلم، سبھی ہوں گے، ابھی حساب وکتاب نہیں ہوا ہوگا اس وقت ایک بچے کے والدین کو جنہوں نے حفظ کرایا، اس کی تاج پوشی کی جائے گی، تو اوّلین و آخرین جمع، تاج پہنانے والے اللہ تعالیٰ، تو اس سے بڑھ کر ایک حافظ کے لئے فخر واعزاز کا کون سا موقع ہوگا؟ حافظ کو اپنی ذات سے جو تھا وہ تھا ہی، اس کے ماں باپ تک یہ اثر پہنچا کہ ان کو بادشاہ بنا دیا گیا، ان کی تاج پوشی کی گئی اور اوّلین و آخرین میں مشہور یہ ہوگا کہ بھائی انہوں نے اپنے بچے کو قرآنِ کریم حفظ کرایا تھا۔

تو بہر حال خود کلام کو دیکھو تو یہ حق محض ہے جس میں باطل پاس نہیں آسکتا، جس محل میں آیا یعنی بچے کے قلب میں، وہ اتنا بلند ہوا کہ اسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشابہت حاصل ہوگئی، اسے حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے القاب ملے گا، اسے دائمی حیات ملی، اس کے اثرات متعدی ہوئے تو ماں باپ تک اثرات پہنچے اور ماں باپ کی تاج پوشی کی گئی، اوّلین و آخرین میں شہرت ہوئی تو گویا قرآن کے آثار دنیا سے لے کر برزخ تک اور برزخ سے لے کر آخرت تک سب سے اعلیٰ ہیں۔

قرآن حکیم کی ابدی حکومت

اور پھر یہی نہیں کہ یہیں ختم ہو جائیں بلکہ آگے جنت تک بھی یہ اثر چلتا رہے گا، حدیث پاک میں فرمایا گیا ہے کہ حافظ قرآن سے کہا جائے گا رَتِّلْ وَارْتَقِ تلاوت کرتا جا اور ترقی کرتا جا، جنت کے درجات کماتا جا، اس کی جزا یہ ہے، کیونکہ حدیث پاک میں فرمایا گیا کہ قرآن کی جتنی آیات ہیں، جنت کے اتنے ہی درجات ہیں، ہر درجہ میں تفصیلات تو لاکھوں ہیں لیکن نوعی طور پر درجات کی وہی تعداد ہے جو قرآنی آیتوں کی تعداد ہے، اب جیسے کوئی قرآن کی آیت ہے چار حرفوں کی، اس کے اندر غور کرو تو ہزاروں قسم کے درجات نکلیں گے، تفصیل کھولو تو احکام الگ نکل رہے ہیں، لطائف الگ نکل رہے ہیں، علل الگ نکل رہے ہیں، اسرار الگ نکل رہے ہیں، معلوم ہوتا ہے اس کے کمالات کی تفصیلات کی کوئی حد نہیں۔

Marfat.com

قرآن کی ایک ایک آیت مستقل موضوع ہے علم وکمالات کا، لیکن مجمل دیکھا جائے تو انواع علوم کی اتنی ہیں جتنی آیات ہیں اور درجات جنت کے اتنے ہی ہیں جتنی آیتیں ہیں، تو اس حافظ قرآن سے فرمایا جائے گا کہ تلاوت کرتا جا جہاں تک تیری طاقت ہے درجات کماتا جا، اور پھر ہر درجہ کی تفصیل الگ ہے، جیسے آیت کے اندر تفصیلات ہیں، لاکھوں علوم بھرے پڑے ہیں، تو جو درجہ جنت کا کمائے گا اس کی نعمتوں کی تفصیلات اتنی ہیں کہ کوئی حد ونہایت نہیں ہے، ابدالآباد تک وہ سیر وسیاحت میں ہی رہے گا اور نعمتیں کماتا رہے گا۔

تو قرآن کی حکومت دنیا میں ہی نہیں، برزخ میں ہی نہیں، حشر میں ہی نہیں، جنت میں ابدالآباد تک رہے گی، اس واسطے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، میرا اور آپ کا کلام نہیں ہے۔

ہماری آواز کو فضا گھیر لیتی ہے اور کلام اللہ فضا کو گھیر لیتا ہے

ہمارا کلام جب فضا میں آتا ہے وہ گم نہیں ہوتا، وہ مٹتا نہیں، اس کو فضا گھیر لیتی ہے اور اللہ تعالیٰ جل جلالہ کا کلام جب چلتا ہے تو وہ فضا کو گھیر لیتا ہے، ساری فضا اس کا محل بن جاتی ہے۔ تو فرق یہ ہے کہ کلام اللہ نے فضا کو گھیرا اور ہمارے کلام کو فضا نے گھیر لیا ہے۔ جیسے ریڈیو نے ضبط کر کے دنیا تک پہنچا دیا، اگر فضا میں محفوظ نہ ہوتا تو ریڈیو کس کو پیش کرتا، اسی پر ریڈیو کی ایجاد مبنی ہے کہ جو لفظ ہم بولتے ہیں فضا میں محفوظ ہو جاتا ہے۔ جیسے قرآن کریم نے فرمایا ہے:

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ [1]

''انسان جو بھی لفظ زبان سے نکالتا ہے، اس پر ہر وقت ایک نگران مقرر رہتا ہے، محفوظ کر لیتا ہے''۔

ہر ہر لفظ محفوظ ہے، ہر ہر ادا اور آواز محفوظ ہے، اور قیامت کے دن وہ سامنے کر دی جائے گی۔ وہ عمل بھی، وہ ہیئت بھی، وہ قول بھی، اس قول کی آواز بھی، وہ زمانہ بھی، ہر چیز محفوظ ہے۔

تو ہماری آواز جب منہ سے نکل جاتی ہے تو گم نہیں ہوتی، یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ سے جو کلام

---

[1] ق:۱۸۔

Marfat.com

نکلے وہ گم ہو جائے۔ ہمارے اور آپ کے کلام کو تو فضا گھیر کر محفوظ کر لیتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا کلام نکل کر ساری کائنات کو گھیر لیتا ہے تو وہ کیسے گم ہو سکتا ہے؟ وہ تو گم ہونے والی چیز نہیں، جس جس میں وہ کلام جذب ہوگا وہ ان شاء اللہ گم ہونے والی چیز نہیں ہے۔

حافظِ قرآن کا حقِ شفاعت

حدیث میں ہے کہ حافظِ قرآن کو حق دیا جائے گا کہ اپنے عزیزوں میں سے دس کی شفاعت کرو، خواہ وہ ماں باپ ہوں، بھائی ہوں، تجھے حق ہے کہ دس آدمیوں کی شفاعت کر سکتے ہو، جس کی چاہے شفاعت کرو، اور اگر کسی نے گھر میں سے پانچ بچوں کو حفظ کرا دیا تو پچاس آدمیوں کی شفاعت کا حق ہوگا، ان کے گھر میں اگر پچاس آدمی نہیں تو باقی شفاعت اوروں کے کام آئے گی، گھر والے تو بخشے ہی جائیں گے، باقی شفاعت اوروں میں پہنچ جائے گی۔

کسی کو شفاعت کا حق دیا جانا بڑی عزت و عظمت کی بات ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ خود وہ بخشا بخشایا ہے جب ہی تو اس کو دوسروں کو بخشوانے کا حق دیا جا رہا ہے کہ تو شفاعت کر دس آدمیوں کی، ہم قبول کریں گے۔

اسی طرح سے علماء کو حق دیا جائے گا، شہداء کو حق دیا جائے گا، کسی کو سات، کسی کو دس آدمیوں کی شفاعت کا، اب اگر سارے ہی گھر والے حافظ ہیں تو ان کی شفاعت کہاں تک پہنچے گی؟ آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں۔

ابدی سربلندی

بہرحال جن ماں باپ نے اپنے بچوں کو حفظ کرایا ہے وہ یہاں بھی محروم نہیں وہاں بھی محروم نہیں، یہاں بھی ان کے لئے برکات ہیں، وہاں بھی ان کے لئے برکات ہیں، بچہ ابھی چھ سات برس کا ہوتا ہے مگر جب پیش کرتے ہیں پہلے ماں باپ کا نام آتا ہے کہ فلاں صاحب کا بیٹا ہے جس نے قرآن حفظ کیا، تو لوگ جان گئے کہ یہ بچہ ہے، باپ یہ ہے، اس باپ کا احسان ہے جو اس بچہ کو قرآن حفظ کرایا، تو دنیا میں بھی سرنام ہوا، اور آخرت میں تو اوّلین و آخرین میں تشہیر ہوگی، تو خود بچہ اور ماں باپ بھی، سارے کے سارے ہی سرنام ہوں گے۔

Marfat.com

عظمتِ قرآن کے سینکڑوں پہلو ہیں

ہم میں اتنی ہمت کہاں کہ سارے پہلوؤں کا ایک دم تذکرہ کیا جاسکے اور سارے پہلو ذکر میں آ بھی نہیں سکتے، یہ دو چار پہلو ذکر کر دیئے گئے ہیں کہ یہ قرآن کے پہلو ہیں جن سے قرآن کریم کی عظمت واضح ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے کلام سے تعلق رکھنے والی ہر چیز خواہ وہ حفظ ہو یا تجوید، تفسیر ہو یا قرآن مجید کی تلاوت، بڑی معزز اور مکرم چیز ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ اور ساتھ ہی آپ ﷺ کے منصب نبوت کے فرائض اور اس کی ذمہ داری کے سلسلہ میں فرمایا ہے:

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ [1]

وہ پاک ذات ہے جس نے کہ ان پڑھوں میں ایک ایسا پیغمبر مبعوث فرمایا جو اُن کو قرآن مجید کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور ان کی تربیت فرماتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اگر چہ وہ اس سے پہلے بڑی کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔

منصبِ نبوت کے چار شعبے

رسول اللہ ﷺ کے منصبِ نبوت کے چار شعبے ہیں جو گویا فرائض چہارگانہ ہیں:

ا۔ تلاوتِ آیات

تلاوتِ آیات پہلا فریضہ اور پہلا شعبہ ہے، یہ بھی اتنی اہم چیز اور ایسا بلند فریضہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے منصبِ نبوت کے شعبوں میں سب سے پہلے اسی کو ذکر فرمایا ہے۔

---

[1] الجمعۃ: ۲۔

Marfat.com

۲۔ تزکیہ نفس

دوسرا شعبہ یُزَکِّیۡهِمۡ نفوس کی تربیت کرنا، مہذب بنانا، اخلاقِ رذیلہ نکالنا اور اخلاقِ فاضلہ پیدا کرنا اور وہ صفت پیدا کرنا جس کا قرآن مجید میں دوسری جگہ ذکر ہے:

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيۡكُمُ الۡاِيۡمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِىۡ قُلُوۡبِكُمۡ وَكَرَّهَ اِلَيۡكُمُ الۡكُفۡرَ وَالۡفُسُوۡقَ وَالۡعِصۡيَانَ‌ؕ اُولٰٓـئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوۡنَۙ [1]

اور لیکن اللہ تعالیٰ نے تم کو ایمان کی محبت دی اور اس کو تمہارے دلوں میں مرغوب کر دیا اور کفر اور فسق اور عصیان سے تم کو نفرت دے دی، ایسے لوگ راہِ راست پر ہیں۔

نزولِ قرآن کا اہم ترین مقصد

قرآن مجید کے نزول کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ صرف الفاظ اور حروف کی شکل میں کتابوں میں اور اس کے بعد سینوں میں محفوظ ہو جائے کہ لوگ اس کو پڑھ سکیں اور اس کو سنا سکیں، اس کو یاد کریں اور پڑھتے رہیں، بلکہ نزولِ قرآن کا اہم ترین مقصد یہ ہے کہ عقائد کی اصلاح ہو، قلوب اور نفوس کی اصلاح ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں فریضوں کی تکمیل فرمائی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس محنت کا زندہ ثبوت تھے، ان کے نفوس کیسے مصفّٰی تھے، اُن کی کیسی تربیت ہو چکی تھی کہ کفر و شرک کی نفرت ان کے دلوں میں بیٹھ چکی تھی اور ایمان کی محبت اور ایثار کا مادہ ان کے اندر پیوست ہو چکا تھا، عبادت کا ذوق ان پر غالب آ چکا تھا، خدمتِ خلق کا جذبہ ان کے اندر نمایاں تھا، ان کے اندر سے نفسیات کا کانٹا نکل چکا تھا، دنیا ان کے اندر سے بالکل ناپید ہو چکی تھی، حبِ جاہ کا خاتمہ ہو چکا تھا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منصبِ تزکیہ کا زندہ ثبوت ہے۔

حضرت ضرار رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت ضرار رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں جو فرماتے ہیں کہ میں شرک کی حالت میں اس نیت سے نکلا کہ وہ کام

[1] الحجرات: ۷۔

Marfat.com

کروں جو قریش نہیں کر سکے، یعنی معاذ اللہ، رسول اللہ ﷺ کے وجودِ گرامی پر دست درازی کروں، موقع اچھا تھا، آپ ﷺ تنہا طواف کر رہے تھے، میں نے بھی طواف کرنا شروع کر دیا اور اس فکر میں رہا کہ ذرا کچھ موقع ہو کہ آپ ﷺ کا اور میرا سامنا ہو جائے تو میں اپنا کام کروں۔

آپ ﷺ نے مجھ کو دیکھ کر بلایا، میں حاضر ہوا، آپ ﷺ نے فرمایا، ضرار تمہارا کیا ارادہ تھا؟ میں نے کہا کچھ نہیں، طواف کر رہا تھا، آپ ﷺ ہنسے اور آپ نے میرے سینے پر ہاتھ رکھا، اللہ جل جلالہ کی قسم! آپ ﷺ نے ہاتھ نہیں اُٹھایا تھا کہ گویا سینے کے اندر کی ساری آلائشیں نکل گئیں، اس کے بعد میں وہاں سے چلا آیا، ایک عورت جس کے یہاں جلسہ ہوا کرتا تھا اور محفل گرم ہوا کرتی تھی اور اس میں داستان آرائی وقصہ گوئی ہوتی تھی، میں رند مشرب تھا۔ اس عورت نے مجھے دیکھا تو آواز دی، میں نے کہا اب کچھ نہیں ہو سکتا، اب میں مسلمان ہو گیا ہوں، ایسی فوری تبدیلی کے واقعات بھی بہت ہیں۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی زندگی میں انقلاب

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھ پر تین دور گزرے ہیں، ایک دور مجھ پر ایسا گزرا ہے کہ روئے زمین پر کوئی ہستی آپ ﷺ سے بڑھ کر مبغوض نہ تھی، معاذ اللہ! اگر اس وقت مجھے موقع مل جاتا تو میں اپنی عاقبت خراب کر لیتا، اللہ جل جلالہ نے فضل فرمایا، موقع ہی نہیں ملا، اس کے بعد دوسرا دور مجھ پر ایسا گزرا کہ روئے زمین پر کوئی ہستی آپ ﷺ سے بڑھ کر محبوب نہیں تھی، اللہ جل جلالہ کی قسم! میں آپ ﷺ کو آنکھ بھر کر دیکھ بھی نہیں سکتا تھا، اگر مجھ سے کوئی حضور کریم ﷺ کا حلیہ پوچھے تو میں بیان نہیں کر سکتا، اس لئے کہ میری نظر آپ ﷺ کے چہرہ مبارک پر جمتی ہی نہیں تھی اور مجھ میں آپ ﷺ کو دیکھنے کی تاب ہی نہیں تھی، جب میں نے آپ ﷺ کے ہاتھ میں ہاتھ دیا اور بیعت کی تو میں اپنا ہاتھ نکالتا ہی نہیں تھا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرا ہاتھ کیوں نہیں چھوڑتے؟ میں نے کہا یا رسول اللہ! فرمائیے کہ میرے گذشتہ گناہوں کا کیا ہوگا؟ میں تو بہت سیاہ کار انسان ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم کو معلوم نہیں کہ اسلام اپنے ماقبل کو بالکل ختم کر دیتا ہے۔

Marfat.com

حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کی زندگی میں انقلاب

ایسے بہت سے واقعات ہیں، وحشی جنہوں نے حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ، اللہ جل جلالہ کے شیر کو خود شہید کیا تھا اور ان کے ساتھ جو سلوک کیا گیا وہ سب کو معلوم ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے جب وہ آئے اور انہوں نے بیعت کا ارادہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی بیعت قبول کی، انہوں نے کلمہ پڑھا اور ایمان لائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وحشی! اگر تم میرے سامنے بار بار نہ آؤ تو اچھا ہوگا، اس لئے کہ مجھے اپنے چچا یاد آجاتے ہیں، یہ قدرتی بات بھی ہے اور بہت لطیف جذبہ، احسان اور اعلیٰ درجہ کی انسانیت، لیکن انہوں نے جو کلمہ پڑھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر اسلام لائے، اس نے ان کے اندر ایسا انقلاب پیدا کر دیا، ایسی روحانیت پیدا کر دی اور ایسی ایمانی طاقت پیدا کر دی جس پر آج بڑے بڑے اولیاء اللہ رشک کر رہے ہیں۔

یہی وحشی ہیں جنہوں نے مسیلمہ کذاب کو قتل کیا، حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کی بھی نگاہ انتخاب کو داد دینی چاہیے کہ انہوں نے ایک ایسی ہستی سے اسلام اور مسلمانوں کو محروم کیا تھا جو اسلام کے لئے تقویت کا باعث تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت محبوب تھی تو اس کی تلافی اور کفارہ کے لئے انہوں نے ایسی ہستی کا انتخاب کیا جو سب سے بڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک مبغوض تھی، ایک وہ شخص تھا جو نبوت کا بہت بڑا حامی اور مددگار تھا، پھر ایک وہ شخص تھا جو اس نبوت کے مقابلے میں سینہ تان کر آیا تھا اور منصب نبوت کا گویا حریف اور رقیب تھا، انہوں نے گناہ کے کفارہ کے لئے جو بہترین انتخاب ہوسکتا تھا، انتخاب کیا، یقیناً حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح مبارک ان سے خوش ہوئی ہوگی، یہ سب ان کی ایمانی قوت کا نتیجہ ہے۔

۳۔۴۔ تعلیمِ کتاب وحکمت

تیسرا اور چوتھا شعبہ کتاب وحکمت کی تعلیم ہے، یُعَلِّمُھُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَۃَ یعنی آپ ان کو سکھاتے ہیں کتاب اور حکمت، اس میں قرآن مجید کی تفسیر، اس کے حقائق کا بیان، اس کے علوم کا اظہار اور مقاصدِ قرآن کی تشریح وتفصیل سب شامل ہے۔

Marfat.com

حکمت سے مراد تفقہ فی الدین ہے، یعنی اس کی بھی ضرورت ہے کہ حاملینِ قرآن اور سامعین میں تفقہ (سمجھ) پیدا کیا جائے، یہ وہ چیز ہے جس کی طرف اشارہ ہے: مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتا ہے اس کو دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان چاروں صفات کے جامع تھے

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو علماء تھے اور جن کے علم کی تعریف خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کی، اور امت کو ان کی طرف رجوع ہونے کا مشورہ دیا، یہ حضرات بھی ان چاروں صفات کے جامع تھے، قرآن مجید کے قاری بھی تھے، معلم الکتاب بھی تھے، معلم حکمت بھی اور مزکّی بھی تھے، یہ چاروں شعبے اُن حضرات میں جمع تھے۔

تابعین و تبع تابعین رحمہم اللہ کا دور

پھر تابعین کا دور آیا، اس دور میں بھی کثرت سے ایسے لوگ تھے جو ان چاروں چیزوں کے جامع تھے، مثال کے طور پر حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ، وہ ان چاروں شعبوں کے جامع تھے، اسی طرح حضرت سعید بن جبیر اور محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت سعید بن مسیّب رحمۃ اللہ علیہ، یہ وہ فضلائے تابعین تھے جو ان چاروں کمالات کے مظہر اور ان چاروں شعبوں کے جامع تھے۔ تبع تابعین میں بھی اسی طرح کی بے شمار ہستیاں پیدا ہوئیں جو، ان چاروں چیزوں کی جامع تھیں، جیسے ائمہ اربعہ، محدثین، فقہا اور صوفیا، تابعین جیسے حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ، حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ، اسی طرح جنید بغدادی، یہ سب حضرات ان چاروں چیزوں کے جامع تھے۔

دورِ انحطاط

پھر انحطاط کا دوسرا دور شروع ہوا، اور شعبوں کی تقسیم ہونے لگی، نتیجہ یہ نکلا کہ اُمت میں مختلف گروہ بن گئے اور ایک ایک شعبہ سنبھال لیا، بعض نے تلاوت آیات کو اپنا شعار بنا لیا، انہوں نے قرآن مجید کو حفظ کیا اور اس کی تجوید اور مخارج کی تصحیح کی اور اتقان کے ساتھ پڑھنا انہوں نے اپنا فرض سمجھا، اللہ تعالیٰ اُمت کی طرف سے

Marfat.com

ان کو جزائے خیر دے کہ بہت بڑا فرض کفایہ ادا کیا اور قرآن مجید کے تلفظ اور طریقہ ادا کو محفوظ کر دیا، جس طرح اس کے حروف کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جمع کیا تھا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اس کی نقلیں کرا کے عالم اسلام میں بھیجی تھیں۔

بعض حضرات نے تعلیم کتاب وحکمت کو اپنا شعار بنایا، وہ علماء ظاہر کی جماعت ہے جنہوں نے قرآن و حدیث کے رموز کو بیان کیا، ان کے مضامین کی اشاعت کی، اور ان کی مشکلات کی تشریح کی۔

تربیت وتزکیہ

بعض حضرات نے تزکیہ اپنے ذمہ لیا، وہ حضرات صوفیاء کرام ہیں جنہوں نے اپنے مریدین کی اور جو لوگ ان کی طرف رجوع کرتے تھے ان کے نفوس کی اصلاح وتربیت کا کام اپنے ذمہ لیا اور اس کو تہذیب واخلاق اور اصلاح باطن کا ایک فن بنا دیا، ان حضرات کی تعداد اللہ جل جلالہ کے فضل سے اتنی بڑی ہے کہ ان کا ذکر کرنا مشکل ہے، مثال کے طور پر سیدنا حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ، خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ، خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شیخ شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ۔

تجدید سلوک

پھر ان کے بعد جنہوں نے فن سلوک کا کام کیا اپنے زمانہ کی پھیلی ہوئی بدعتوں کو اور تحریفات کو انہوں نے دور کیا اور اپنے زمانہ کی طبیعتوں کا لحاظ کر کے انہوں نے تربیتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجدید کی، ان میں سے خاص طور پر حضرت شیخ امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ، ان کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، وہ حضرات ہیں جنہوں نے فن سلوک کی تجدید کا کام انجام دیا اور اپنے زمانہ کے مطابق ان کو بنایا اور ان کے فائدہ کو عام کیا۔

حاملِ قرآن کی ذمہ داریاں

اصل میں حاملِ قرآن کا کام صرف تلاوت اور اس کو پڑھ کر سنا دینا، صحیح طور پر یاد کر لینا اور اس کو صحت کے

Marfat.com

ساتھ ادا کر دینا اور کسی مجلس میں کسی جلسہ میں قرآن مجید پڑھ دینا نہیں ہے، بلکہ حامل قرآن کی بہت بڑی ذمہ داری ہے، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا اس شخص کو عذاب دیا جائے گا جس کو اللہ جل جلالہ نے قرآن مجید کا علم دیا تھا، وہ رات کو سویا اور سوتا رہا، یہاں تک کی صبح کی نماز قضا ہوگئی، قرآن مجید کی ذمہ داری بہت بڑی ذمہ داری ہے، اس کو یاد کرنے کی، اس کو یاد رکھنے کی، اور اس پر عمل کرنے کی۔

جنگِ یمامہ میں حاملینِ قرآن کی جاں نثاری

یہی وجہ تھی کہ جب جنگِ یمامہ پیش آئی جو اسلام کی شدید ترین جنگوں میں سے ایک جنگ ہے، جس میں زور کا رَن پڑا اور زور کی لڑائی ہوئی اور کشتوں کے پشتے لگ گئے، بس ایک موت کا بازار گرم تھا اور کسی طرح فیصلہ نہیں ہوتا تھا کہ میدان جنگ میں ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے للکارا، اور کہا اے حاملین قرآن! اور وہ لوگ جن کے سینوں میں قرآن ہے، آج قرآن پر عمل کر کے دکھاؤ اور قرآن پر قربان ہو جاؤ، اس لئے کہ اگر یہ ارتداد کا فتنہ ختم نہ ہوا تو قرآن مجید کا باقی رہنا مشکل ہے، چنانچہ جو حفاظ تھے وہ آگے بڑھے اور فیصلہ کر لیا، بے جگری کے ساتھ لڑے اور پروانوں کی طرح جانثار ہوئے۔

حاملینِ قرآن کا بلند مرتبہ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ، مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ، بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ، كِرَامٍ بَرَرَةٍ [1]

قرآن مجید بڑی عزت والے صحیفوں میں سے ہے، اونچے اور پاک کئے ہوئے، ایسے سفیروں کے ہاتھوں میں جو بڑے شریف اور پاک باز ہیں۔

معلوم ہوا کہ حاملینِ قرآن کی یہ تصویر "كِرَامٍ بَرَرَةٍ" ہونا چاہیے، حاملین قرآن کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فرشتوں کی صف ہے، بلکہ معلوم ہوا کہ جو قرآن مجید کو اُٹھانے اور سینے میں رکھنے کا حوصلہ کرے اس کو ایسا بننا چاہیے۔

---

[1] عبس: ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶۔

Marfat.com

لَا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ [1] اللہ تعالیٰ کا منشا یہ ہے کہ اس قرآن مجید کو مطہر ہی چھوئیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے جو لوگ قرآن مجید کے حافظ ہوتے تھے اور جن میں قرآن مجید کا علم خاص ہوتا تھا وہ ممتاز اور اپنے اخلاق وتقویٰ اور عبادت میں دوسروں سے بڑھے ہوئے ہوتے تھے، اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب میدان احد میں شہداء کی لاشوں کو دفن کرنے لگے تو قرآن مجید جس کو زیادہ یاد ہوتا اس کو پہلی صف میں رکھتے جاتے تھے۔

اور فرمایا کرتے تھے: یَؤُمُّکُمْ مَنْ اَقْرَأُکُمْ ''امامت وہ کرے جو زیادہ پڑھا ہوا ہو''۔ تو اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ خالی حافظ ہو، بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس کو قرآن مجید کا علم زیادہ ہو۔

حاملینِ قرآن کیلئے عبرت آموز واقعہ

دیکھئے! جس شخص کو کوئی بڑی چیز ملتی ہے وہ چھوٹی چیزوں سے بلند ہو جاتا ہے، پھر چھوٹی چیزوں کی طرف اس کی نگاہ نہیں جاتی، ایک شخص نے کہیں سفر پر جاتے ہوئے شہر کے کسی معزز آدمی کے یہاں اپنی امانت رکھوادی، اچھی خاصی رقم تھی، کئی ہزار روپیہ کی، اور کہا کہ میں سفر پر جارہا ہوں، وہاں سے آکر لے لوں گا، انہوں نے کہا اچھا رکھ دو، اللہ جل جلالہ مالک ہے، آنا تو پھر لے لینا، وہ بے چارہ سفر کرکے آیا عرصہ کے بعد، اس نے ان سے جاکر کہا کہ ہماری امانت دے دیجئے، تو وہ بالکل انجان بن گئے، کہنے لگے کہ میں تم کو پہچانتا نہیں ہوں کہ تم کون ہو اور کب آئے تھے اور کب رکھوایا تھا؟ بے چارہ حیران ہو گیا، شریف سمجھ کر نہ اس نے کوئی لکھ پڑھ کی تھی، نہ دستاویز لکھوائی تھی، اب وہ جتنا یاد دلاتا، وہ بھولتے جاتے، یہاں تک کہ ناراض ہو گئے اور کہنے لگے کہ ایک شریف آدمی کو بدنام کرتے ہوئے تمہیں شرم نہیں آتی؟ تم مجھے چور بناتے ہو، اس کے پاس کوئی ثبوت نہیں تھا، اس نے جاکر قاضی سے شکایت کی، قاضی صاحب بہت ہی سمجھدار اور ماہر نفسیات تھے، انہوں نے کہا کہ اس کا علاج میں کروں گا، تم کسی سے ذکر نہ کرنا۔

---

[1] الواقعۃ: ۷۹۔

Marfat.com

تھوڑے دنوں کے بعد (اس آدمی کے پاس جو امانت سے انکاری بنا ہوا تھا) ایک شخص کو بھیجا اور کہلوایا کہ آپ قاضی بننے والے ہیں، وہ سن کر بہت خوش ہوئے، بڑا اعزاز تھا، پھر قاضی صاحب نے اس امانت والے شخص سے کہا کہ جا کر اپنی امانت مانگو، وہ گیا اور اس نے کہا کہ شاید آپ کو یاد آ جائے کہ میں فلاں وقت آیا تھا، کہا ہاں مجھے یاد آ گیا اور تمہارے جانے کے بعد ہی مجھے یاد آ گیا تھا اور میں تمہارا منتظر تھا، تمہارے گھر کا پتہ مجھے معلوم نہیں تھا، بہت اچھا کیا کہ تم آ گئے، تمہاری امانت وہاں رکھی ہوئی ہے، جا کر لے لو، جیسے تم رکھ کر گئے تھے، ویسے ہی رکھی ہوئی ہے، وہ گیا اور لے آیا۔

اس کو بڑا تعجب ہوا اور ان دو باتوں میں تعلق سمجھ میں نہیں آیا، اس نے قاضی سے کہا جو قاضی القضاۃ تھے، خیر میری امانت مجھے مل گئی مگر یہ انتظام آپ نے کیسے کیا؟ اور انہوں نے اقرار کیسے کیا؟ قاضی صاحب نے کہا کہ بھائی بات یہ ہے کہ ان کو اس سے بڑی چیز ملنے والی تھی، اصل میں اس اعلیٰ چیز سے اس گراوٹ کا کوئی جوڑ نہ تھا، جس کو عہدۂ قضا مل رہا ہو یا وزارت مل رہی ہو تو وہ کسی کے پانچ سو یا دو سو روپے کیا مارے گا؟ اب ان کے ذہن کی سطح ایک دم سے بلند ہو گئی تو وہ سوچنے لگے کہ میں قاضی ہوں، اب قاضی کی حیثیت سے معاملہ کو سوچنے لگے تو یہ حرکت ان کو بہت گری ہوئی معلوم ہونے لگی، اور انہوں نے سوچا کہ پانچ سو کی کیا حقیقت ہے۔

تو میں حاملینِ قرآن سے کہتا ہوں کہ تم یہ سمجھو کہ تم عالم ہونے والے ہو، اس وقت یہ چھوٹی چھوٹی باتیں تم کو اتنی گری ہوئی معلوم ہوں گی کہ تمہیں ان کے تصور کرنے سے تکلیف ہوگی کہ ہم عالم ہو کر ایسی بات کر سکتے ہیں، ہمارے سینے میں جو اللہ جل جلالہ کا کلام ہے، حدیث ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے، تو ہم ایسی اوچھی اور گری ہوئی بازاری باتیں کیسے کر سکتے ہیں۔

قرآن کی دولت سب سے بڑی دولت ہے

جب بندہ سوچ لیتا ہے کہ اس کے سینہ میں اللہ جل جلالہ کا کلام ہے تو پھر اس میں جو کم درجہ کی باتیں ہیں، کوئی بھی گناہ، کوئی بھی گراوٹ کی بات، کوئی بھی سوقیانہ اور اوچھی حرکت، جیسے مال کی محبت، عہدہ کی محبت اور

Marfat.com

تراویح کا تھوڑا تھوڑا معاوضہ لینا، یہ ساری چیزیں اس کی نظر سے ایسی گر جائیں کہ جس طرح سے وہ شخص جس نے صاف کہہ دیا کہ میں تمہیں نہیں جانتا کہ تم نے کب امانت رکھوائی؟ پھر اقرار کر لیا کہ ہاں! ہاں! تم نے امانت رکھوائی تھی اور پھر دے دیا، اسی طرح سے جب وہ یہ سمجھ لے کہ اس کے پاس کیا دولت ہے تو پھر کبھی کسی گناہ کی طرف، کبھی کسی ادنیٰ کام کی طرف، کبھی کسی پست خیالی کی طرف اس کا ذہن نہیں جا سکتا۔

در سینہ تو ماہ تمامے نہادہ اند

اے حفاظِ قرآن! آپ کے سینہ میں چودھویں کا چاند سو رہا ہے اور چودھویں کے چاند کی کیا حقیقت ہے، آپ کے سینہ میں اللہ جلّ جلالہ کا کلام، سرِ الٰہی ہے، علمِ الٰہی ہے، علمِ اعظم ہے، لوگ اسمِ اعظم کے پیچھے پڑے ہیں، آپ کے سینہ میں علمِ اعظم ہے، اسی علمِ اعظم میں اسمِ اعظم بھی ہے، آپ تو حاملِ علمِ اعظم، حاملِ اسمِ اعظم ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآنِ کریم کی فضیلت میں فرمایا:

> ہر حرف کے بدلہ دس نیکیاں ملیں گی اور میں نہیں کہتا کہ الٓمٓ ایک حرف ہے، بلکہ الف ایک حرف، لام ایک حرف اور میم ایک حرف ہے۔[1]

دیکھ لیجئے! قرآن مجید کے کیسے کیسے فضائل ہیں، ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ ایک روز بہت جوش میں آ کر کہنے لگے، اللہ جلّ جلالہ کی قسم! اگر کوئی پورا ایک ملک پیش کرے اور کہے کہ پوری سلطنت لے لو اور ایک مرتبہ اللہ جلّ جلالہ کہنے کا ثواب مجھے دے دو، واللہ میں راضی نہ ہوں گا، اور قرآن تو اللہ جلّ جلالہ کے ذکر سے بھرا ہوا ہے، ایک ایک حرف اللہ جلّ جلالہ کا کلام ہے، اور اس عالم میں سب سے بڑی قیمتی چیز، جس کا براہ راست اللہ جلّ جلالہ سے تعلق ہے، وہ قرآن مجید ہے اور جو سب سے بڑی دولت اس آسمان کے نیچے ہے وہ قرآن مجید ہے، اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی نسبت ہے، اللہ جلّ جلالہ کا کلام، اس کو کلام قدیم کہتے ہیں، یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ متکلم ہے، اس سے بڑھ کر تو کوئی چیز ہو ہی نہیں سکتی، اس لئے اپنی قدر خود کرنا چاہیے اور سمجھنا چاہئے کہ آپ کے قدم زمین پر نہ پڑیں، کسی امیر کی کسی دولت کی وقعت آپ کے دل میں نہیں ہو سکتی، اگر ہوتی تو ہزار بار استغفار کرتے، ارے

---

[1] ترمذی، رقم الحدیث: ۲۹۱۰۔

Marfat.com

میرے دل میں، میرے سینہ میں اللہ جل جلالہ کا پورا کلام ہے اور میں اس تاجر کو، اس وزیر کو معزز سمجھتا ہوں۔

میری جنت میرے سینہ میں ہے

حضرت حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میرے دشمن میرا کیا بگاڑیں گے، میری جنت تو میرے سینہ میں ہے، وہ مجھ سے کیا چھین لیں گے، میں تو اپنی جنت لئے پھر رہا ہوں، اللہ کا کلام، اللہ کا علم میرے سینہ میں ہے، میرا باغ تو میرے ساتھ ہے، وہ مجھے کیا قید کریں گے، میں تو بالکل آزاد ہوں، جہاں بھی رہوں گا، آزاد رہوں گا۔

عظمتِ قرآن کا استحضار

کیوں ایک شخص کے اندر اتنی روحانیت پیدا ہوجاتی ہے اور وہ اتنی ترقی کرتا ہے اور ایک شخص وہ ترقی نہیں کرتا، فرق صرف عظمت اور اکتساب کا ہے، کلام اپنی جگہ عظیم ہے لیکن اس کی عظمت کا استحضار بھی ضروری ہے، شاہ محمد یعقوب صاحب مجددی رحمۃ اللہ علیہ مثالوں کے بادشاہ تھے، عجیب عجیب مثالیں دیتے تھے، کہنے لگے کہ کسی چیز کا ہونا اور چیز ہے اور اس کا علم حضوری اور چیز ہے۔

نواب محبوب علی خان جو شاہِ دکّن تھے، ان کی یہ عادت تھی کہ کبھی کبھی وہ بھیس بدل کر شہر میں گشت کیا کرتے تھے تو ایک دن یونہی بھیس بدل کر شہر میں گشت کررہے تھے کہ ایک تانگہ میں بیٹھ گئے، ان کے ساتھ دوسرے صاحب بھی ٹانگہ میں بیٹھے چلے جارہے تھے، دونوں یہ بات کرنے لگے کہو بھائی! آج کل کیا خبر ہے؟ دوسرے صاحب یہ جان نہ سکے کہ یہ کون صاحب ہیں، انہوں نے کہا کہ آج کل گلی کوچہ میں محبوب علی خان جو ہمارے نواب ہیں، کے منہ پر ہر شخص تھوک رہا ہے اور ان کو بُرا بھلا کہہ رہا ہے اور ایک قصہ جو اس زمانہ میں مشہور ہوا تھا وہ ذکر کرکے اس نے کہا کہ آج کل یہ مشہور ہورہا ہے کہ وہ یہ کررہے ہیں اور جو منہ میں آیا کہنا شروع کیا۔

محبوب علی خان وہیں بیٹھے رہے، اس کے بعد انہوں نے بیڑی نکالی اور کہا دیا سلائی ہے؟ اس نے کہا جی ہاں، رات کا اندھیرا تھا، اس نے جو ماچس جلائی تو پہچان لیا کہ یہی محبوب علی ہیں، بس اس کے ہاتھ پاؤں پھول

Marfat.com

گئے اور رعشہ پیدا ہوگیا، انہوں نے کہا گھبراؤ نہیں۔

بزرگانِ دین چھوٹے چھوٹے واقعات سے بڑے بڑے نتائج نکالتے ہیں، انہوں نے کہا کہ محبوب علی خان تو وہی تھے جو آکر بیٹھے، اس وقت محبوب علی خان صاحب تھے، جب پوچھا تب بھی محبوب علی خان تھے، جب اس نے کہا تب بھی محبوب علی خان تھے، اور اس وقت جب ماچس جلائی اور منہ دیکھا تو محبوب علی خان بدل گئے تو اس پر ہیبت کیوں طاری ہوئی، وجود پہلے سے تھا علم اب حاصل ہوا، حالت ہی بدل گئی تو وجود قرآن تو وہی ہے، جو آج سے تیرہ سو سال پہلے تھا، جو آپ نے بچپن میں پڑھا، آپ نے جوانی میں پڑھا، جو آپ بڑھاپے میں پڑھ رہے ہیں، یا پڑھیں گے، جو آپ تہجد میں پڑھتے ہیں، جو آپ تلاوت کرتے ہیں، وہی قرآن مجید ہے، اس میں ایک نقطہ کا اضافہ نہیں، لیکن جب آپ کے اندر یہ بات پیدا ہوگئی کہ یہ اللہ جل جلالہ کا کلام اور کس اللہ جل جلالہ کا کلام، جس کی صفت یہ ہے، اور کون سا کلام، جس کی یہ شان ہے، اب آپ کی کیفیت اور ہوگئی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ [1]

اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو آپ اس کو دیکھتے کہ اللہ جل جلالہ کے خوف سے دب جاتا، پھٹ جاتا۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ [2]

”اللہ جل جلالہ نے بہترین کلام نازل کیا ہے، ایک کتاب باہم ملتی جلتی ہوئی، اور بار بار

[1] الحشر۔ [2] الزمر: ۲۳۔

Marfat.com

دہرائی ہوئی، اس سے ان لوگوں کی جلد جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں کانپ اُٹھتی ہے، پھر ان کی جلد اور ان کے قلب اللہ جل جلالہٗ کے ذکر کے لئے نرم ہوجاتے ہیں"۔

تو معلوم ہوا کہ دو چیزیں پیدا کرنی ہیں، ایک کلام اور صاحب کلام کی عظمت، دوسرے ثواب کی نیت اور ثواب کا یقین کہ ثواب مل رہا ہے، بس یہ دو چیزیں ہیں جن کی وجہ سے ایک شخص اعلیٰ مقام ولایت تک پہنچ جاتا ہے۔

قربِ الٰہی کا سب سے بڑا ذریعہ قرآنِ کریم ہے

بعض حضرات نے یہ فرمایا ہے کہ سلوک کا آخری درجہ قرآن ہے اور یہ نوافل میں قرآن مجید پڑھنے سے حاصل ہوتا ہے، جب سالک تمام مقامات طے کرلیتا ہے جو ذکر سے طے ہوتے ہیں، اس کے بعد جو آخری درجہ ہے قربِ الٰہی کا، وہ کلامِ الٰہی کی کثرتِ تلاوت سے حاصل ہوتا ہے۔

حضرت مولانا فضل رحمان گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو قرب قرأت کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے، اس قرب کو کوئی نہیں پہنچ سکتا اور یہ قرب استحضار سے، عظمت سے اور ثواب کے یقین سے حاصل ہوتا ہے، پڑھتے جایئے اور یقین کرتے جایئے کہ ثواب مل رہا ہے، ہر حرف پر دس نیکیاں مل رہی ہیں، اس کا شوق آپ کے دل میں زیادہ ہونا چاہیے، جتنا زیادہ پڑھیں گے اتنی زیادہ نیکیاں ملیں گی، اگر اپنے اندر یہ صفت پیدا کرلی تو قرآن مجید کی تلاوت میں روح پیدا ہوجائے گی۔

قرآن کو بطور پیشہ پڑھنا گناہ ہے

اور اگر اس کو پیشہ بنائیں تو اس سے بہت اچھا ہے کہ دنیا کو آدمی ذریعہ بنائے کسبِ معاش کا، قیامت کے دن وہ لوگ جو حلال روزی حاصل کرتے تھے اور جائز طریقوں سے کاروبار کرتے تھے، ان دنیادار قاریوں، حافظوں اور عالموں سے بدرجہا آگے ہوں گے، جنہوں نے دین کو ذریعہ بنالیا تھا اپنا پیٹ بھرنے کا اور دنیا

Marfat.com

کمانے کا، تاجروں میں بکثرت اولیاء اللہ نکلے ہیں جو سمجھتے تھے ہم دنیا دار ہیں، صرف بچوں کے پالنے اور اپنا پیٹ پالنے کے لئے ایک دھندہ کیا ہے اور اس میں ذکر کرتے تھے، نماز پڑھتے تھے، ڈرتے رہتے تھے، استغفار کرتے رہتے تھے، وہ کئی عالموں اور حافظوں سے بڑھ کر نکلیں گے، جنہوں نے قرآن مجید اور علمِ حدیث کو صرف دنیا کمانے کا ذریعہ بنایا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن مجید کی تعظیم کرنے کی، اس پر عمل کرنے کی، اور اس کا لطف لینے کی اور اس سے قرب حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆

Marfat.com

فضائل قرآن

کلامِ الٰہی تو صرف قرآن مجید ہی ہے

آسمانی کتابوں میں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کو جو فضائل اور مرتبہ عطا فرمایا ہے وہ کسی بھی دوسری کتاب کو عطا نہیں فرمایا، یوں تو کلام انجیل بھی ہے اور تورات بھی مگر حقیقت میں کلام اللہ صرف قرآن پاک ہی ہے، کیونکہ تورات تو ایک ہی دفعہ یکبارگی نازل شدہ اور لکھی لکھائی مل گئی اور انجیل کو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قلب پر القاء فرمایا اور پھر اس کو انہوں نے اپنے الفاظ میں بیان کر دیا، لیکن کلام اللہ ہر وقت اس صفت سے مُتّصف رہا ہے، کیونکہ کلام وہ بات ہے جو بولی جائے اور قرآن کے نزول کی کیفیت بھی اسی طرح ہے کہ وحی الٰہی کی آواز ہوتی تھی جس کو کانوں سے سنا جاتا تھا اور پھر زبان سے ادا کر دیا جاتا تھا، لہٰذا فی الحقیقت قرآن ہی کلامِ الٰہی ہے جو اللہ کی ذات سے نکلا ہے اور بالآخر اسی ذات ہی کی طرف لوٹ جائے گا، اسی لئے ایک حدیث میں وارد ہوا ہے:

تَبَرَّكُوْا بِالْقُرْاٰنِ فَاِنَّهٗ كَلَامُ اللّٰهِ وَخَرَجَ مِنْهُ

یعنی قرآن سے تبرک حاصل کرو کیونکہ وہ اللہ کا کلام ہے اور اُس سے نکلا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ کائنات میں اللہ تعالیٰ کے بے شمار تبرکات و انعامات ہیں لیکن قرآن سب سے اعلیٰ تبرک و انعام ہے، اس لئے کہ وہ جتنے بھی تبرکات ہیں اگرچہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ تو ہیں مگر اللہ تعالیٰ کی ذات سے کوئی نہیں نکلا، لیکن قرآن پاک اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور ان کی ذات سے نکلا ہے اور وہ علمِ الٰہی کا ترجمان ہے۔

لہٰذا باقی آسمانی کتابوں کے مقابلہ میں قرآن کی یہ خصوصیت ہوئی کہ وہ حقیقی کلامِ الٰہی ہے جبکہ دوسری

Marfat.com

کتابوں کا کلام الٰہی ہونا محض حکمی ومجازی درجہ میں ہے، چنانچہ قرآن کریم کے کلامِ الٰہی ہونے کے متعلق صرف دو مرفوع احادیث درج ذیل ہیں:

۱۔ عَلَيْكُمْ بِالْقُرْاٰنِ فَاتَّخِذُوْهُ اِمَامًا وَّقَائِدًا فَاِنَّهٗ كَلَامُ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ الَّذِيْ هُوَ مِنْهُ وَاِلَيْهِ يَعُوْدُ فَاٰمِنُوْا بِمُتَشَابِهِهٖ وَاعْتَبِرُوْا بِاَمْثَالِهٖ [1]

یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث میں ہے کہ تم قرآن کو لازم پکڑلو اور اس کو پیشوا اور قائد بنالو کیونکہ وہ ربّ العالمین کا کلام ہے جو اُسی سے نکلا ہے اور اُسی کی طرف لوٹ جائے گا، لہٰذا اس کے متشابہ پر ایمان لاؤ اور اس کی مثالوں سے عبرت وسبق حاصل کرو۔

۲۔ اِذَا اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يُّوْحِيَ بِاَمْرِهٖ تَكَلَّمَ بِالْوَحْيِ فَاِذَا تَكَلَّمَ اَخَذَتِ السَّمٰوٰتِ مِنْهُ رَجْفَةٌ. اَوْقَالَ رَعْدَةٌ شَدِيْدَةٌ مِّنْ خَوْفِ اللّٰهِ تَعَالٰى فَاِذَا سَمِعَ بِذٰلِكَ اَهْلُ السَّمٰوٰتِ صُعِقُوْا وَخَرُّوْا لِلّٰهِ سُجَّدًا فَيَكُوْنُ اَوَّلَ مَنْ يَّرْفَعُ رَاْسَهٗ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَيُكَلِّمُهُ اللّٰهُ مِنْ وَّحْيِهٖ مَا اَرَادَ فَيَمْضِيْ بِهٖ جِبْرِيْلُ عَلَى الْمَلَائِكَةِ كُلَّمَا مَرَّ بِسَمَاءٍ سَاَلَهٗ مَلَائِكَتُهَا مَاذَا قَالَ رَبُّنَا يَاجِبْرِيْلُ؟ فَيَقُوْلُ قَالَ الْحَقَّ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ فَيَقُوْلُوْنَ مِثْلَ مَا قَالَ جِبْرِيْلُ فَيَنْتَهِيْ جِبْرِيْلُ بِالْوَحْيِ حَيْثُ اَمَرَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى مِنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ [2]

نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے یہ مرفوع حدیث منقول ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی امر کی وحی فرمانا چاہتے ہیں تو وحی کے ساتھ تکلم فرماتے ہیں، جب تکلم فرمارہے ہوتے ہیں تو مارے ہیبت وخوفِ خداوندی کے آسمانوں کو لرزہ اور کپکپی لگ جاتی ہے، پھر جب آسمان والے فرشتے اس آواز کو سنتے ہیں تو بے ہوش ہوکر اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہوجاتے ہیں، پھر سب سے پہلے حضرت جرائیل امین اپنا سر سجدہ سے اُٹھاتے ہیں تو اُن کے سامنے اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی مطلوبہ وحی بیان فرماتے ہیں تو اُس وحی کو جرائیل امین لیکر فرشتوں کے پاس سے گزرتے ہیں، جس آسمان سے بھی اُن کا گزر ہوتا ہے اُسی کے فرشتے اُن سے دریافت کرتے ہیں کہ اے جرائیل! ہمارے ربّ تعالیٰ نے کیا ارشاد فرمایا ہے؟ وہ

[1] رواہ ابن شاہین فی السنۃ وابن مردویہ عن علیؓ۔ [2] الطبرانی وابن مردویہ واللفظ لہ عن النواس بن سمعان رضی اللہ عنہ۔

Marfat.com

فرماتے ہیں کہ یہ یہ حق بات ارشاد فرمائی ہے اور اُس کی ذات عالیٰ اور شان عظیم ہے، اس پر وہ سب فرشتے بھی تصدیقاً اُسی طرح کہتے ہیں جس طرح جبرائیل کہتا ہے، اس کے بعد جبرائیل امین کو آسمان یا زمین میں جہاں بھی وحی لے جانے کا حکم ہوا ہوتا ہے وہیں اُس کو لے کر پہنچ جاتے ہیں۔

قرآن کریم اللہ تعالیٰ ﷻ کی ذات وصفات کا مظہر ہے

قرآن کریم اللہ ﷻ کا کلام ہے اور ظاہر بات ہے کہ ہر کلام میں اثر ہوتا ہے، جیسا متکلم ہوتا ہے ویسے ہی اثرات اس کے کلام میں نمایاں ہوتے ہیں، قرآن کریم درحقیقت حق تعالیٰ شانہ کی ذات، اس کی صفات، اس کے کمالات اور اس کے افعال کو نمایاں کرتا ہے، جو شخص خیال کرتا ہو کہ میں اللہ ﷻ کو آنکھوں سے دیکھ لوں تو وہ دِل کی آنکھوں سے قرآن کریم کی تلاوت کرے تو حق تعالیٰ نظر آجائیں گے۔

زیب النساء عالمگیر کی بیٹی تھی اور بہت بڑی شاعرہ بھی تھی، جب دربار میں مشاعرے ہوتے تو اس کا کلام بھی پڑھا جاتا تھا اور بڑے بڑے شعراء بڑی توجہ سے سنتے تھے اور کلام بھی اس کا بہت عالی ہوتا تھا، عالمگیر کا ایک درباری شخص عاقل خاں نامی تھا اس کی زبان سے یہ لفظ نکلا: کاش! میں زیب النساء کو دیکھ لیتا، اس لئے کہ کسی کا اچھا کلام سن کر دیکھنے کو طبعاً دِل چاہتا ہے، تو عاقل خاں نے یہ تمنا ظاہر کی کہ کاش کوئی ایسی صورت ہوتی کہ میں زیب النساء کو دیکھتا، مقولہ پہنچ گیا زیب انساء کو، مگر وہ شاہی دور تھا، بڑا سخت پردہ ہوتا تھا، اس لئے زیب النساء کو دیکھنے کی تو کوئی صورت ممکن نہ تھی، زیب النساء نے اس تمنا کے جواب میں ایک شعر لکھ کر بھیج دیا، اس نے لکھا:

در سخن مخفی صنم چوں بوئے گل در برگ گل
ہر کہ از من میل دارد در سخن بیند مرا

کہ میں اپنے کلام میں اس طرح چھپی ہوئی ہوں جیسے گلاب کی پنکھڑیوں میں خوشبو چھپی ہوئی ہوتی ہے، تو جن کا دل مجھے دیکھنے کو چاہے وہ میرا کلام پڑھ لے، اس

Marfat.com

کلام میں، میں نظر آجاؤں گی، میرے جتنے قلبی جذبات ہیں اور قلبی خیالات ہیں، وہ سب میرے کلام سے نمایاں ہوجائیں گے۔

یہی صورت یہاں ہے کہ جو اللہ جل جلالہ کو دیکھنا چاہے وہ اس کا کلام پڑھ لے۔

عبادت کا مقصد دیدارِ الٰہی ہے

کون سا بندہ ایسا ہے جس کے دل میں اللہ جل جلالہ کو دیکھنے کی تمنا نہیں ہے، ساری عبادتیں ہی اس لئے کرتے ہیں کہ اس کو دیکھ لیں اور یہ کوئی محض طبعی تمنا نہیں ہے بلکہ شرعی تمنا بھی ہے، یعنی شریعت نے بھی یہی ہدایت کی ہے، فرمایا گیا ہے:

اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ [1]

"اللہ کی عبادت اس طرح کرو جیسے تم اپنی آنکھوں سے اس کو دیکھ رہے ہو، اگر یہ صورت نہیں تو کم از کم یہ یقین رکھو کہ اللہ جل جلالہ تم کو دیکھ رہا ہے"۔

یہ جو دیکھنے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ عبادت کی ہی جاتی ہے دیکھنے کے لئے کہ معبود کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں، یہ تمنا ہر شخص کے دل میں ہے، نماز کے ذریعہ دیکھنے کی مشق کرائی جاتی ہے، حدیث شریف میں ہے کہ جب آدمی نماز کیلئے کھڑا ہوتا ہے تو ظاہر میں اس کی نظر ہوتی ہے چٹائی کے اوپر اور حقیقت میں نظر ہوتی ہے اللہ جل جلالہ کے چہرے پر، لیکن آج نمازی کو محسوس نہیں ہو رہا ہے کہ میں اللہ جل جلالہ کا چہرہ دیکھ رہا ہوں، مگر جب قلب میں جمتے جمتے اخیر وقت آئے گا اور تھوڑی عمر اسی تصور میں گزر جائے گی تو اچانک وہ جلوہ نگاہ کے سامنے آجائے گا جس کی تمنا میں آدمی عبادت کیا کرتا تھا۔

تو عبادت کی ہی جاتی ہے دیکھنے کے لئے، مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ عابد و معبود کا آمنا سامنا ہوجائے تو اس حدیث میں اس کی تدبیر بتلائی کہ دل میں تصور یہ باندھے کہ میں اللہ جل جلالہ کے سامنے حاضر ہوں، اس کے چہرہ

---

[1] صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۵۰۔

Marfat.com

پر میری نگاہ ہے، میں اس کو دیکھ رہا ہوں، پھر اس کے ساتھ کلام اللہ کی تلاوت ہوتی ہے۔ نماز میں اس سے حق تعالیٰ شانہ کے اوصاف و کمالات ظاہر ہوتے ہیں۔

اہلِ محشر کے مختلف گروہ

حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ قیامت کے دِن کچھ پارٹیاں بنادی جائیں گی مختلف اوصاف کے لحاظ سے، ان میں کچھ وہ ہوں گے جن کے پاس اعمالِ سیئہ ہیں، ان میں جو عمل غالب ہوگا اسی اعتبار سے وہ گروہ بنائے جائیں گے، مثلاً معاذ اللہ زانیوں کا ایک گروہ ہوگا، چوروں کا ایک گروہ ہوگا، اسی لحاظ سے اور دوسری پارٹیاں ہوں گی۔

اور کچھ لوگ وہ ہوں گے جو اللہ کے پسندیدہ اور محبوب ہیں، ان میں جو عمل سب اعمال میں غالب ہوگا اس کے اعتبار سے جماعت بندی کردی جائے گی، مثلاً جس شخص کو اپنے اعمال میں نماز سے زیادہ شغف رہا ہے اس کو نمازیوں کی جماعت میں شامل کردیا جائے گا اور جس کو روزہ سے زیادہ شغف رہا ہے اس کو روزے داروں کی جماعت میں شامل کردیا جائے گا، جس میں صدقات کا غلبہ تھا اس کی ویسی ہی جماعت بنادی جائے گی اور ہر جماعت لاکھوں اور کروڑوں کی تعداد میں ہوگی، جس میں بھی جو وصف اور عمل غالب رہا ہے اسی انداز سے ان کی جماعتیں بنادی جائیں گی۔

میدانِ محشر میں علماء کا مقام و مرتبہ

اسی طرح سے دنیا میں جو اہلِ مصیبت گزرے ہیں ان کی جماعتیں الگ ہوں گی، مثلاً نابینا جتنے ہیں ان کی ایک جماعت کی جائے گی، آدم علیہ السلام کی اولاد میں جتنے نابینا گزرے ہیں وہ سب ایک جماعت میں ہوں گے اور ان کا امام بنایا جائے گا حضرت شعیب علیہ السلام کو، آخری عمر میں ان کی بینائی زائل ہوگئی تھی، ان کے ہاتھ میں ایک سفید جھنڈا ہوگا، وہ بجلی کی طرح چمکتا ہوگا، حق تعالیٰ ان اندھوں سے خطاب کرکے فرمائیں گے کہ میں نے دنیا میں تمہاری آنکھیں چھین لی تھیں، ایک بڑی نعمت سے تمہیں محروم کردیا تھا، مگر تم نے صبر کیا، کوئی

Marfat.com

جزع وفزع نہیں کیا، آج تم کھلی آنکھوں ہو اور یہ حضرت شعیب علیہ السلام نورانی جھنڈا لئے جا رہے ہیں، اب تم میرے چہرے اور جمال کو دیکھتے رہو، ابدالآباد تک تمہاری بینائی آج کھول دی گئی اور فرمایا جائے گا کہ یمینِ عرش (عرش کی دائیں جانب) میں آکر قیام کرو، تم ہمارے مہمان ہو۔

ان کے سامنے نعمتیں رکھی جائیں گی، اللہ جل جلالہ کا کتنا بڑا احسان ہوگا کہ میدانِ محشر بپا ہے، مخلوق کا حساب کتاب ہو رہا ہے اور یہ نابینا لوگ کھلی ہوئی آنکھیں اور اللہ جل جلالہ کے یہاں مہمان ہوں گے اور نعمتیں استعمال کر رہے ہوں گے، تو جب ان نابینا حضرات کی جماعت اس شان سے آئے گی اور حق تعالیٰ ان سے کلام فرما کر مہمان بنائیں گے ٹھیک اسی وقت میں علماء کی جماعت آگے بڑھے گی اور علماء کہیں گے کہ ہماری ہی تلقین سے اور ہمارے ہی بتلانے سے انہوں نے صبر کیا، ہمیں کوئی پوچھتا نہیں اور ان اندھوں کو یمینِ عرش میں جگہ دے دی گئی، حق تعالیٰ ان نابینا حضرات سے فرمائیں گے کہ انہیں کہنے دو، تم آؤ یمینِ عرش میں (عرش کی دائیں جانب) نعمتوں میں ہو گے، علماء وہیں کھڑے رہیں گے۔

اس کے بعد بلایا جائے گا ان کو جو جزام کے مرض میں مبتلا تھے کہ دنیا والوں نے ان کو اچھوت بنا دیا تھا، محشر کے دن ان کے بدن چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتے ہوں گے اور حضرت ایوب علیہ السلام کو ان کا امام بنایا جائے گا، اور ان کو سبز جھنڈا دیا جائے گا کیونکہ انہوں نے بہت تکلیفیں اُٹھائیں اور بہت بیماریاں سہیں، حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ تم بھی یمینِ عرش میں آجاؤ، پھر علماء ابھریں گے کہ ہمارے ہی کہنے سے تو انہوں نے صبر کیا اور دل میں تسکین پیدا ہوئی اور ہمیں کوئی پوچھتا نہیں، اندھوں کو بھی بٹھلا دیا اور کوڑھیوں کو بھی بٹھلا دیا اور ہمیں کوئی پوچھتا نہیں، حق تعالیٰ فرمائیں گے کہنے دو تم ان علماء کو، تم آگے چلو، اسی طرح سے اہل مصیبت کا معاملہ ہوگا۔

جب یہ سب نمٹ جائیں گے پھر حق تعالیٰ علماء کو خطاب فرمائیں گے کہ کیا تم صرف نعمتیں ہی حاصل کرنا چاہتے ہو؟ کیا تم اسی لئے پیدا کئے گئے تھے کہ صرف اپنی ذات کا ہی نفع ڈھونڈو؟ نہیں، بلکہ تم دنیا کی

Marfat.com

ہدایت کے لئے بھیجے گئے تھے، یہاں کھڑے ہو کر لوگوں کی شفاعت کرو، جب سب کو بخشوا لو گے تب تم آگے بڑھنا، تم اپنے کام کے لئے نہیں پیدا کئے گئے بلکہ دنیا کے کاموں کے لئے پیدا کئے گئے تھے کہ دنیا کے انسانوں کو نفع پہنچاؤ۔

اس وقت ان کا رُتبہ ظاہر ہوگا، وہ شفاعتیں کریں گے اور لاکھوں آدمی ان کی شفاعت کی بدولت بخشے جائیں گے۔ رب العالمین فرمائیں گے کہ اب تم نے اپنا کام پورا کیا ہے، دنیا میں ہدایت کی محنت کی، یہاں شفاعت کی، تم یہ چاہتے تھے کہ تمہیں کوئی عہدہ مل جائے، کوئی نعمت مل جائے، یہ تمہارا کام نہیں تھا، تمہارا کام یہ تھا کہ دنیا کو سب کچھ ملے اور تم الگ کھڑے رہو، اس کے بعد تمہیں اجر ملے۔

تو بہر حال یہ جو یمین عرش میں جائیں گے یہی ہیں وہ جنہیں اللہ جل جلالہ کے پہلو میں جگہ مل جائے گی کہ دنیا میں انہوں نے اللہ جل جلالہ کو عقیدہ کی آنکھ سے دیکھا تھا، قبر میں اس کے جلوے دیکھے، میدان محشر میں اُس کی تجلی دیکھی اور آخر میں جا کر یمینِ عرش میں مل جائیں گے، ان کو حق تعالیٰ کا انتہائی قرب حاصل ہوگا۔

فصیح و وسیع اور منضبط و پُر شوکت کلام

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ. اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ [1]

یہ اُس کتاب کی آیتیں ہیں جو حق واضح کرنے والی ہے، ہم نے اس کو ایسا قرآن بنا کر اتارا ہے جو عربی زبان میں ہے، تا کہ تم سمجھ سکو۔

عربی زبان جو تمام زبانوں میں زیادہ فصیح و وسیع اور منضبط و پُر شوکت زبان ہے، نزول قرآن کے لئے منتخب کی گئی، جب خود پیغمبر عربی ہیں تو ظاہر ہے کہ دنیا میں اُس کے اولین مخاطب عرب ہوں گے، پھر عرب کے ذریعہ سے چاروں طرف یہ روشنی پھیلے گی، اسی کی طرف لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ میں ارشاد فرمایا کہ تمہاری زبان میں

---

[1] یوسف۔

Marfat.com

اُتارنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ تم جو پیغمبر علیہ السلام کی قوم ہو اوّل اُس کے علوم و معارف کا مزہ چکھو پھر دوسروں کو چکھاؤ، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

اُنْزِلَ اَشْرَفُ الْكُتُبِ بِاَشْرَفِ اللُّغَاتِ عَلٰى اَشْرَفِ الرُّسُلِ بِسِفَارَةِ اَشْرَفِ الْمَلَائِكَةِ وَكَانَ ذٰلِكَ فِي اَشْرَفِ بُقَاعِ الْاَرْضِ وَابْتِدَاءُ اِنْزَالِهٖ فِي اَشْرَفِ شُهُوْرِ السَّنَةِ وَهُوَ رَمَضَانُ فَكَمُلَ مِنْ كُلِّ الْوُجُوْهِ

تمام کتابوں میں سے اشرف کتاب اشرف اللغات کے ساتھ، سب رسولوں میں سے اشرف رسول پر، سب فرشتوں میں سے اشرف فرشتے کی سفارت کے ساتھ نازل کی گئی ہے، اور یہ نزول زمین کے ٹکڑوں میں سے اشرف ترین ٹکڑے میں ہوا، اور اس کے نزول کی ابتداء سال کے مہینوں میں سے اشرف ترین مہینے میں ہوئی اور وہ رمضان ہے، لہٰذا یہ کتاب تمام وجوہ سے کامل ہے۔

احسن القصص اور بے شمار حقائق

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ [1]

(اے پیغمبر!) ہم نے تم پر یہ قرآن جو وحی کے ذریعے بھیجا ہے، اس کے ذریعے ہم تمہیں ایک بہترین واقعہ سناتے ہیں، جبکہ تم اس سے پہلے اس (واقعے سے) بالکل بے خبر تھے۔

یعنی اس وحی کے ذریعہ سے جو قرآن کی صورت میں تم پر نازل ہوتی ہے، ہم ایک نہایت اچھا بیان نہایت حسین طرز میں تم کو سناتے ہیں جس سے اب تک اپنی قوم کی طرح تم بھی بے خبر تھے، گویہ واقعہ (یوسف علیہ السلام

[1] یوسف۔

Marfat.com

اور آپ کے بھائیوں کا) کتب تاریخ اور بائبل میں پہلے سے مذکور تھا مگر محض ایک افسانہ کی صورت میں تھا، قرآن کریم نے اُس کے ضروری اور مفید اجزاء کو ایسی عجیب ترتیب اور بلیغ و موثر انداز میں بیان فرمایا جس نے نہ صرف پہلے تذکرہ نویسوں کی کوتاہیوں پر مطلع کیا بلکہ موقع بہ موقع نہایت ہی اعلیٰ نتائج کی طرف رہنمائی کی اور قصہ کے ضمن میں علوم وہدایات کے ابواب مفتوح کر دیئے۔

یہ بات کہ خداوند قدوس کی تقدیر کو کوئی چیز نہیں روک سکتی، اور اللہ تعالیٰ جب کسی پر فضل کرنا چاہے تو سارا جہان مل کر بھی اپنی ساری امکانی تدابیر سے اسے محروم نہیں کر سکتا، صبر و استقامت دنیوی و اخروی کامیابی کی کلید (کنجی) ہے، حسد و عداوت کا انجام خُذلان و نقصان کے سوا کچھ نہیں، عقل انسانی بڑا شریف جوہر ہے جس کی بدولت آدمی بہت سی مشکلات پر غالب آتا اور اپنی زندگی کو کامیاب بنالیتا ہے، اخلاقی شرافت اور پاکدامنی انسان کو دشمنوں اور حاسدوں کی نظر میں بھی آخر کار معزز بنا دیتی ہے، یہ اور اس قسم کے بے شمار حقائق ہیں جن پر اس احسن القصص کے ضمن میں متنبہ فرمایا ہے۔

فائدہ عظیمہ

مفسرین نے سورۂ یوسف کے شانِ نزول میں کئی روایتیں نقل کی ہیں، سب کے ملانے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہود نے مشرکین مکہ کے ذریعہ سے امتحاناً یہ سوال کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اُن کی اولاد تو شام میں رہتی تھی، پھر ''بنی اسرائیل'' مصر میں کیسے پہنچ گئے جو موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے مقابلہ کی نوبت آئی، شاید مسلمانوں کو بھی ایک مفصل تاریخی واقعہ جو بصائر و عبر سے بھرا ہوا ہو، سننے کا اشتیاق ہوا ہوگا، ادھر اس قصہ کے ضمن میں جن احوال و حوادث کا تذکرہ ہونیوالا تھا، وہ کسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی قوم کے حالات سے مشابہت رکھتے تھے، اور اُن کا ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں موجب تسکین خاطر اور آپ کی قوم کے حق میں موجب عبرت تھا، ان وجوہ سے یہ پورا واقعہ کافی بسط و تفصیل سے قرآن کریم میں بیان فرمایا، تاکہ پوچھنے والوں کو معلوم ہو جائے کہ اسرائیل (یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام) اور اُن کی اولاد کے شام سے مصر آنے کا

Marfat.com

سبب حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ ہوا ہے، پھر وہیں اُن کی نسل پھیلی اور بڑھتی رہی تا آنکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آکر فرعون اور قبطیوں کی غلامی سے انہیں نجات دلائی۔

عظیم الشان وجلیل القدر کتاب

الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۙ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ [1]

یہ وہ کتاب ہے جس کی آیتوں کو (دلائل سے) مضبوط کیا گیا ہے، پھر ایک ایسی ذات کی طرف سے اُن کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جو حکمت کی مالک اور ہر بات سے باخبر ہے، (یہ کتاب پیغمبر کو حکم دیتی ہے کہ وہ لوگوں سے یہ کہیں کہ) اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، میں اس کی طرف سے تمہیں آگاہ کرنے والا اور خوشخبری سنانے والا ہوں۔

یہ قرآن کریم وہ عظیم الشان اور جلیل القدر کتاب ہے جس کی آیتیں لفظی و معنوی ہر حیثیت سے نہایت جچی تلی ہیں، نہ اُن میں تناقض ہے نہ کوئی مضمون حکمت یا واقع کے خلاف ہے، نہ باعتبار معجزانہ فصاحت و بلاغت کے ایک حرف پر نکتہ چینی ہوسکتی ہے، جس مضمون کو جس عبارت میں ادا کیا ہے محال ہے کہ اُس سے بہتر تعبیر ہوسکے، الفاظ کی قبا معانی کی قامت پر ذرا بھی نہ ڈھیلی ہے نہ تنگ، جن اصول و فروع، اخلاق و اعمال اور قیمتی پند و نصیحت پر یہ آیات مشتمل ہیں، اور جو دلائل و براہین اثباتِ دعاوی کے لئے استعمال کی گئی ہیں، وہ سب علم و حکمت کے کانٹے میں تلی ہوئی ہیں، قرآنی حقائق و دلائل ایسی مضبوط و محکم ہیں کہ زمانہ کتنی ہی پلٹیاں کھائے اُن کے بدلنے یا غلط ہونے کا کوئی امکان نہیں، عالم کے مزاج کی پوری تشخیص کرکے اور قیامت تک پیش آنے والے تغیرات و حوادث کو من کل الوجوہ جانچ تول کر ایسی معتدل اور ابدی غذائے روح، مائدہ قرآنی کے ذریعہ سے پیش کی گئی ہے جو تناول کرنے والوں کے لئے ہر وقت اور ہر حالت میں مناسب و ملائم ہو۔

---

[1] سورۃ ھود۔

Marfat.com

ان تمام حکیمانہ خوبیوں کے باوجود یہ نہیں کہ اجمال وابہام کی وجہ سے کتاب معمہ اور چیستان بن کر رہ جاتی بلکہ معاش و معاد کی تمام مہمات کو خوب کھول کر سمجھایا ہے اور موقع بموقع دلائل توحید، احکام، مواعظ، قصص، ہر چیز بڑی خوبصورتی اور قرینہ سے الگ الگ رکھی ہے، اور تمام ضروریات کا کافی تفصیل سے بیان ہوا ہے۔

نزولی حیثیت میں بھی یہ حکمت مرعی رہی ہے کہ پورا قرآن ایک دم نہیں اتارا، بلکہ وقتاً فوقتاً موقع و مصلحت کے لحاظ سے علیحدہ علیحدہ آیات کا نزول ہوتا رہا، قرآن میں ان تمام باریکیوں کو مجتمع دیکھ کر آدمی حیران ہو جاتا ہے مگر حیرت کی کوئی وجہ نہیں، اگر حکیم مطلق اور خبیر برحق کے کلام میں سب حکمتیں اور خوبیاں جمع نہ ہونگی تو اور کس کلام میں توقع کی جاسکتی ہے۔

وسعتِ قلبی اور قساوتِ قلبی

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ [1]

بھلا جس کا سینہ کھول دیا اللہ تعالیٰ نے دینِ اسلام کے لئے، پس وہ شخص روشنی میں ہے اپنے رب کی طرف سے، پس خرابی ہے اُن لوگوں کے لئے جن کے دل سخت ہیں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے، یہی لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔

شرح کے لفظی معنی کھولنے، پھیلانے اور وسیع کرنے کے ہیں، شرح صدر کے معنی وسعت قلب کے ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ قلب میں اس کی استعداد موجود ہو کہ وہ تکوینی آیاتِ الٰہیہ، آسمان و زمین اور خود اپنی پیدائش وغیرہ میں غور کر کے عبرت اور فوائد حاصل کرے، اسی طرح جو آیاتِ الٰہیہ بصورت کتاب و احکام نازل کی جاتی ہیں اُن میں غور کر کے استفادہ کر سکے، اس کا بالمقابل دل تنگی اور قساوتِ قلب ہے، قرآن کریم کی ایک آیت يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا اور اس جگہ لِلْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ اسی شرح صدر کے بالمقابل آیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب یہ آیت اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ

[1] زمر:۲۲۔

صَدْرَہٗ تلاوت فرمائی تو ہم نے آپ سے شرح صدر کا مطلب پوچھا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب نور ایمان انسان کے قلب میں داخل ہوتا ہے تو اس کا قلب وسیع ہو جاتا ہے (جس سے احکام الٰہیہ کا سمجھنا اور عمل کرنا اس کے لئے آسان ہو جاتا ہے) ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس (شرح صدر) کی علامت کیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

اَلْاِنَابَۃُ اِلٰی دَارِ الْخُلُوْدِ وَالتَّجَافِیْ عَنْ دَارِ الْغُرُوْرِ وَالتَّاَھُّبُ لِلْمَوْتِ قَبْلَ نُزُوْلِہٖ [1]

ہمیشہ رہنے والے گھر کی طرف راغب اور مائل ہونا اور دھوکے کے گھر یعنی دنیا (کی لذائذ اور زینت) سے دور رہنا اور موت کے آنے سے پہلے اس کی تیاری کرنا۔

آیت مذکورہ کو حرفِ استفہام اَفَمَنْ سے شروع کیا گیا جس کا مفہوم یہ ہے کہ کیا ایسا شخص جس کا دل اسلام کے لئے کھول دیا گیا ہو، اور وہ اپنے ربّ کی طرف سے آئے ہوئے نور پر ہے، یعنی اس کی روشنی میں سب کام کرتا ہے، اور وہ آدمی جو دل تنگ اور سخت دِل ہو، کہیں برابر ہو سکتے ہیں؟

قرآن ہی احسن الحدیث اور احسن الکلام ہے

اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ کِتٰبًا مُّتَشَابِھًا مَّثَانِیَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْہُ جُلُوْدُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّھُمْ ۚ ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُوْدُھُمْ وَقُلُوْبُھُمْ اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ ۭ ذٰلِکَ ھُدَی اللّٰہِ یَھْدِیْ بِہٖ مَنْ یَّشَاۗءُ ۭ وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰہُ فَمَا لَہٗ مِنْ ھَادٍ [2]

اللہ تعالیٰ نے اتاری ہے بہترین بات، کتاب آپس میں ملتی جلتی، دہرائی جاتی ہے، رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اس سے ان لوگوں کے چمڑوں سے جو ڈرتے ہیں اپنے رب سے، پھر نرم ہو جاتے ہیں چمڑے ان کے اور ان کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف، یہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے، ہدایت دیتا ہے اس کے ذریعے جس کو چاہتا ہے۔

سورۂ زمر کی آیت نمبر ۱۸ میں اللہ کے مقبول بندوں کا یہ حال ذکر کیا گیا ہے یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ

[1] رواہ الحاکم فی المستدرک والبیہقی فی شعب الایمان، تفسیر روح المعانی۔ [2] زمر: ۲۳۔

Marfat.com

اَحۡسَنَهٗ کہ جب وہ قرآن سنتے ہیں تو اس کی اچھی باتوں کی پیروی کرتے ہیں، اور اس آیت میں بتلا دیا کہ پورا قرآن ہی احسن الحدیث ہے، حدیث کے لفظی معنی اس کلام یا قصے کے ہیں جو بیان کیا جاتا ہے، قرآن کو احسن الحدیث فرمانے کا حاصل یہ ہے کہ انسان جو کچھ کہتا بولتا ہے اس سب میں احسن الکلام قرآن ہے، تو گویا قرآن ہی احسن الحدیث اور احسن الکلام ہے۔

فائدہ

مذکورہ بالا آیت میں قرآن مجید کی چند صفات ذکر فرمائی گئی ہیں:

۱۔ کِتَابًا مُّتَشَابِهًا: متشابہ سے مراد اس جگہ متماثل ہے، یعنی مضامین قرآنیہ ایک دوسرے سے مربوط اور مماثل ہیں کہ ایک آیت کی تشریح و تصدیق دوسری آیت سے ہو جاتی ہے، اس کلام میں تضاد و تعارض کا نام نہیں ہے۔

۲۔ دوسری صفت مثانی ہے جو مثنیٰ کی جمع ہے جس کے معنی مکرر کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم میں ایک مضمون کو ذہن نشین کرنے کے لئے بار بار دہرایا جاتا ہے۔

۳۔ تیسری صفت یہ بیان فرمائی کہ تَقۡشَعِرُّ مِنۡهُ جُلُوۡدُ الَّذِیۡنَ یَخۡشَوۡنَ رَبَّهُمۡ یعنی اللہ کی عظمت سے متاثر ہو کر ڈرنے والوں کا قرآن پڑھ کر خشیت و ہیبت کا یہ عالم ہوتا ہے کہ اُن کے بدن پر بال کھڑے ہو جاتے ہیں۔

۴۔ چوتھی صفت یہ ہے کہ ثُمَّ تَلِیۡنُ جُلُوۡدُهُمۡ وَقُلُوۡبُهُمۡ اِلٰی ذِكۡرِ اللّٰهِ یعنی تلاوت قرآن کا اثر کبھی عذاب کی وعید سُن کر یہ ہوتا ہے کہ بدن کے بال کھڑے ہو جاتے ہیں اور کبھی رحمت و مغفرت کی آیات سن کر یہ حال ہوتا ہے کہ بدن اور قلب سب اللہ کی یاد میں نرم ہو جاتے ہیں۔

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

كَانَ اَصۡحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ اِذَا قُرِءَ عَلَيۡهِمُ الۡقُرۡاٰنُ كَمَا نَعَتَهُمُ

Marfat.com

اللّٰہُ تَدْمَعُ اَعْیُنُھُمْ وَتَقْشَعِرُّ جُلُوْدُھُمْ [1]

''حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عام حال یہی تھا کہ جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا تو ان کی آنکھوں میں آنسو آجاتے اور بدن پر بال کھڑے ہوجاتے۔

قرآن، انقلابی کتاب ہے

قرآن مجید اللہ تبارک وتعالیٰ کا کلام ہے اور اس کا ایک عظیم معجزہ ہے، اس کی عظمت کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ یہ کتاب جس سرزمین پر نازل ہوئی، اس نے وہاں کے لوگوں کو فرشِ خاک سے اوجِ ثریا تک پہنچادیا، اس نے ان کو دنیا کی عظیم ترین طاقت بنادیا، جس نے اپنے اخلاق وکردار کا ایک جہان سے لوہا منوایا، اس لحاظ سے دیکھا جائے تو یہ ایک عظیم انقلابی کتاب ہے۔

قرآن، اللہ کی رسی ہے

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی رسی ہے جو کہ کائنات کی رُشد وہدایت کے لئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے زمین میں بھیجی ہے' سیدنا ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

كِتَابُ اللّٰهِ هُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَمْدُوْدُ مِنَ السَّمَاءِ اِلَى الْاَرْضِ [2]

''اللہ تعالیٰ کی کتاب، اللہ کی رسی ہے، جو آسمان سے زمین کی طرف پھیلی اور لٹکی ہوئی ہے۔

حضرت جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَبْشِرُوْا فَاِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ طَرَفُهٗ بِيَدِ اللّٰهِ وَطَرَفُهٗ بِاَيْدِيْكُمْ فَتَمَسَّكُوْا بِهٖ فَاِنَّكُمْ لَنْ تَهْلِكُوْا وَلَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَهٗ اَبَدًا [3]

''خوش ہوجاؤ اس قرآن کا ایک کنارہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور دوسرا کنارہ تمہارے ہاتھوں میں ہے، تم اسے مضبوطی سے تھام لو، بے شک اس کے بعد نہ تم ہلاک ہوگے اور نہ ہی گمراہ ہوگے''۔

---

[1] قرطبی۔ [2] الصحیح الجامع، رقم الحدیث: ۴۴۷۳۔ [3] الصحیح الجامع۔

Marfat.com

تجلیات الٰہی کا مرکز

کعبہ شریف پر تجلیات کا روز افزوں غلبہ ہے، تجلیات روز بروز بڑھ رہی ہیں، ۱۲۰ رحمتیں روزانہ نازل ہوتی ہیں، پھر ان سے پورے عالم میں سپلائی ہوتی ہے، مرکز تجلیات الٰہیہ خانہ کعبہ ہے، یعنی سپلائی سینٹر ہے۔ اور طواف، حقیقت میں تجلیات الٰہیہ کا طواف ہے، جتنا بندے کا تعلق اللہ تعالیٰ سے قوی ہوگا، اسی قدر رحمتوں سے حصہ پائے گا، جتنا تعلق کمزور ہوگا، اتنا رحمتوں سے حصہ کم پائے گا۔

خانہ کعبہ میں اتنی جاذبیت اور اتنی کشش ہے کہ مشرق ومغرب، شمال وجنوب چہار اطراف سے والہانہ انداز میں تکبیر پڑھتے ہوئے لوگ چلے آرہے ہیں، ہر زبان، نسل، ملک اور مسلک ومشرب کے لوگ اس کی طرف کھنچے چلے آرہے ہیں، اہل ایمان کے لئے یہ جگہ مقناطیس ہے، کہ اس کی طرف لوگوں کی رغبت ہے۔

قرآن، قرب الٰہی کا قریب ترین ذریعہ ہے

دوسری چیز اللہ کا کلام ہے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ: حق تعالیٰ شانہ کا قرب کسی چیز سے اتنا حاصل نہیں ہوتا، جتنا کہ قرآن مجید سے حاصل ہوسکتا ہے، یہ کلام اللہ تعالیٰ سے نکلا ہوا ہے، رسول اللہ ﷺ کی شان بہت رفیع ہے، بیت اللہ شریف کی شان بہت اونچی ہے مگر وہ اللہ تعالیٰ سے نہیں نکلے، مگر یہ کلام تو اللہ تعالیٰ سے نکلا ہوا ہے، یہ حبل اللہ ہے، اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی ہے، خوب مل کر اللہ تعالیٰ کی رسی مضبوطی سے تھام لو، اس رسی کے تھامنے میں کسی کا اختلاف نہیں، جتنا قرآن کریم سے تعلق مضبوط ہوگا، اتنا انسان کھچتا چلا جائے گا۔

قرآن مجید اپنا تعارف خود کراتا ہے

قرآن پاک میں یہ بات بھی عجیب پائی جاتی ہے کہ قرآن اپنا تعارف خود کرواتا ہے کہ میں کب نازل ہوا، کہاں نازل ہوا، کس پر نازل ہوا، کس نے نازل کیا، کون لیکر آیا، کس مقصد کے لئے آیا، کس زبان میں آیا، یہ ساری باتیں قرآن ہمیں خود بتاتا ہے۔

Marfat.com

جب ہم قرآن سے سوال کرتے ہیں کہ اے قران تو کس مہینہ میں نازل ہوا؟ تو قرآن جواب دیتا ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ [1]

رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا۔

قرآن تو کس رات میں نازل ہوا؟ تو قرآن جواب دیتا ہے:

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ [2]

بے شک ہم نے اُتارا اِس قرآن کو لیلۃ القدر میں۔

قرآن تو کہاں نازل ہوا؟ تو قرآن جواب دیتا ہے:

فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ [3]

پس بے شک انہوں (جبرائیل علیہ السلام) نے یہ کلام، اللہ کی اجازت سے تمہارے دل پر اُتارا ہے۔

اے قرآن تو بتا تجھے کون لیکر آیا؟ تو قرآن جواب دیتا ہے:

قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ [4]

فرمادیجئے کہ یہ (قرآن) تو روح القدس (یعنی جبرائیل علیہ السلام) لے کر آئے ہیں۔

اے قرآن تُو بتا روح القدس کون ہے؟ تو قرآن جواب دیتا ہے:

ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ، مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ [5]

(روح القدس) بڑی طاقت والا ہے، عرش والے کے پاس عزت پانے والا ہے، اس کی اطاعت کی جاتی ہے، وہاں بڑا امین ہے۔

اے قرآن تو بتا کس کی طرف سے نازل ہوا؟ تو قرآن جواب دیتا ہے:

---

[1] البقرۃ:۱۸۵۔ [2] القدر۔ [3] البقرۃ:۹۷۔ [4] النحل:۱۰۲۔ [5] التکویر:۲۰،۲۱۔

Marfat.com

تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ، تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ [1]

(یہ قرآن) اتارا ہوا ہے ربُّ العالمین کی طرف سے، اتارا ہوا ہے رحمٰن کی طرف سے، رحیم کی طرف سے۔

اے قرآن تو بتا کس شخصیت پر آیا؟ تو قرآن جواب دیتا ہے:

نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ [2]

کہ قرآن اتارا گیا ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر، اور وہ حق ہے اُنکے ربّ کی طرف سے۔

اے قرآن تو بتا کس مقصد کے لئے نازل ہوا؟ تو قرآن جواب دیتا ہے:

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ [3]

اور ہم وہ قرآن نازل کر رہے ہیں جو مومنوں کے لئے شفا اور رحمت کا سامان ہے۔

اے قرآن تو بتا تیری زبان کون سی ہے؟ تو قرآن جواب دیتا ہے:

بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ [4]

ایسی عربی زبان میں اترا ہے جو پیغام کو واضح کر دینے والی ہے۔

اے قرآن تو بتا تیرا نام کیا ہے؟ تو قرآن جواب دیتا ہے:

بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ [5] بلکہ یہ قرآن ہے بڑی بزرگی والا۔

اے قرآن تو بتا پہلے کہاں رہا؟ تو قرآن جواب دیتا ہے:

فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ [6] لوحِ محفوظ میں ہے۔

اے قرآن تو بتا جس پر تو نازل ہوا اس کا نام کیا ہے؟ تو قرآن جواب دیتا ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ [7] محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، جو اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔

اے قرآن بتا جس پر تو نازل ہوا اس کا کام کیا تھا؟ تو قرآن جواب دیتا ہے:

---

[1] حم السجدہ:۲۔ [2] محمد:۲۔ [3] بنی اسرائیل:۸۲۔ [4] الشعراء:۱۹۵۔ [5] البروج:۲۱۔ [6] البروج:۲۲۔ [7] الفتح:۲۹۔

Marfat.com

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا، وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ
سِرَاجًا مُّنِيْرًا [۱]

اے نبی! بے شک ہم نے بھیجا ہے آپ کو گواہی دینے والا، اور خوشخبری سنانے والا، اور ڈرانے والا، اور دعوت دینے والا اللہ تعالیٰ کی طرف اس کے حکم کے ساتھ، اور چراغ روشنی پہنچانے والا (بنا کر)۔

اوصافِ قرآن

قرآن ہدایت ہے، قرآن خود کہتا ہے: هُدًى لِّلنَّاسِ [۲]

قرآن رحمت اور شفاء ہے، قرآن خود کہتا ہے: وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ [۳]

قرآن بشارت ہے، قرآن خود کہتا ہے: لِيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ [۴]

قرآن نور اور برہان ہے، قرآن خود کہتا ہے: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا [۵]

قرآن حکمت والی کتاب ہے، قرآن خود کہتا ہے: الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ [۶]

قرآن بشیر و نذیر ہے، قرآن خود کہتا ہے: بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ [۷]

قرآن فرقان ہے، قرآن خود کہتا ہے: هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ [۸]

---

[۱] الاحزاب:۴۵،۴۶۔ [۲] آل عمران:۴۔ [۳] بنی اسرائیل:۸۲۔ [۴] الاحقاف۔ [۵] النساء:۱۷۴۔ [۶] یونس:۱۔ [۷] حم السجدہ:۴۔ [۸] البقرۃ:۱۸۵

Marfat.com

قرآن مفصل ہے، قرآن خود کہتا ہے: وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ [1]

قرآن، نور اور ہدایت کا منبع ومصدر ہے

سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَمَّا بَعْدُ! اَلَا اَيُّهَا النَّاسُ ، فَاِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ يُوْشِكُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ رَسُوْلُ رَبِّيْ فَاُجِيْبَ ، وَاَنَا تَارِكٌ فِيْكُمْ ثَقَلَيْنِ: اَوَّلُهُمَا كِتَابُ اللّٰهِ فِيْهِ الْهُدٰى وَالنُّوْرُ، مَنِ اسْتَمْسَكَ بِهٖ وَاَخَذَ بِهٖ كَانَ عَلَى الْهُدٰى ، وَمَنْ اَخْطَاَ ضَلَّ ، فَخُذُوْا بِكِتَابِ اللّٰهِ وَاسْتَمْسِكُوْا بِهٖ... الحدیث [2]

”خبردار اے لوگو! میں ایک بشر ہوں، قریب ہے کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کا فرشتہ آئے اور میں اس پیغام پر لبیک کہتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے جاملوں، اور میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں، جن میں سے پہلی اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید ہے، جس میں ہدایت اور نور ہے، جس نے اسے تھام لیا اور اس پر عمل کیا وہ ہدایت پر رہے گا اور جو اس سے ہٹ گیا وہ گمراہ ہوگا۔ چنانچہ تم اللہ کی کتاب کو لے لو اور اسے مضبوطی سے تھام لو“۔

قرآن کا باطن، جنت

اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کی آیات میں یہ کمال اور خصوصیت رکھی ہے کہ وہ جب تک عالم آب و گل میں موجود ہے خزانہ علم وعرفان ہے، پڑھنے پڑھانے کی چیز ہے اور جب ان کو آخرت کا پانی لگے گا تو یہی حروف و الفاظ گل وگلزار میں تبدیل ہو جائیں گے، دنیا میں جو الفاظ اپنے تلاوت کرنے والوں کے لئے سرمایہ سکون و راحت تھے اور انہیں علم وعرفان کی دنیا کی سیر کراتے تھے، وہی الفاظ اب ان کے لئے جنت نگاہ، باغ و بہار اور لعل وجواہر کی صورت میں ظاہر ہو کر آخرت کی زندگی کو پُر بہار اور گہوارۂ شادمانی ومسرت بنا دیں گے۔

---

[1] الاعراف: ۵۲۔ [2] صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۲۴۰۸، صحیح الجامع، رقم الحدیث: ۱۳۵۱۔

Marfat.com

انہیں میں سے نہریں پھوٹیں گی، یہی حروف حور و قصور کی شکل میں ظاہر ہوں گے، ہوسکتا ہے ان حروف کے نقطے ہی وہاں لعل و جواہر، موتی وغیرہ کی شکل اختیار کرلیں، یہاں ان کی شکل آیات کی ہے وہاں باغ و بہار میں تبدیل ہوجائیں گی، نعمتوں کے رُوپ میں ڈھل جائیں گی۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جنت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ممبر بچھایا جائے گا اور آپ اس پر تشریف فرما ہوکر قرآن کریم کی اوّل سے آخر تک تلاوت فرمائیں گے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک کے جن لوگوں کو قرآن نہیں پہنچا، باحسرت و یاس کہیں گے کہ کاش دنیا میں ہم کو یہ کتاب ملی ہوتی، یہ تو بہت ہی عجیب و غریب کتاب ہے، اس کے اندر تو عجیب خزانے بھرے ہوئے ہیں۔

تو دنیا میں الفاظِ قرآنی کی تلاوت کرنے، اس کے معانی کو سمجھنے سے دل پر جو روحانی کیفیات و اثرات طاری ہوتے تھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آج کی تلاوت سے سب مُجَسّم شکل میں سامنے آجائیں گے اور معلوم ہوگا کہ قرآن تو اتنا بڑا اور عظیم الشان باغ ہے، جس نے پورے عالم کائنات کا احاطہ کر رکھا ہے اور اس میں سدا بہار پھولوں اور رنگ برنگ بوٹوں کی دنیا آباد ہے، جن کی مہک بے مثال ہے۔ اس حقیقت کو عیاں دیکھ کر خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حیران ہوں گے کہ قرآن کا یہ رُخ تو ہم نے بھی نہیں دیکھا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روحانیت سے ، تلاوت قرآن کی کیفیات سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قلوب پُر رہتے تھے، لیکن ان کیفیات کو آج جس شکل میں وہ مُجَسّم دیکھ رہے ہیں اس سے دنیا میں وہ واقف نہ ہوسکے تھے۔

جلوۂ حق کی موجودگی کے ساتھ تمام انبیاء و ملائکہ علیہم السلام اور تمام اُمتوں کے اجتماع میں جب قرآنی حقائق مُجَسّم ہوکر سامنے آئیں گے تو حیرانگی کا عجیب عالم ہوگا، سارے لوگ گُنگ ہوں گے، جن کو یہ نعمت نہیں ملی ان کو حسرت ہوگی اور جن کو یہ نعمت ملی ان کو افسوس ہوگا کہ ہم کتنی بڑی نعمت سے بے خبر رہے اور اس کو پس پشت ڈال کر کتنا بڑا خسارہ اور محرومیاں سمیٹتے رہے۔

Marfat.com

لوحِ محفوظ میں ہر حرف، کوہِ قاف کے برابر ہے

لوحِ محفوظ میں قرآن کریم کا ہر حرف ''کوہِ قاف'' کے برابر جلی اور موٹا لکھا ہوا ہے اور ہر حرف کے نیچے اتنے معانی وحقائق ہیں کہ سوائے ذات خداوندی کے کوئی اُن کا احاطہ نہیں کرسکتا ہے۔[1]

لبید بن ربیعہ رضی اللہ عنہ نے حفظِ قرآن کے بعد شعروشاعری کو بالکل ترک کردیا

جب دنیا میں نورِ نبوت ظاہر ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبائل کو اسلام کی دعوت دی تو لبید بن ربیعہ عامری رضی اللہ عنہ بھی اپنے قبیلہ کے ہمراہ دربارِ نبوی میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے، نہایت پاکباز انسان بنے، قرآن پاک حفظ کیا اور شعروشاعری کو بالکل ترک کردیا، فرمایا کرتے تھے کہ اب ہمارے لئے شاعری کے بجائے قرآن کافی ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُن سے فرمایا اَنْشِدْنِیْ مِنْ شِعْرِكَ اپنے کچھ اشعار سناؤ تو انہوں نے سورۂ بقرہ کی تلاوت کی اور کہا! اب میں شعر نہیں کہہ سکتا کیونکہ حق تعالیٰ نے مجھے سورۂ بقرہ سکھادی ہے، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دو ہزار کے عطیہ میں پانچ سو کا اضافہ کردیا۔[2]

لبید رضی اللہ عنہ نے كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ کے مضمون کو اِن دو شعروں میں منظوم کیا ہے جن کی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت تحسین وتصویب فرمائی کہ یہ اشعار انتہائی سچی بات پر مشتمل ہیں، وہ یہ ہیں:

اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَّا خَلَا اللهَ بَاطِلُ ... وَ كُلُّ نَعِيْمٍ لَّا مُحَالَةَ زَائِلُ

خبردار! اللہ کے سوا ہر چیز باطل ہے، اور ہر نعمت ضرور زوال پذیر ہے۔

نَعِيْمُكَ فِي الدُّنْيَا غُرُوْرٌ وَّ حَسْرَةٌ ... وَعَيْشُكَ فِي الدُّنْيَا مُحَالٌ وَّ بَاطِلُ

دُنیا میں تیری نعمتیں محض دھوکا اور افسوس ہیں، اور دنیا میں تیری جاودانی زندگی ناممکن اور باطل محض ہے۔

سبحان اللہ! کیا عمدہ کلام ہے، فَلِلّٰهِ دَرُّهٗ۔

---

[1] البرہان للزرکشی، ج:۱، ص:۳۲۳-[2] ظفر المحصلین باحوال المصنفین، ص:۲۴۹۔

Marfat.com

فضیلتِ قرآن کے بارے میں ایک جامع حدیث

عَنِ الْحَارِثِ الْاَعْوَرِ قَالَ مَرَرْتُ فِي الْمَسْجِدِ فَإِذَا النَّاسُ يَخُوْضُوْنَ فِي الْاَحَادِيْثِ فَدَخَلْتُ عَلٰى عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَاَخْبَرْتُهُ فَقَالَ اَوَقَدْ فَعَلُوْهَا؟ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ اَمَا اِنِّي سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَلَا اِنَّهَا سَتَكُوْنُ فِتْنَةٌ قُلْتُ مَا الْمَخْرَجُ مِنْهَا يَارَسُوْلَ اللهِ! قَالَ: كِتَابُ اللهِ، فِيْهِ نَبَأُ مَاقَبْلَكُمْ، وَخَبَرُ مَا بَعْدَكُمْ، وَحُكْمُ مَا بَيْنَكُمْ، هُوَ الْفَصْلُ لَيْسَ بِالْهَزْلِ، مَنْ تَرَكَهُ مِنْ جَبَّارٍ قَصَمَهُ اللهُ، وَمَنِ ابْتَغَى الْهُدٰى فِي غَيْرِهِ اَضَلَّهُ اللهُ، وَهُوَ حَبْلُ اللهِ الْمَتِيْنُ، وَهُوَ الذِّكْرُ الْحَكِيْمُ، وَهُوَ الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِيْمُ، هُوَ الَّذِي لَا تَزِيْغُ بِهِ الْاَهْوَاءُ، وَلَا تَلْتَبِسُ بِهِ الْاَلْسِنَةُ، وَلَا يَشْبَعُ مِنْهُ الْعُلَمَاءُ، وَلَا يَخْلَقُ عَلٰى كَثْرَةِ الرَّدِّ، وَلَا يَنْقَضِي عَجَائِبُهُ، هُوَ الَّذِي لَمْ تَنْتَهِ الْجِنُّ اِذَا سَمِعَتْهُ حَتّٰى قَالُوْا: اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا، يَّهْدِيْ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ. مَنْ قَالَ بِهٖ صَدَقَ، وَمَنْ عَمِلَ بِهٖ اُجِرَ، وَمَنْ حَكَمَ بِهٖ عَدَلَ، وَمَنْ دَعَا اِلَيْهِ هُدٰى اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ خُذْهَا اِلَيْكَ يَا اَعْوَرُ - [1]

حارث اعور رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ میرا مسجد سے گزر ہوا تو اچانک دیکھا کہ کچھ لوگ لغویات میں مشغول اور بعض مسائل میں جھگڑا کر رہے ہیں، میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور اس بات کی آپ کو خبر دی، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا واقعی وہ ایسی باتیں کر رہے ہیں؟ میں نے کہا جی ہاں! فرمایا سنو! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے:

خبردار رہو! عنقریب فتنہ وفساد برپا ہوگا، میں نے عرض کیا اس فتنہ سے ذریعہ نجات کیا ہو

[1] ترمذی، دارمی، مشکوۃ المصابیح، ج:۱، ص:۱۸۶۔

Marfat.com

گا؟ فرمایا اللہ کی کتاب! اس میں تم سے پہلی باتوں کے حالات ہیں، تم سے بعد ہونے والی باتوں کی خبر ہے اور تمہارے آپس کے معاملات کا فیصلہ ہے، اور یہ ایک اٹل بات ہے، دل لگی نہیں، جو سرکش اس کو چھوڑ دے گا اللہ اس کی کمر توڑ دے گا اور جو کوئی اسے چھوڑ کر کسی اور بات کو ذریعہ ہدایت بنائے گا اللہ اُسے گمراہ کر دے گا۔

یہ اللہ کی مضبوط رسّی ہے، حکمتوں سے بھرپور یاد دہانی ہے، یہی بالکل سیدھی راہ ہے، اس کے ہوتے ہوئے خواہشات ٹیڑھی اور بے راہ نہیں ہوتیں اور زبانیں گڈمڈ نہیں ہوسکتیں (بلکہ سب بیک زبان اسی کے موافق قول اختیار کریں گے)۔ اہل علم کا دل کبھی اس سے سیر نہیں ہوتا، بار بار دُہرانے سے وہ کبھی پرانا محسوس نہیں ہوتا، اس کے عجائبات کبھی ختم نہ ہوں گے، یہ وہی کلام ہے جسے سنتے ہی جنات پکار اُٹھے تھے کہ بلاشبہ ہم نے عجیب وغریب قرآن سنا ہے جو ہدایت کی طرف رہنمائی کرتا ہے، لہٰذا ہم اس پر ایمان لاتے ہیں۔

جس نے اس کی سند پر کوئی بات کہی سچ بات کہی، جس نے اس پر عمل کیا ماجور ہوا، جس نے اس کی بنیاد پر فیصلہ کیا اسنے انصاف کیا، جس نے اس کی طرف دعوت دی اس نے سیدھی راہ کی طرف رہنمائی کی۔ اے اعور! ان باتوں کو گرہ میں باندھ لو۔

قرآن کے ایک حرف پر دس نیکیاں

یہ کلام پاک ایسا ہے کہ اس کے ایک ایک حرف پر دس نیکیاں ملتی ہیں، ''شیطان'' کا نام اچھا ہے کہ بُرا؟ برے کا نام برا ہوتا ہے! لیکن قرآنِ کریم میں بھی شیطان کا نام آتا ہے، ''ش، ی، ط، ا، ن'' شیطان کا نام لینے پر پچاس نیکیاں ملتی ہیں، تو جب قرآن کریم میں یہ نام آتا ہے تو اس کے ادا کرنے پر پچاس نیکیاں ہیں۔ ''فرعون'' نام کے پانچ حرف ہیں: ''ف، ر، ع، و، ن'' قرآن کریم میں یہ نام آتا ہے تو اس کے ادا کرنے سے پچاس نیکیاں ہیں۔ فرعون اپنی جگہ بدبخت ہے، شیطان اپنی جگہ بدبخت ہے، مگر جب اس پاک کلام میں نام

Marfat.com

آ گیا تو اس کو پڑھتے ہوئے جب کوئی "فرعون" کا لفظ بولے گا تو اس کو پچاس نیکیاں ملیں گی، کتنی بڑی اس کی عظمت ہے! کتنی بڑی اس کی قیمت ہے!

قرآن کریم سے محبت

اور پھر اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے اپنی رحمت سے اپنے بندوں کے دلوں میں اس کی محبت ڈال دی، قرآن کریم سے مسلمانوں کو جتنی محبت ہے ایسی کسی اور کتاب سے نہیں، اور نہ ایسی کسی قوم کو اپنی کتاب سے ہے، گھروں میں قرآن کریم ہوتے ہیں، اچھے سے اچھے غلاف میں ان کو لپیٹ کر رکھتے ہیں، ادب کی جگہ رکھتے ہیں، اونچی جگہ رکھتے ہیں، ان کی طرف پیٹھ نہیں کرتے۔ ہمارے ایک عزیز ہیں، بزرگ ہیں، وہ حافظ قرآن کی طرف پیٹھ نہیں کرتے کہ اس کے سینے میں قرآن ہے۔ مسلمانوں کو قرآن کریم سے ایسی محبت ہے کہ اس کی کوئی مثال نہیں، اور یہ محبت اللہ تعالیٰ نے ڈالی ہے، پھر اس محبت کے بھی درجات مختلف ہیں، جتنا اللہ تعالیٰ کی ذاتِ عالی سے کسی کو تعلق ہوگا اتنا ہی اس کے کلام سے تعلق ہوگا، جتنا ایمان قوی ہوگا، جتنا یقین قوی ہوگا، اتنی ہی حق تعالیٰ شانہٗ سے محبت زیادہ ہوگی، اور اتنا ہی کلامِ پاک سے تعلق ہوگا، کلامِ پاک سے محبت ہوگی۔ چنانچہ ہر مسلمان تھوڑا بہت قرآن تو پڑھ ہی لیتا ہے، اور نہ ہو تو "قُلْ هُوَ اللّٰهُ" (سورۂ اخلاص) ہی سہی۔

سورۃ الفاتحہ اور قل ھو اللہ شریف تو ہر مسلمان کو یاد ہوتی ہے، ایک مسئلہ یاد رکھو، وہ یہ کہ چار سنتیں ہم پڑھتے ہیں تو ان چار سنتوں میں الگ الگ سورۃ پڑھنی چاہئے، اس لئے کم سے کم چھوٹی چار سورتیں تو یاد ہوں، ہمارے مسلمان بھائی بڑی کوتاہی کرتے ہیں، صرف "قل ھو اللہ" یاد رہتی ہے، وہ بھی صحیح یاد نہیں ہوتی، اس کی بھی تصحیح نہیں کرتے، اوّل تو ہر مسلمان کو آخری پاؤ یاد ہونا چاہئے، جس میں چھوٹی سورتیں ہیں، اتنا تو ہر مسلمان کو یاد ہونا چاہئے اور اتنا نہ ہو تو چلو دس سورتیں یاد ہوں، اَلَمْ تَرَ کَیْفَ سے وَالنَّاسِ تک۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

اِنَّ الَّذِیْ لَیْسَ فِیْ جَوْفِهٖ شَیْءٌ مِّنَ الْقُرْاٰنِ کَالْبَیْتِ الْخَرِبِ [1]

---

[1] مشکوٰۃ، ص:۱۸۶۔

''وہ شخص جس کے دل میں قرآن کریم کا کچھ حصہ نہ ہو وہ ایسا ہے جیسے ویران گھر''۔

گویا جس طرح مکان بغیر مکین کے بے آباد ہے، اسی طرح آدمی کا دل بغیر قرآن کے ویران ہے۔ مشہور ہے کہ جس گھر میں کوئی نہ رہتا ہو، بند پڑا ہوا ہو، وہاں جن بھوت رہنے لگتے ہیں، تو جس مؤمن کے دل میں قرآنِ کریم نہ ہو اس میں جن بھوت رہیں گے، وہاں پھر شیاطین کا ڈیرہ ہوگا، کچھ نہ کچھ حصہ تو ہر مسلمان کو یاد ہوتا ہے اور ہونا چاہئے۔

قرآن مجید کا معلم و متعلّم پوری کائنات سے افضل ہے

قرآن مجید ایک ایسی بابرکت کتاب ہے کہ جس کا تعلق اس سے جڑ جائے وہ بھی اس تعلق کی بدولت بابرکت اور برگزیدہ بن جاتا ہے، چنانچہ حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ [1]

''تم میں بہترین وہ ہے جو قرآن کی تعلیم لے اور اس کی تعلیم دے''۔

صحیح بخاری کی ایک روایت میں فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

إِنَّ أَفْضَلَكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ [2]

''بے شک تم میں افضل ترین شخص وہ ہے جو قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرے اور اس کی تعلیم دے''۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُكُمْ مَّنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ. وَاَخَذَ بِيَدِيْ فَاَقْعَدَنِيْ فِيْ مَجْلِسِ اُقْرِئُ [3]

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تم میں سے بہترین وہ شخص ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے''، یہ فرما کر میرا ہاتھ پکڑا اور ایک مکتب میں مجھے قرآن شریف پڑھانے کے

---

[1] صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۵۰۲۷، جامع الترمذی، رقم الحدیث: ۲۹۰۹۔ [2] صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۵۰۲۸۔ [3] اخلاق حملۃ القرآن۔

Marfat.com

لئے بٹھادیا''۔

گویاہر قرآنی مدرسہ آپ ﷺ کا افتتاح فرمودہ ہے جس میں آپ ﷺ کے دستِ اقدس کی برکات کارفرما ہیں، سبحان اللہ!۔

فوائدِ عظیمہ

۱۔ حضرت ابوعبدالرحمٰن سُلَمی کے بارے میں آتا ہے:

اَقْرَاَ اَبُوْعَبْدِ الرَّحْمٰنِ فِیْ اِمْرَةِ عُثْمَانَ حَتّٰی کَانَ الْحَجَّاجُ قَالَ وَذَاكَ الَّذِیْ اَقْعَدَنِیْ مَقْعَدِیْ هٰذَا [1]

''یعنی ابوعبدالرحمٰن سلمی نے خلافتِ عثمان رضی اللہ عنہ کے آخری ایام سے لے کر حجاج کے شروع دور تک قرآن مجید پڑھایا ہے، اور یوں فرماتے تھے کہ مجھے اسی حدیث نے (جامع مسجد کوفہ کے) اس مقام پر تعلیم قرآن کیلئے بٹھارکھا ہے''۔

خلافتِ عثمان رضی اللہ عنہ کے اخیر سے ولایتِ حجاج کے شروع تک اڑتیس سال کا عرصہ ہے، اور شروع خلافتِ عثمان رضی اللہ عنہ سے اخیر ولایتِ حجاج تک بہتر (۷۲) برس کا عرصہ ہے۔[2]

۲۔ چونکہ بہترین کلام، کلامِ الٰہی ہے، اس بناء پر انبیاء علیہم السلام کے بعد بہترین لوگ بھی وہی ہیں جو قرآن سیکھتے سکھلاتے ہیں، لیکن یہ ضروری ہے کہ یہ سیکھنا سکھلانا خلوص نیت سے محض رضاالٰہی ہی کے لئے ہو، ریاکے طور پر نہ ہو۔[3]

۳۔ ایسا شخص جو قرآن سیکھتا بھی ہے اور سکھلاتا بھی ہے دو کمالات کا جامع ہے کہ خود بھی نفع حاصل کر رہا ہے اور آگے دوسروں کو بھی نفع پہنچارہا ہے، اس لئے اس کو افضل و بہترین قرار دیا ہے۔[4]

شبہ

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قاری مُقرِی کا درجہ فقیہ اور عالم سے زیادہ ہے۔

[1] بخاری، کتاب فضائل القرآن باب خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ [2] فتح الباری، ج:۹،ص:۶۵-۷ [3] شرح طیبی علی المشکوٰۃ، ج:۴،ص:۲۱۵۔ [4] ابن حجر

Marfat.com

جواب

وہ خالص قاری مقری جو قرآن کا معنی بالکل نہ سمجھتا ہو، اس کا درجہ ہرگز فقیہ اور عالم سے زیادہ نہیں بلکہ اسکے مقابلہ میں فقیہ و عالم افضل ہے، کیونکہ خَيْرُكُمْ مَّنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ کے مخاطبین حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے، جو اہل زبان ہونے کی وجہ سے ذاتی ملکہ وسلیقہ سے قرآن کے معانی، بعد کے زمانہ کے اُس عالم سے بھی زیادہ سمجھتے تھے جو کسی مدرسہ کا فاضل وسند یافتہ ہو، لہٰذا یہاں وہی حضرات مراد ہیں جو معانی قرآن بھی سمجھتے ہوں، ان میں سب سے افضل وہ ہے جو باوجود علم وفضل کے صرف قرآن پاک ہی کے پڑھنے پڑھانے میں مشغول ہو۔ [1]

دوسرا جواب

خَيْرُكُمْ مَّنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ جس طرح قراء مقرئین کو شامل ہے اسی طرح علماء، فقہاء، محدِّثین بھی اس کے مصداق میں داخل ہیں، کیونکہ وہ حضرات بھی علومِ قرآن ہی کے پڑھنے پڑھانے میں مشغول ہیں، لہٰذا یہ سبھی حضرات افضل وخیر الناس ہیں۔

قرآن ہر فتنے کا علاج ہے

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَلَا اِنَّهَا سَتَكُوْنُ فِتْنَةٌ. فَقُلْتُ: مَا الْمَخْرَجُ مِنْهَا يَارَسُوْلَ اللهِ؟ قَالَ: كِتَابُ اللهِ، فِيْهِ نَبَأُ مَا كَانَ قَبْلَكُمْ، وَخَبَرُ مَا بَعْدَكُمْ [2]

”خبردار عنقریب فتنہ برپا ہوگا، تو میں نے پوچھا کہ فتنے سے بچ نکلنے کی صورت کیا ہوگی؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی کتاب کو تھامنا، کیونکہ اس میں پہلوں کی خبریں بھی ہیں اور بعد والوں کی بھی“۔

---

[1] ابن حجر، فتح الباری، ج:۹، ص:۷۶۵۔ [2] جامع الترمذی، رقم الحدیث:۲۹۰۶۔

Marfat.com

ان فتنوں سے بچ نکلنے، رضائے الٰہی کو پانے اور اصل منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے قرآن کو تھام لیں، اس سے رہنمائی حاصل کریں، ان شاء اللہ کامیاب ہو جاؤ گے۔

ہر مسلمان پر اللہ کا حق

مَا مِنْ مُّؤْمِنٍ مِّنْ ذَكَرٍ وَّلَا اُنْثٰى حُرٍّ وَّلَا مَمْلُوْكٍ اِلَّا وَلِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ عَلَيْهِ حَقٌّ اَنْ يَّتَعَلَّمَ مِنَ الْقُرْاٰنِ وَيَتَفَقَّهَ فِيْ دِيْنِهٖ ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْاٰيَةَ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ [1]

''ہر مومن مرد و عورت پر، آزاد ہو خواہ غلام، یہ اللہ عزوجل کا حق ہے کہ وہ کچھ قرآن پاک سیکھے اور اسکے دین میں (یا اپنی دینداری میں) فقاہت پیدا کرے۔ پھر حضور اقدس ﷺ نے (یا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے) یہ آیت پڑھی: وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ [2] (مگر یہ کہ تم علماء اور فقہاء اللہ کے تابعدار بن جاؤ)۔

قرآن کو مضبوطی سے پکڑنے والا کبھی گمراہ نہیں ہوسکتا

عَنْ مَالِكِ بْنِ اَنَسٍ مُرْسَلًا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرَكْتُ فِيْكُمْ اَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابُ اللّٰهِ وَسُنَّةُ رَسُوْلِهٖ۔ [3]

حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ سے صحابی کا واسطہ حذف کر کے منقول ہے کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑتا ہوں، جب تک ان دونوں کو تم لوگ مضبوط پکڑے رہو گے ہرگز گمراہی میں نہ پڑو گے۔ ایک کتاب اللہ، دوسری اس کے رسول ﷺ کی حدیثِ مبارک۔

---

[1] رواہ ابن عباس رضی اللہ عنہ مرفوعاً، تفسیر قرطبی، ج:۴، ص:۹۷۔ [2] آل عمران:۷۹۔ [3] رواہ فی الموطا، مشکوٰۃ المصابیح، ج:۱، ص:۳۱۔

Marfat.com

عمل کرنے والے اہلِ قرآن کے حق میں قرآن کی سفارش

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلَاثٌ تَحْتَ الْعَرْشِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ . اَلْقُرْاٰنُ يُحَاجُّ الْعِبَادَ . لَهٗ ظَهْرٌ وَّبَطْنٌ، وَالْاَمَانَةُ وَالرَّحِمُ تُنَادِيْ اَلَا مَنْ وَّصَلَنِيْ وَصَلَهُ اللهُ وَمَنْ قَطَعَنِيْ قَطَعَهُ اللهُ [1]

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ تین چیزیں قیامت کے دن عرش کے نیچے ہوں گی: ایک کلام پاک، بندوں سے اور بندوں کی طرف سے جھگڑے گا، قرآن پاک کیلئے ظاہر ہے اور باطن ہے، دوسری چیز امانت ہے، اور تیسری رشتہ داری جو پکارے گی خبردار! جس شخص نے مجھ کو جوڑا، اللہ اس کو اپنی رحمت سے ملادے، اور جس نے مجھ کو توڑا، اللہ اپنی رحمت سے اُس کو جُدا کردے۔

فائدہ: قرآن مجید کے جھگڑنے کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے اس کی رعایت کی، اس کا حق ادا کیا اور اس پر عمل کیا، اُن کی طرف سے تو دربارِ حق سبحانہٗ وتعالیٰ میں قرآن کریم اصرار کے ساتھ سفارش کرے گا، ان کے درجات بلند کرائے گا، لیکن جن لوگوں نے اس کی حق تلفی کی ہے اُن سے اس بارے میں مطالبہ کرے گا کہ میری کیا رعایت کی، میرا کیا حق ادا کیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

قرآن مجید بہترین سفارشی ہے

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَلْقُرْاٰنُ شَافِعٌ مُشَفَّعٌ، وَمَاحِلٌ مُصَدَّقٌ، مَنْ جَعَلَهٗ اَمَامَهٗ قَادَهٗ اِلَى الْجَنَّةِ، وَمَنْ جَعَلَهٗ خَلْفَهٗ سَاقَهٗ اِلَى النَّارِ [2]

''قرآن مجید ایسا سفارشی ہے جس کی سفارش قبول ہوگی اور ایسا دعوے دار ہے کہ جس کے دعوے کی تصدیق کی جائے گی، جو اسے اپنا امام بنائے گا (زندگی کے تمام معاملات

---

[1] رواہ فی شرح السنۃ۔ فضائل قرآن۔ [2] صحیح الجامع، رقم الحدیث: ۴۴۴۳۔

Marfat.com

میں مقدم رکھے گا) اسے یہ جنت میں لے جائے گا اور جس نے اسے اپنے پیچھے رکھا اسے جہنم میں کھینچ کر لے جائے گا"۔

امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

يُنَاشِدُ فِي اِرْضَائِهِ لِحَبِيْبِهِ وَ اَجْدِرْ بِهِ سُؤْلًا اِلَيْهِ مُوَصَّلًا

"قرآن مجید اپنے دوست کے لئے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے میں ضد کرے گا (کہ اس کو بخش دے) اور قرآن مجید کے ایک کامیاب مطلوب ہونے کا کیا کہنا ہے!"۔

قرآن مجید کی بابت امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں:

وَ خَيْرُ جَلِيْسٍ لَا يُمَلُّ حَدِيْثُهُ وَ تَرْدَادُهُ يَزْدَادُ فِيْهِ تَجَمُّلًا

"قرآن مجید بہترین ہم نشیں ہے، جس کی باتوں میں کبھی اُکتاہٹ نہیں ہوتی، اس کا بار بار ورد اس کے جمال میں اضافے کا باعث ہوتا ہے"۔

وَ حَيْثُ الْفَتٰى يَرْتَاعُ فِي ظُلُمَاتِهِ مِنَ الْقَبْرِ يَلْقَاهُ سَنًا مُتَهَلِّلًا

"اور جب قبر کی تاریکیوں میں جوان بے چین ہوگا تو یہ قرآن مسرور وشاداب اور روشنی کا مینار بن کر اسے ملے گا"۔

هُنَالِكَ يَهْنِيْهِ مَقِيْلًا وَ رَوْضَةً وَ مِنْ اَجْلِهِ فِي ذِرْوَةِ الْعِزِّ يُجْتَلَا

"قرآن مجید قاری کو مبارکباد دے گا، کیونکہ قبر آرام گاہ اور باغ بن جائے گی اور یہ قاری قرآن اسی کی وجہ سے عزت کی بلندیوں پر دیکھا جائے گا"۔

فضائل قرآن کے متعلق اقوالِ صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ

۱۔ اگر تمہارے دل پاک صاف ہو جائیں تو تمہیں اپنے ربّ کے کلام سے کبھی بھی سیری حاصل نہ ہو۔ [1]

۲۔ قرآن سیکھو اور آگے اپنے بیٹوں کو سکھاؤ، کیونکہ اسی کے متعلق تم سے باز پرس ہوگی اور اسی کے ذریعہ

[1] حضرت عثمان رضی اللہ عنہ۔

Marfat.com

تمہیں جزاء ملے گی، اور ذی عقل کو وعظ و نصیحت کیلئے قرآن ہی کافی ووافی ہے۔ [1]

۳۔ عَنِ الصِّدِّيْقِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ فَرَاٰى اَنَّ اَحَدًا اُعْطِيَ اَفْضَلَ مِمَّا اُعْطِيَ فَقَدْ عَظَّمَ صَغِيْرًا وَّصَغَّرَ عَظِيْمًا [2]

''جس نے قرآن پڑھا اور پھر یہ خیال کیا کہ کسی کو اُس سے بھی بہتر چیز دی گئی ہے تو اس نے چھوٹی چیز کو بڑا اور بڑی چیز کو چھوٹا بنا دیا''۔

۴۔ قَالَ عَلِيُّ الْاَزْدِيُّ: اَرَدْتُ الْجِهَادَ فَقَالَ لِي ابْنُ عَبَّاسٍ رَّضِيَ اللهُ عَنْهُمَا هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى مَا هُوَ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْجِهَادِ فَتَاْتِيْ مَسْجِدًا فَتُقْرِئُ فِيْهِ الْقُرْاٰنَ وَتُعَلِّمُ فِيْهِ الْفِقْهَ [3]

''علی ازدی کہتے ہیں میں نے جہاد کا ارادہ کیا تو مجھ سے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتادوں جو جہاد سے بھی افضل ہو، وہ یہ کہ تم مسجد میں جاؤ اور وہاں قرآن پاک پڑھاؤ اور فقہ کی تعلیم دو''۔

۵۔ عَنْ عَبْدِ الْحَمِيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْحِمَانِيِّ سَاَلْتُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيَّ عَنِ الرَّجُلِ يَغْزُوْ اَحَبُّ اِلَيْكَ اَوْ يُقْرِئُ الْقُرْاٰنَ فَقَالَ يُقْرِئُ الْقُرْاٰنَ. لِاَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَيْرُكُمْ مَّنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ [4]

عبدالحمید بن عبدالرحمٰن حمانی کہتے ہیں میں نے سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ جو شخص جہاد کرتا ہے وہ آپ کو زیادہ محبوب ہے یا وہ جو قرآن پڑھاتا ہے۔ فرمایا وہ جو قرآن پڑھاتا ہے، کیونکہ ارشادِ نبوی ہے کہ تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھلائے۔

۶۔ حضرت جُندب بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ بصرہ سے واپس جانے لگے تو لوگوں نے نصیحت کی فرمائش کی، فرمایا:

❁ جو تم میں سے اس بات کی طاقت رکھے کہ اپنے پیٹ میں حلال غذا ہی داخل کرے وہ ایسا ضرور کرلے کیونکہ سب سے پہلے انسان کا پیٹ ہی بدبودار ہوتا ہے۔

[1] عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ۔ [2] شرح ملا علی القاری، رواہ الطبرانی۔ [3] ابن عباس رضی اللہ عنہ، شرح ملا علی القاری۔ [4] عبدالحمید حمانی از سفیان ثوری۔

Marfat.com

❁ اور جو اس بات کی طاقت رکھے کہ کسی مسلمان کی ایک چُلّو بھر خونریزی بھی اُس کے اور جنت کے درمیان رکاوٹ نہ بنے، وہ ایسا کرلے، کیونکہ اگر ایسا ہوا تو وہ جنت کے جس دروازے پر بھی آئے گا وہیں اُسے چلو بھر خونریزی کو اپنے اور جنت کے درمیان حائل پائے گا۔

❁ اور تم قرآن کریم کو لازم پکڑلو، کیونکہ وہ دن کی رہنمائی اور اندھیری رات کی روشنی ہے، لہٰذا ہر تکلیف و آزمائش اور فقر و فاقہ کے وقت بہر صورت قرآن مجید پر عمل کرنا۔

❁ اگر آزمائش سخت ہو تو خون سے پہلے مال پیش کرنا، اگر پھر بھی نہ ٹلے تو دین سے پہلے خون پیش کردینا، کیونکہ درحقیقت لٹا ہوا وہی ہے جس کا دین لٹ جائے۔

❁ یقیناً جنّت کے بعد کوئی فقر نہ رہے گا اور دوزخ کے بعد کوئی دولت مندی نہ رہے گی۔ یقیناً دوزخ کا قیدی کبھی چھوٹ نہیں سکتا اور دوزخی فقیر کبھی غنی نہیں ہوسکتا۔ [1]

۷۔ ابو وائل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کسی نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ آپ نفلی روزے کم رکھتے ہیں؟ فرمایا نفلی روزوں کی وجہ سے میری تلاوت میں ضُعف آجاتا ہے اور نفلی روزے کے مقابلہ میں تلاوت مجھے زیادہ محبوب ہے۔ [2]

۸۔ مَنْ حَفِظَ الْقُرْاٰنَ عَظُمَتْ حُرْمَتُهٗ وَمَنْ كَتَبَ الْحَدِيْثَ قَوِيَتْ حُجَّتُهٗ وَمَنْ طَلَبَ الْفِقْهَ نَبُهَ قَدْرُهٗ وَمَنْ نَّظَرَ فِي النَّحْوِ رَقَّ طَبْعُهٗ وَمَنْ لَّمْ يَصُنْ نَّفْسَهٗ لَمْ يَصُنْهُ الْعِلْمُ [3]

”جس نے قرآن حفظ کیا اس کی عزت بڑھ گئی اور جس نے حدیث لکھی اس کی حجت قوی ہوگئی اور جس نے فقہ طلب کی اس کی قدر بلند ہوگئی اور جس نے نحو کا مطالعہ کیا اس کی طبیعت نازک ہوگئی اور جس نے خود اپنے نفس کو گناہوں سے نہ بچایا اس کا علم اس کو ہرگز نہ بچا سکے گا“۔

۹۔ عَنْ اَبِيْ زَائِدَةَ قَالَ جِئْتُ اَبَا حَنِيْفَةَ لِاَسْاَلَهٗ عَنْ مَّسْاَلَةٍ مَعْنَى الْخَلْوَةِ فَلَمَّا صَلَّى الْعِشَاءَ وَخَرَجَ النَّاسُ قَامَ وَافْتَتَحَ الصَّلٰوةَ حَتّٰى بَلَغَ قَوْلَهٗ تَعَالٰى فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰنَا عَذَابَ

---

[1] فضائل ابی عبید ص: ۳۳۔ [2] ابن ابی شیبہ، فضائل ابی عبید ص: ۲۶۔ [3] شافعیؒ، شرح ملا علی القاری علی الشاطبیہ۔

Marfat.com

السَّمُوْمِ فَمَازَالَ يُرَدِّدُهَا حَتّٰى اَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ۔ [1]

''ابوزائدہ سے منقول ہے کہ میں ایک مرتبہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس یہ مسئلہ پوچھنے کے لئے آیا کہ خلوت کے کیا معنی ہیں؟ جب آپ نے عشاء کی نماز پڑھ لی اور لوگ مسجد سے نکل گئے تو آپ نے نفل نماز شروع کردی، حتیٰ کہ اس آیت پر پہنچے فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ [2] ''سو اللہ رب العزت نے ہم پر احسان کیا اور ہمیں لُو کے عذاب سے بچا دیا''، پوری رات اسی آیت کو دہراتے رہے حتیٰ کہ مؤذن نے فجر کی اذان دیدی''۔

کچھ احادیث ضعیفہ کے بارے میں

فضائل میں بعض اوقات ضعیف الاسناد روایات بھی بیان کی جاتی ہیں، اس لئے احادیثِ ضعیفہ کے بارے میں ایک اہم اور ضروری بات سمجھ لیں! وہ یہ کہ محدثین کے یہاں ضعیف احادیث اپنے ضُعف کی وجہ سے اگرچہ احکام، عقائد اور صفاتِ باری کے ابواب میں تو معتبر و ماخوذ نہیں، مگر فضائلِ اعمال، رجاء و خوف، ترغیب و ترہیب اور رقائق و مواعظ کے ابواب میں بلا شبہ معتبر و معمول بہا ہیں۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اِذَا جَاءَ الْحَلَالُ وَ الْحَرَامُ شَدَّدْنَا فِي الْاَسَانِيْدِ، وَ اِذَا جَاءَ التَّرْغِيْبُ وَالتَّرْهِيْبُ تَسَاهَلْنَا فِي الْاَسَانِيْدِ

''جب حلال وحرام کا معاملہ آئے گا تو ہم اسانید کے بارے میں سختی کریں گے، لیکن ترغیب وترہیب کی صورت میں اسانید کی بابت نرم روی اختیار کریں گے''۔

ابن حجر ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اِنَّ الْحَدِيْثَ الضَّعِيْفَ يُعْمَلُ بِهٖ فِيْ فَضَائِلِ الْاَعْمَالِ اِتِّفَاقًا

''یعنی فضائلِ اعمال میں ضعیف حدیث پر بالاجماع عمل کیا جاتا ہے''۔

---

[1] ابوزائدہ، شرح ملا علی القاری۔ [2] طور: ۲۷۔

Marfat.com

فضائل میں احادیثِ ضعیفہ کا حکم

محدثین عظام وفقہاء کرام نے فضائل میں جن میں سننِ عادیہ اور آپ ﷺ کے اخلاق وعادات بھی داخل ہیں، ضعیف روایات سے استناد کیا ہے اور اس پر عمل کی اجازت دی ہے، ورنہ تو دین کا وسیع باب، عمل سے خارج ہو جائے گا اور امت ایک عظیم سعادت سے محروم ہو جائے گی۔

خود فقہاء کرام وائمہ مجتہدین نے بھی اس سے استناد کیا ہے اور سنن وعبادات میں بھی اس کا اعتبار کیا ہے کہ صحاح کی تعداد اس درجہ کہاں، مگر جب کہ دوسرے طرق سے قوت پیدا ہو جائے، چنانچہ ائمہ احناف نے قیاس اور رائے کے مقابلہ میں ضعیف سے استناد کیا ہے، محدث ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے الخیرات الحسان میں اسے ذکر کیا ہے۔[۱]

تاہم وہ روایتیں جو واہی ہوں یا معتدلین ائمہ جرح وتعدیل نے اُن کے موضوع ہونے کی تصریح کی ہو، اُن پر عمل کی گنجائش نہیں، چنانچہ علامہ نووی شارحِ مسلم، الاذکار میں لکھتے ہیں:

قَالَ الْعُلَمَاءُ مِنَ الْمُحَدِّثِيْنَ وَالْفُقَهَاءِ وَغَيْرِهِمْ يَجُوْزُ وَ يُسْتَحَبُّ الْعَمَلُ فِي الْفَضَائِلِ وَ التَّرْغِيْبِ وَالتَّرْهِيْبِ بِالْحَدِيْثِ الضَّعِيْفِ مَالَمْ يَكُنْ مَّوْضُوْعًا [۲]

محدثین وفقہاء وغیرہم نے کہا ہے کہ حدیث ضعیف پر عمل کرنا فضائل، ترغیب اور ترہیب میں جائز اور مستحب ہے تاوقتیکہ موضوع نہ ہو۔

قواعد علومِ حدیث میں ہے:

فَيُعْمَلُ بِهٖ فِيْ فَضَائِلِ الْاَعْمَالِ ”فضائل میں حدیث ضعیف پر عمل کیا جائے گا“۔

صاحبِ فتح القدیر ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

اَلْاِسْتِحْبَابُ يَثْبُتُ بِالضَّعِيْفِ دُوْنَ الْمَوْضُوْعِ [۳]

”ضعیف حدیث پر عمل کرنا ثابت ہے نہ کہ موضوع پر“۔

---

[۱] قواعد علوم الحدیث، ص:۵۹۔ [۲] الاذکار، ص:۵۔ [۳] فتح، ص:۲۷۔

Marfat.com

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الملہم میں ارباب حدیث کا اس امر پر اجماع نقل کیا ہے کہ فضائل وغیرہ میں حدیث ضعیف پر عمل کرنا درست ہے۔[1] اب اس اجماع کے بعد انکار کی گنجائش کہاں! البتہ اس کی گنجائش نہیں کہ اس کے ثبوت کا اعتقاد کرے۔[2]

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ مجموعۃ الفتاویٰ میں فرماتے ہیں:

فضائل میں ضعیف حدیث پر عمل کرنے کی صورت یہ ہے کہ جب کسی عمل کے متعلق یہ معلوم ہو جائے کہ وہ کسی شرعی دلیل سے مشروع و ثابت ہے اور پھر اُس کی فضیلت کے بارے میں کوئی ایسی حدیث مروی ہو جس کے متعلق یہ معلوم نہ ہو کہ وہ جھوٹی ہے تو اس صورت میں یہ امر جائز و ممکن ہے کہ شاید وہ ثواب حق ہو، لیکن ائمہ میں سے کسی نے یہ بات قطعاً جائز قرار نہیں دی کہ کسی ضعیف حدیث کی وجہ سے کوئی چیز واجب یا مستحب قرار دیدی جائے، جس کسی نے بھی ایسا کہا ہے اُس نے یقیناً اجماع کی خلاف ورزی کی ہے۔[3]

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ ہی مجموعۃ الفتاویٰ کے ایک اور مقام پر کہتے ہیں:

''فضائل میں ضعیف حدیث پر عمل کرنے سے علماء کی مراد یہ ہے کہ اصل عمل منجملہ اُن عملوں کے ہو جن کی محبوبیت عنداللہ کسی نص یا اجماع سے ثابت ہو چکی ہو، مثلاً تلاوت قرآن، تسبیح، دعاء، صدقہ، غلام کی آزادی، لوگوں سے حسن سلوک، پس جب ایسے اعمال مستحبہ کی فضیلت اور اُن کے ثواب کے بارے میں کوئی ایسی حدیث مروی ہو گی جس کے متعلق ہم یہ نہ جانتے ہوں کہ وہ موضوع ہے تو اس صورت میں اُس حدیث کی روایت اور اس پر عمل کرنا روا ہے، بایں معنی کہ نفس اُس ثواب کی طرف للچائے گا۔ جیسے کسی آدمی کو یہ معلوم ہو کہ تجارت میں اس کو نفع ہوگا اور پھر بعد میں اس کو یہ خبر پہنچی کہ

---

[1] فتح مقدمہ، ص:۵۸۔ [2] اسوۂ حسنہ معروف بہ شمائل کبریٰ جلد اول، ص:۲۷۔ [3] مجموعۃ الفتاویٰ، ج ۱، ص:۲۵۱۔

Marfat.com

زیادہ نفع ہوگا، اب اگر یہ خبر سچی ہوگی تو اُسے نفع حاصل ہوگا لیکن اگر جھوٹی ہوئی تو اُس کا کوئی نقصان بھی نہیں۔ لہٰذا جب کوئی حدیث صدق و کذب دونوں اُمور کا احتمال رکھے گی تو اس کو روایت کیا جائے گا کیونکہ اُس کے صدق کا امکان ہے نیز اُس کے کذب کی صورت میں کوئی ضرر و نقصان بھی نہیں ہے۔ [1]

رہی منقول ثواب کی حد بندی سو نہ اُس کا ثبوت مُضر ہے اور نہ عدمِ ثبوت اور اسی قسم کی حدیث کے متعلق وہ حدیث وارد ہوئی ہے جس کو ترمذی نے روایت کیا ہے کہ "جب کسی کو اللہ جل جلالہ کی طرف سے کوئی ایسی چیز پہنچی جس میں کوئی فضیلت ہو اور پھر اس شخص نے اُس فضیلت کے شوق کی خاطر اُس چیز پر عمل کر لیا تو اللہ جل جلالہ اس کو وہ فضیلت عطا فرما دیں گے اگرچہ وہ واقع میں ویسی نہ بھی ہو"۔

ابو اسحاق شاطبی غرناطی رحمۃ اللہ علیہ الاعتصام میں فرماتے ہیں:

ائمہ نے اس بات کی بھی تصریح کی ہے کہ ترغیب و ترہیب کی حدیثوں میں روایت و نقل کے معتبر ہونے کے لئے صحتِ اسناد شرط نہیں ہے، بلکہ ان میں اگر صحت اسناد حاصل ہو جائے تو بہتر و غنیمت، ورنہ (بصورت عدم صحت سند بھی) اُس شخص پر کوئی الزام نہیں جو اُن کو نقل کرے اور اُن سے استناد و حجت پکڑے، کیونکہ کئی ائمہ نے ایسا کیا ہے، مثلاً مؤطا میں مالک نے، اپنے اپنے رقائق میں ابن مبارک و احمد بن حنبل نے، جامع الخیر میں سفیان بن عیینہ نے وغیرہ وغیرہ۔ [2]

اور جب کسی زیر بحث عمل کی اصل، اجمال و تفصیل دونوں ہی کے لحاظ سے منصوص ہو تو اُس کی صحت میں ذرا بھی اشکال نہیں ہے، مثلاً پنجگانہ فرض نمازیں، نوافلِ اسبابیہ و غیر اسبابیہ، فرض روزہ یا بطریقِ معروف شرعی نفل روزہ، جیسے یومِ عرفہ کا روزہ، ذی الحجہ کے عشرۂ اُولیٰ کے روزے یا مثلاً سورج گرہن کی نماز۔

---

[1] مجموعۃ الفتاویٰ، ج:۱۸، ص:۶۵۔ [2] الاعتصام، ج:۱، ص:۲۲۹۔

Marfat.com

پس جب اس قسم کے اعمال کے متعلق ترغیب کی یا ترکِ فرض سے خوف دلانے کی کوئی ایسی حدیثیں وارد ہوں جو نہ تو درجہ صحت کو پہنچتی ہوں اور نہ ہی شدید درجہ کی ضعیف یا بالکل ہی موضوع حدیثیں ہوں، جنہیں کوئی بھی قبول کرنے کے لئے تیار نہیں، تو اصل اعمال کے بطریقِ صحیح پایہ ثبوت تک پہنچ جانے کے بعد، اس قسم کی احادیث کا تذکرہ کرنے میں اور اُن کے ذریعہ ترغیب وترہیب کا عمل بجالانے میں ذرا بھی قباحت نہیں ہے۔

بہرصورت ہر وہ عمل جس کی ترغیب دی گئی ہو، اگر اعمال مشروعہ میں اُس کا حکم یا مرتبہ بطریق صحیح ثابت ہو جائے تو غیر صحیح حدیث کے ذریعہ بھی اس عمل کی ترغیب دینا قابل برداشت امر ہے، لیکن اگر وہ عمل صرف اُسی ضعیف حدیثِ ترغیب ہی سے ثابت ہو رہا ہو (اور اس کے علاوہ اور کسی بھی قوی حدیث سے اس کی اصل ثابت نہ ہو) تو پھر ہرگز اُس حدیث پر عمل کرنا درست نہیں، بلکہ اس صورت میں ایسی حدیث کا صحیح ہونا ہی شرط اور ضروری ولازمی قرار پائے گا۔

ایک وہم کا ازالہ

خیال رہے کہ اتباعِ سنت کے متعلق یہ نہ سوچے کہ یہ روایت ضعیف ہے، کیونکہ فضائل کے سلسلے میں محدثین وفقہاء کرام نے ضعیف روایتوں پر عمل کرنے کی اجازت دی ہے، اس میں ضعف مؤثر نہیں، ضعف کا تعلق رواۃ سے ہے، نہ کہ آپ ﷺ کی سنت سے، چنانچہ تدریب الرّاوی میں ہے:

اِذَا رَأَيْتَ حَدِيْثًا بِاِسْنَادٍ ضَعِيْفٍ فَلَكَ اَنْ تَقُوْلَ: هُوَ ضَعِيْفٌ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ وَلَا تَقُلْ ضَعِيْفُ الْمَتْنِ [1]

”یعنی جب تم کسی حدیث کو اسناد ضعیف کے ساتھ دیکھو تو تم یہ کہہ سکتے ہو کہ اس سند کے اعتبار سے یہ ضعیف ہے، لیکن یہ نہ کہو کہ یہ متن ضعیف ہے“۔

---

[1] قواعد علوم حدیث، ص:۵۸۔

Marfat.com

واقعہ عجیبہ

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

کسی محدث نے ہفتہ یا بدھ کے دن پچھنا لگوالیا تھا، اور ایک حدیث میں جو سنداً ضعیف ہے اس میں ہے کہ جو شخص ہفتہ یا بدھ کے دن پچھنا لگوائے اور اسے برص کی بیماری ہو جائے تو اپنے سوا کسی پر ملامت نہ کرے، انہوں نے ضعیف سمجھ کر پرواہ نہ کی، چنانچہ انہیں برص کی بیماری لاحق ہو گئی، وہ بہت پریشان ہوئے، خواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہوئی، انہوں نے اس برص کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تو نے کیوں ہفتہ یا بدھ کے دن پچھنا لگوایا تھا؟ انہوں نے جواب دیا کہ راوی ضعیف تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا بات تو میری نقل کر رہا تھا، انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں توبہ کرتا ہوں، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحت کی دعا فرمائی، وہ اچھے ہو گئے۔[1]

اس سے معلوم ہوا کہ کسی حدیث کو ضعف کی بنیاد پر ترک نہیں کرنا چاہئے کیونکہ خود فقہاء کرام نے بھی بسا اوقات اسے معیارِ حق تسلیم کیا ہے۔

ضعیف حدیث پر عمل کرنے کی شرائط

ضعیف حدیث پر عمل کرنے کی تین شرطیں ہیں:

۱۔ ضُعف بہت شدید وقوی نہ ہو، بلکہ محض معمولی وقابلِ تحمل ہو۔

۲۔ نفسِ عمل کی مشروعیت کتاب وسنت سے ثابت ہو۔

۳۔ بوقتِ عمل اُس عمل کے ثبوتِ قطعی کا اعتقاد نہ ہو۔

---

[1] اربعین، ص: ۶۳۔

Marfat.com

مثلاً عملِ تلاوت کا استحباب و فضل، چونکہ کتاب و سنت سے ثابت ہے لہٰذا اس کے متعلق ضِعاف احادیث کا تذکرہ کسی طرح بھی قادح نہیں۔ حاصل یہ کہ ضعیف حدیث میں حق و باطل دونوں کا احتمال ہے، لہٰذا بالجزم بطورِ سنت تو اُس پر عمل نہ کیا جائے مگر بالظن عمل کرنا بالکل درست ہے۔

فضائل میں ضِعاف کے معتبر ہونے کا راز

فضائل میں احادیثِ ضعیفہ کے معتبر ہونے کا راز یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد عالی ہے:

مَنْ بَلَغَهٗ عَنِ اللهِ فَضِيْلَةٌ فَعَمِلَ بِهَا اِيْمَانًا بِهٖ وَرَجَاءَ ثَوَابَهٗ اَعْطَاهُ اللهُ ذٰلِكَ وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ ذٰلِكَ كَذٰلِكَ [1]

”یعنی جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی فضیلت والی روایت پہنچی اور پھر اُس نے صدقِ ایمان اور طلبِ ثواب کی نیت سے اُس پر عمل کر لیا، اللہ تعالیٰ اس کو وہی ثواب عطا فرمائیں گے اگرچہ واقع میں وہ فضیلت اُس طرح نہ بھی ہو“۔

نیز احکام میں تو ضِعاف کے مقابلہ میں احادیثِ قویہ موجود ہوتی ہیں لہٰذا ان کو ترجیح ہوگی، مگر یہاں فضائل، ترغیبات اور مواعظ میں ضعاف کے مقابلہ میں اُن فضائل کے برخلاف اُن کی تردید و نفی کے لئے کوئی بھی حدیث موجود نہیں ہوتی، باوجودیکہ اصل اعمال (مثلاً تلاوتِ قرآن وغیرہ) کی نفسِ فضیلت و شرافت قطعی و یقینی طور پر ثابت بالکتاب والسنۃ ہے، گو یہ فرد واحد منجملہ احادیث کے قوی طور پر ثابت نہ ہو تو اَب کمی صرف قطعیت میں ہے نہ کہ نفسِ ثبوت میں بھی، لہٰذا ایسی فضائل والی احادیث ضعیفہ سے سنیت تو ثابت نہیں کر سکتے، البتہ فضیلت کا ثبوت ایسی احادیث سے قطعی و جزمی ہے اور چونکہ موضوع احادیث سرے سے آنحضرت ﷺ سے ثابت ہی نہیں، اس لئے اُن میں مذکور فضائل پر عمل کرنا قطعاً صحیح نہیں، کیونکہ اس سے اُن کا استناد ذات اقدس ﷺ کی طرف لازم آئے گا جس پر دوزخ میں ٹھکانہ بنا لینے کی وعید وارد ہوئی ہے، لہٰذا موضوعات سے بچنا بہت ضروری ہے۔

---

[1] فضائل القرآن لابن کثیر عن مسند ابی یعلی الموصلی بروایۃ جابرؓ۔

Marfat.com

احکام میں ضعیف حدیثوں سے استدلال کے جوابات

بعض ائمہ مجتہدین نے احکام میں بھی جو بعض ضعیف حدیثوں سے استدلال کیا ہے، اُس کے کئی جوابات ہوسکتے ہیں:

۱۔ ضعیف راوی اُن ائمہ کے بعد شامل ہوا۔

۲۔ وہ احادیث معنیٰ اور مضمون کے لحاظ سے بالکل صحیح ہوتی ہیں البتہ صرف سند میں بعض غیر قوی رُواۃ واقع ہوتے ہیں تو یہ قابلِ تحمل امر ہے۔

۳۔ وہ ضعاف، مختلف فیہ کے درجہ میں ہیں، صرف بعض طُرق کے لحاظ سے ضعیف ہیں نہ کہ جملہ طرق کے لحاظ سے بھی۔

۴۔ وہ ضعیف احادیث محض شواہد، متابعات اور مؤیدات کے درجہ میں ہوتی ہیں، اور اصل استدلال قوی و صحیح احادیث سے ہوتا ہے۔

فائدہ : البانی صاحب کا طریقہ کار

یہاں یہ بات واضح کردینا بھی ضروری ہے کہ جناب شیخ محمد ناصر الدین صاحب البانی (م ۱۴۲۰ھ) نے سلف صالحین کے انداز فکر سے ہٹ کر صحیح وضعیف احادیث کی تقسیم کا جو طریقہ کار وضع کیا ہے، وہ بھی درست نہیں، بسا اوقات وہ حسن درجہ کی روایات کو ضعیف ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، دراصل ان کے ذوق میں تشدد کا غلبہ پایا جاتا ہے، وہ کسی راوی پر معمولی جرح دیکھ کر اس پر بہت سخت حکم لگا دیتے ہیں، پھر جب کہیں انہیں ضرورت محسوس ہوتی ہے تو اپنے مذاق و مزاج کے مطابق اسی ضعیف حدیث کو قوی اور صحیح قرار دے دیتے ہیں، جسے وہ کچھ عرصہ پہلے ضعیف ثابت کر چکے ہیں، چنانچہ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی فرماتے ہیں:

"شیخ ناصر الدین البانی صاحب (اللہ ہم سب کو ہدایت عطا فرمائے) تصحیح وتضعیف کے

Marfat.com

بارے میں حجت نہیں ہیں، چنانچہ انہوں نے بخاری اور مسلم کی بعض احادیث کو ضعیف کہہ دیا، اور عجیب بات یہ ہے کہ ایک ہی حدیث کے بارے میں بڑی شدومد سے کہہ دیا کہ یہ ضعیف ہے، ناقابل اعتبار ہے، مجروح ہے، ساقط الاعتبار ہے اور پانچ سال کے بعد وہی حدیث آئی، اس پر گفتگو کرنے کیلئے کہا گیا تو کہا کہ یہ بڑی پکی اور صحیح حدیث ہے، یعنی جس حدیث پر بڑی شدومد سے نکیر کی تھی، آگے جا کر بھول گئے کہ میں نے کیا کہا تھا، تو ایسے تناقضات ایک دو نہیں، بیسیوں ہیں اور کہا جا رہا ہے کہ یہ حدیث کی تصحیح و تضعیف کے بارے میں "مجدد هذه المأة" ہیں"۔

بہر حال عالم ہیں، عالم کیلئے ثقیل لفظ استعمال نہیں کرنا چاہئے لیکن ان کے اندازِ گفتگو میں سلف صالحین کی جو بے ادبی ہے اور ان کے طریقہ تحقیق میں جو ایک رخا پن ہے، جس کے نتیجے میں صحیح حدیثوں کو بھی ضعیف قرار دیتے ہیں، اور جہاں اپنے مطلب کی بات ہوتی ہے وہاں ضعیف کو بھی صحیح قرار دیدیتے ہیں، اس لئے ان کا کوئی اعتبار نہیں، حدیث کی تصحیح و تضعیف کوئی آسان کام نہیں ہے۔

حضرات علماء کرام نے فرمایا ہے کہ چوتھی صدی ہجری کے بعد کسی آدمی کا یہ مقام نہیں ہے کہ وہ سلف کی تصحیح و تضعیف سے قطع نظر کر کے خود تصحیح و تضعیف کا حکم لگائے کہ میرے نزدیک یہ صحیح ہے اور یہ ضعیف ہے، یہاں تک کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ جیسا شخص بھی یہ نہیں کہتا کہ یہ حدیث صحیح ہے یا ضعیف ہے، بلکہ کہتا ہے کہ "رِجَالُهُ رِجَالُ الصَّحِيحِ، رِجَالُهُ ثِقَاتٌ" یہ الفاظ استعمال کرتے ہیں، اپنی طرف سے تصحیح کا حکم نہیں لگاتے، کہتے ہیں کہ میرا یہ مقام نہیں ہے کہ تصحیح کا حکم لگاؤں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆

Marfat.com

تلاوتِ قرآن کے فضائل

فرائض کے بعد تلاوتِ قرآن افضل ترین عبادت ہے

تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور علماء کا اتفاق ہے کہ فرائض کے بعد قرآن پاک کی تلاوت تمام اوراد و وظائف سے بہتر ہے۔

کثرتِ تلاوت پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دعا مبارک

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک صحابی کی قبر میں داخل ہوئے، آپ کے لئے چراغ روشن کیا گیا، آپ نے جنازہ کو قبلہ کی جانب سے پکڑا اور فرمایا رَحِمَكَ اللهُ اَنْ كُنْتَ تَلَّاءً لِّلْقُرْاٰنِ اللہ تم پر رحمت فرمائے کہ تم قرآن کی بکثرت تلاوت کرنے والے تھے۔ [1]

تلاوتِ قرآن دعا سے افضل

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید جس کو باز رکھے میری یاد سے اور مجھ سے مانگنے سے، تو میں اس کو اس چیز سے بہتر دیتا ہوں جو مانگنے والوں کو دیتا ہوں، اور کلامِ الٰہی کی بزرگی تمام کلاموں پر ایسی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کی بزرگی تمام مخلوقات پر ہے۔ [2]

فائدہ: روایت کا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص اذکار اوراد وغیرہ کو چھوڑ کر صرف قرآن مجید کو اپنا وظیفہ بنالیتا ہے اور اسی کا ہو رہتا ہے، تو یہ قرآن مجید اس کی تمام مرادوں کے بر لانے میں سب سے بہتر ہے۔ اللہ سے ہمکلامی کوئی معمولی بات نہیں ہے۔

---

[1] رواہ الترمذی۔ [2] ترمذی۔

Marfat.com

تلاوتِ قرآن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی کا شرف

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

تم میں سے جب کوئی شخص یہ چاہے کہ وہ اپنے ربّ سے مناجات اور گفتگو کرے، اس کو چاہئے کہ قرآن شریف کی تلاوت کرے۔ (وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم بندوں کی طرف خداوندی پیغام ہے گویا قاری بزبانِ حال یہ کہتا جاتا ہے اے رب! آپ نے یہ بات یوں ارشاد فرمائی اور یہ یوں، تو اس لحاظ سے گویا وہ اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی اور مناجات کا شرف حاصل کر رہا ہے)۔[1]

تلاوتِ قرآن، اللہ اور رسول سے محبت کی دلیل ہے

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ سَرَّہٗ اَنْ یُّحِبَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَلْیَقْرَاْ فِی الْمُصْحَفِ [2]

''جو شخص یہ پسند کرتا ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرے، اسے چاہئے کہ وہ قرآن مجید کی تلاوت کرے''۔

قرآن مجید کی تلاوت زمین وآسمان میں عزت کا باعث ہے

قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے کو دنیا میں بھی عزت ملتی ہے اور آسمان میں بھی اس کے لئے خوشگواری ہی ہوگی۔ سیدنا ابو سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اُوْصِیْكَ بِتَقْوَی اللّٰهِ فَاِنَّهٗ رَأْسُ كُلِّ شَیْءٍ ، وَعَلَیْكَ بِالْجِهَادِ فَاِنَّهٗ رَهْبَانِیَّةُ الْاِسْلَامِ ، وَعَلَیْكَ بِذِكْرِ اللّٰهِ وَتِلَاوَةِ الْقُرْاٰنِ ، فَاِنَّهٗ رَوْحُكَ فِی السَّمَآءِ وَ ذِكْرُكَ فِی الْاَرْضِ [3]

[1] تلاوۃ القرآن المجید، ص: ۳۸۔ [2] صحیح الجامع، رقم الحدیث: ۶۲۸۹۔ [3] صحیح الجامع، رقم الحدیث: ۲۵۴۳۔

Marfat.com

''میں تجھے تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ وہ ہر چیز کی اصل ہے، اور جہاد کرتے رہنا کیونکہ جہاد اسلام کی رہبانیت ہے، اور اللہ تعالیٰ کا ذکر اور قرآن مجید کی تلاوت کیا کر کیونکہ یہ ذکر و تلاوت تیرے لئے آسمان میں خوشگواری اور کسی وقت کی قید کے بغیر سیر کرنے اور زمین میں عزت کا باعث ہے''۔

ترکی میں چار سو سال تک مسلسل تلاوت قرآن مجید

مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم اپنے سفرنامہ ''جہانِ دیدہ'' میں لکھتے ہیں:

یوں تو دنیا کے مختلف حصوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب تبرکات پائے جاتے ہیں، لیکن مشہور یہ ہے کہ استنبول میں محفوظ یہ تبرکات زیادہ مستند ہیں، یہ تبرکات بنوعباس کے خلفاء کے پاس موجود تھے، دسویں صدی ہجری میں جب حجاز اور مصر کے علاقوں نے عثمانی سلطان سلیم اوّل کی سلطنت تسلیم کر لی اور اسے خادم الحرمین الشریفین کا منصب عطا کیا گیا تو عباسی خلیفہ المتوکل نے خلافت کا منصب بھی سلطان سلیم کو سونپ دیا، اور مقامات مقدسہ و حرمین شریفین کی کنجیاں اور تبرکات بھی بطور سند خلافت ان کے حوالہ کر دیئے۔

اس طرح سلطان سلیم دسویں صدی ہجری میں یہ تبرکات مصر سے استنبول لے آئے اور یہ اہتمام کیا کہ توپ کا پے سرائے میں ان کو محفوظ رکھنے کے لئے ایک مستقل کمرہ تعمیر کیا، سلطان کی طرف سے ان تبرکات کی قدردانی اور ان سے عشق و محبت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب تک سلطان سلیم زندہ رہے استنبول میں مقیم رہنے کے دوران اس کمرے میں خود اپنے ہاتھ سے جھاڑو دیتے اور اس کی صفائی کیا کرتے تھے، اس کے علاوہ اس کمرے میں انہوں نے حفاظ قرآن کو مقرر کیا کہ وہ چوبیس گھنٹے یہاں تلاوت کرتے رہیں، حفاظ کی ڈیوٹیاں مقرر تھیں، اور ایک جماعت کا وقت ختم ہونے سے پہلے دوسری جماعت آکر تلاوت شروع کر دیتی تھی، اس طرح یہ سلسلہ بعد کے خلفاء نے بھی جاری رکھا۔

Marfat.com

اس طرح دنیا میں شاید یہ واحد جگہ ہے جہاں چار سو سال تک مسلسل تلاوت قرآن پاک ہوتی رہی اور اس دوران ایک لمحے کے لئے بھی بند نہیں ہوئی، خلافت کے خاتمے کے بعد یہ مبارک سلسلہ بھی موقوف ہو گیا۔

قرآنی، علمی اور ذکری حلقات

قَالَ الْعَلَّامَۃُ ابْنُ رَجَبٍ الْحَنْبَلِيُّ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی: وَرَوٰی یَزِیْدُ الرَّقَاشِيُّ عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ کَانُوْا اِذَا صَلَّوُا الْغَدَاۃَ قَعَدُوْا حِلَقًا حِلَقًا یَقْرَءُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَیَتَعَلَّمُوْنَ الْفَرَائِضَ وَالسُّنَنَ وَیَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ تَعَالٰی۔ [1]

علامہ ابن رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یزید رقاشی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اُن کا یہ قول نقل کیا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب صبح کی نماز ادا فرما لیتے تو حلقہ در حلقہ ہو کر بیٹھ جایا کرتے، قرآن کریم پڑھتے، فرائض اور سنن کی تعلیم حاصل کرتے اور ذکر خداوندی کرتے۔

ایک آیت کی تلاوت عرش کے علاوہ ہر شئے سے افضل

قسم ہے مجھے اُس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، البتہ کتاب اللہ کی ایک آیت کا سننا پہاڑ کے برابر غلہ صدقہ کرنے سے زیادہ اجر رکھتا ہے اور کتاب اللہ کی ایک آیت کی تلاوت کرنا عرش کے علاوہ ہر شئے سے افضل ہے۔ [2]

تلاوت قرآن میں اللہ جل جلالہ کی طرف سے آسانی

لَوْلَا اَنَّ اللّٰہَ یَسَّرَہٗ عَلَی الْاٰدَمِیِّیْنَ مَا اسْتَطَاعَ اَحَدٌ مِّنَ الْخَلْقِ اَنْ یَّتَکَلَّمَ بِکَلَامِ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ [3]

---

[1] تلاوۃ القرآن المجید، ص:۵۹۔ [2] کنز العمال، ج:۱، ص:۵۳۵، فضائل حفظ القرآن، ص:۵۸۔ [3] اَیضًا۔

Marfat.com

''اگر اللہ تعالیٰ انسانوں کے لئے قرآن پاک کو آسان نہ فرما دیتے تو مخلوق میں سے کوئی بھی کلام اللہ کو ہرگز نہ پڑھ سکتا''۔

قرآن پاک ایسی عظیم وجلیل کتاب اور خالق کائنات کا ایسا عظیم کلام ہے کہ اگر پہاڑوں پر اترتا تو وہ اس کلام کی عظمت اور خوفِ خداوندی کی وجہ سے دب کر پھٹ جاتے، جیسا کہ فرمانِ باری ہے:

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ [1]

اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر اتارتے تو تُو دیکھ لیتا کہ وہ دب جاتا، پھٹ جاتا اللہ کے ڈر سے۔

نیز اس کلام پاک میں اتنی شدید تاثیر ہے کہ اس کے ذریعہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہل جاتے، زمین شق ہوجاتی، مردے باتیں کرنے لگ جاتے، جیسا کہ فرمان باری ہے:

وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى [2]

''اگر کوئی کتاب ایسی اتاری جاتی جس سے پہاڑ چلنے لگ جاتے یا اس سے زمین ٹکڑے ٹکڑے ہوجاتی یا اُس سے مُردے بولنے لگ جاتے تو وہ بجز اس قرآن کے اور کون سی کتاب ہوسکتی تھی''۔

نیز قرآن پاک کی توصیف میں ارشاد ہے:

اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا [3]

''یقیناً ہم آپ پر ایک وزنی بات ڈالنے والے ہیں''۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ [4]

''اور ہم نے آپ کو سات آیتیں وظیفہ کی اور بڑے درجہ کا قرآن دیا ہے''۔

لیکن اِس سب کے برعکس حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے محض اپنی خاص الخاص رحمت اور اپنے کامل ترین فضل وکرم سے قرآن پاک کے حفظ، نیز اس کی تلاوت وفہم، تدبر ومعانی، سبھی چیزوں کو اُمت کے لئے آسان فرما دیا ہے، ورنہ اگر حق سبحانہٗ وتعالیٰ اس کو آسان نہ فرما دیتے تو کوئی انسان بھی اس کا حفظ وتدبر تو کُجا صرف اُس (کے ایک

---

[1] سورۃ الحشر۔ [2] الرعد۔ [3] المزمل۔ [4] الحجر۔

Marfat.com

حرف) کی تلاوت کی بھی ہرگز سکت نہ رکھتا۔ [۱]

چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ [۲] يَعْنِيْ هَوَّنَّا قِرَاءَتَهٗ ''ہم نے قرآن کی تلاوت کو آسان کر دیا'' اَیْ سَهَّلْنَاهُ لِلْحِفْظِ وَاَعَنَّا عَلَيْهِ مَنْ اَرَادَ حِفْظَهٗ فَهَلْ مِنْ طَالِبٍ لِّحِفْظِهٖ فَيُعَانَ عَلَيْهِ ''ہم نے قرآن کو حفظ کے لئے آسان کر دیا ہے اور جو کوئی حفظ کرنا چاہے اس کی ہم مدد کرتے ہیں، تو کیا کوئی ہے اس کے حفظ کا طالب کہ اس کی اعانت و مدد کی جائے''۔ [۳]

قرأت سبعہ کے ساتھ تلاوتِ قرآن

قرآن مجید کی تلاوت قرأت سبعہ کے ساتھ جس پر اتفاق ہو گیا ہے جائز ہے، سبعہ کے علاوہ جائز نہیں، اور نہ ان روایاتِ شاذہ کے ساتھ قراءت جائز ہے جو قراء سبعہ سے منقول ہیں۔

امام نووی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمارے اصحاب نے فرمایا ہے کہ اگر شاذ قرأت کو نماز کے اندر پڑھا، اگر عالم ہے تو نماز جاتی رہے گی اور اگر جاہل ہے تو نماز باطل نہ ہوگی۔ علامہ عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمانوں کا اجماع نقل فرمایا ہے کہ قرأت شاذہ سے نماز نہ ہوگی اور جو ایسا کرے اس کے پیچھے نماز نہ ہوگی۔

قرآن کو اُمتِ محمدیہ کی آسانی کیلئے سات حروف میں نازل کیا گیا

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ عِنْدَ اَضَاةِ بَنِیْ غِفَارٍ، قَالَ: فَاَتَاهُ جِبْرِيْلُ علیہ السلام، فَقَالَ: اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكَ اَنْ تَقْرَاَ اُمَّتُكَ الْقُرْاٰنَ عَلٰى حَرْفٍ، فَقَالَ: اَسْاَلُ اللّٰهَ مُعَافَاتَهٗ وَمَغْفِرَتَهٗ، وَاِنَّ اُمَّتِیْ لَا تُطِيْقُ ذٰلِكَ، ثُمَّ اَتَاهُ الثَّانِيَةَ، فَقَالَ: اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكَ اَنْ تَقْرَاَ اُمَّتُكَ الْقُرْاٰنَ عَلٰى حَرْفَيْنِ، فَقَالَ: اَسْاَلُ اللّٰهَ

---

[۱] الکلمات الحسان، ص: ۳۹۔ [۲] القمر: ۱۷۔ [۳] قرطبی۔

مُعَافَاتَهٗ وَمَغْفِرَتَهٗ وَاِنَّ اُمَّتِیْ لَا تُطِیْقُ ذٰلِكَ، ثُمَّ جَاءَهُ الثَّالِثَةَ، فَقَالَ: اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكَ اَنْ تَقْرَاَ اُمَّتُكَ الْقُرْاٰنَ عَلٰی ثَلَاثَةِ اَحْرُفٍ، فَقَالَ: اَسْاَلُ اللّٰهَ مُعَافَاتَهٗ وَمَغْفِرَتَهٗ، وَاِنَّ اُمَّتِیْ لَا تُطِیْقُ ذٰلِكَ، ثُمَّ جَاءَهُ الرَّابِعَةَ، فَقَالَ: اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكَ اَنْ تَقْرَاَ اُمَّتُكَ الْقُرْاٰنَ عَلٰی سَبْعَةِ اَحْرُفٍ، فَاَیُّمَا حَرْفٍ قَرَءُوْا عَلَیْهِ فَقَدْ اَصَابُوْا [1]

''نبی کریم ﷺ بنو غفار کے باغیچے کے پاس تھے کہ جرائیل علیہ السلام آئے اور کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ حکم فرماتے ہیں کہ آپ اپنی اُمت کو ایک حرف پر قرآن مجید پڑھائیں، آپ ﷺ نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ سے اس کی عافیت اور مغفرت طلب کرتا ہوں، میری اُمت اس کی طاقت نہیں رکھتی''۔ تب جرائیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پاس گئے اور دوسری مرتبہ آئے اور کہنے لگے: اللہ تعالیٰ حکم فرماتے ہیں کہ اپنی امت کو دو حرفوں پر قرآن مجید پڑھائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں اللہ تعالیٰ سے اس کی عافیت و مغفرت طلب کرتا ہوں، میری امت اس کی طاقت نہیں رکھے گی''۔ پھر جرائیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پاس گئے اور تیسری مرتبہ آئے اور کہنے لگے: اللہ تعالیٰ حکم فرماتے ہیں کہ اپنی اُمت کو تین حرفوں پر پڑھائیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں اللہ تعالیٰ سے اس کی عافیت اور مغفرت طلب کرتا ہوں، میری امت اس کی طاقت نہیں رکھے گی''۔ پھر جبریل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پاس گئے اور چوتھی مرتبہ آئے اور کہنے لگے: اللہ تعالیٰ حکم فرماتے ہیں کہ اپنی امت کو سات حروف پر پڑھائیں جس حرف پر پڑھیں گے درستی کو پہنچیں گے''۔

ایک حدیث میں حضرت عبادہ بن صامت، حضرت ابوبکرہ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۸۲۱۔

Marfat.com

اَتَانِیْ جِبْرِیْلُ وَمِیْکَائِیْلُ، فَقَعَدَ جِبْرِیْلُ عَنْ یَّمِیْنِیْ وَمِیْکَائِیْلُ عَنْ یَّسَارِیْ،
فَقَالَ جِبْرِیْلُ : یَا مُحَمَّدُ اِقْرَاِ الْقُرْآنَ عَلٰی حَرْفٍ، فَقَالَ مِیْکَائِیْلُ : اِسْتَزِدْهُ،
فَقُلْتُ: زِدْنِیْ، فَقَالَ: اِقْرَأْهُ عَلٰی ثَلَاثَةِ اَحْرُفٍ، فَقَالَ مِیْکَائِیْلُ: اِسْتَزِدْهُ،
فَقُلْتُ: زِدْنِیْ کَذٰلِكَ حَتّٰی بَلَغَ سَبْعَةَ اَحْرُفٍ، فَقَالَ: اِقْرَأْهُ عَلٰی سَبْعَةِ اَحْرُفٍ،
کُلُّهَا شَافٍ کَافٍ [1]

میرے پاس جبرائیل ومیکائیل علیہما السلام آئے، جبرائیل علیہ السلام میری دائیں جانب بیٹھے اور میکائیل علیہ السلام بائیں جانب تو جبرائیل نے عرض کیا: اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! قرآن کو ایک حرف پر پڑھیے، تو میکائیل علیہ السلام نے کہا: اس سے اضافے کا مطالبہ کیجیے۔ تو میں نے کہا: اور اضافہ کریں، تو جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا: قرآن مجید کو تین حرفوں پر پڑھیے، تو میکائیل علیہ السلام نے پھر کہا: اضافہ طلب کیجیے، تو میں نے کہا: اور زیادہ کیجیے۔ اسی طرح کرتے گئے حتیٰ کہ سات حروف تک جبرائیل علیہ السلام پہنچ گئے اور عرض کرنے لگے قرآن مجید کو سات حروف پر پڑھیے، سارے حروف ہی شافی وکافی ہیں۔

حیاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ان حروف (قراءات) کو نماز میں بھی پڑھا جاتا تھا اور ہر شخص اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سکھلائے ہوئے طریقے کے مطابق ہی پڑھتا تھا۔ چنانچہ ایک حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

اَنَّهٗ سَمِعَ رَجُلًا یَقْرَأُ اٰیَةً سَمِعَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ خِلَافَهَا
فَاَخَذْتُ بِیَدِهٖ فَانْطَلَقْتُ بِهٖ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: کِلَا کُمَا
مُحْسِنٌ، فَاقْرَآ اَکْبَرُ عِلْمِیْ قَالَ: فَاِنَّ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمُ اخْتَلَفُوْا فَاَهْلَکَهُمْ۔ [2]

انہوں نے ایک آدمی کو قرآن مجید کی ایک آیت ایسے طریقے سے پڑھتے سنا جس کو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسکے خلاف سنا تھا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے اس کا ہاتھ پکڑا

---

[1] مسند احمد، ج:۵،ص:۱۱۴۔ [2] صحیح البخاری، رقم الحدیث:۵۰۶۲۔

Marfat.com

اور اللہ کے رسول ﷺ کے پاس لے آیا تو آپ نے فرمایا: تم دونوں ہی صحیح ہو، پس پڑھتے رہو کیونکہ تم سے پہلے لوگوں نے اختلاف کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کر دیا۔

اس واقعہ کی معمولی سی تفصیل ابن حبان اور مستدرک حاکم میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

مجھے آپ ﷺ نے حٰمٓ سے شروع ہونے والی کوئی سورت پڑھائی، جب میں مسجد گیا تو میں نے ایک شخص کو وہ سورت پڑھنے کو کہا، وہ سورت کو اس انداز میں پڑھنے لگا جس طرح میں نے نہیں پڑھا تھا اور کہنے لگا: مجھے یوں ہی رسول اللہ ﷺ نے پڑھایا تھا، چنانچہ ہم آپ ﷺ کے پاس چلے گئے اور اس معاملے کی خبر دی تو آپ ﷺ کا چہرہ غصے کی وجہ سے متغیر ہو گیا اور فرمانے لگے: تم سے قبل لوگ اختلاف کی وجہ سے ہلاک ہوئے تھے، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کوئی بات کہی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: رسالت مآب ﷺ حکم فرما رہے ہیں کہ تم میں ہر کوئی اسی طرح پڑھے جس طرح وہ سکھایا گیا ہے، پھر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم چلے گئے اور ہم میں سے ہر ایک ان حروف کی قرأت کرتا تھا جن کی اس کا ساتھی نہیں کرتا تھا۔

حروفِ سبعہ سے مراد، قراءاتِ سبعہ ہیں

ان مذکورہ واقعات سے یہ واضح ہوا کہ حروف سے مراد قراءات ہیں جو کہ نبوی دور میں پڑھی جاتی تھیں (جن کو حدیث میں کبھی حروف، کبھی قراءات سے تعبیر کیا گیا ہے) اور قراء عشرہ (دس قاریوں) نے انہیں قراءات پر ہمیشگی کی تو ان کی طرف نسبت ہوگئی، وگرنہ یہ خود انہوں نے گھڑی نہیں بلکہ صحابہ وتابعین سے حاصل کیں، جیسا کہ امام عاصم بن بہدلہ، یہ قراءاتِ عشرہ کے پانچویں قاری ہیں، ان کے دو معروف شاگرد امام حفص اور امام شعبہ ہیں۔

امام حفص کو (جن کی روایت پاک وہند میں پڑھی جاتی ہے) ان کے استاد امام عاصم نے وہ روایت پڑھائی

Marfat.com

جو کہ انہوں نے ابوعبدالرحمن السلمی سے پڑھی، انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے، انہوں نے جبرائیل امین علیہ السلام سے اور انہوں نے اللہ جل شانہٗ سے۔

اور دوسرے شاگرد امام شعبہ، ان کے استاد بھی امام عاصم ہیں، انہوں نے انہیں وہ روایت پڑھائی جو انہوں نے زر بن حبیش سے پڑھی، انہوں نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے، انہوں نے جبرائیل علیہ السلام سے اور جبرائیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے۔

توچونکہ حدیث کے لفظ ہیں فَلْيَقْرَأْ كَمَا عُلِّمَ ''جیسے کسی کو سکھایا گیا ویسے ہی وہ پڑھے (اور پڑھائے)'' [1]۔ اسی لئے ہر صحابی نے جو پڑھا، اسی طرح سکھایا۔ اسی طرح تابعین اور قراء نے حتیٰ کہ ان قراءات کی نسبت ان کی طرف ہوگئی، اور یہ نسبت اسی طرح ہے کہ جس طرح ہم کہتے ہیں کہ یہ حدیث بخاری کی ہے، حالانکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے اپنے پاس سے نہیں گھڑا بلکہ صحیح، متصل اور مرفوع سند سے انہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا ہے۔ توجس طرح حدیث کی نسبت امام بخاری کے اتقان، ثقاہت اور زہد وتقویٰ کی بنیاد پر ان کی طرف کی گئی، اسی طرح قراءات کی نسبت ان قراء کی طرف اتقان، ثقاہت اور زہد وتقویٰ کی وجہ سے کی گئی ہے۔

الغرض جو قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی طرف سے سات حروف کی شکل میں نازل ہوا، وہ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ کے چیلنج کے ساتھ آج تک ہمارے پاس دس قراءتوں کی شکل میں محفوظ ومصون ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں یہ سات حروف پڑھتے پڑھاتے رہے حتیٰ کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کو پیارے ہوگئے۔

پھر زمامِ خلافت خلیفۂ اول ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ آئی تو انہوں نے اپنے دور میں قرآن مجید کو اسی طرح جمع کروایا جس طرح انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حاصل کیا۔ اس کام کے ذمے دار زید بن ثابت رضی اللہ عنہ تھے جن کی دس سال کی طویل صحبت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہی اور وہ عرضۂ اخیرہ (آخری دور) میں شامل تھے۔

---

[1] مجمع الزوائد، ج: ۷، ص: ۳۱۴۔

Marfat.com

چنانچہ انہوں نے تمام مقررہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ مل کر اس قرآن مجید کو (جو کہ پہلے سینوں میں تھا اور چیدہ چیدہ لکھا ہوا تھا) تحریری شکل دی جو کہ ساتوں حروف پر مشتمل تھی اور آخری دور کی انتہا تک باقی تھی اور منسوخ نہیں ہوئی تھی۔[1]

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد یہ نسخہ تحریری شکل میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، پھر ان کی وفات کے بعد یہ تحریری شکل سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس منتقل ہوئی۔ خلیفہ راشد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ۲۵ ہجری کو خلافت کے دوسرے یا تیسرے سال آرمینیا کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے فوج گئی اور اس فوج کے چیف کمانڈر حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ تھے، انہوں نے واپسی پر خلیفۃ المسلمین کو لوگوں کے قراءت کے معاملے میں اختلاف سے آگاہ کیا تو اَرْسَلَ عُثْمَانُ اِلٰی حَفْصَةَ اَنْ اَرْسِلِیْ اِلَیْنَا بِالصُّحُفِ نَنْسَخُهَا فِی الْمَصَاحِفِ ثُمَّ نَرُدُّهَا اِلَیْكِ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی طرف پیغام بھجوایا کہ وہ تحریری شکل (صحائف) ہمیں بھیج دیں تاکہ انہیں کی نقل کروا کر ہم آپ کو واپس کر دیں۔[2]

چنانچہ انہوں نے وہ صحائف بھیجے اور انہیں نقل کیا گیا جن کو بعد میں مصاحف عثمانیہ سے یاد کیا جاتا ہے اور یہ مصاحف بھی انہیں سات حروف پر مشتمل تھے جن پر قرآن مجید نازل ہوا، کیونکہ یہ اسی کی نقلیں تھیں جو حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس صحف تھے، جو عہد ابوبکر میں بالاجماع ساتوں حروف میں لکھے گئے تھے۔[3]

پھر عہدِ عثمانی کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دور آیا تو قرآن مجید اسی طرح پڑھا جاتا رہا جس طرح نازل ہوا۔ حتیٰ کہ تابعین کا دور آیا تو انہوں نے بھی قرآن مجید کو اسی طرح پڑھا جس طرح سات حروف میں نازل ہوا تھا، جیسا کہ سعید بن جبیر کے بارے میں آتا ہے کہ وہ بھی قرآن مجید کو سات حروف میں پڑھتے تھے۔ پھر قراء عشرہ کا دور آیا اور پوری امت کا اجماع ہوا کہ یہ سات حروف (قرأت عشرہ) متواتر ہیں، اس میں کسی قسم کے شک کی کوئی گنجائش نہیں، جو شک کرتا ہے وہ معاند اور جاہل ہے۔[4]

---

[1] صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۴۹۸۶۔ [2] صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۴۹۸۷۔ [3] رسم المصحف وضبطہ: ۲۳۔ [4] غایۃ الوصول شرح لب الاصول لزکریا الانصاری، ص: ۳۴۔

Marfat.com

اور آج تک لا تعداد کتابیں لکھی گئیں جو ساری اس بات کی دلیل قاطع ہیں کہ اللہ جل جلالہ نے وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ کہا تھا وہ سچا ہے اور مستشرقین اور ان کے اقوال سے متاثر ہونے والوں کے برے گمان وافکار جھوٹے ہیں کہ سات حروف میں سے ایک باقی بچا ہے، باقی حذف ہو گئے ہیں۔ قراءات متواترہ نہیں، بلکہ قاریوں کی گھڑی ہوئی ہیں۔

رات کے وقت تلاوتِ قرآن کی اہمیت وفضیلت

۱۔ طبرانی نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ مومن کا شرف رات کی نماز میں ہے۔

۲۔ ثعلبی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے بارے میں حکایت کی ہے کہ جس شخص نے رات کو دو رکعت پڑھی اس نے گویا رات اللہ کو رکوع اور سجدہ کرنے میں گزاری۔

۳۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رقاشی رحمۃ اللہ علیہ راتوں کی نماز کو اور اس میں قرآن پڑھنے کو اس وجہ سے ترجیح دیتے تھے کہ اس سے قلب کو سکون ہوتا ہے، دنیاوی مصروفیتوں سے دوری اور ضروریات کا انتظام اللہ کی جانب سے ہوتا ہے۔ ریاکاری سے محافظت ہوتی ہے اور شرعی نقطۂ نظر سے بھی رات کے وقت بھلائی کی افزائش اور ترقی ہوتی ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو معراج رات ہی کو ہوئی تھی، اور رات کے وقت ہی جناب باری تعالیٰ کا نزول آسمانِ دنیا پر ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہے کوئی پکارنے اور مانگنے والا کہ میں اس کی مانگ پوری اور قبول کروں۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ راتوں کی نماز اور اس میں قرآن مجید کے پڑھنے سے چاہے کم پڑھا جائے یا زیادہ، بڑی فضیلت ہے۔ صحیح بخاری میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ رات میں ایک ساعت ایسی آتی ہے کہ تمام رات کی ہر دعا ضرور مقبول ہوتی ہے، قیام اللیل اللہ تعالیٰ کے غضب کو روکنے والا ہے، چنانچہ صاحب بہجۃ الاسرار سلیمان انماطی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں:

Marfat.com

لَوْلَا الَّذِیْنَ لَهُمْ وِرْدٌ یَقُوْمُوْنَا .... وَ آخَرُوْنَ لَهُمْ سَرْدٌ یَّصُوْمُوْنَا ،
اگر ایسے لوگ موجود نہ ہوتے جو راتوں کو یاد الٰہی میں مشغول رہتے ہیں اور ایسے ہی دوسرے لوگ جو برابر روزے رکھتے ہیں

لَدَکْدَکَتْ اَرْضُکُمْ مِنْ تَحْتِکُمْ سَحَرًا ، لِاَنَّکُمْ قَوْمُ سُوْءٍ لَا تُطِیْعُوْنَا ،
تو تمہارے پاؤں تلے کی زمین بوقت سحر متزلزل ہو جاتی کیونکہ تم لوگ نافرمان ہو۔

دواءِ دل

حضرت ابراہیم خوّاص رحمۃ اللہ علیہ نے خوب بات فرمائی ہے کہ دل کی دوا پانچ چیزیں ہیں:
(۱) غور اور پورے تدبر کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کرنا۔ (۲) خالی پیٹ ہونا یعنی کم کھانا۔ (۳) رات میں پچھلے پہر کی نماز پڑھنا۔ (۴) صبح کو تضرع اور زاری کرنا۔
(۵) نیکوکار اور صالح لوگوں کی صحبت اختیار کرنا۔

نمازِ تہجد میں تلاوتِ قرآن کے فضائل

طبرانی وغیرہ نے بروایت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ حدیث نقل کی ہے:

شَرَفُ الْمُؤْمِنِ قِیَامُ اللَّیْلِ ''مومن کی شرافت وعزت قیامِ شب میں ہے''۔

حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے:

اِقْرَءُوْا فِی اللَّیْلِ وَلَوْ حَلْبَ شَاةٍ ''رات کو قرآن مجید پڑھا کرو، خواہ بکری کے دودھ دوہنے کے برابر، یعنی تھوڑی سی دیر ہی ہو''۔

ایک حدیث میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

فِی اللَّیْلِ سَاعَةٌ یَسْتَجِیْبُ اللهُ فِیْهَا الدُّعَآءَ کُلَّ لَیْلَةٍ

''روزانہ رات کو ایک گھڑی ایسی آتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ ہر مانگی ہوئی دعا قبول فرماتے ہیں''۔

Marfat.com

نمازِ تہجد کی چار رکعتوں میں سوا چھ پارے پڑھنا

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

ایک دفعہ انہوں نے رات کو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو نمازِ تہجد پڑھتے ہوئے دیکھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے چار رکعتیں ادا کیں، جن میں سورہ بقرہ، سورۂ آلِ عمران، سورۂ نساء اور سورۂ مائدہ یا سورۂ انعام یہ چار سورتیں تلاوت فرمائیں۔ (آخری سورت کے تعین میں راوی کو شک ہوا ہے)۔[1]

نمازِ تہجد میں خوش آوازی سے تلاوت کرنے والے کی تعریف

عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا قَالَتْ اَبْطَأْتُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا حَبَسَكِ يَاعَائِشَةُ؟ قَالَتْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ فِی الْمَسْجِدِ رَجُلًا مَارَأَيْتُ اَحَدًا اَحْسَنَ قِرَاءَةً مِّنْهُ قَالَتْ فَذَهَبَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِذَا هُوَ سَالِمٌ مَوْلٰی اَبِیْ حُذَيْفَةَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَ فِیْ اُمَّتِیْ مِثْلَكَ۔[2]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ رات کو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت اقدس میں (بستر پر) دیر سے حاضر ہوئی، فرمایا: عائشہ! آج تمہیں کیا عارضہ پیش آ گیا؟ عرض کیا یارسول اللہ! مسجدِ نبوی شریف میں ایک شخص قرآنِ پاک کی تلاوت کر رہے ہیں، اُن سے زیادہ اچھی قراءت آج تک میں نے کسی کی نہیں سُنی (قرآن سنتے سنتے دیر ہوگئی)، اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اُن صحابی کو دیکھنے کے لئے تشریف لے گئے تو وہ حضرت سالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے غلام، اُن کو خطاب کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اللہ کا شکر ہے جس نے میری اُمت میں تم جیسے باکمال آدمی بنائے ہیں۔

---

[1] ابوداود، مشکوۃ المصابیح، ج:۱، ص:۱۰۶۔ [2] ابن ماجۃ واحمد وغیرھما۔ تلاوۃ القرآن المجید: ص ۹۳۔

Marfat.com

قرآنی آوازوں کی سمت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مکانات کی پہچان

رَوَی الشَّیْخَانِ عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ لَاَعْرِفُ اَصْوَاتَ رُفْقَۃِ الْاَشْعَرِیِّیْنَ بِاللَّیْلِ حِیْنَ یَدْخُلُ اللَّیْلُ وَاَعْرِفُ مَنَازِلَھُمْ مِنْ اَصْوَاتِھِمْ بِالْقُرْاٰنِ فِی اللَّیْلِ وَاِنْ کُنْتُ لَمْ اَرَ مَنَازِلَھُمْ حِیْنَ نَزَلُوْا بِالنَّھَارِ [1]

بخاری اور مسلم نے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد روایت کیا ہے کہ جب رات ہوتی ہے تو میں اپنے اشعری صحابہ رضی اللہ عنہم کی آوازوں کو اُن کی قرات سے پہچان لیتا ہوں اور رات کو اُن کی تلاوت قرآن کی آوازوں کے ذریعہ اُن کے مکانات کی شناخت کرلیتا ہوں خواہ میں نے دن کے وقت اُن کے مکانات نہ بھی دیکھے ہوں، جبکہ انہوں نے دن کے وقت آکر اپنے پڑاؤ کے لئے مکانات تیار کئے ہوتے۔

نمازِ تہجد میں تلاوتِ قرآن کے بعد دعا کی قبولیت

فِی الْمُسْنَدِ وَغَیْرِہٖ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَتَاہُ بَیْنَ اَبِیْ بَکْرٍ وَّعُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا وَعَبْدُ اللّٰہِ بْنُ مَسْعُوْدٍ یُّصَلِّیْ فَافْتَتَحَ النِّسَآءَ فَسَجَّلَھَا اَیْ قَرَأَھَا کُلَّھَا مُتَّصِلَۃً. فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَحَبَّ اَنْ یَّقْرَأَ الْقُرْاٰنَ غَضًّا کَمَآ اُنْزِلَ فَلْیَقْرَأْہُ عَلٰی قِرَاءَۃِ ابْنِ اُمِّ عَبْدٍ، یَعْنِی ابْنَ مَسْعُوْدٍ. ثُمَّ تَقَدَّمَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ فَسَأَلَ اَیْ دَعَا اللّٰہَ تَعَالٰی. فَجَعَلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ "سَلْ تُعْطَہْ سَلْ تُعْطَہْ" فَقَالَ فِیْمَا سَأَلَ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ اِیْمَانًا لَّا یَرْتَدُّ وَنَعِیْمًا لَّا یَنْفَدُ وَمُرَافَقَۃَ نَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ اَعْلَی الْجَنَّۃِ جَنَّۃِ الْخُلْدِ فَاَتٰی عُمَرُ عَبْدَ اللّٰہِ ابْنَ مَسْعُوْدٍ لِیُبَشِّرَہٗ بِقَوْلِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَلْ تُعْطَہْ فَوَجَدَ اَبَابَکْرٍ قَدْ سَبَقَہٗ فَقَالَ اَنّٰی فَعَلْتَ لَقَدْ کُنْتَ یَا اَبَابَکْرٍ سَبَّاقًا لِّلْخَیْرِ۔ [2]

---

[1] تلاوۃ القرآن المجید: ص ۹۴۔ [2] تلاوۃ القرآن المجید: ص ۹۳، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، باب مناقب ابی بکرؓ۔

Marfat.com

مسند احمد وغیرہ میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے درمیان چلتے ہوئے ان کے پاس تشریف لائے، جبکہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نمازِ تہجد پڑھ رہے تھے، سورۂ نساء شروع کی اور بتسلسل تلاوت کر کے سورت پوری کر دی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جو یہ پسند کرے کہ قرآن کو تر و تازہ اُسی طرح پڑھے جس طرح وہ اُتارا گیا ہے تو وہ ابن اُم عبد یعنی ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرات کے مطابق تلاوت کرے''۔

پھر (سلام کے بعد) ابن مسعود رضی اللہ عنہ (قبلہ کی طرف کچھ) آگے بڑھے اور سوال کرنے یعنی اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگنے لگے، ادھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمانا شروع ہوئے ''مانگو، مانگو' دیئے جاؤ گے، دیئے جاؤ گے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جو دعا مانگی اس میں یہ بھی کہا:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ اِيْمَانًا لَّا يَرْتَدُّ وَنَعِيْمًا لَا يَنْفَدُ وَمُرَافَقَةَ نَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِیْ اَعْلَى الْجَنَّةِ جَنَّةِ الْخُلْدِ

اے اللہ! میں آپ سے ایسا ایمان مانگتا ہوں جس میں اِرتداد نہ ہو، اور ایسی نعمت جو زوال پذیر نہ ہو، اور عالی ترین جنت یعنی جَنَّةُ الخُلد میں تیرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت مانگتا ہوں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ارادہ کیا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان ''سَل تُعطَهٗ یعنی مانگو دیئے جاؤ گے'' کی بشارت سنائیں، وہاں جا کر دیکھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اُن سے پہلے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس (خوشخبری سنانے کے لئے) پہنچے ہوئے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے آپ کس طرح اتنی جلدی پہنچ گئے، اے ابوبکر! آپ پہلے ہی سے خیر و بھلائی کی طرف خوب سبقت کرنے والے ہیں۔

نمازِ تہجد میں قراءت کی آواز معتدل اور درمیانی ہونی چاہیے

عَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ لَيْلَةً فَاِذَا هُوَ بِاَبِیْ بَكْرٍ

Marfat.com

يُصَلِّيْ يَخْفِضُ مِنْ صَوْتِهٖ وَمَرَّ بِعُمَرَ وَهُوَ يُصَلِّيْ رَافِعًا صَوْتَهٗ قَالَ فَلَمَّا اجْتَمَعَا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا اَبَا بَكْرٍ مَرَرْتُ بِكَ وَاَنْتَ تُصَلِّيْ تَخْفِضُ صَوْتَكَ قَالَ قَدْ اَسْمَعْتُ مَنْ نَّاجَيْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ. وَقَالَ لِعُمَرَ مَرَرْتُ بِكَ وَاَنْتَ تُصَلِّيْ رَافِعًا صَوْتَكَ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! اُوْقِظُ الْوَسْنَانَ وَاَطْرُدُ الشَّيْطَانَ. فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَبَا بَكْرٍ اِرْفَعْ مِنْ صَوْتِكَ شَيْئًا وَقَالَ لِعُمَرَ اِخْفِضْ مِنْ صَوْتِكَ شَيْئًا - [1]

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کو حالات کا جائزہ لینے کے لئے نکلے تو اچانک ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے جو نماز تہجد میں بہت پست آواز سے قرآن شریف پڑھ رہے تھے اور عمر رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے تو وہ بہت بلند آواز سے تلاوت کررہے تھے۔

صبح کو جب یہ دونوں حضرات نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ عالی میں اکٹھے ہوئے تو فرمایا: ابوبکر! میں رات آپ کے پاس سے گزرا تو آپ بہت پست آواز سے تہجد میں قرآن شریف پڑھ رہے تھے، عرض کیا یارسول اللہ! میں اس ذات کو سنا رہا تھا جس سے میں شرف مناجات وہمکلامی حاصل کررہا تھا (اور وہ ذات آہستہ آواز کو بھی سنتی ہے)۔ عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: میں آپ کے پاس سے گزرا تھا تو آپ بہت بلند آواز سے نماز میں تلاوت کررہے تھے، عرض کیا یارسول اللہ! میں اُونگھنے والے کو جگا رہا تھا اور شیطان کو دفع کررہا تھا۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں حضرات کو ہدایت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ابوبکر! آپ تو اپنی آواز کو تھوڑی بلند کردو، اور عمر! تم اپنی آواز قدرے پست کردو۔

نمازِ تہجد میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قراءت کی کیفیت

عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ يَقْتَرِئُ زَمْزَمَ فِيْ قِرَاءَتِهٖ فَقِيْلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ لِمَ لَا تَرْفَعُ صَوْتَكَ بِالْقِرَاءَةِ قَالَ اَكْرَهُ اَنْ اُوْذِيَ رَفِيْقِيْ وَاَهْلَ بَيْتِيْ [2]

---

[1] ابوداؤد، ترمذی، مشکوۃ المصابیح، ج:۱، ص:۱۰۷۔ [2] کنز العمال، ج:۱، ص:۳۹۰۔

Marfat.com

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب رات کو قراءۃِ قرآن کے لئے اُٹھتے تو اپنی تلاوت میں گنگنانے کی سی کیفیت اختیار فرماتے، عرض کیا گیا یا رسول اللہ! آپ اپنی تلاوت میں آواز اونچی کیوں نہیں فرماتے؟ فرمایا میں اِس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ اپنے ساتھیوں کو اور اپنے گھر والوں کو اذیّت پہنچاؤں۔

نمازِ تہجد کی قراءت میں آواز کتنی اونچی ہونی چاہیے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قراءت نمازِ تہجد میں صرف اتنی بلند ہوتی تھی کہ مثلاً اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کمرہ کے اندر پڑھ رہے ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز مبارک باہر صحن میں بیٹھا ہوا آدمی سُن سکتا تھا۔[1]

فرشتوں کے اُترنے کا واقعہ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

اُسید بن حُضیر رضی اللہ عنہ رات کو نفلوں میں سورۂ بقرہ پڑھ رہے تھے اور اُن کا گھوڑا بھی قریب ہی بندھا ہوا تھا اور گھوڑے کے قریب اُن کا بیٹا یحییٰ سو رہا تھا، یکا یک گھوڑا اُچھلنے، کُودنے اور شوخیاں کرنے لگا۔ وہ پڑھتے پڑھتے خاموش ہو گئے، گھوڑا بھی اپنی جگہ خاموش کھڑا ہو گیا۔ انہوں نے دوبارہ قرآن پڑھنا شروع کیا، پھر گھوڑے نے شوخی شروع کر دی، انہوں نے دوسری مرتبہ پھر قرآن پڑھنا بند کر دیا، گھوڑا پھر رُک گیا۔ انہوں نے سہ بارہ شروع کیا، گھوڑے نے پھر شوخی شروع کی، اُنہیں خطرہ پیدا ہوا، کہیں ایسا نہ ہو کہ گھوڑا بچے کو کچل ڈالے، لہٰذا وہ بچے کو ہٹانے کے لئے نماز سے فارغ ہو گئے۔ یکا یک اُن کی نظر آسمان پر پڑی، دیکھا کہ سائبان کی طرح ایک اَبر چھایا ہوا ہے اور اس میں چراغ سے جل رہے ہیں اور جب وہ اچھی طرح دیکھنے کے لئے کمرہ سے باہر نکلے تو کچھ بھی نہ تھا۔ صبح کو انہوں نے یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے ابن حُضیر! تو خاموش

[1] ابوداؤد، مشکوٰۃ المصابیح: ج ۱، ص ۱۰۷۔

Marfat.com

کیوں ہو گیا تھا؟ قرآن پڑھتا رہتا۔ اے ابن حضیر! تو کیوں رُک گیا تھا، برابر پڑھتا رہتا۔ وہ کہتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ! میرا بیٹا یحییٰ قریب سو رہا تھا، مجھے اس کی جان کا خطرہ پیدا ہوا کہ کہیں اُسے گھوڑا اچھل نہ ڈالے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے اُسید! تم جانتے بھی ہو کہ وہ کیا شئے تھی؟ انہوں نے عرض کیا جی نہیں۔ فرمایا: وہ فرشتے تھے جو تیری قراءت اور آواز سننے کے لئے قریب آگئے تھے اور اگر تو برابر پڑھتا رہتا تو صبح کو تمام لوگ برملا اُنہیں دیکھتے اور فرشتے اُن کی نظروں سے نہ چھپتے۔ [۱]

فائدہ: حاکم کی ایک روایت میں حدیث بالا کے آخری الفاظ اس طرح ہیں:

تِلْكَ الْمَلَائِكَةُ نَزَلَتْ لِقِرَاءَةِ الْقُرْاٰنِ اَمَاۤ اِنَّكَ لَوْ مَضَيْتَ. اَىْ لَوْ بَقِيْتَ عَلٰى قِرَاءَتِكَ. لَرَأَيْتَ الْعَجَائِبَ یہ فرشتے تھے جو تلاوتِ قرآن کی وجہ سے اُترے تھے۔ سنو! اگر تم اپنی تلاوت پر بدستور قائم رہتے اور پڑھتے رہتے تو یقیناً بڑی عجیب عجیب باتیں مشاہدہ کرتے۔ [۲]

نمازِ تہجد میں تلاوت کرنے والے کی مثال

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

قرآن شریف کو سیکھو، پھر اس کو پڑھو، اس لئے کہ جو شخص قرآن شریف سیکھتا ہے اور پڑھتا ہے اور تہجد میں اس کو پڑھتا رہتا ہے (اور اس پر عملدرآمد کرتا رہتا ہے) اُس کی مثال اُس تھیلی کی سی ہے جو مشک (اور کستوری) سے بھری ہوئی ہو کہ اس کی خوشبو تمام مکان میں پھیلتی (اور مہکتی) ہے، اور جس شخص نے قرآن کو سیکھا اور پھر سو گیا، اُس کی مثال مُشک کی اس تھیلی کی سی ہے جس کا منہ ڈوری سے باندھ دیا گیا ہو (اور آگے اُس کی خوشبو باہر نہ مہکتی ہو، اِسی طرح اِس سونے والے حافظ کا دل تو معطّر ہے لیکن دوسرے لوگ اور تمام مکان اس کی برکات سے محروم وخالی رہے)۔ [۳]

---

[۱] متفق علیہ واللفظ للبخاری، مشکوٰۃ المصابیح، ج:۱، ص:۱۸۴۔ [۲] تلاوۃ القرآن المجید: ص ۵۲۔ [۳] ترمذی، نسائی، مشکوٰۃ المصابیح، ج:۱، ص:۱۸۷۔

Marfat.com

طولِ قیام افضل ہے یا طولِ سجدہ

دو شخص ہیں جن میں سے ہر ایک نے ایک دوگانہ نفل نماز مثلاً ایک گھنٹہ میں ادا کیا، مگر اُن میں سے ایک مثلاً زید نے اس کیفیت سے اَدا کیا کہ قیام مع قراءت کو لمبا کیا اور دوسرے ارکان کو مختصراً ادا کیا جبکہ بکر نے سجدہ لمبا کیا اور باقی ارکان مختصر ادا کئے تو ان دونوں میں سے کون افضل ہے؟ جمہور علماء کے نزدیک زید جس نے قیام کو لمبا کیا، بکر سے افضل ہے جس نے سجدے کو لمبا کیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ قیام میں مشقت زیادہ ہے، نیز نبی کریم ﷺ رات کی نماز میں قیام کو اتنا لمبا فرمایا کرتے تھے کہ آپ ﷺ کے پاؤں مبارک میں وَرم آجاتا تھا۔ نیز قیام کا مشروع ذِکر قراءۃ قرآن ہے جو افضل الاذکار ہے۔ نیز حضور ﷺ کا فرمانِ عالی ہے اَفْضَلُ الصَّلٰوۃِ طُوْلُ الْقُنُوْتِ [۱]۔ یہاں قنوت سے مراد بالاتفاق قیام ہے۔

دوسرے بعض حضرات اس کے برخلاف طول السجود والی نماز کو افضل بتاتے ہیں، ان کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں یہ وارد ہوا ہے اَقْرَبُ مَا يَكُوْنُ الْعَبْدُ مِنْ رَّبِّهٖ وَهُوَ سَاجِدٌ [۲] نیز ایک مرتبہ جب کسی صحابی نے جنت میں حضور ﷺ کی معیت و رفاقت کی خواہش ظاہر کی تو آپ ﷺ نے انہیں ارشاد فرمایا اَعِنِّيْ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ [۳]۔ علاوہ ازیں سجدہ ذِلت و خشوع پر زیادہ دلالت کرتا ہے۔

مافات کی تلافی

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد مبارک نقل کیا ہے:

مَنْ نَّامَ عَنْ حِزْبِهٖ مِنَ اللَّيْلِ اَوْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ فَقَرَاَهٗ مَا بَيْنَ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَصَلَاةِ الظُّهْرِ كُتِبَ لَهٗ كَاَنَّهٗ قَرَاَهٗ مِنَ اللَّيْلِ [۴]

”جو رات میں اپنے پورے یا کچھ مقررہ معمولِ تلاوت سے سو جائے اور پھر اس کو نماز فجر اور نماز ظہر کے درمیانی عرصہ میں پڑھ لے، اس کے لئے اس ورد کا ایسا ہی ثواب لکھا جائے گا کہ

---

[۱] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح، کتاب الایمان۔ [۲] صحیح لمسلم، باب مایقال فی الرکوع والسجود۔ [۳] مسلم، باب فی فضل السجود والحث علیہ۔
[۴] مسلم، باب جامع صلوۃ اللیل ومن نام عنہ اَوْ مرض۔

Marfat.com

گویا اس کو رات ہی میں پڑھا ہے"۔

تہجد کی برکت سے صبح کو آدمی خوب ہشاش بشاش ہوتا ہے

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَعْقِدُ الشَّیْطَانُ عَلٰی قَافِیَةِ رَأْسِ اَحَدِکُمْ اِذَا هُوَ نَامَ ثَلَاثَ عُقَدٍ یَضْرِبُ عَلٰی کُلِّ عُقْدَةٍ عَلَیْكَ لَیْلٌ طَوِیْلٌ فَارْقُدْ، فَاِنِ اسْتَیْقَظَ فَذَکَرَ اللّٰهَ انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ. فَاِنْ تَوَضَّأَ انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ. فَاِنْ صَلّٰی انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ فَاَصْبَحَ نَشِیْطًا طَیِّبَ النَّفْسِ وَاِلَّا اَصْبَحَ خَبِیْثَ النَّفْسِ کَسْلَانَ۔ [1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد روایت کیا ہے کہ جب تم میں سے کوئی سوتا ہے تو شیطان اس کی گدی پر تین گرہیں لگاتا ہے اور ہر گرہ پر یہ پھونک مارتا ہے "تیرے لئے لمبی رات پڑی ہے، لہٰذا سویا پڑا رہ"۔ اگر وہ جاگ پڑتا ہے اور اللہ کا ذکر کرتا ہے تو یہ ایک گرہ کھل جاتی ہے، اگر وضو بھی کر لیتا ہے تو دوسری گرہ بھی کھل جاتی ہے اور اگر نمازِ تہجد بھی ادا کر لیتا ہے تو تیسری گرہ بھی کھل جاتی ہے، تو صبح کو وہ خوب ہشاش بشاش اور مزے میں ہوتا ہے، ورنہ بدباطن اور سست ہونے کی حالت میں صبح کرتا ہے۔

تہجد کے وقت دعا اور نماز مقبول ہوتی ہے

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ تَعَارَّ مِنَ اللَّیْلِ فَقَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَکْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ. ثُمَّ قَالَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ اَوْ دَعَا اُسْتُجِیْبَ لَهٗ فَاِنْ تَوَضَّأَ وَصَلّٰی قُبِلَتْ صَلَاتُهٗ [2]

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان نقل کیا ہے کہ جو رات کو بیدار ہو اور یہ پڑھے: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَکْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ، پھر یوں کہے

---

[1] رواہ البخاری ومسلم، مشکوٰۃ المصابیح: ج ۱، ص ۱۰۸۔ [2] اخرجہ البخاری وابوداؤد والترمذی، والنسائی، وابن ماجہ۔

Marfat.com

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ اے اللہ! مجھے بخش دے۔ یا کوئی دعا کرے، تو وہ قبول کی جائے گی، پھر اگر وضوء کر کے نمازِ تہجد بھی پڑھ لے تو اس کی نماز بھی مقبول ہوگی۔

تہجد کے وقت کی ایک خاص دُعا

حضرت نافع سے منقول ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما ایک نابینا کے پاس سے گزرے تو اس کو اپنے گھر میں لے گئے، نیز اُن کی ہمراہی میں مَیں بھی گھر میں داخل ہو گیا اور اُسی گھر میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ رات گزاری۔ رات کے درمیانی حصے میں ابن عمر رضی اللہ عنہما اُٹھے، خوب اچھے طریقے سے وضو کیا، پھر دو رکعت نماز پڑھی، پھر ایک خصوصی دُعا مانگی جس کو نابینا نے سمجھ لیا۔ وہ بھی اُٹھا، ابن عمر رضی اللہ عنہما کے وضو کے باقی ماندہ پانی سے وضو کیا اور وہی دُعا مانگی جو ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سن کر اس نے یاد کر لی تھی، تو اللہ جل جلالہ نے اس کی بصارت لوٹا دی۔

صبح کو وہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ نماز فجر میں حاضر ہوا، جب ہم نماز پڑھ چکے تو کہنے لگا اے ابو عبداللہ! میں نے آج کی گزشتہ رات وہ دُعا مانگی جو آپ سے سن کر میں نے یاد کر لی تھی تو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر میری بینائی لوٹا دی ہے، فرمانے لگے یہ دعا ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سکھائی ہے اور ہمیں حکم فرمایا ہے کہ کسی دُنیوی غرض کے لئے یہ دعا نہ مانگیں، وہ دُعا یہ ہے:

اَللّٰهُمَّ رَبَّ الْاَرْوَاحِ الْفَانِيَةِ وَالْاَجْسَادِ الْبَالِيَةِ اَسْأَلُكَ بِطَاعَةِ الْاَرْوَاحِ الرَّاجِعَةِ اِلٰى اَجْسَادِهَا بِالطَّاعَةِ وَبِطَاعَةِ الْاَجْسَادِ الْمُلْتَئِمَةِ بِعُرُوْقِهَا وَبِكَلِمَتِكَ التَّامَّةِ فِيْهِمْ وَاَخْذِكَ الْحَقَّ بَيْنَهُمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَيْنَ يَدَيْكَ يَنْتَظِرُوْنَ فَصْلَ قَضَائِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَكَ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَكَ وَعِقَابَكَ اَنْ تَجْعَلَ النُّوْرَ فِيْ بَصَرِيْ وَالْيَقِيْنَ فِيْ قَلْبِيْ وَذِكْرَكَ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ عَلٰى لِسَانِيْ وَعَمَلًا صَالِحًا فَارْزُقْنِيْ۔

اے اللہ! جو فانی روحوں اور بوسیدہ جسموں کا پروردگار ہے، میں تجھ سے سوال کرتا ہوں

Marfat.com

بطفیل اُن روحوں کی طاعت گزاری کے جو اپنے جسموں کی جانب طاعت کے ساتھ لوٹنے والی ہیں، بطفیل اُن جسموں کے جو اپنی رگوں کے ساتھ متصل ہیں، بطفیل اُس کلمہ کُن کے جو روحوں اور جسموں میں پوری طرح نافذ و واقع ہے، بطفیل اُس حق فیضان کے جو لوگوں کے درمیان آپ اُتارتے ہیں اور فرشتے آپ کے سامنے دست بستہ قضیوں کے فیصلہ کے منتظر رہتے ہیں، تیری رحمت کے امیدوار اور تیرے عذاب و عقاب سے لرزہ براندام ہیں۔

اس بات کا سوال کرتا ہوں کہ آپ میری آنکھوں میں نورِ بصارت اور میرے دل میں یقین پیدا کر دیجئے اور میری زبانِ پر دن رات اپنا ذکر جاری فرما دیجئے اور نیک عمل سے مجھے نواز دیجئے۔ [۱]

نمازِ تہجد میں ۴۰ تا ۵۰۰ آیات پڑھنے کے فضائل

جس نے چالیس آیات ایک رات میں تلاوت کیں، وہ غافلین سے نہیں لکھا جائے گا اور جس نے سو آیات تلاوت کیں، وہ قانتین یعنی تابعدار لوگوں میں لکھا جائے گا اور جس نے دو سو آیات تلاوت کیں، قیامت کے دن اس سے قرآن (عمل وغیرہ کے متعلق) جھگڑا نہیں کرے گا، (بلکہ اس کو دُنیا میں عمل کی توفیق ملتی ہی رہے گی) اور جس نے پانچ سو آیات تلاوت کیں، اس کے لئے ثواب کا ایک قنطار (عظیم ذخیرہ) لکھا جائے گا۔ [۲]

ہزار آیات کی تلاوت پر عظیم اجر

مَنْ قَرَأَ اَلْفَ اٰيَةٍ كُتِبَ لَهٗ قِنْطَارٌ وَالْقِنْطَارُ مِائَةُ رِطْلٍ وَالرِّطْلُ ثِنْتَا عَشَرَةَ اَوْقِيَةً وَالْاَوْقِيَةُ سِتَّةُ دَنَانِيْرَ وَالدِّيْنَارُ اَرْبَعَةٌ وَّعِشْرُوْنَ قِيْرَاطًا وَالْقِيْرَاطُ مِثْلُ اُحُدٍ، وَمَنْ قَرَأَ ثَلَاثَ مِائَةٍ قَالَ اللّٰهُ لِمَلَآئِكَتِهٖ نَصَبَ عَبْدِيْ كَيْ اُشْهِدَكُمْ يَامَلَآئِكَتِيْ اِنِّيْ قَدْ غَفَرْتُ لَهٗ

[۱] اخرجہ الدیلمی من طریق الافراد للدارقطنی، اخلاق حملۃ القرآن مع التعلیق، ص: ۲۲۷۔ [۲] شعب الایمان، عن انس ؓ، کنز العمال، ج: ۱، ص: ۵۳۷۔

Marfat.com

وَمَنْ بَلَغَهُ عَنِ اللهِ فَضِيْلَةٌ فَعَمِلَ بِهَا إِيْمَانًا بِهِ وَرَجَاءَ ثَوَابِهِ أَعْطَاهُ اللهُ ذٰلِكَ وَإِنْ لَّمْ يَكُنْ ذٰلِكَ كَذٰلِكَ ۔[1]

جس نے ہزار آیات کی تلاوت کی اس کے لئے (ثواب کا) قِنطار لکھا جاتا ہے اور ایک قنطار سو (۱۰۰) رِطل کا، ایک رِطل بارہ (۱۲) اوقیہ کا اور ایک اوقیہ چھ (۶) دینار کا، اور ایک دینار چوبیس (۲۴) قیراط کا اور ایک قیراط اُحد پہاڑ کے برابر ہے۔

اور جس نے تین سو آیات کی تلاوت کی، اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتے ہیں میرے بندے نے بہت مشقت اُٹھائی، اس لئے میرے فرشتو! میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اس کی مغفرت کر دی ہے۔ اور جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے (کسی عمل کی) فضیلت پہنچی، پھر اس نے ایمان کے ساتھ اور ثواب کی اُمید سے اس پر عمل کیا، اس کو اللہ تعالیٰ وہی ثواب عطا فرمائیں گے، اگرچہ اس عمل کا وہ ثواب اس طرح وارد نہ تھا۔

فائدہ

اس حدیث میں جو ہزار آیات کی تلاوت کا ثواب بیان ہوا ہے، اس کا حساب اس طرح سے ہے کہ ایک اُحد پہاڑ ایک قیراط کی مقدار ہے، پھر ایک دینار چوبیس قیراط کا ہے جبکہ اوقیہ میں چھ دینار ہیں، اس طرح سے جب ۲۴ قیراط کو ۶ دینار سے ضرب دیں تو ۱۴۴ قیراط بنتے ہیں، اور پھر ۱۴۴ کو ۱۲ اوقیہ سے ضرب دیں تو ۱۷۲۸ قیراط بنتے ہیں، پھر ان ۱۷۲۸ قیراط کو ۱۰۰ رِطل کے ساتھ ضرب دیں تو ۱۷۲۸۰۰ (ایک لاکھ بہتر ہزار آٹھ سو) اُحد پہاڑ بنتے ہیں، تو ہزار آیات کی تلاوت کا ثواب ایک لاکھ بہتر ہزار آٹھ سو اُحد پہاڑ کے برابر ہوا۔[2]

نمازِ تہجد میں قرآن کریم پڑھنے کے بعض فضائل

۱۔ جب کوئی مسواک کرتا ہے اور پھر کھڑا ہو کر قرآن پڑھنا شروع کر دیتا ہے تو اس کا قرآن سننے کیلئے

[1] فضائل القرآن الکریم لابن کثیر المطبوعہ فی آخر تفسیرہ: ج ۷، ص ۵۱۲۔ [2] فضائل حفظ القرآن: ص ۶۳۔

Marfat.com

ایک فرشتہ اس کے گرد چکر لگا تا رہتا ہے، حتیٰ کہ اپنا منہ قاری کے منہ پر رکھ دیتا ہے، پس قاری کے منہ سے جو آیت بھی نکلتی ہے فرشتے کے منہ میں داخل ہو جاتی ہے اور جب بغیر مسواک کئے قرأت کرتا ہے تو فرشتہ چکر تو لگاتا ہے مگر اپنا منہ اس کے منہ پر نہیں رکھتا۔ [1]

۲۔ جو شخص تہجد کے وقت اُٹھے تو کچھ اُونچی آواز سے قرأت کرے کیونکہ اس سے سرکش شیاطین اور خبیث جنات دور ہو جاتے ہیں اور جو فرشتے اوپر ہوا میں یا مکان میں رہتے ہیں، وہ کان لگا کر سنتے ہیں اور اس کے ساتھ نماز میں شریک ہو جاتے ہیں۔ جب صُبح ہوتی ہے تو یہ رات، آنے والی رات کو وصیّت کرتی ہے کہ اس کو تہجد کے وقت اُٹھا دینا اور اس پر ہلکی ہو جانا (کہ اس کو بے ہوشی والی نیند نہ آنے پائے) جب اس کی موت کا وقت آتا ہے تو قرآن شریف اس کے سرہانے کھڑا ہو جاتا ہے، جب لوگ اس کے غسل اور کفن سے فارغ ہو جاتے ہیں تو قرآن مجید اُس مردہ کے سینے اور کفن کے درمیان میں آجاتا ہے۔

جب وہ دفن کر دیا جاتا ہے اور منکر ونکیر آجاتے ہیں تو قرآن شریف باہر نکل آتا ہے اور میّت کے اور اُن دونوں فرشتوں کے درمیان میں آجاتا ہے، وہ دونوں فرشتے قرآن سے کہتے ہیں تُو ہم سے ایک طرف ہو جا کیونکہ ہم اس سے کچھ سوال و جواب کرنا چاہتے ہیں، قرآن کہتا ہے اللہ کی قسم! میں اس سے ہرگز جدا نہ ہوں گا حتیٰ کہ اس کو جنت میں داخل کرا دوں گا، اگر تم دونوں کو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم ہوا ہے تو بجا لاؤ۔ پھر قرآن شریف میّت کی طرف دیکھ کر کہتا ہے کہ تم مجھے پہچانتے ہو؟ وہ کہتا ہے کہ میں تو تمہیں نہیں پہچانتا ہوں! قرآن کہتا ہے میں تمہارا ساتھی وہ قرآن ہوں جس نے تمہیں رات کو جگایا اور دن کو بھوکا پیاسا رکھا، اب تم خوش ہو جاؤ کہ تم پر منکر ونکیر کے سوال و جواب کے بعد اب کوئی غم اور خوف نہیں ہے۔

پھر قرآن شریف پروردگار کے پاس جائے گا اور میّت کے لئے ایک بستر اور ایک اوڑھنے کی چادر

---

[1] اخلاق حملۃ القرآن عن الزہری مرسلاً۔

Marfat.com

کا سوال کرے گا تو اس کو یہ دونوں چیزیں اور ایک نورِ جنّت کا قندیل اور ایک جنتی یاسمین پھول عطا کر دیا جائے گا اور دنیا کے آسمان کے ایک ہزار فرشتے اعزازی طور پر ان چیزوں کو اٹھا کر لائیں گے، ابھی یہ فرشتے راستے ہی میں ہوں گے کہ قرآن اُن سے پہلے قبر میں میّت کے پاس پہنچ جائے گا اور اُس سے کہے گا کہ تمہیں میرے بعد کوئی وحشت تو محسوس نہیں ہوئی، میں تو تمہارے لئے اللہ کے پاس برابر سفارش کرتا رہا ہوں، اتنے میں فرشتے وہ چیزیں لے کر پہنچ جائیں گے، قبر میں بستر بچھا دیں گے، چادر اُس کے پیروں کے پاس رکھ دیں گے۔ یاسمین پھول کو اس کے سینے کے پاس رکھ دیں گے (اور قبر کو قندیل سے منور کر دیں گے) اور قبر میں پانچ سو سال کی مسافت کے برابر کشادگی کر دی جائے گی اور میّت کو داہنی کروٹ پر لٹا دیا جائے گا۔

قرآن روزانہ اس میّت صاحبِ قرآن کے اہل وعیال کے پاس ایک یا دو مرتبہ چکر لگائے گا اُن کے لئے خیر و برکت کی دعا کرے گا اور میّت کے پاس اس کے اہل وعیال کی خیر خبر پہنچائے گا، اگر اس کا کوئی بچہ قرآن شریف کی تعلیم حاصل کر رہا ہوگا تو اس کو خوشخبری سنائے گا اور اگر اُس کے اہل وعیال میں بدعملی ہو رہی ہوگی تو روزانہ قرآن پاک پھر بھی ایک یا دو مرتبہ اُس حافظ کے گھر والوں کے پاس آئے گا اور ان کی اصلاح کے لئے رو رو کر دعا کرے گا، مگر میّت کو اس کی خبر نہیں پہنچائے گا (تا کہ وہ غمگین نہ ہو) صُور پھونکنے تک یہی معاملہ ہوتا رہے گا۔ [1]

۳۔ حضرت ابوالزّناد تابعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں سحری کے وقت گھر سے مسجد نبوی شریف جانے کیلئے نکلتا تو جس گھر سے بھی میرا گزر ہوتا اُسی میں سے قرآن کے قاری کی تلاوت کی آواز آ رہی ہوتی تھی۔ [2]

۴۔ مَنْ اَحَبَّ اَنْ يُّهَوِّنَ اللهُ عَلَيْهِ الْوُقُوْفَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَلْيَرَهُ اللهُ فِيْ ظُلْمَةِ اللَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ''جو شخص یہ بات پسند کرتا ہے کہ قیامت کے دن پیشی میں اللہ تعالیٰ اس پر آسانی فرمائیں تو اس کے لئے لائق ہے کہ رات کی تاریکی میں

---

[1] مسند حارث وفضائل القرآن لابن الضریس، عن عبادۃ بن الصامتؓ۔ [2] تلاوت القرآن المجید، ص:۱۱۰۔

Marfat.com

اس کو اللہ تعالیٰ سجدہ اور قیام کی حالت میں آخرت سے ڈرتا ہوا اور اپنے پروردگار کی رحمت کی امید کرتا ہوا دیکھیں''۔[۱]

۵۔ لَوْلَا ظَمأُ الْهَوَاجِرِ وَطُوْلُ لَيْلِ الشِّتَاءِ وَلَذَاذَةُ التَّهَجُّدِ بِكِتَابِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ مَا بَالَيْتُ اَنْ اَكُوْنَ يَعْسُوْبًا ''اگر روزے میں گرمی کی دوپہروں کی پیاس اور سردی کی رات کی لمبائی اور تہجد میں تلاوتِ قرآن کی لذت نہ ہوتی تو مجھے کوئی پرواہ نہ تھی کہ میں شہد کی مکھیوں کی ملکہ ہوتا (یعنی اگر یہ تین چیزیں نہ ہوتیں تو مجھے انسان ہونے کی کوئی خوشی نہ ہوتی)۔[۲]

۶۔ مَا بَقِيَ مِنْ لَذَّاتِ الدُّنْيَا اِلَّا ثَلَاثٌ قِيَامُ اللَّيْلِ وَلِقَاءُ الْاِخْوَانِ وَصَلٰوةُ الْجَمَاعَةِ ''دنیا کی صرف تین لذتیں باقی رہ گئی ہیں ایک نماز تہجد، دوسری دوستوں کی ملاقات، تیسری نماز با جماعت''[۳]

۷۔ اَهْلُ اللَّيْلِ فِيْ لَيْلِهِمْ اَلَذُّ مِنْ اَهْلِ اللَّهْوِ فِيْ لَهْوِهِمْ وَلَوْلَا اللَّيْلُ مَا اَحْبَبْتُ الْبَقَاءَ فِي الدُّنْيَا ''جو لذت شب بیداروں کو شب بیداری میں نصیب ہوتی ہے، اُس کے مقابلہ میں لہو ولعب والے لوگوں کی لذت کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتی، اور اگر رات کا لطف نہ ہوتا تو میں دنیا میں رہنے کو پسند ہی نہ کرتا''۔[۴]

۸۔ اِنْ كَانَ اَهْلُ الْجَنَّةِ فِيْ مِثْلِ مَا نَحْنُ فِيْهِ بِاللَّيْلِ اِنَّهُمْ لَفِيْ عَيْشٍ طَيِّبٍ ''اگر جنت والے اُس جیسے لطف اور مزے میں ہیں جو ہمیں رات کو نصیب ہوتا ہے تو واقعی وہ مزیدار، عید میں ہیں''۔[۵]

۹۔ كَانَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ اِذَا هَدَاتِ الْعُيُوْنُ قَامَ بَيْنَ يَدَيْ رَبِّهٖ رَاكِعًا سَاجِدًا فَيُسْمَعُ لَهٗ دَوِيٌّ كَدَوِيِّ النَّحْلِ حَتّٰى يُصْبِحَ ''جب لوگ سو جایا کرتے تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے ربّ تعالیٰ کے سامنے رکوع وسجود کرتے ہوئے کھڑے ہو جاتے اور پھر شہد کی مکھی کی بھنبھناہٹ کی طرح آپ کی تلاوت کی گنگناہٹ سنائی دیا کرتی، حتیٰ کہ صبح ہو جاتی''۔[۶]

---

[۱] تفسیر القرطبی عن ابن عباس رضی اللہ عنہ موقوفاً۔ [۲] فضائل القرآن لابی عبید، ص:۶۱۔ [۳] ابن المنکدر، الکلمات الحسان، ص:۱۰۸۔ [۴] ابو سلیمان دارانی، الکلمات الحسان، ص:۱۰۸۔ [۵] بعض صلحاء۔ [۶] الکلمات الحسان، ص:۱۰۹۔

Marfat.com

۱۰۔ جب مرد رات کو اپنی بیوی کو بیدار کرے اور دونوں میاں بیوی اکٹھے دو رکعت نماز ادا کریں، تو دونوں اللہ کا بکثرت ذکر کرنے والے لوگوں میں لکھ دیئے جائیں گے۔ [۱]

۱۱۔ نبی کریم ﷺ کے سامنے ایک ایسے شخص کا تذکرہ ہوا جو پوری رات صبح تک سوتا رہا، فرمایا: یہ ایسا شخص ہے جس کے کانوں میں شیطان پیشاب کر گیا ہے۔ [۲]

۱۲۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے کچھ لوگوں نے پوچھا کہ ہم قیام اللیل کی طاقت نہیں رکھتے ہیں؟ فرمایا تمہیں گناہوں نے قیام اللیل سے دور کر دیا ہے۔

۱۳۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے ایک شخص نے کہا مجھے نماز تہجد کی توفیق نہیں ہوتی، میرے لئے کوئی علاج تجویز کر دیجئے، فرمایا! دن کو تم اللہ کی نافرمانی نہ کیا کرو، رات کو اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے سامنے کھڑا فرمالیں گے۔

۱۴۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ مجھے صرف ایک گناہ کی نحوست کی وجہ سے پانچ مہینے تک نماز تہجد سے محرومی رہی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆

---

[۱] ابوداؤد وابن ماجہ وابن حبان بروایت ابی ہریرہؓ وابی سعید خدریؓ۔ [۲] بخاری مسلم نسائی بروایت عبداللہ بن مسعودؓ۔

Marfat.com

تلاوتِ قرآن کے آداب

تلاوتِ قرآن کے آداب درج ذیل ہیں:

ادب نمبر ۱۔ تَنْظِیْفُ الْفَمِ بِالسِّوَاكِ: مسواک سے منہ صاف کرے۔ پیلو کی مسواک ہو، خواہ کسی اور لکڑی کی یا کوئی کُھردرا کپڑا ہو یا اُشنان وغیرہ۔

اصحاب شافعی میں سے ماوردی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ مسواک دانتوں کے ظاہر کی بھی کریں اور باطن کی جانب بھی مسواک دانتوں کے اطراف پر گزاریں اور داڑھوں کی کُرسیوں پر، نیز اوپر کے تالو پر بھی ہلکے ہلکے مَلیں۔ علماء کرام نے یہ بھی کہا کہ مسواک نہ بہت سُوکھی ہو نہ بہت تر، اگر بہت سوکھی ہو تو پانی سے اس کو نرم کرلیں، اگر دوسرے شخص کی مسواک کریں تو کوئی مضائقہ نہیں، مگر اس کی اجازت ضرور ہونی چاہیے، اگر منہ خون وغیرہ سے نجس ہو تو جب تک منہ صاف نہ کریں قرآن نہ پڑھیں۔

قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مَا اَكَلْتُ الْكُرَّاثَ مُنْذُ قَرَأْتُ الْقُرْآنَ [1]

”جب سے میں نے قرآن پڑھا ہے کبھی (پیاز اور لہسن جیسی) بدبودار چیزیں نہیں کھائیں“۔

یزید بن ابو مالک رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے:

اِنَّ اَفْوَاهَكُمْ طُرُقٌ مِّنْ طُرُقِ اللهِ تَعَالٰى فَنَظِّفُوْهَا مَا اسْتَطَعْتُمْ. قَالَ: فَمَا اَكَلْتُ الْبَصَلَ مُنْذُ قَرَأْتُ الْقُرْآنَ [2]

”تمہارے یہ منہ اللہ تعالیٰ کے راستوں ہی میں سے ایک راستہ ہیں، جس حد

---

[1] شعب الایمان: ۲۱۲۲، فضائل القرآن لابی عبید ص: ۵۵۔ [2] فضائل القرآن لابی عبید ص: ۵۵۔

Marfat.com

تک ممکن ہو انہیں صاف رکھا کرو۔ مزید فرمایا: میں نے جب سے قرآن پڑھا ہے، کبھی پیاز نہیں کھائی''۔

ادب نمبر ۲۔ طہارت: پاکی حاصل کرے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ طہارت و پاکیزگی کی حالت میں قرآن پڑھنا نہایت مستحب ہے، اگر بے وضو پڑھ لیں، تو باجماعِ مسلمین جائز ہے۔ امام الحرمین نے فرمایا کہ بے وضو قرآن پڑھنے والا مکروہ فعل کا مرتکب نہیں بلکہ افضلیت کا تارک ہے، اگر پانی نہ مل سکے تو تیمم کر لیا جائے۔

مستحاضہ عورت کا حکم بے وضو شخص کی طرح ہے، البتہ ناپاک اور حیض والی عورت کے لئے تلاوتِ قرآن حرام ہے، چاہے ایک آیت پڑھے یا اس سے بھی کم، ہاں یہ دونوں دِل میں قرآن پڑھ سکتے ہیں اور قرآن کو دیکھ بھی سکتے ہیں، مسلمانوں کا اِس پر اجماع ہے کہ جنبی و حائض کے لئے تسبیح وتہلیل، تحمید و تکبیر، نبی ﷺ پر درود بھیجنا اور دوسرے اذکار جائز ہیں، اگر کسی انسان سے یہ دونوں کہیں خُذِ الۡکِتٰبَ بِقُوَّۃٍ [۱] کہ کتاب کو مضبوطی سے پکڑو اور اس سے قرآن کی آیت مراد نہ لیں تو یہ جائز ہے، اسی طرح مصیبت کے وقت یہ دونوں اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّاۤ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ [۲] کہہ سکتے ہیں، بشرطیکہ قرآن کی آیت مراد نہ لیں۔

علماءِ خراسان کا قول ہے کہ اگر سواری پر سوار ہوتے وقت یہ کہیں سُبۡحٰنَ الَّذِیۡ سَخَّرَ لَنَا ہٰذَا وَمَا کُنَّا لَہٗ مُقۡرِنِیۡنَ [۳] یا دعا کے وقت کہیں رَبَّنَاۤ اٰتِنَا فِی الدُّنۡیَا حَسَنَۃً وَّفِی الۡاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ [۴] تو یہ بھی جائز ہے اور یہ اسی شرط سے کہ اس سے قرآن کی آیت مراد نہ لیں۔

امام الحرمین علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اگر ناپاک شخص کہے بِسۡمِ اللّٰہِ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰہِ اور اس سے قرآن کی آیت مراد لے تو گنہگار ہوگا اور اگر اس سے محض ذکر مراد لے یا کچھ مراد نہ لے تو گنہگار نہیں ہے۔

ادب نمبر ۳۔ مکانِ نظیف: صاف ستھری جگہ میں تلاوت کرے۔ اسی لئے علماء کی ایک جماعت نے مسجد میں قرآن پڑھنے کو مستحب بتایا ہے، کیونکہ مسجد صاف ستھری بھی ہوتی ہے اور باشرف و

---

[۱] مریم: ۱۲۔ [۲] البقرۃ: ۱۵۶۔ [۳] زخرف: ۱۳۔ [۴] البقرۃ: ۲۰۱۔

Marfat.com

با حُرمت جگہ بھی ہے، ابو میسرہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ذکر بھی پاک ہی جگہ ہونا چاہئے۔

ادب نمبر ۴۔ قبلہ رو ہو کر تلاوت کرنا: اَنْ یَّکُوْنَ مُسْتَقْبِلًا مُّتَخَشِّعًا بِسَكِيْنَةٍ مُّطْرِقًا رَّأْسَهٗ تلاوت قرآن اگرچہ خارج از نماز ہو تب بھی قاری کو قبلہ رو ہونا چاہئے، کیونکہ حدیث پاک میں ہے کہ بہترین مجلس ونشست وہ ہے جو قبلہ رو ہو، خشوع وخضوع، سکون اور وقار کے ساتھ سرنگوں ہو کر قرآن پڑھے، اس ادب اور فروتنی سے نشست ہو کہ معلوم ہو کہ استاد کے سامنے بیٹھا ہے، بس تلاوت کا اکمل طریقہ یہی ہے لیکن اگر کھڑے ہو کر یا لیٹ کر بستر پر یا کسی اور ہیئت میں پڑھے تو بھی جائز ہے۔

صحیح حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس طرح مروی ہے کہ آپ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری گود سے تکیہ لگاتے جب میں حائضہ ہوتی اور اسی حال میں قرآن کی تلاوت فرماتے۔ (بخاری ومسلم) ایک روایت میں اس طرح ہے کہ آپ قرآن پڑھتے اور آپ کا سر میری گود میں ہوتا، یہ بیانِ جواز کے لئے ہے، اسی طرح حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں قرآن پڑھتا ہوں اپنی نماز میں اور اپنے بستر پر۔

ادب نمبر ۵۔ دورانِ تلاوت کوئی غیر متعلقہ بات نہ کریں، چنانچہ بخاری میں روایت ہے:

عَنْ نَّافِعٍ قَالَ كَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا اِذَا قَرَاَ الْقُرْاٰنَ لَمْ يَتَكَلَّمْ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْهُ [1]

ابن عمر رضی اللہ عنہما جب قرآن پاک کی تلاوت کرتے تو ہرگز کسی سے بات نہ کرتے، حتیٰ کہ تلاوت کے مقررہ وِردِ معمول سے فارغ ہو جاتے۔

تلاوتِ قرآن کے وقت ہنسنے اور باتیں کرنے کی ممانعت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ [2] اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو کان لگا کر سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم ہو۔ اور چاہئے کہ اس چیز کی اقتداء کی

[1] رواہ البخاری، رقم الحدیث: ۴۵۲۶۔ [2] الاعراف: ۲۰۴۔

Marfat.com

جائے جس کو ابن ابی داوٗد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق روایت کیا ہے کہ جب ابن عمر رضی اللہ عنہما تلاوت فرماتے تھے تو درمیان قرأت میں بولتے نہیں تھے، یہاں تک کہ جتنا پڑھنا ہوتا پڑھ کر فارغ ہو جاتے اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے: لَمْ یَتَکَلَّمْ حَتّٰی یَفْرُغَ مِنْهُ اس کو انہوں نے کتاب التفسیر آیت نِسَآؤُکُمْ حَرْثٌ لَّکُمْ میں ذکر فرمایا ہے۔

اس میں ہاتھوں کو عبث طور پر ادھر اُدھر لے جانا وغیرہ بھی ہے، کیونکہ تلاوت کرنے والا اللہ جل جلالہ سے مناجات اور سرگوشی کرتا ہے اور اسی میں سے لہو اور غافل کرنے والی چیزوں کی طرف نظر کرنا بھی ہے اور ذہن بھی پراگندہ ہو جاتا ہے۔ اور وہ تمام چیزیں اس سلسلہ میں بُری ہیں جن کی طرف نظر نہ کرنا چاہئے جیسے امرد یعنی بن بیاہے لڑکے وغیرہ، کیونکہ خوبصورت لڑکے کی طرف نظر بلا ضرورت شرعی حرام ہے، چاہے شہوت سے ہو یا بلا شہوت، فتنہ سے محفوظ ہو یا نہ ہو، علماء کے نزدیک صحیح مذہب میں حرام ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے اس بارے میں نص صریح ہے اور بہت سے علماء بھی اس طرف گئے ہیں اور ان کی دلیل اللہ تعالیٰ کا قول "قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ" [1] ہے۔

یہ بھی عورتوں کے حکم میں ہیں کیونکہ بہت سے لڑکے عورتوں سے زیادہ خوبصورت ہوتے ہیں اور ایسا شخص مشکوک خیال کیا جاتا ہے اور اس کے بارے میں برائی کا خیال لانا آسان ہو جاتا ہے، اس لئے اس کی تحریم عورتوں کی تحریم سے زیادہ ہے اور اس بارے میں سلف صالحین کے اقوال بہت زیادہ موجود ہیں، بلکہ سلف نے امرد کی طرف نظر کرنے کو گندگی کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، کیونکہ شرعاً گندگی ہے لیکن خرید و فروخت اور لین دین کے وقت نظر کرنا، تو یہ ضرورتاً جائز ہے، لیکن دیکھنے والا محض بضرورت دیکھے اور برابر نظر نہ کرتا رہے۔

یہی حال استاد کا بھی ہے کہ وہ ضرورۃً دیکھ سکتا ہے، ورنہ شہوت سے دیکھنا سب کے لئے حرام ہے، اسی طرح جس طرح غیر محرم عورتوں کی طرف نظر کرنا جائز نہیں ہے، اور قرآن کی تلاوت کے وقت حاضرین مجلس پر ایسی منکر چیزوں کا روکنا جائز ہے جن کا ذکر اوپر گزر چکا ہے ہاتھ سے یا پھر زبان سے یا پھر دل سے برا سمجھے۔ واللہ اعلم۔

---

[1] النور: ۳۰۔

Marfat.com

ادب نمبر ۶۔ مُصحف میں دیکھ کر تلاوت بھی موجبِ ثواب ہے، چنانچہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع حدیث مروی ہے: مَنْ سَرَّہٗ اَنْ یُّحِبَّہُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ فَلْیَقْرَأْ مِنَ الْمُصْحَفِ جس شخص کی یہ خواہش وطلب ہو کہ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا محبوب بن جائے، وہ قرآن میں دیکھ کر تلاوت کیا کرے۔[۱]

نیز ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بسندِ صحیح اُن کا یہ قول بھی وارد ہوا ہے: اَدِیْمُوا النَّظَرَ فِی الْمُصْحَفِ یعنی قرآن میں دیکھ کر تلاوت کرنے کا معمول برابر جاری رکھو۔[۲]

پانچ چیزیں دیکھنا عبادت ہیں

قرآن میں نظر کرنا، کعبہ کی طرف نظر کرنا، والدین کی طرف نظر کرنا، زمزم میں نظر کرنا اور یہ چاروں گناہوں کو گرادیتی ہیں، اور عالم کے چہرے میں نظر کرنا۔[۳]

قرآن کا دیکھ کر پڑھنا نگاہ کیلئے مفید ہے

ابو عبید رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث مسلسل نقل کی ہے جس میں ہر راوی نے کہا ہے کہ مجھے آنکھوں کی شکایت تھی تو اُستاد نے قرآن شریف دیکھ کر پڑھنے کو بتلایا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا معمول

ابن ابی داوٗد رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ جب گھر تشریف لے جاتے تو قرآن پاک کو کھول لیتے اور اس میں دیکھ کر پڑھنا شروع فرمادیتے۔[۴]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا معمول

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس کثرتِ تلاوت کی وجہ سے دو کلام مجید پھٹے تھے۔ نیز حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

---

[۱] حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، ۷/۲۰۹۔ [۲] الفتح: ج:۲، ص ۲۹۶، الکلمات: ص ۲۱۳، ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری، باب قراءۃ عن ظہر القلب۔ [۳] افرادِ دارقطنی عن جابرؓ۔ [۴] تلاوت القرآن المجید، ص:۴۹۔

Marfat.com

بسا اوقات عشاء کے بعد قرآن شریف کھولتے تھے اور صبح کی نماز کے وقت بند کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا معمول

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا کہ نافع سے پوچھا گیا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں کیا کیا کرتے تھے؟ فرمایا تم لوگ اس کی طاقت نہیں رکھتے ہو، مسلسل نفل نماز اور ناظرہ قرآن پڑھتے رہتے تھے اور ہر دفعہ نفل نماز کے لئے مستقل وضو فرمایا کرتے تھے۔

ادب نمبر ۷۔ جہر بالقِرَاءۃ: تلاوت میں آواز قدرے بلند کرے، بشرطیکہ ریا کاری یا کسی سونے والے یا نماز پڑھنے والے یا کسی دوسرے قاری کی تکلیف کا اندیشہ نہ ہو، ورنہ آہستہ پڑھنا مستحب ہے۔

وہ حدیث جو لوگوں میں مشہور ہے یعنی مَا اَنْصَفَ الْقَارِئُ الْمُصَلِّیْ [1] (نماز پڑھنے والے قاری نے انصاف نہیں کیا کیونکہ اُسے چاہئے تھا کہ نماز سے باہر پڑھے اور اونچی تلاوت کرے تاکہ دوسرے لوگ بھی مستفیض ہوں) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آہستہ پڑھنا مستحب نہیں، اسی طرح بہت سی احادیث سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ تلاوت میں آواز کا بلند کرنا مستحب ہے، جبکہ دوسری طرف بعض آثار و اقوال و افعالِ صحابہؓ سے معلوم ہوتا ہے کہ آواز کا پست کرنا مستحب ہے۔

امام ابو حامد غزالی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر علماء نے اس اختلاف کی بڑی پاکیزہ توجیہ فرمائی ہے کہ جو شخص ریا کاری سے ڈرے اس کیلئے پست آوازی سے پڑھنا زیادہ افضل و اشرف ہے، اور یہ ریا کاری سے اس کو بچاتا ہے اور اگر اس کو ریا کاری کا کھٹکا نہ ہو تو بلند آوازی سے پڑھنا زیادہ افضل و اعلیٰ ہے۔

پھر بلند آوازی سے قاری کا دِل جاگتا ہے، دوسروں کو بھی جگاتا ہے، اس کی فکر سمٹ کر کلام کی طرف لگتی ہے، کان بھی اُدھر ہی لگ جاتے ہیں، نیند بھاگ جاتی ہے، طرب و خوشی کی لہر دوڑتی ہے، قاری خود بھی جاگتا ہے اور دوسروں کو بھی جگاتا ہے، لہٰذا ان تمام حالات کے پیشِ نظر بلندی آواز زیادہ افضل ہے اور اس میں اَجر دوگنا

---

[1] شرح الزرقانی علی المؤطا، ۳۰۹/۱۔

Marfat.com

ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اسی بناء پر ہم کہتے ہیں کہ قرآن دیکھ کر پڑھنا افضل ہے، کیونکہ اس میں بھی قرآن کو دیکھنے کی فضیلت جدا ملتی ہے اور یوں بھی اَجر دوگنا ہوجاتا ہے۔

ادب نمبر ۸۔ تلاوت سے مقصود: اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کا قرب ہونا چاہیے، یعنی کسی کو دکھانے کی غرض سے نہ ہو، کیونکہ کسی نیک کام کے ریا کے طور پر کرنے کی شریعت میں بہت مذمت اور بُرائی آئی ہے، حتیٰ کہ حدیث میں اس کو شرکِ اصغر (چھوٹا شرک) فرمایا گیا ہے، اس سے بچنے کا ہر دَم خیال رکھنا چاہیے۔

اَعمش رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایسے وقت پہنچا کہ وہ قرآن پڑھ رہے تھے۔ ایک شخص نے آپ کے پاس آنے کی اجازت چاہی، آپ نے قرآن کو فوراً چھپا دیا اور فرمایا کہ یہ شخص یہ خیال نہ کرے کہ میں ہر وقت قرآن پڑھتا ہوں۔

ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک صحابی رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک شخص بولا کہ میں نے رات کو ایسا پڑھا، صحابی نے فرمایا کہ بس اس سے تیرا یہی حصہ تھا، یعنی تجھ کو اپنے عمل کا بدلہ مل چکا، آخرت کے اَجر سے تو محروم ہے۔

ادب نمبر ۹۔ قرآنِ عظیم کی تلاوت کا حق: یہ ہے کہ تلاوت میں زبان و عقل اور دل تینوں شریک ہوں۔ پس زبان کا حصہ حروف کی تصحیح، عقل کا حصہ معانی و مطالب کی تفسیر اور دِل کا حصہ اطاعت و نصیحت پذیری اور اَثر گیری و خوفِ الٰہی ہے، سو زبان، حروف کو صحیح طور پر ادا کرے اور عقل، معانی کی تفسیر کرے اور دِل، نصیحت قبول کرے، یہ تلاوت کا حق ہے۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے جامع کبیر میں حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بار لوگوں کو نماز پڑھائی اور اس میں ایک سورت پڑھی، جس میں سے ایک آیت پڑھنے سے رہ گئی، نماز کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں سے پوچھا: هَلْ تَرَكْتُ شَيْئًا (کیا میں نے کوئی آیت چھوڑی ہے؟) لوگ

Marfat.com

خاموش رہے، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

مَا بَالُ اَقْوَامٍ يُّقْرَأُ عَلَيْهِمْ كِتَابُ اللهِ تَعَالٰى لَا يَدْرُوْنَ مَا قُرِئَ عَلَيْهِمْ فِيْهِ وَلَا مَا تُرِكَ هٰكَذَا كَانَتْ بَنُوْ اِسْرَآءِيْلَ خَرَجَتْ خَشْيَةُ اللهِ مِنْ قُلُوْبِهِمْ فَغَابَتْ قُلُوْبُهُمْ وَشَهِدَتْ اَبْدَانُهُمْ اَلَا وَ اِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ لَا يَقْبَلُ مِنْ اَحَدٍ عَمَلًا حَتّٰى يَشْهَدَ بِقَلْبِهٖ مَا يَشْهَدُ بِبَدَنِهٖ

"اُن لوگوں کا کیا حال ہوگا جن پر اللہ جل جلالہ کی کتاب پڑھی جاتی ہے اور انہیں یہی پتہ نہیں کہ کیا پڑھا گیا اور کیا چھوڑا گیا، یاد رکھو! بنی اسرائیل کی بھی یہی حالت تھی کہ اُن کے دلوں سے خوفِ خداوندی جاتا رہا تھا، اُن کے دِل غائب اور صرف ظاہری جسم حاضر رہتے تھے (اور انہیں بھی معلوم نہ ہوتا تھا کہ کیا پڑھا گیا اور کیا چھوڑا گیا) سُن لو! بلاشبہ! اللہ جل جلالہ کسی کا کوئی عمل اس وقت تک قبول نہیں کرے گا جب تک کہ وہ اس عمل میں قلب وجسم دونوں ہی کی رُو سے حاضر نہ ہو"۔

ادب نمبر ۱۰۔ یہ خیال کیا جائے کہ قرآن پاک، محبوب کے ساتھ حاکم کا بھی کلام ہے، لہٰذا شیفتگی و فریفتگی کے ساتھ دِل پر اس بادشاہی فرمان کی ہیبت بھی طاری کرنی چاہیے۔

حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ جب کلام پاک پڑھنے کے لئے کھولا کرتے تو بیہوش ہوکر گر جاتے تھے اور زبان پر یہ جملہ جاری ہوجاتا تھا: هٰذَا كَلَامُ رَبِّيْ هٰذَا كَلَامُ رَبِّيْ یہ میرے رب کا کلام ہے، یہ میرے رب کا کلام ہے۔

ادب نمبر ۱۱۔ قرآن کو ترتیل سے پڑھا جائے:

(۱) حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے تلاوتِ نبویہ کی صفت میں مُفَسَّرَةً حَرْفًا حَرْفًا (ایک ایک حرف کے لحاظ سے صاف اور واضح تلاوت) ارشاد فرمایا ہے۔[1]

(۲) حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا ہی فرماتی ہیں کہ سورۂ فاتحہ کی ہر ہر آیت پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وقف فرمایا

[1] ابوداؤد، ترمذی، مستدرک حاکم۔

Marfat.com

کرتے تھے۔[1]

(۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ السُّوْرَةَ حَتّٰى تَكُوْنَ اَطْوَلَ مِنْ اَطْوَلَ مِنْهَا یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی سورت کی تلاوت اس طرح ٹھہر ٹھہر کر فرماتے کہ وہ طویل سے طویل تر سورت محسوس ہوا کرتی تھی۔[2]

(۴) حضرت انس رضی اللہ عنہ قرأتِ نبویہ کا تعارف کراتے ہوئے فرماتے ہیں: كَانَتْ مَدًّا ثُمَّ قَرَأَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. يَمُدُّ بِبِسْمِ اللّٰهِ وَيَمُدُّ بِالرَّحْمٰنِ وَيَمُدُّ بِالرَّحِيْمِ یعنی آپ کی تلاوت شدومد سے ہوتی تھی، اس طرح کہ بِسْمِ اللّٰهِ پر مد فرماتے، اَلرَّحْمٰنِ پر مد فرماتے اور الرَّحِيْمِ پر مد فرماتے۔[3]

(۵) حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: مَا رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ فِيْ سُبْحَتِهٖ جَالِسًا حَتّٰى اِذَا كَانَ قَبْلَ مَوْتِهٖ بِعَامٍ فَكَانَ يُصَلِّيْ فِيْ سُبْحَتِهٖ جَالِسًا فَيَقْرَأُ السُّوْرَةَ فَيُرَتِّلُهَا حَتّٰى تَكُوْنَ اَطْوَلَ مِنْ اَطْوَلَ مِنْهَا یعنی میں نے کبھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نفل نماز بیٹھ کر ادا کرتے ہوئے نہیں دیکھا، حتیٰ کہ جب آپ کی رحلتِ مقدسہ کو ایک سال باقی رہ گیا، اُس وقت آپ نفل نماز بیٹھ کر ادا فرماتے تھے اور کسی سورت کی اس طرح ترتیل واطمینان سے تلاوت فرماتے کہ وہ سورت طویل سے طویل تر محسوس ہوا کرتی تھی۔[4]

تلاوت میں اطمینان وٹھہراؤ اور ترتیل وتدبُّر کا استحباب

ابوحمزہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کیا کہ میں بہت تیز تلاوت کرتا ہوں اور تین راتوں میں پورا قرآن ختم کر لیتا ہوں، ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا میں ایک رات میں صرف سورۂ بقرہ تلاوت

[1] مسند احمد، ابوداود، ترمذی۔ [2] السنن الکبریٰ للبیہقی۔ [3] بخاری، فضائل القرآن، باب مد القراءۃ۔ [4] مسلم، صحیح ابن خزیمہ۔

Marfat.com

کروں اور اس میں خوب غور و فکر اور اطمینان و ٹھہراؤ کروں، یہ مجھے زیادہ محبوب ہے اس سے کہ تمہاری طرح جلد جلد قرآن کریم کی تلاوت کروں۔

ادب نمبر ۱۲۔ تَاثُّرَاتُ الْآیَة: یعنی رحمت کی آیت پڑھیں تو اللہ تعالیٰ سے اس کی مہربانی اور فضل کا سوال کریں، اور جب عذاب کی آیت پڑھیں تو اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کے غیظ و غضب سے پناہ مانگیں، مثلاً کہیں: اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡۤ اَسۡئَلُكَ الۡعَافِیَةَ اَوۡ اَسۡئَلُكَ الۡمُعَافَاةَ مِنۡ كُلِّ مَكۡرُوۡهٍ "اے اللہ! میں تجھ سے بدنی عافیت و تشفی چاہتا ہوں، یا تیرے ذریعہ ہر برائی سے بچاؤ اور چھٹکارے کا طالب ہوں"۔

جب ایسی آیت پڑھیں جس میں اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کی ہوئی ہو، تو کہیں سُبۡحَانَهٗ وَتَعَالٰی "کہ وہ پاک ہے اور بلند اور برتر ہے"، یا کہیں تَبَارَكَ وَتَعَالٰی "وہ برکت والا اور بلند و بالا ہے"، یا کہیں جَلَّتۡ عَظَمَةُ رَبِّنَا "ہمارے پروردگار کی عظمت بلند اور بڑی ہے"۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نماز میں ایسا عمل مستحب ہے اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مکروہ ہے۔

اسی طرح جب وَقَالَتِ الۡیَهُوۡدُ عُزَیۡرُ ۨابۡنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَی الۡمَسِیۡحُ ابۡنُ اللّٰهِ [۱] یا وَقَالَتِ الۡیَهُوۡدُ یَدُ اللّٰهِ مَغۡلُوۡلَةٌ [۲] یا وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحۡمٰنُ وَلَدًا [۳] وغیرہ کوئی آیت پڑھیں تو آواز کو پست کرلیں۔ حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

ابن ابی داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے کہ اُن سے کسی نے پوچھا کہ اگر کوئی آیت: اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ یُصَلُّوۡنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ۔۔الخ [۴] پڑھے، تو کیا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجا جائے؟ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا بے شک۔

نیز: وَیَزِیۡدُهُمۡ خُشُوۡعًا [۵] کے بعد اَللّٰهُمَّ اجۡعَلۡنِیۡ مِنَ الۡبَاكِیۡنَ اِلَیۡكَ الۡخَاشِعِیۡنَ لَكَ اور سَبِّحِ اسۡمَ رَبِّكَ الۡاَعۡلٰی کے بعد سُبۡحَانَ رَبِّیَ الۡاَعۡلٰی، اور بِاَحۡكَمِ الۡحٰكِمِیۡنَ کے بعد

---

[۱] التوبہ: ۳۰۔ [۲] المائدہ: ۶۴۔ [۳] مریم: ۸۸۔ [۴] احزاب: ۵۶۔ [۵] بنی اسرائیل: ۱۰۹۔

Marfat.com

بَلٰى وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ، اور سورۂ مُرسلٰت کے آخر میں اٰمَنَّا بِاللهِ تعالیٰ [1]
اور سورۂ مُلک کے آخر میں اَللهُ يَاْتِيْنَا بِهٖ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّ الْعَالَمِيْنَ - [2] اور سورۂ قیٰمہ
کے آخر میں بَلٰى، اور آٰللهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ کے بعد بَلِ اللهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى وَاَحْكَمُ
وَاَكْرَمُ وَاَجَلُّ وَاَعْظَمُ مِمَّا يُشْرِكُوْنَ - [3] اور فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ کے بعد لَا
بِشَيْءٍ مِّنْ نِّعَمِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ فَلَكَ الْحَمْدُ - [4] اور وَالضُّحٰى سے آخر قرآن تک ہر
سورت کے ختم پر تکبیر، اور تلاوت کے آخر میں صَدَقَ اللهُ الْعَظِيْمُ وَبَلَّغَ رَسُوْلُهُ الْكَرِيْمُ
وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ. اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْ شُهَدَاۗءِ الْحَقِّ الْقَائِمِيْنَ بِالْقِسْطِ
کہنا بھی تلاوت کا ادب ہے۔

قِيَامَة، مُرسَلَات اور وَالتِّيْن کے ختم پر کیا کہے

اسماعیل بن امیہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک اعرابی اور بدوی سے سنا، وہ کہتا ہے کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ابو القاسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب تم میں سے کوئی سورۂ قِيٰمَة پڑھے اور اس کے آخر اَلَيْسَ ذٰلِكَ تک تم پہنچ جائے تو یوں کہے کہ بَلٰى وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ اٰمَنَّا بِاللهِ، اور جب سورۂ مُرسلٰت پڑھے اور اس کے آخر فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ تک پہنچ جائے تو یوں کہے اٰمَنَّا بِاللهِ اور سورۂ وَالتِّيْن پڑھے اور اس کے آخر اَلَيْسَ اللهُ تک پہنچ جائے تو یوں کہے کہ بَلٰى وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ - [5]

اسماعیل بن امیہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں کچھ عرصہ کے بعد اس اعرابی کے پاس گیا اور اس کے سامنے یہی حدیث دہرانے لگا تا کہ امتحان کروں کہ اس کا حافظہ کیسا ہے؟ تو کہنے لگا بھتیجے! تمہارا خیال ہے کہ یہ حدیث

---

[1] اتحاف فضلاء البشر فی القراءات الاربعة عشر ص:۲۵۔ [2] تفسیر آلوسی، روح المعانی، ۲۲۲/ ۹۔ [3] النشر فی القراءات العشر ۴۶۵/ ۲۔
[4] الاتقان فی علوم القرآن، ۵۰/ ۱۔ [5] شرح ابی داود للعینی ۱۰۱/ ۴۔

Marfat.com

مجھے محفوظ نہیں ہے؟ میں نے ساٹھ یا ستر حج کئے ہیں اور ہر حج کا وہ اونٹ میں خوب پہنچانتا ہوں جس پر میں نے وہ حج کیا ہے۔[1]

ادب نمبر ۱۳۔ خشوع وتدبر: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ [2] (کیا یہ قرآن میں سوچ وبچار نہیں کرتے) اور فرمایا کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ مُبٰرَكٌ لِّیَدَّبَّرُوْٓا اٰیٰتِهٖ (کہ ہم نے مبارک کتاب آپ کی طرف اُتاری تا کہ وہ اس کی آیتوں میں غور وفکر کریں)۔[3]

سلف میں بہت سے ایسے بزرگ گزرے ہیں جو ایک آیت کو رات بھر اور صبح تک پڑھتے رہے اور اسی سوچ وبچار میں ڈوبے رہے، بعض بے ہوش ہو کر گر پڑے اور بہت سے فوت ہو گئے۔ بہز بن حکیم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ زرارہ بن اوفی رحمۃ اللہ علیہ جلیل القدر تابعی نے صبح کی نماز پڑھائی، پڑھتے پڑھتے جب اس آیت پر پہنچے فَاِذَا نُقِرَ فِی النَّاقُوْرِ فَذٰلِكَ یَوْمَئِذٍ یَّوْمٌ عَسِیْرٌ [4] تو ایک دم گر پڑے اور دم آخر ہوا، بہز بن حکیم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ان کو اُٹھانے والوں میں، میں بھی تھا۔

ادب نمبر ۱۴۔ بُکاء (رونا): قرآن میں تدبُّر انسان کو رُلاتا ہے، واضح ہو کہ عارفین باللہ اور صالحین کا یہی شعار ہے کہ تلاوت قرآن میں روتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَیَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ یَبْكُوْنَ وَیَزِیْدُهُمْ خُشُوْعًا [5] (اور گر پڑتے ہیں ٹھوڑیوں کے بل روتے ہوئے اور وہ زیادہ کرتا ہے ان کی عاجزی کو)، نیز اس سلسلہ میں احادیث واقوالِ صحابہ بہت سے منقول ہیں، مثلاً یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن پڑھو اور روؤ، اگر نہ روسکو تو کم از کم رونے کی صورت بناؤ۔

حزن وبُکاء اور رونے کی شکل بنانا

قاری کے لئے مناسب ہے کہ قرآن پاک کو درد بھری غمناک آواز میں تلاوت کرے، اگر ہو سکے تو رونے کی کیفیت اپنے اُوپر طاری کرے، اگر رونا نہ آئے تو کم از کم رونے کی شکل وصورت ہی بنا لے۔ حضرت امام

[1] ابن السنی باب مایقول علی آخر الاقسم والمرسلت والتین۔ [2] النساء: ۸۲۔ [3] ص: ۲۹۔ [4] مدثر: ۹۔ [5] بنی اسرائیل: ۱۰۹۔

Marfat.com

احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ، ابو عبید رحمۃ اللہ علیہ، قاسم بن سلام رحمۃ اللہ علیہ اور سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرھم علماء، قاری قرآن کو یہی حکم دیا کرتے تھے کہ جب وہ تلاوت کرے تو حزن ورنج والی آواز میں روتے ہوئے یا کم از کم رونے کی شکل ہی بنا کر نہایت خشوع وخضوع سے تلاوت کرے، چنانچہ اس کے متعلق دو مرفوع احادیث درج ذیل ہیں:

ا۔ عبدالرحمٰن بن سائب رحمۃ اللہ علیہ جو بہت خوبصورت آواز میں قرآن پاک پڑھا کرتے تھے، راوی ہیں کہ ہمارے پاس سعد بن مالک یعنی ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نابینا ہونے کے بعد تشریف لائے، میں سلام کے لئے حاضر خدمت ہوا تو میرا نام ونسب دریافت کیا۔ میں نے بیان کیا تو فرمایا مرحبا ہو میرے بھتیجے کو، مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ تم بہت اچھی آواز میں قرآن کریم پڑھتے ہو، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان سنا ہے:

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ نَزَلَ بِحُزْنٍ فَاِذَا قَرَاْتُمُوْهُ فَابْكُوْا فَاِنْ لَّمْ تَبْكُوْا فَتَبَاكَوْا وَتَغَنَّوْا بِهٖ فَمَنْ لَّمْ يَتَغَنَّ بِهٖ فَلَيْسَ مِنَّا [1]

''یقیناً یہ قرآن دردناکی کے ساتھ نازل ہوا ہے، لہٰذا جب اس کو پڑھا کرو تو رویا کرو، پس اگر تمہیں رونا نہ آئے تو رونے کی سی صورت ہی بنا لیا کرو۔ اور قرآن کے ذریعہ بے نیازی حاصل کرو، کیونکہ جس نے قرآن کے ذریعہ بے نیازی حاصل نہ کی، وہ ہم میں سے (یعنی ہمارے خواص میں سے) نہیں ہے''۔

۲۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے یہ مرفوع حدیث روایت کی ہے:

اِقْرَءُوا الْقُرْاٰنَ بِحُزْنٍ فَاِنَّهٗ نَزَلَ بِحُزْنٍ [2]

''قرآن کو رنجیدگی اور درد وغم بھری آواز سے پڑھا کرو، کیونکہ وہ دردناکی ہی کے ساتھ نازل ہوا ہے''۔

فائدہ

ابن ابی ملیکہ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا اگر کوئی قاری خوش آواز نہ ہو تو وہ غریب کیا کرے؟ فرمایا بس جہاں تک

---

[1] ابن ماجۃ، کتاب اقامۃ الصلوۃ والسنۃ فیھا، باب فی حسن الصوت بالقران۔ اخلاق حملۃ القران، ص:۲۱۸۔ [2] اخلاق، ص:۲۱۸۔

Marfat.com

ہو سکے آواز کو خوب صورت بنائے۔ وکیع اور سفیان بن عیینہ دونوں حضرات مَنْ لَّمْ یَتَغَنَّ کی تفسیر میں فرماتے ہیں اَیْ لَمْ یَسْتَغْنِ بِہٖ یعنی قرآن کریم کے ذریعے بے نیازی حاصل کرو۔

مستحب ہے کہ قاری تلاوت کے وقت غمگین ہو اور بتکلّف روئے اور دل میں خشوع و خضوع پیدا کرے اور وعدو وعید میں غور و فکر کرے، تاکہ اس کے ذریعہ ملال اور حُزن پیدا ہو سکے۔ چنانچہ ایسے شخص کی قرآن پاک نے تعریف و فضیلت ذکر کی ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِیۡثِ کِتٰبًا مُّتَشَابِہًا مَّثَانِیَ تَقۡشَعِرُّ مِنۡہُ جُلُوۡدُ الَّذِیۡنَ یَخۡشَوۡنَ رَبَّہُمۡ ثُمَّ تَلِیۡنُ جُلُوۡدُہُمۡ وَ قُلُوۡبُہُمۡ اِلٰی ذِکۡرِ اللّٰہِ [1]

''اللہ تعالیٰ نے بڑا عمدہ کلام ''قرآن'' نازل فرمایا ہے جو ایسی کتاب ہے جو باہم ملتی جلتی ہے، بار بار دُہرائی گئی ہے، جس سے اُن لوگوں کے بدن جو اپنے ربّ سے ڈرتے ہیں کانپ اُٹھتے ہیں (اُن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں) پھر اُن کے بدن اور دِل نرم ہو کر اللہ کی یاد کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں''۔

اور اس کے برخلاف اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی مذمت اور برائی بیان فرمائی ہے جن کے دل قرآن پاک سُن کر خشوع اور رونے کی کیفیت سے نا آشنا رہتے ہیں، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَفَمِنۡ ہٰذَا الۡحَدِیۡثِ تَعۡجَبُوۡنَ وَ تَضۡحَکُوۡنَ وَ لَا تَبۡکُوۡنَ وَ اَنۡتُمۡ سٰمِدُوۡنَ [2]

''سو کیا تم اس کلام سے تعجب کرتے ہو اور ہنستے ہو اور روتے نہیں ہو اور تم تکبر کرتے ہو''

تلاوتِ قرآن کے وقت گریہ اور رونے کی فضیلت

۱۔ عبید بن عمیر رحمۃ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ہمیں نمازِ فجر پڑھائی اور اس میں سورۂ یوسف کی تلاوت شروع فرمائی، جب وَابۡیَضَّتۡ عَیۡنٰہُ مِنَ الۡحُزۡنِ فَہُوَ کَظِیۡمٌ [3] ''اور یعقوب علیہ السلام کی آنکھیں غم سے سفید ہو گئیں، سو وہ درد و غم سے گھٹ رہے تھے کہ زبان سے اُف تک

---

[1] الزُّمر: ۲۳۔ [2] النجم: ۵۹ تا ۶۱۔ [3] الیوسف: ۸۴۔

Marfat.com

نہ نکالتے تھے''، پر پہنچے تو اس قدر روئے کہ قرأت منقطع ہوگئی اور وہیں رکعت فرمادی۔

۲۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب اِنَّمَآ اَشۡكُوۡا بَثِّیۡ وَحُزۡنِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ [۱] ''میں تو اپنے قلق وغم کا اظہار بس اللہ ہی کے سامنے کرتا ہوں''، پر پہنچے تو اتنا روئے کہ ہچکی بندھ گئی، حتیٰ کہ پچھلی صفوں والے نمازیوں نے بھی عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے رونے کی آواز سنی، اس سے معلوم ہوا کہ اگر نماز کی حالت میں رونے کی آواز اُونچی ہوجائے تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

۳۔ جب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اِذَآ اُلۡقُوۡا مِنۡهَا مَكَانًا ضَیِّقًا مُّقَرَّنِیۡنَ دَعَوۡا هُنَالِكَ ثُبُوۡرًا [۲] ''اور جب کئی کئی مجرم ایک ساتھ زنجیروں میں جکڑے ہوئے دوزخ کی ایک تنگ جگہ میں ڈالے جائیں گے تو اُس جگہ وہ موت کو پکاریں گے کہ کاش! موت آکر ہمارے ان سب دردناک مصائب کا خاتمہ کر دے''، یا اس جیسی اور کسی ایسی آیت کی تلاوت کرتے جس میں دوزخ کا ذکر ہوتا تو آپ رضی اللہ عنہما کے بدن پر جھرجھری طاری ہوجاتی اور اس قدر روتے کہ دیکھنے والے یوں گمان کرنے لگتے کہ شاید آپ کسی شدید بیماری یا جُنون کے شکار ہوگئے ہیں۔

ابورجاء کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو اس حالت میں دیکھا کہ آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں جاری تھیں۔

ہشام کہتے ہیں کہ محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ جب نماز پڑھتے تو بعض وقت میں ان کے رونے کی آواز سنتا، ابوحامد غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ قرأتِ قرآن میں رونا مستحب ہے۔ رونے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان اپنے دل پر غم وحزن کے آثار پیدا کرے اور وعید اور دھمکیاں جو قرآن پاک میں مذکور ہیں اور وہ وعدے اور عہد جن کا ذکر قرآن میں آیا ہے۔ ان سب کو دل میں جمائے اور پھر اپنی کمزوری اور تقصیر کا خیال بھی دل میں لائے اور اگر پھر بھی غم و حُزن کے آثار پیدا نہ ہوں اور رونا نہ آئے تو کم از کم اتنا ہی سوچے کہ اللہ کے خاص بندے تو قرآن میں روئے اور اس کو رونا نہیں آتا، اس سے بڑھ کر اس کی بدنصیبی کیا ہوسکتی ہے، لہٰذا اس بدنصیبی کو سوچ کر انسان روئے۔

---

[۱] الیوسف: ۸۶۔ [۲] فرقان: ۱۳۔

Marfat.com

تلاوت کے وقت خشوع وتاثّر کے غلبہ سے رونا یا بے ہوش ہو جانا

۱۔ اگر یہ بے ہوشی غلبہ خوف وخشیت کی وجہ سے ہو تو محمود و مستحسن ہے اور اگر محض بناوٹی یا ریا کاری سے ہو تو مذموم اور خلاف سنت ہے، علامہ نووی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: تلاوت کے وقت سلف کی بہت سی جماعتیں بے ہوش ہو گئیں اور بہت سی جماعتیں وفات پا گئیں۔[1]

۲۔ جب یہ آیتیں نازل ہوئیں أَفَمِنْ هَٰذَا الْحَدِيثِ تَعْجَبُونَ وَتَضْحَكُونَ وَلَا تَبْكُونَ وَأَنتُمْ سَامِدُونَ [2] (کیا تم قُربِ قیامت کی اس بات سے تعجب کرتے ہو اور ٹھٹھا کرتے ہو، روتے نہیں ہو بلکہ غافل و بے فکر ہو کر کھلاڑیاں اور خرمستیاں کرتے ہو) تو اصحاب صفہ اس قدر روئے کہ اُن کے رخساروں پر آنسو بہنے لگے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کا گریہ سنا تو خود بھی رونے لگے، اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی رونے لگے۔ فرمایا جو خوفِ الٰہی کی وجہ سے رویا، وہ دوزخ میں داخل نہ ہوگا۔[3]

۳۔ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے سورۂ مطففین کی تلاوت کی، جب يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ [4] (جس دن سب لوگ تمام جہانوں کے مالک کے سامنے پیش کھڑے ہوں گے) پر پہنچے تو اس قدر روئے کہ گر پڑے اور آگے تلاوت کرنے کی سکت باقی نہ رہی۔

۴۔ مُزاحم بن زُفر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہمیں سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے مغرب کی نماز پڑھائی، جب إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ (ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں) پر پہنچے تو اس قدر روئے کہ قرأت منقطع ہو گئی، پھر از سر نو شروع سے سورۂ فاتحہ پڑھی۔

۵۔ ابراہیم بن اشعث رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک رات حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ سورۂ محمد کی تلاوت کر رہے ہیں اور رو رہے ہیں، اور اس آیت کی بار بار تلاوت کر رہے ہیں: وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتَّىٰ نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِينَ مِنكُمْ وَالصَّابِرِينَ وَنَبْلُوَ أَخْبَارَكُمْ [5] (اور البتہ ہم جہاد وغیرہ کے احکام

---

[1] التبیان، ص:۸۱۔ [2] النجم:۶۱۔ [3] بیہقی بروایت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ۔ [4] المطففین:۶۔ [5] محمد:۳۱۔

Marfat.com

سے تمہاری آزمائش کرنا چاہتے ہیں تاکہ ہم تم میں سے جہاد کرنیوالوں کو اور آزمائش میں ثابت قدم رہنے والوں کو معلوم و محقق کرلیں اور تمہارے اندرونی احوال کی عملاً تحقیق کرلیں) اور یہ بھی کہتے جاتے ہیں اے رب! کیا آپ ہماری خبروں اور ہمارے احوال کی پرکھ فرمائیں گے، اگر آپ ہمارے احوال کی پرکھ فرمائیں گے تو یقیناً ہم رسوا ہو جائیں گے اور ہماری پردہ دری ہو جائے گی، اگر آپ ہمارے احوال کی جانچ پڑتال فرمائیں گے تو ہم تباہ ہو جائیں گے اور عذاب میں مبتلا ہو جائیں گے، یہ جملے بھی کہتے جاتے تھے اور روتے بھی جاتے تھے۔ [1]

٦۔ ابو صالح سے منقول ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اہل یمن آئے اور قرآنِ کریم سُن کر وہ لوگ رونے لگے تو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پہلے ہمارا بھی یہی حال تھا لیکن پھر دل سخت ہو گئے یعنی دل ایک جگہ قرار پکڑ گئے۔ [2]

ادب نمبر ١٥۔ تَرْدِيْدُ الْاٰيَةِ: ایک آیت کو بار بار پڑھنا، کیونکہ قرآن میں غور و فکر بہت ضروری ہے اور تلاوت کا اصل مقصد ہے اور یہ مقصود اس طرح بخوبی حاصل ہو جاتا ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک شب ایک آیت کو بار بار پڑھتے رہے، یہاں تک کہ صبح ہوگئی اور وہ آیت یہ تھی: اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۔[3] حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جس آیت کو آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بار بار پڑھا اور اسی حال میں صبح ہوگئی، وہ آیت یہ تھی: اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ... [4]

عبادہ بن حمزہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے پاس گیا تو وہ یہ آیت پڑھ رہی تھیں: فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ ۔[5] میں پاس کھڑا ہو گیا اور وہ اسی کو دُہراتی رہیں اور دعا مانگتی رہیں اور اس پر بہت دیر لگ گئی، پھر میں بازار چلا گیا اور ایک کام انجام دیا، واپس آیا تو دیکھا کہ اسماء رضی اللہ عنہا اسی طرح آیت کو پڑھ رہی تھیں اور دعا کر رہی تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بھی قصہ ایسا ہی مروی ہے۔

---

[1] الکلمات الحسان، ص:٢٠٥۔ [2] فضائل ابی عبید، ص:٦٤، حلیہ ابی نعیم وتفسیر ابن عطیہ۔ [3] نسائی وابن ماجہ۔ [4] الجاثیہ:٢١۔ [5] طور:٢٧۔

Marfat.com

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا کو بار بار پڑھا۔ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے آیت وَاتَّقُوْا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِیْهِ اِلَی اللّٰهِ [1] کو پڑھا اور اس کو بار بار دُہرایا۔ ایک بار آیت فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ اِذِ الْاَغْلٰلُ فِیْۤ اَعْنَاقِهِمْ [2] کو بار بار پڑھا اور آیت مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِ [3] کو دہرایا۔ حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ [4] پڑھا تو صبح تک اسی کو بار بار پڑھتے رہے۔

نفل نماز میں کسی آیت کے بار بار پڑھنے کا استحباب

سیار بن سلامہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نماز تہجد پڑھ رہے تھے کہ ایک شخص آ گیا اور اُس نے دیکھا کہ آپ صرف سورہ فاتحہ ہی پڑھتے جا رہے ہیں اور برابر تکبیر و تسبیح اور رکوع وسجود کر کے نماز تہجد ادا کر رہے ہیں، صبح کو اُس نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ ماجرا عرض کیا تو فرمایا تیری ماں کی ہلاکت ہو، کیا فرشتوں کی نماز ایسی ہی نہیں ہے۔

علاء بن کثیر اسکندرانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک شخص کا بیان ہے کہ میں مکہ معظّمہ میں مقیم تھا، ایک رات جب میں نماز عشاء سے فارغ ہو گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک صاحب نے میرے آگے کھڑے ہو کر نفل نماز شروع کر دی اور اس میں اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ کی تلاوت کرنے لگے، وہ برابر اسی سورت کی تلاوت کرتے رہے حتیٰ کہ مؤذن نے تہجد کی اذان کہہ دی، میں نے کسی سے اُن صاحب کے متعلق پوچھا تو اُس نے بتایا کہ یہ سعید بن جُبَیر رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

تلاوت کردہ آیت کا جواب دینے اور اُسکے مضمون کی گواہی دینے کا استحباب

۱۔ عبداللہ بن سائب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نمازِ عشاء میں کافی تاخیر فرما دی، میں نے نماز پڑھانی شروع کر دی، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نکلے اور میری اقتداء میں نماز پڑھنے

[1] البقرۃ:۲۸۱۔ [2] مؤمن:۷۰،۷۱۔ [3] انفطار:۶۔ [4] الزمر:۱۶۔

Marfat.com

لگے۔ میں نے سورۂ ذاریات کی قرأت کی، جب میں وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ [1] ''اور تمہاری سب کی روزی اور اَجر و ثواب کے جو وعدے کئے گئے ہیں آسمان والے کے ہاتھ میں ہیں''، والی آیت پر پہنچا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا وَاَنَا اَشْهَدُ ''میں بھی اس بات کی گواہی دیتا ہوں'' اور یہ اتنی اُونچی آواز سے کہا کہ پوری مسجد آپ کی آواز سے گونج اُٹھی۔[2]

۲۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے سنا: هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا ''کبھی گزرا ہے انسان پر ایک وقت زمانہ میں کہ وہ نہ تھا کوئی چیز جو زبان پر آتی''، تو فرمایا اِيْ وَعِزَّتِكَ جَعَلْتَهٗ سَمِيْعًا بَصِيْرًا حَيًّا وَّمَيِّتًا ہاں! تیری عزت کی قسم! تُو نے ہی انسان کو سُنتا دیکھتا بنایا اور زندہ و مُردہ بنایا ہے۔[3]

۳۔ صالح بن مسمار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے يٰاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ [4] ''اے آدمی! کس چیز سے بہکا تو اپنے ربّ کریم پر''، والی آیت تلاوت کی تو فرمایا جَهْلُهٗ یعنی انسان کو اُس کی جہالت نے غرور اور دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔

۴۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے اُونچی آواز سے یہ آیت تلاوت کی: اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰى اَنْ يُّحْيِيَ الْمَوْتٰى ''کیا ایسا اللہ زندہ نہیں کر سکتا مُردوں کو''، اور پھر اس کے جواب میں کہا سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبَلٰى ''الٰہی! تو کمزوری سے پاک ہے اور کیوں نہیں تو ضرور قادر ہے''۔ جب اُن سے اسکے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا: میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس آیت کے جواب میں ایسے ہی کہتے ہوئے سنا ہے۔[5]

۵۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نماز میں اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰى اَنْ يُّحْيِيَ الْمَوْتٰى والی آیت تلاوت کی تو فرمایا سُبْحَانَكَ وَبَلٰى۔

۶۔ حُجر مَدَرِی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ نماز تہجد میں سورۂ واقعہ تلاوت کی، جب اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ''بھلا دیکھو تو جو پانی تم ٹپکاتے ہو، اب تم اس کو بناتے ہو یا ہم ہیں بنانے

---

[1] ذاریات: ۲۲ [2] فضائل القرآن للقاسم بن سلام، ص: ۱۴۹۔ [3] فضائل القرآن للقاسم بن سلام، ص: ۱۵۰۔ [4] انفطار: ۶ [5] موسیٰ بن ابی عائشہؒ بسند

Marfat.com

والے''، پڑھا تو کہا بَلْ اَنْتَ یَارَبِّ ''بلکہ اے پروردگار! آپ ہی بنانے والے ہیں''۔

جب اَفَرَءَیْتُمْ مَّاتَحْرُثُوْنَ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَہٗۤ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ''بھلا دیکھو تو جو تم بوتے ہو، کیا تم اس کو کرتے ہو کھیتی یا ہم ہیں کھیتی کر دینے والے''، پڑھا، تب بھی کہا بَلْ اَنْتَ یَارَبِّ ''بلکہ اے میرے رب! آپ ہی کھیتی کر دینے والے ہیں''۔

اسی طرح جب اَفَرَءَیْتُمُ الْمَآءَ الَّذِیْ تَشْرَبُوْنَ ءَ اَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْہُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ''بھلا دیکھو تو پانی جو تم پیتے ہو، کیا تم نے اُتارا اُس کو بادل سے یا ہم ہیں اُتارنے والے''، اور اَفَرَءَیْتُمُ النَّارَ الَّتِیْ تُوْرُوْنَ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَہَاۤ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُوْنَ ''بھلا دیکھو تو آگ جس کو تم سلگاتے ہو، کیا تم نے پیدا کیا اس کا درخت یا ہم ہیں پیدا کرنے والے''، پڑھا، تب بھی بَلْ اَنْتَ یَارَبِّ کہا۔[1]

۷۔ صلہ بن اشیم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب تم اس آیت پر پہنچو وَیَبْقٰی وَجْہُ رَبِّکَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِکْرَامِ ''اور باقی رہے گی ذات تیرے رب کی جو بزرگی و عظمت والی ہے''، تو ٹھہرو اور ربّ جلیل سے سوال کرو۔[2]

۸۔ قاری کے لئے مستحب ہے کہ جب اَفَاَمِنَ اَہْلُ الْقُرٰۤی اَنْ یَّاْتِیَہُمْ بَاْسُنَا بَیَاتًا وَّہُمْ نَآئِمُوْنَ[3] ''اب کیا بے ڈر ہیں بستیوں والے اس سے کہ آپہنچے اُن پر آفت ہماری راتوں رات جب سوتے ہوں''، والی آیتوں پر پہنچے تو آواز کو سوالیہ اندازِ کلام اور مفہوم و مضمون قرآنی کے لحاظ سے قدرے بلند کرے۔[4]

ادب نمبر ۱۶۔ تَحْسِیْنُ الصَّوْتِ: قراءتِ قرآن میں خوش آوازی کا خیال رکھے، سلف و خلف یعنی صحابہ و تابعین اور بعد کے علماء مسلمین کا اس پر اجماع ہے کہ قرآن پڑھنے میں خوش آوازی مستحب ہے۔

حضرت فضالہ بن عبیدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

---

[1] فضائل القرآن للمستغفری، ۱۷۹/۱۔ [2] فضائل القرآن للقاسم بن سلام، ص: ۱۵۵۔ [3] اعراف: ۹۷۔ [4] فضائل القرآن للقاسم بن سلام، ص: ۱۵۵۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ خوش آوازی سے قرآن پڑھنے والے کی طرف اس شوق و ذوق سے کان لگاتا ہے کہ گانے والی لڑکی کا گانا اس کا مالک اس قدر شوق سے نہیں سنتا۔[1]

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

قرآن کو اپنی آوازوں سے زینت دو۔[2]

حضرت براء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

میں نے عشاء کی نماز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ پڑھتے سنا، تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ خوش الحان کسی کو نہیں پایا۔[3]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت منقول ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ سورۂ اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ایسی دردبھری آواز اور دل گداز لہجہ سے پڑھی کہ گویا آپ کسی کی موت پر اظہارِ افسوس کر رہے ہیں۔ سنن ابوداؤد میں ہے کہ ابن ابی ملیکہ رحمۃ اللہ سے قرأت میں خوش آوازی کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ جہاں تک ہو سکے قاری خوش آوازی سے کام لے۔

تلاوتِ قرآن میں حُسنِ صوت

۱۔ عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ كُنْتُ رَجُلًا قَدْ اَعْطَانِيَ اللهُ حُسْنَ الصَّوْتِ بِالْقُرْاٰنِ وَكَانَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ يُرْسِلُ اِلَيَّ فَاَقْرَاُ عَلَيْهِ فَاِذَا فَرَغْتُ مِنْ قِرَاءَتِيْ قَالَ زِدْنَا فِدَاكَ اَبِيْ وَاُمِّيْ[4]

''علقمہ کہتے ہیں مجھے اللہ تعالیٰ نے تلاوتِ قرآن میں خوش آوازی سے نوازا تھا اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ مجھے بلوا کر قرآن پاک سنتے تھے، جب میں تلاوت سے فارغ ہو جاتا تو فرمایا کرتے تجھ پر میرے ماں باپ قربان ہوں، اور سناؤ''۔

۲۔ عَنِ الْاَعْمَشِ قَالَ كَانَ يَحْيَى ابْنُ ثَابِتٍ مِّنْ اَحْسَنِ النَّاسِ قِرَاءَةً وَرُبَّمَا اشْتَهَيْتُ اَنْ اُقَبِّلَ رَأْسَهٗ مِنْ حُسْنِ قِرَاءَتِهٖ وَكَانَ اِذَا قَرَاَ لَا نَسْمَعُ فِي الْمَسْجِدِ حَرَكَةً كَاَنْ لَّيْسَ

---

[1] ابن ماجہ۔ [2] ابوداؤد و نسائی۔ [3] بخاری و مسلم۔ [4] الکلمات، ص: ۷۹۔

Marfat.com

فِي الْمَسْجِدِ اَحَدٌ [1]

''اعمش رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یحییٰ بن ثابت بے حد خوش آوازی سے تلاوت کرتے تھے، حتیٰ کہ بسا اوقات ان کی عمدگی تلاوت کی وجہ سے مجھے خواہش ہوتی تھی کہ ان کا سر چوم لوں، جب موصوف تلاوت کیا کرتے تو مسجد میں ایسا سناٹا طاری ہو جاتا کہ گویا مسجد میں کوئی ہے ہی نہیں''۔

اچھی آواز سے قرآن شریف کا حسن دوبالا ہو جاتا ہے

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: "حَسِّنُوا الْقُرْاٰنَ بِاَصْوَاتِكُمْ فَاِنَّ الصَّوْتَ الْحَسَنَ يَزِيْدُ الْقُرْاٰنَ حُسْنًا"۔ [2]

''حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کا یہ ارشاد سنا ہے کہ تم اپنی اچھی آوازوں سے قرآن شریف کو مزین کرو، کیونکہ اچھی آواز سے کلام اللہ شریف کا حُسن دوبالا ہو جاتا ہے''۔

خوش آوازی، قرآن کی تلاوت کا زیور ہے

رَوٰى عَبْدُ الرَّزَّاقِ فِيْ جَامِعِهٖ وَالضِّيَاءُ عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لِكُلِّ شَيْءٍ حِلْيَةٌ وَحِلْيَةُ الْقُرْاٰنِ الصَّوْتُ الْحَسَنُ"۔ [3]

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہر چیز کا ایک زیور ہوتا ہے، اور قرآن کا زیور اچھی آواز ہے''۔

امام دارمی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے اپنی سند سے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے یہ فرمانا روایت کیا

[1] الکلمات، ص: ۹۷۔ [2] رواہ الدارمی، تلاوت القرآن المجید، ص: ۹۲۔ [3] کما فی فتح الکبیر، تلاوۃ القرآن المجید، ص: ۹۱۔

Marfat.com

ہے کہ: اے ابوموسیٰ! ہم کو ہمارے ربّ کی یاد دلاؤ، تو حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے قرآن کو پڑھا۔

اس سلسلہ میں کثرت سے آثار صحابہ منقول ہیں، علماء نے یہ مستحب قرار دیا ہے کہ کسی مجلس کا افتتاح یا حدیث نبوی کے پڑھتے وقت، قرآن خوش آوازی سے شروع کیا جائے، قاری کیلئے ضروری ہے کہ اس مجلس کے مناسب آیات سے آغاز کرے اور آیات ایسی ہوں جو اللہ کے خوف کو یاد دلائیں اور اس کی رحمت کی وسعت سامنے کر دیں، ترک دنیا اور آخرت کی رغبت پیدا کریں، تاکہ بہترین اخلاق کے حصول کا جذبہ پیدا ہو۔

خوش آوازی کے ذریعہ قرآن کی تحسین وتزئین کا استحباب

۱۔ عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

میں نے فتح مکہ کے دن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حالت میں زیارت کی کہ آپ اپنی اونٹنی یا اونٹ پر سوار چلے جا رہے تھے اور سورۂ فتح کی تلاوت فرماتے جاتے تھے۔ پھر معاویہ بن قُرہ (شاگردِ ابنِ مغفل و استادِ شعبہ) نے آپ کی تلاوت کی نقل اتارتے ہوئے حسین آواز میں ایسی لطیف تلاوت کی جس میں ترنم وخوبصورتی اور خوب شد ومد تھا اور پھر کہا کہ اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ اُس نغمہ اور ترنم کو سن کر لوگوں کا جمگھٹا ہو جائے گا تو میں تمہیں اُس نغمہ کی پوری نقل اُتار کر دکھا دیتا۔[۱]

مسند ابی عوانہ میں روایت ہے:

اَنَّ عُمَرَبْنَ الْخَطَّابِ، كَانَ يُقَدِّمُ الشَّابَ الْحَسَنَ الصَّوْتَ لِحُسْنِ صَوْتِهِ بَيْنَ يَدَيِ الْقَوْمِ [۲]

''حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نوجوان کو اس کی اچھی آواز کی وجہ سے قوم سے مقدم کرتے تھے، وہ امامت کرواتا تھا''۔

---

[۱] صحیح بخاری، باب القراءۃ علی الدابۃ۔ [۲] مسند ابی عوانہ، ج:۴، ص:۷۹۔

Marfat.com

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے علمائے سلف وخلف کا اجماع نقل کیا ہے کہ صحابہ وتابعین اور علماء امصار سب متفق ہیں کہ قرآن مجید کو اچھی آواز کے ساتھ پڑھنا مستحب ہے۔ [1]

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَمَّا تَحْسِیْنُ الصَّوْتِ وَ تَقْدِیْمُ حَسَنِ الصَّوْتِ عَلٰی غَیْرِہٖ فَلَا نِزَاعَ فِیْ ذٰلِكَ

"آواز کو اچھا کرنے اور اچھی آواز والے کو دوسروں پر مقدم کرنے میں کوئی اختلاف نہیں، یہ اتفاقی چیز ہے"۔ [2]

آواز کا اچھا ہونا اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، وہ جسے چاہے دے۔ کتنے ہی قراء ایسے ہیں جنہوں نے حفظ بھی مکمل نہیں کیا مگر ان کی آواز اتنی پیاری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مسجد نبوی جیسی عظیم جگہوں میں امامت کا موقع دیا، اور کتنے ہی ماہر قراء اور عالم ہیں لیکن ان کی آواز بالکل سادہ ہے، ان کی ادائیگی تو صحیح ہے لیکن آواز نہیں، اس لئے اچھی آواز کا اصل معیار وہ ہے جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ مِنْ اَحْسَنِ النَّاسِ صَوْتًا بِالْقُرْاٰنِ الَّذِیْ اِذَا سَمِعْتَہٗ یَقْرَأُ رَاَیْتَ اَنَّہٗ یَخْشَی اللّٰہَ [3]

"لوگوں میں سے قرآن مجید کی تلاوت میں حسین آواز والا وہ ہے کہ جب تم اسے دیکھو کہ وہ پڑھ رہا ہے تو ایسے لگے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈر رہا ہے۔

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

اَحْسَنُ النَّاسِ قِرَاءَۃً الَّذِیْ اِذَا قَرَاَ رَاَیْتَ اَنَّہٗ یَخْشَی اللّٰہَ [4]

"لوگوں میں سے اچھی قراءت والا وہ ہے جب وہ قراءت کرے تو تو دیکھے (محسوس کرے) کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈر رہا ہو"۔

اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب آیت خوف پڑھتے تو اس سے پناہ مانگتے

---

[1] التبیان، ص:۸۷۔ [2] فتح الباری، ج:۹، ص:۹۱۔ [3] سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث:۱۳۳۱۔ [4] صحیح الجامع، رقم الحدیث:۱۹۴۔

Marfat.com

اور جب آیت رحمت پڑھتے تو اس کا سوال کرتے، اور جب ایسی آیت تلاوت فرماتے کہ جس میں اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان ہوئی ہو تو سبحان اللہ کہتے۔

قرآن کی تحسین یہ ہے کہ لہجہ عرب کے موافق پڑھتے وقت خشوع وخضوع اور وقار بھی قائم رہے۔ تلاوت کے وقت پیشانی پر شکن ڈالنا، آنکھیں بند کرنا وغیرہ، یہ سب تکلفات ہیں۔ اسی کے بارے میں حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَخَافُ عَلَیْکُمْ سِتًّا : اِمَارَةَ السُّفَهَاءِ ، وَسَفْكَ الدَّمِ ، وَبَيْعَ الْحُكْمِ ، وَقَطِيْعَةَ الرَّحِمِ ، وَنَشْوًا يَتَّخِذُوْنَ الْقُرْآنَ مَزَامِيْرَ ، وَ كَثْرَةَ الشُّرَطِ [1]

مجھے تم پر چھ چیزوں کا خوف ہے: (۱) بیوقوفوں کی امارات (۲) خونریزی (۳) حکم کی بیع (رشوت لے کر فیصلہ تبدیل کرنا) (۴) قطع رحمی (قطع تعلق) (۵) چھوٹے بچے قرآن مجید کو بانسریاں (گیت) بنالیں گے اور (۶) فوجی دستوں کی کثرت۔

اس حدیث میں مقصود پانچویں چیز ہے کہ قرآن مجید کو گیتوں کی طرح پڑھیں گے، خشیت نہیں ہوگی۔ اسی لئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ریاکاری سے ڈراتے ہوئے خاص طور پر فرمایا: اَكْثَرُ مُنَافِقِيْ اُمَّتِيْ قُرَّاءُهَا ''میری اُمت کے اکثر منافق قاری ہوں گے''۔ [2]

۲۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے شمائل میں، نیز نسائی وابن ماجہ اور ابن ابی داوٗد نے یہ حدیث نقل کی ہے کہ اُم ھانی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں اپنے بستر پر لیٹی ہوئی رات کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلاوت مقدسہ کی آواز مبارک سنا کرتی تھی کہ آپ تلاوت میں آواز کو مد کے طریقہ پر پھرا رہے ہوتے تھے (كُنْتُ اَسْمَعُ صَوْتَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ يَقْرَأُ وَاَنَا نَائِمَةٌ فِيْ فِرَاشِيْ يُرَجِّعُ الْقُرْآنَ)۔

شیخ ابو محمد بن ابی جمرہ کہتے ہیں کہ اس ترجیع سے مقصود صرف تحسین تلاوت ہے نہ کہ گانے والی ترجیع، کیونکہ

[1] مسند احمد، ج:۳، رقم الحدیث: ۴۹۴۔ [2] صحیح الجامع، رقم الحدیث: ۱۲۰۳۔

Marfat.com

گانے والی ترجیع میں تلاوت کرنا اُس خشوع کے منافی و برخلاف ہے جو تلاوت کا اصل مقصود ہے۔

۳۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

زَيِّنُوا اَصْوَاتَكُمْ بِالْقُرْاٰنِ ''اپنی آوازوں کو قرآن کے ذریعہ مُزَیَّن بناؤ۔[1] رواہ ابن حبان عن ابی ھریرۃؓ۔

ایک اور روایت میں ہے:

اَحْسِنُوْا اَصْوَاتَكُمْ بِالْقُرْاٰنِ ''اپنی آوازوں کو قرآن کے ذریعہ خوبصورت بناؤ''۔

بعض احادیث میں زَيِّنُوا الْقُرْاٰنَ بِاَصْوَاتِكُمْ ''قرآن کو اپنی آوازوں کے ذریعہ آراستہ و پیراستہ کرو'' آیا ہے، وہ بھی اپنی جگہ درست ہیں، کیونکہ خوش آوازی سے قرآن کی زینت بھی ہے، جس طرح قرآن سے آواز کی زینت بھی حاصل ہوتی ہے۔

خطابی کہتے ہیں کہ متعدد ائمہ حدیث نے ایسی احادیث کی تفسیر ''زَيِّنُوا اَصْوَاتَكُمْ بِالْقُرْاٰنِ'' سے کی ہے۔ ان حضرات کا خیال یہ ہے کہ یہ احادیث باب المقلوب سے ہیں، جیسا کہ عَرَضْتُ النَّاقَةَ عَلَى الْحَوْضِ (میں نے اونٹنی کو حوض پر پیش کیا) بولتے ہیں اور مراد یہ لیتے ہیں کہ عَرَضْتُ الْحَوْضَ عَلَى النَّاقَةِ (یعنی میں نے حوض کو اونٹنی کے سامنے پیش کیا) اسی طرح ان احادیث میں تزئین اصوات بالقرآن مقصود ہے، نہ کہ تزئین قرآن بالاصوات، اور مقصد یہ ہے کہ اپنی آوازوں کو قرآن پاک کی تلاوت میں مشغول کرو اور قرآن ہی کو اپنا نغمہ وشعار اور حصول زینت کا ذریعہ بنالو۔[1]

۴۔ بعض روایات میں تَغَنِّيْ بِالْقُرْاٰن کا ذکر آیا ہے، سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ نے تَغَنِّيْ کی تفسیر استغناء بالقرآن سے کی ہے، یعنی قرآن کے ذریعہ ماسوا سے بے نیازی حاصل کی جائے، کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرْاٰنِ والی حدیث اُس وقت ارشاد فرمائی جبکہ آپ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے اور ان کے پاس پھٹا پرانا، ردی سامان پڑا ہوا تھا۔

---

[1] الترغیب والترہیب، ج:۲،ص:۳۶۳۔

Marfat.com

حدیث کا مطلب

بقول امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، راجح یہ ہے کہ تَغَنِّیْ، تحسین صوت اور تحزُّن کے معنی میں ہے، کتاب الزاہر میں ابن انباری کہتے ہیں کہ تَغَنِّیْ سے مقصود تَلَذُّذ اور اِستِحلَاء ہے کہ اہل عرب گانے سے لذت ولطف حاصل کرتے تھے، اس لئے اب اس کی بجائے انہیں قرآن کے ذریعہ لذت ولطف حاصل کرنے کا حکم دیا گیا۔

۵۔ اگر قواعد موسیقیہ کے لحاظ سے یا محض خوش آوازی سے قواعدِ تجوید اس طرح بگڑ جائیں کہ کسی حرف کی کمی یا زیادتی لازم آ جائے تو دونوں بالاتفاق ممنوع وحرام ہیں، اور اگر قواعدِ تجوید کی خلاف ورزی لازم نہ آئے تو حُسنِ صوت تو بلا شبہ اور بالاجماع جائز ومستحسن ہے، جس میں ہرگز کوئی نزاع وخلاف نہیں ہے، البتہ قرأۃ بالاَلحان میں تین اقوال ہیں:

اول: عبدالوہاب مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے قرأۃ بِالاَلحان کی حرمت نقل کی ہے، ابوالطیب طبری، ماوردی اور ابن حمدان حنبلی نے علماء کی ایک جماعت سے بھی یہی نقل کیا ہے۔

دوم: مالکیہ میں سے ابن بطال وعیاض وقرطبی نے اور شافعیہ میں سے ماوردی وغزالی نے اور حنفیہ میں سے صاحبِ ذخیرہ نے کراہیت نقل کی ہے۔ حنابلہ میں سے ابویعلی اور ابن عقیل نے بھی اسی کو مختار قرار دیا ہے۔

سوم: ابن بطال نے صحابہ وتابعین کی ایک جماعت سے جواز نقل کیا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا منصوص وصریح قول بھی یہی ہے، اور احناف میں سے طحاوی نے بھی یہی قول نقل کیا ہے۔

الحان محرمہ

علامہ ماوردی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب حاوی میں فرمایا ہے:

''جو قرأت الحان موضوعہ کے طریقہ پر اس طرح ہو کہ لفظِ قرآن اپنے صیغہ اور حرکات سے نکل جائے یا ایسے طور پر الفاظ ادا ہوں کہ بعض لفظ مشتبہ ہو جائیں اور معنی پر اثر پڑ جائے تو حرام

Marfat.com

ہوگا، قاری فاسق سمجھا جائے گا اور سننے والے گنہگار رہوں گے"۔

الحان محرمہ ایک ایسی مصیبت ہے کہ بعض جاہل اس کو جنازوں اور محفلوں میں پڑھتے ہیں، جو بدعت محرمہ ہے، ہر سننے والا گنہگار ہوتا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ مختصر مزنی کے اندر فرماتے ہیں کہ جس صورت سے قرآن عمدہ طور پر پڑھنا ہو سکے بہتر ہے اور میں حدر اور تحزین کو پسند کرتا ہوں۔

فائدہ: حدر کا معنی یہ ہے کہ کوئی لفظ دبایا نہیں، اور تحزین کا مطلب یہ ہے کہ رقت آمیز طریقہ پر نرم آواز سے پڑھا۔

٦۔ دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَسْجِدَ فَسَمِعَ قِرَاءَةَ رَجُلٍ فَقَالَ مَنْ هٰذَا؟ قِيْلَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ قَيْسٍ (اَیْ اَبُوْ مُوْسٰی الْاَشْعَرِیُّ) فَقَالَ لَقَدْ اُوْتِیَ هٰذَا مِنْ مَّزَامِیْرِ اٰلِ دَاوٗدَ [1]

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے تو ایک صاحب کی قرأت سُنی، دریافت فرمایا یہ کون ہیں؟ عرض کیا گیا: عبداللہ بن قیس یعنی ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ہیں، آپ علیہ السلام نے فرمایا انہیں داؤد علیہ السلام کی خوش آوازیوں میں سے ایک بڑا حصہ عطا کیا گیا ہے۔

یعنی حضرت داؤد علیہ السلام کی آل کی بانسریاں، داؤد علیہ السلام زبور خوبصورت آواز میں پڑھتے، خود بھی روتے اور دوسروں کو بھی رلاتے، حضرت داؤد علیہ السلام زبور کو ۷۰ لہجوں میں پڑھتے تھے۔ [2]

ایک روایت میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو قرآن پڑھتے سنا تو ان سے فرمایا:

"میں رات کو تیری قرأت سن رہا تھا" - لَقَدْ اُوْتِیْتَ مِزْمَارًا مِّنْ مَّزَامِیْرِ اٰلِ دَاوٗدَ تو آل داؤد کی مزامیر (بانسریوں) میں سے مزمار (بانسری) دیا گیا ہے۔ [3] حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ اگر مجھے پتہ چل جاتا تو لَحَبَّرْتُهٗ لَكَ تَحْبِيْرًا "میں آپ کیلئے اور زیادہ حسین پڑھتا"۔ [4]

---

[1] رواہ البخاری ومسلم واحمد عن ابی ھریرۃؓ۔ [2] فتح الباری، ج۹، ص:۹۰۔ [3] صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۷۹۳۔ [4] فتح الباری، ج:۹، ص:۱۱۶۔

Marfat.com

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب بھی حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو دیکھتے تو کہتے ذَكِّرْنَا رَبَّنَا يَا اَبَا مُوْسٰى فَيَقْرَأُ عِنْدَهُ اے ابو موسیٰ! ہمارے رب کی یاد تازہ کرو تو پھر وہ ان کے پاس قرآن مجید پڑھتے۔[1]

فوائدِ مہمہ

(۱) مَزَامِیْر، مِزْمَارٌ کی جمع ہے جو آلہ لہو کے معنی میں ہے لیکن یہاں اس سے محض خوش آوازی مراد ہے۔

(۲) الِ داوٗد میں آل کا لفظ مبالغہ اور عظمت کے لئے زائد کیا گیا ہے ورگرنہ اصل مقصود خود حضرت داوٗد علیہ السلام ہی ہیں، کیونکہ کسی بھی روایت سے یہ ثابت نہیں ہوا ہے کہ داوٗد علیہ السلام کی اولاد میں سے کسی کو لحن داوٗدی میں سے نمایاں اور وافر حصہ عطا ہوا ہو۔

(۳) حدیث بالا کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح داوٗد علیہ السلام زبور کی تلاوت میں انتہائی خوش آوازی کا مظاہرہ فرماتے تھے اسی طرح حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو قرآن پاک کی تلاوت میں بے حد خوش آوازی عطا کی گئی ہے۔

(۴) ابو عثمان نہدی کہتے ہیں کہ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ ہمیں نماز پڑھاتے تھے واللہ! میں نے کسی چیز کی آواز بھی اُن کی آواز سے زیادہ خوبصورت نہیں سنی، نہ کسی سارنگی و بانسری کی نہ کسی اور چیز کی۔

(۵) ابن جریج نے عطاء سے پوچھا کہ قرأۃ بِالْاَلحان کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ فرمایا کوئی حرج نہیں، کیونکہ میں نے عبید بن عمیر سے سنا ہے کہ داوٗد علیہ السلام خوش آوازی کے ذریعہ خود بھی روتے تھے اور اَوروں کو بھی رُلایا کرتے تھے۔

پس جن احادیث میں خوش آوازی کا حکم ہے اُن کا یہی مقصد ہے کہ حُزن وخوف وشوق اور خشوع و

[1] سنن الدارمی، رقم الحدیث: ۳۴۹۴۔

Marfat.com

خضوع کے طریقہ پر خوش آوازی اختیار کی جائے، یہ معنی نہیں کہ بالقصد قواعد موسیقیہ کا لحاظ کر کے بطور گانے کے قرآن پاک کی تلاوت کی جائے وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔

(۶) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ من گھڑت الحان اور لہجوں کے ذریعہ قرآن پاک کی تلاوت کر رہا ہے، اُس پر آپ نے نکیر کی اور الحان سے منع فرمایا۔

(۷) شعبہؒ کہتے ہیں کہ مجھے ایوبؒ نے زَیِّنُوا الْقُرْاٰنَ بِاَصْوَاتِکُمْ والی حدیث کے روایت کرنے سے منع فرمایا ہے، اس لئے کہ لوگ اس کا غلط مطلب سمجھتے ہیں۔

اذیّت رسانی کی صورت میں اونچی آواز سے قراءت کی ممانعت

سَمِعَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ حُذَافَۃَ یَقْرَاُ فِی الْمَسْجِدِ یَجْھَرُ بِقِرَاءَتِہٖ فِیْ صَلٰوۃِ النَّھَارِ فَقَالَ یَا ابْنَ حُذَافَۃَ سَمِّعِ اللّٰہَ وَلَا تُسَمِّعْنَا [1]

’’حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ مسجد میں عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کو دن کی نماز میں اونچی آواز سے تلاوت کرتے ہوئے سنا تو فرمایا: ابن حذافہ! اللہ کو سناؤ، ہمیں نہ سناؤ‘‘۔

اجتماعی طور پر تلاوتِ قرآن

ایک جماعت کی شکل میں تلاوتِ قرآن کے متعلق علماء امت کے مختلف نقطہائے نظر ہیں:

اوّل نظریہ: ابن ابی داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ ابو درداء رضی اللہ عنہ قرآن مجید کا درس دیتے تھے، آپ کے ساتھ بہت سے لوگ قرآن اکٹھا طور پر پڑھتے تھے اور ابن ابی داؤد نے اکٹھا ہو کر قرآن پڑھنے اور درس دینے کا بہت سے افاضل سلف اور خلف اور قضاۃ کا ذکر کیا ہے۔ حسان بن عطیہ رحمۃ اللہ علیہ اور اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا

[1] رواہ احمد عن ابی سلمۃ بن عبدالرحمٰنؓ۔

Marfat.com

ہے کہ سب سے پہلے جس نے کتابوں کے پڑھنے کا طریقہ مسجد دمشق میں ایجاد کیا وہ ہشام بن اسماعیل تھے جو خلیفہ عبدالملک کے پاس پہنچے تھے۔

دوسرا نظریہ: وہب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے میں نے پوچھا کہ آپ کا کیا خیال ہے ایسے لوگوں کے بارے میں جو جمع ہو کر ایک ہی سورۃ کو پڑھتے ہیں اور پھر اسی کو ختم کرتے ہیں؟ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو برا سمجھا اور انکار کیا، اور فرمایا کہ لوگ ایسا نہ کریں بلکہ ہونا یہ چاہئے کہ ایک آدمی دوسرے کو سنائے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆

Marfat.com

قرآن کریم کو سیکھ کر پڑھنے کے فضائل

تَعَلَّمُوْا كِتَابَ اللهِ فَاِنَّهٗ اَفْضَلُ الْحَدِيْثِ، وَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ فَاِنَّهٗ رَبِيْعُ الْقُلُوْبِ، وَاسْتَشْفُوْا بِنُوْرِهٖ فَاِنَّهٗ شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ، وَاَحْسِنُوْا تِلَاوَتَهٗ فَاِنَّهٗ اَحْسَنُ الْقَصَصِ وَاِذَا قُرِئَ عَلَيْكُمْ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ. وَاِذَا هُدِيْتُمْ لِعِلْمِهٖ فَاعْمَلُوْا بِمَا عَلِمْتُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ. فَاِنَّ الْعَالِمَ الْعَامِلَ بِغَيْرِ عِلْمِهٖ كَالْجَاهِلِ الْجَآئِرِ الَّذِيْ لَا يَسْتَقِيْمُ عَنْ جَهْلِهٖ بَلْ قَدْ رَأَيْتُ اَنَّ الْحُجَّةَ اَعْظَمُ وَالْحَسْرَةُ اَدْوَمُ عَلٰى هٰذَا الْعَالِمِ الْمُنْسَلِخِ مِنْ عِلْمِهٖ عَلٰى هٰذَا الْجَاهِلِ الْمُتَحَيِّرِ فِيْ جَهْلِهٖ، وَكِلَاهُمَا مُضَلَّلٌ مَثْبُوْرٌ. لَا تَرْتَابُوْا فَتَشُكُّوْا، وَلَا تَشُكُّوْا فَتَكْفُرُوْا، وَلَا تُرَخِّصُوْا لِاَنْفُسِكُمْ فَتَذْهَلُوْا، وَلَا تَذْهَلُوْا فِي الْحَقِّ فَتَخْسَرُوْا [1]

''اللہ کی کتاب کو سیکھو، اس لئے کہ یہ افضل کلام ہے، اور دین میں تفقہ حاصل کرو، اس لئے کہ یہ دلوں کی بہار ہے، اور اس کے نور سے شفاعت حاصل کرو کیونکہ وہ سینوں کی بیماریوں کے لئے شفا ہے، اور اس کی خوب تلاوت کیا کرو، اس لئے کہ یہ سب سے بہترین بیان ہے، اور جب تمہارے سامنے قرآن پڑھا جائے تو اس کو غور سے سنا کرو اور خاموش رہا کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے، اور جب تم کو ہدایت حاصل ہو جائے اس علم کی تو جو تم نے قرآن کریم سے سیکھا ہے، تو اس پر عمل کرو تا کہ تم کو ہدایت کا راستہ نصیب ہو، پس بے شک جو عالم اپنے علم پر عمل نہ کرتا ہو وہ اس جاہل کی مانند ہے جو راستے سے بھٹکا ہوا ہو اور اپنی جہالت سے سیدھی راہ پر نہ آتا ہو، بلکہ میں نے دیکھا ہے کہ جو عالم اپنے علم سے نکلا ہوا ہو اس پر حجت بڑی اور حسرت دائمی ہے بہ نسبت اس جاہل کے جو

[1] البدایہ والنہایہ، ج:۷، ص:۳۰۷۔

Marfat.com

اپنے جہل میں متحیر ہے، اور دونوں گمراہ اور ہلاک ہونے والے ہیں، تردد میں نہ پڑا کرو ورنہ تم شک میں پڑ جاؤ گے، اور دینی حقائق میں شک میں نہ پڑو ورنہ تم کافر ہو جاؤ گے، اور اپنے نفسوں کے لئے رخصتیں نہ تلاش کیا کرو ورنہ تم بھول میں پڑ جاؤ گے اور حق کے معاملے میں بھول اختیار نہ کرو ورنہ تم خسارے میں پڑ جاؤ گے“۔

قرآن کریم کی انفرادیت

اس خطبہ میں پہلے یہ بات ارشاد فرمائی کہ اللہ کی کتاب کو سیکھو اس لئے کہ یہ سب سے بہتر کلام ہے، اس سے احسن، اس سے افضل، اس سے انفع اور اس سے بہتر کوئی کلام نہیں ہے۔ دنیا کی کوئی کتاب ایسی نہیں کہ محض اس کی تلاوت کرنا اور اس کا پڑھنا موجب اجر و ثواب ہو، جبکہ قرآن کریم وہ واحد کتاب ہے کہ اس کے الفاظ کی تلاوت بھی موجب اجر و ثواب ہے، ایک حدیث میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

یَا اَبَاذَرٍّ! لَاَنْ تَغْدُوْ فَتَعَلَّمَ اٰیَةً مِّنْ کِتَابِ اللّٰہِ خَیْرٌ لَّكَ مِنْ اَنْ تُصَلِّیَ مِائَةَ رَکْعَةٍ، وَلَاَنْ تَغْدُوْ فَتَعَلَّمَ بَابًا مِّنَ الْعِلْمِ عَمِلَ بِهٖ اَوْلَمْ یَعْمَلْ خَیْرٌ مِّنْ اَنْ تُصَلِّیَ اَلْفَ رَکْعَةٍ [1]

”اے ابوذر! تو اس طور پر صبح کرے کہ قرآن کریم کی ایک آیت سیکھ لے، یہ تیرے لئے ایک سو رکعت نفل پڑھنے سے بہتر ہے، اور یہ کہ تو اس طور پر صبح کرے کہ دین کا ایک باب سیکھ لے، چاہے تو اس پر عمل کرے یا نہ کرے، تیرے لئے ایک ہزار رکعت نفل پڑھنے سے بہتر ہے“۔

ایک آیت سیکھنے کا ثواب

پہلی بات کہ ایک آیت سیکھ لے یہ سو رکعت نفل پڑھنے سے بہتر ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ یارسول

[1] ابن ماجہ، ص: ۲۰۔

Marfat.com

اللہ! سمجھ کر یا بے سمجھے؟ فرمایا: خواہ سمجھ کر یا بے سمجھے۔ تو قرآن کریم کی ایک آیت سیکھ لیں چاہے اس کا مضمون سمجھ میں آئے یا نہ آئے، دونوں صورتوں میں یہ اجر برابر ہے۔

دوسری بات کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: یارسول اللہ! خواہ عمل کرے یا نہ کرے؟ فرمایا: خواہ عمل کرے یا نہ کرے، یعنی علم سیکھنے کی فضیلت الگ ہے اور اس پر عمل کرنے کی فضیلت الگ ہے، یہ مضمون آگے آرہا ہے، تو کتاب اللہ کو سیکھو اور سیکھنے کا شوق پیدا کرو۔

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے مسجد میں تشریف لائے، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قرآن کریم کے سیکھنے اور سکھانے میں مشغول تھے، ان میں سے کچھ چھوٹی عمر کے تھے، کچھ بڑی عمر کے تھے، عام طور پر بڑی عمر کے لوگوں کی زبان سیدھی نہیں ہوتی، تلفظ میں بڑی مشکل ہوتی ہے، ان صحابہ کرام میں کچھ عرب تھے، کچھ عجم تھے، عجمیوں کے لئے عربی زبان کا تلفظ مشکل ہوتا ہے، ارشاد فرمایا: اِقْرَؤُوْا فَكُلٌّ حَسَنٌ [1] یعنی سب ٹھیک ہے، سیکھتے رہو۔

دورِ حاضر کی رسم

ہمارے اس زمانے میں یہ رسم چل نکلی ہے کہ ہر چیز کو سیکھنے کی ضرورت ہے پر قرآن سیکھنے کی ضرورت نہیں ہے، یہ آپ ہی آپ آجاتا ہے، کسی میاں جی کے پاس، کسی قاری صاحب کے پاس الفاظ سیکھنے کی ضرورت ہی نہیں، جیسے اردو الفاظ خود ہی آجاتے ہیں، ویسے ہی یہ قرآن بھی آجاتا ہے اور قرآن کریم کے پڑھنے پڑھانے کی ضرورت نہیں، یعنی معنی سیکھنے کی ضرورت نہیں بس ترجمہ دیکھ لینا کافی ہے، بہت سے لوگ حوالے دیا کرتے ہیں کہ فلاں سورت کی فلاں آیت میں یہ مضمون لکھا ہے، میں نے اس پر عمل کیا ہے، اپنے پاس سے مسئلہ گھڑ لیتے ہیں۔

---

[1] مشکوۃ، ص: ۱۹۱۔

Marfat.com

سب سے آسان اور مشکل کتاب

دنیا میں قرآن کریم سے زیادہ آسان بھی کوئی کتاب نہیں اور قرآن کریم سے زیادہ مشکل کتاب بھی کوئی نہیں، لوگ قرآن کریم کا صرف ترجمہ دیکھ کر مجتہد بن جاتے ہیں، اس زمانے میں لوگوں کا یہ ذہن بن گیا ہے کہ سب کچھ سیکھنے کی ضرورت ہے لیکن قرآن کریم سیکھنے کی ضرورت نہیں، یہ اپنے آپ ہی آجاتا ہے، اور یہ جو ہمارے لوگ ہیں جو علماء سے تھوڑا بہت تعلق رکھتے ہیں، یہ تو بے چارے پھر بھی تھوڑا بہت اردو ترجمہ دیکھ لیتے ہوں گے، لیکن یہ جو اونچے طبقے کے لوگ ہیں ان کے لئے اردو ترجمہ دیکھنا بھی گناہ ہے، یہ انگریزوں کا ترجمہ دیکھتے ہیں یا زیادہ سے زیادہ پکتھال کا ترجمہ دیکھ لیا، یوسف علی کا ترجمہ دیکھ لیا بس! اس لئے حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ اپنی معلومات کی تصحیح کرواؤ کہ تم نے جو سیکھا ہے وہ صحیح بھی ہے؟ اور تم نے جو سمجھا ہے وہ صحیح بھی سمجھا ہے یا نہیں؟

عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کی حکمت

عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کا لطیفہ مشہور ہے کہ ایک دفعہ انہوں نے دیکھا کہ ان کے امراء، وزراء میں مسجد کی طرف رغبت کچھ کم ہو رہی ہے، حکم دے دیا کہ جو میاں جی سے، مسجد کے امام سے اتنی آیتیں سیکھ کے آئے گا اس کو اتنا انعام ملے گا، اور اتنی ترقیاں ہوں گی، سب لوگ دوڑے میاں جی اور قاری صاحب کے پاس، یہ تو عالمگیر کا انعام تھا۔

اللہ جل جلالہ کا انعام

عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے ربّ کی طرف سے انعام یہ ہے کہ قرآن کے قاری سے کہا جائے گا:

اِقْرَأْ وَارْتَقِ وَرَتِّلْ كَمَا كُنْتَ تُرَتِّلُ فِي الدُّنْيَا فَإِنَّ مَنْزِلَكَ عِنْدَ آخِرِ آيَةٍ تَقْرَأُهَا [1]

"پڑھتا جا اور چڑھتا جا (جتنی آیتیں پڑھو گے اتنے درجے بلند کر دیں گے) جس طرح

[1] سنن ابی داود، ج: ۲، ص: ۷۳۔

Marfat.com

تم ترتیل کے ساتھ، آہستگی کے ساتھ دنیا میں پڑھتے تھے، ویسے پڑھو، جہاں تمہارے قرآن کی آخری آیت ختم ہوگی وہی تمہارا مرتبہ ہوگا (چڑھ جاؤ جتنا تم سے اونچا چڑھا جاتا ہے، یہ ترقیاں ہیں)"۔

ہر عمر والا قرآن سیکھے

اس لئے قرآن کریم کو سیکھیں! اس کے الفاظ کو بھی سیکھیں، اس میں عار نہ کریں، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بہت سے ایسے تھے جن کی عمریں پختہ ہوگئی تھیں، ساٹھ سال کے تھے، ستر سال کے تھے، اس کے باوجود انہوں نے قرآن کریم سیکھا، حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ جن کا شمار عشرہ مبشرہ میں ہے، وہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے قرآن کریم پڑھتے تھے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جن کی عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے وقت کوئی دس سال کی تھی، صحیح بخاری میں یہ قصہ ہے، تو اتنے بڑے اونچے جلیل القدر صحابی جن کا شمار ان دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ہے جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنت کی بشارت دی تھی، لیکن ان کو عار نہیں ہے کہ میں ایک چھوٹے بچے سے قرآن پڑھتا ہوں، حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس قرآن کریم کی مشق کرتے تھے، جب کہ یہی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث سیکھتے تھے، تو قرآن کریم کو سیکھو "فَاِنَّهٗ اَفْضَلُ الْحَدِیْثِ" سب سے افضل حدیث اور سب سے افضل کلام ہے۔

دین داری اور فہمِ دین

"وَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ" اور دین کا فہم حاصل کرو، یاد رکھو! ایک ہے دینداری، اور ایک ہے دین کا فہم، اور ایک ہے مزاج کا دین کے مطابق ڈھل جانا، یہ تین چیزیں الگ الگ ہیں، بہت سے لوگ ماشاء اللہ دیندار ہیں، باشرع ہیں، داڑھی بھی رکھی ہوئی ہے، ماتھے پر محراب ہے، حاجی بھی ہیں، نمازی بھی ہیں لیکن مزاج دینی نہیں ہے، دین میں ڈھلا ہوا نہیں ہے، اور بہت سے ایسے ہیں کہ ماشاء اللہ دیندار ہیں، احکام پر عمل بھی کرتے ہیں لیکن دین کا فہم نہیں ہے۔

Marfat.com

مطالعہ کا علم

بعض لوگ مطالعہ کر کے مجتہد بن جاتے ہیں، ساری عمر انگریزی پڑھتے رہے، اور اپنے بیانات میں بھی حوالے نامعلوم کن کن انگریزوں کے دیتے ہیں، الفاظ تو بولتے ہی تھے، تحریر میں بھی دیکھو تو آدھے الفاظ انگریزی رسم الخط میں لکھتے ہیں، لیکن دین کسی سے سیکھا نہیں ہے، ان کا دین بس اپنے فہم کی پیداوار ہے، جتنا خود مطالعے سے سمجھ لیا، سمجھ لیا کسی سے سیکھنے، سمجھنے کی ضرورت نہیں۔

بھائی! اپنے آپ مطالعہ کر کے کبھی عدالت میں وکیل کی حیثیت سے کھڑے نہیں ہو سکتے کہ میں نے قانون کا مطالعہ کیا ہے، میں قانون کو جج سے زیادہ جانتا ہوں، اور ڈاکٹری کے فن کا اپنے آپ مطالعہ کر کے بھی آپ کسی ہسپتال میں مریض کا آپریشن نہیں کر سکتے بلکہ دوا بھی نہیں دے سکتے، آپ یہ کہیں کہ میں نے بہت مطالعہ کیا ہوا ہے، پوچھنے والے پوچھیں گے: ڈگری ہے؟ استادوں نے تمہارے علم کی تصدیق کی ہے یا نہیں؟ کیا قرآن اور حدیث کے علم کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ کسی استاد نے بھی اس کی تصدیق کی ہے؟ فلاں بھی محقق اور فلاں بھی محقق، بڑے اونچے اونچے القاب کے ساتھ نام چھپتا ہے، ممتاز عالم دین اسکالر، نہ شکل دین کے مطابق، نہ عقل دین کے مطابق! تفقہ فی الدین کی ضرورت ہی نہیں، جو سمجھ میں آ گیا بس وہ ٹھیک ہے:

فَسَوْفَ تَرٰی اِذَا کَشَفَ الْغُبَارُ ... اَفَرَسٌ تَحْتَ رِجْلِكَ اَمْ حِمَارٌ
یہ غبار چھٹنے دو تو جب پتہ چلے گا کہ تمہارے نیچے گھوڑا تھا یا گدھا تھا؟

میدانِ حشر میں مقالے کام نہیں آئیں گے

وہاں میدانِ محشر میں یہ کرتب نہیں چلیں گے کہ اتنے مقالے لکھے تھے اور اس طرح اس طرح لوگ داد وتحسین دیا کرتے تھے، وہاں ایک ایک حرف کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ کس سے سیکھ کر لکھا تھا؟ کیسے لکھا تھا اور کس نیت سے لکھا تھا؟ اس لئے فرمایا: يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ”اس دن دلوں کے بھید اگل دیئے جائیں گے“۔[1]

---

[1] طارق:۹۔

اس لئے فرمایا دین کا فہم حاصل کرو، دین کے مسائل سیکھو اور ان مسائل کا صحیح فہم بھی حاصل کرو، اس لئے کہ فَاِنَّهٗ رَبِيۡعُ الْقُلُوۡبِ ''یہ دلوں کی بہار ہے''، دین کا فہم حاصل کرنے سے دل باغ و بہار ہو جائیں گے۔

فقہ میں لطف

حضرت مفتی ولی حسن مرحوم فرماتے تھے کہ میں جب فقہ کی کتابیں پڑھتا ہوں تو مجھے ایسا لطف آتا ہے جیسے لوگوں کو ناول افسانے پڑھنے میں لطف آتا ہے، فقہ قانون کو کہتے ہیں اور قانون سب سے زیادہ خشک موضوع ہے، شعروں کی کتاب پڑھنا آسان، وعظ کی کتاب پڑھنا آسان، کیونکہ اس میں وعظ اور چٹکلے ہوتے ہیں اور تاریخ وسوانح پڑھنا آسان، کیونکہ اس میں قصے کہانیاں ہوتی ہیں، خالص قانونی الفاظ کا نام فقہ ہے اور پھر اس کی بال کی کھال اتارنا، یہ شق کیوں رکھی گئی ہے؟ اس مسئلے میں یہ قید کیوں لگائی گئی ہے؟ لہٰذا فقہ بڑا خشک موضوع ہے، لیکن اگر کسی کو تفقہ فی الدین نصیب ہو جائے تو پھر ربیع القلوب، دلوں کی بہار بن جاتی ہے۔

قرآن سے شفاء

تیسری بات فرمائی:

وَاسۡتَشۡفُوۡا بِنُوۡرِهٖ فَاِنَّهٗ شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوۡرِ

''قرآن کے نور سے شفا حاصل کیا کرو، اس لئے کہ سینے کی بیماریوں کے لئے، یعنی روحانی بیماریوں کے لئے قرآن شفا ہے''۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرۡاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحۡمَةٌ لِّلۡمُؤۡمِنِيۡنَ [1]

''اور ہم اتارتے ہیں قرآن سے وہ جو شفا ہے اور رحمت ہے اہل ایمان کے لئے''۔

---

[1] بنی اسرائیل: ۸۲۔

Marfat.com

آیاتِ شفاء

قرآن کریم کی چھ آیتوں میں شفا کا لفظ آیا ہے:

۱ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ [1] ۲ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ
وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ [2] ۳ يَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ
لِّلنَّاسِ [3] ۴ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ [4] ۵ وَاِذَا مَرِضْتُ
فَهُوَ يَشْفِيْنِ [5] ۶ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ [6]

قرآن کریم کے لئے بھی ''شفاء'' کا لفظ آیا ہے اور ایک جگہ شہد کے لئے بھی یہی ''شفاء'' کا لفظ آیا ہے، بعض اکابرؒ نے فرمایا کہ ان چھ آیتوں کو جن کو آیات شفا کہا جاتا ہے آدمی پڑھ کر پانی پر دم کر کے پی لے تو اللہ تعالیٰ شفاء عطا فرماتے ہیں۔

بہرحال قرآن کریم روحانی امراض کے لئے بھی شفاء ہے اور جسمانی امراض کے لئے بھی شفاء ہے، اور سورۂ فاتحہ کا ایک نام سورۃ الشفاء بھی ہے، ہر بیماری کا علاج سورۂ فاتحہ ہے۔ سورۂ فاتحہ اکتالیس (۴۱) مرتبہ پڑھ لو، اکتالیس مرتبہ نہیں پڑھ سکتے تو گیارہ مرتبہ پڑھ لو اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرلو کہ اس کلام پاک کی برکت سے شفاء عطا فرمادیں، اللہ تعالیٰ ظاہری اور باطنی امراض سے شفاء عطا فرمادیں گے۔

قرآن، امراضِ روحانی وجسمانی کے لئے شفاء

قرآن کریم ایسی شفاء ہے کہ اس سے دلوں کے کفر دُھل جاتے ہیں، دلوں کے نفاق دُھل جاتے ہیں، دلوں کی گندگیاں دُھل جاتی ہیں، دل خوب پاک صاف ہوجاتے ہیں، لیکن قرآن کریم کے نور سے شفاء حاصل کرو، نور آئے گا تو سیاہی اور سفیدی کے درمیان امتیاز ہوگا، آج کل تو ایکسرے مشینیں لگی ہوئی ہیں، اس سے پتہ چلے گا کہ اندر کیا چیز ہے؟ جب اس ایکسرے کی لائٹ پڑے گی تو بتائے گی کہ اندر کیا چیز

---

[1] التوبۃ: ۱۴۔ [2] الیونس: ۵۷۔ [3] النحل: ۶۹۔ [4] بنی اسرائیل: ۸۲۔ [5] الشعراء: ۸۰۔ [6] حم السجدہ: ۴۴۔

Marfat.com

ہے؟ قرآن کریم کی روشنی اور قرآن کریم کا نور اندر آئے گا، تو اپنے امراض کا پتہ چلے گا اور اگر درمیان میں دیوار حائل کردی تو پھر کیا نور پہنچے گا؟

سنوار کر تلاوت کریں

چوتھی بات یہ فرمائی:

وَاَحْسِنُوْا تِلَاوَتَهٗ فَاِنَّهٗ اَحْسَنُ الْقَصَصِ

اور خوب بنا سنوار کر قرآن کریم کی تلاوت کیا کرو، اس لئے کہ یہ بہترین واقعات اور بہترین بیانات پر مشتمل کلام ہے، اللہ تعالیٰ سے بہتر کون بیان کرسکتا ہے؟ کیونکہ یہ کلام الٰہی ہے۔

قرآن میں ہر چیز کا بہترین بیان

امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہ ارشاد فرماتے تھے کہ قرآن کریم میں جہاں ایک لفظ آیا ہے اس کی جگہ دوسرا لفظ رکھنا ممکن ہی نہیں، حالانکہ دوسری جگہ قرآن کریم میں وہ لفظ موجود ہے، اگر اس کی جگہ دوسرا لفظ رکھ دیا جائے جو قرآن کریم ہی میں آیا ہے تو قرآن کریم کا نظم مختل ہو جائے گا، بگڑ جائے گا، تو قرآن کریم میں ہر چیز کا بہترین بیان ہے، اللہ تعالیٰ نے اگر قرآن کریم کا فہم دیا ہو تو تم قرآن کریم کھول کر دیکھو اور قرآن کریم کا آئینہ سامنے رکھ لو اور پھر اپنا سر سے لے کر پاؤں تک، ظاہر سے لے کر باطن تک اپنے تمام اعمال کو قرآن کریم پر پیش کرو، ایک ایک چیز کو دیکھو تمہیں پتہ چلے گا کہ قرآن کیا کہتا ہے، اور میں کیا ہوں؟ قرآن کریم کی تلاوت بہترین طریقے سے کرو، بہترین طریقے سے کیسے کرو گے؟

تلاوت کی مقدار مقرر کریں

قرآن کریم کی تلاوت کی ایک منزل مقرر کرلو، بدن کی غذا کے لئے تم دو وقت کی روٹی کھانا ضروری سمجھتے ہو کہ نہیں؟ اب تو دو وقت کا نہیں بلکہ چار وقت کا ضروری سمجھتے ہیں، ایک ناشتہ، ایک دوپہر کا کھانا اور ایک عصرانہ

Marfat.com

اور ایک عشاء کے بعد کا کھانا، چار وقت کھاتے ہیں، کم سے کم قرآن کریم کو غذا سمجھ کر اس کی تلاوت کرو، اور یہ سوچ لو کہ مجھے روزانہ اتنی خوراک لینی ہے اور نفس سے کہہ دو کہ برخوردار! یہ تو تم سے کام کروانا ہی کروانا ہے، پٹھان کے بقول کہ اب چیں کریامی کر، یہ کالا کالا تو چھوڑتا نہیں، اب تجھے نہیں چھوڑتا یہ تو تجھ سے کام کروانا ہے، ہاں سفر یا بیماری ہو تو عذر ہے، اپنی گپ تراشیوں میں، اپنے فضول اوقات میں کچھ تخفیف کر لو، بے ہودہ مشاغل، لایعنی کام اور بے مصرف ضرورتوں کو ختم کر دو، قرآن کریم کی تلاوت کو اپنا یومیہ معمول بناؤ۔ دوسرے یہ کہ قرآن کریم کا صحیح تلفظ کرو، اس کے الفاظ صحیح ادا کرو، سیکھو اور سیکھ کر ادا کرو۔

قرآن مجید میں غور و فکر کا ثمرہ

تیسری بات یہ ہے کہ اگر تم غور کرو گے، سوچ کر پڑھو گے تو قرآن کریم کے آدھے الفاظ تو تمہیں خود سمجھ میں آنے لگیں گے۔ مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ مدینہ طیبہ میں اقدام عالیہ میں ایک صاحب قرآن کریم کی تلاوت کرتا تھا، وہ تھا تو داڑھی منڈا مگر وہ قرآن کریم پڑھتا ہی رہتا تھا، پڑھتا ہی رہتا تھا، اس سے جب بات چیت ہوئی تو کہنے لگا میں حیدر آباد دکن کا ہوں، میں نے کہا تم نے داڑھی کیوں نہیں رکھی؟ کہنے لگا کہ یہ میری کمزوری ہے، اس نے کہا تلاوت کرتے کرتے قرآن کریم مجھے سمجھ میں آنے لگا ہے، اس کا مطلب سمجھ میں آنے لگا ہے، حالانکہ عربی نہیں پڑھی ہوئی تھی، لیکن قرآن کریم کا یہ اعجاز ہے کہ تلاوت کی برکت سے اس سے شناسائی ہو جاتی ہے، سمجھ میں آنے لگتا ہے۔ اسی طرح بھائی! اگر تم بھی سیکھ سیکھ کر تلاوت کرو گے تو تمہیں بھی قرآن کریم سے مناسبت ہو جائے گی اور قرآن کریم خود تم سے پیار کرنے لگے گا۔

بوقتِ تلاوت سوچنے کی چیزیں

اور پھر تلاوت کرتے وقت یہ دو چیزیں سوچنے کی ہیں، ایک تو یہ سوچو کہ میں اللہ تعالیٰ کو سنا رہا ہوں، یہ ابتدائی درجہ ہے، اور اگر اللہ تعالیٰ اونچا مقام عطا فرما دیں تو یہ سوچو کہ میں اللہ تعالیٰ سے سن رہا ہوں، جیسے کہ جبل طور سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا کلام سن رہے تھے، میں اللہ کا کلام سن رہا ہوں، متکلم وہ ہیں، یہ میری

Marfat.com

زبان اسپیکر ہے، اس طرح جم کر تلاوت کرو، تو انشاء اللہ اسی طرح قرآن کریم کی تلاوت کے انوار اور برکات تمہیں نصیب ہوں گی، اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمائے، یہ تو اپنی تلاوت کا قصہ تھا۔

غور سے قرآن سنیں

آگے فرماتے ہیں:

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ [1]

جب قرآن کریم تمہارے سامنے پڑھا جائے تو اس کو کان لگا کر سنو، خوب متوجہ ہو جاؤ، اپنے کانوں کی ساری کھڑکیاں کھول دو اور خاموش رہو۔

جس محفل میں قرآن کریم پڑھا جائے اس کے لئے دو چیزوں کی شرط ہے، ایک یہ کہ جتنے حاضرین ہیں وہ سب کے سب پوری طرح قرآن کریم کی طرف کان لگائیں جیسے کسی دور کی آواز کو متوجہ ہو کر سنتے ہیں، اور اسی طرح کبھی کبھی دور کی آواز سننے کے لئے کانوں پر ہاتھ بھی رکھ لیتے ہیں، اس کو عربی میں استماع کہتے ہیں، کان دھرنا، سننا نہیں بلکہ پوری طرح متوجہ ہو جانا اور اس کے لئے خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

قرأت خلف الامام

یہ قرآن کریم کی آیت کا اقتباس ہے، قرآن کریم کی آیت کا ٹکڑا ہے، اور اسی آیت سے ہمارے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ مقتدی کے لئے امام کے پیچھے قرأت کرنا جائز نہیں ہے، مکروہ تحریمی ہے، اس لئے کہ امام قرأت کر رہا ہے، تمہارے سامنے پڑھ رہا ہے، اس کو سنو، اس کی طرف کان لگاؤ، صرف اسی پر اکتفاء نہیں فرمایا بلکہ یہ فرمایا: "وَاَنْصِتُوْا" [2] خاموش بھی رہو، سنتا ہے یا نہیں سنتا، آواز تم تک پہنچتی ہے یا نہیں پہنچی، تمہارا فرض ہے کہ اس کی طرف کان دھرے رہو، اور دوسرا فرض یہ ہے کہ خاموش رہو اور خاموش رہنا خود پڑھنے کے منافی ہے، جب خاموش رہنے کا حکم دیا تو پڑھنے کی ممانعت ہو گئی۔

---

[1] الاعراف: ۲۰۴۔ [2] الاعراف: ۲۰۴۔

Marfat.com

نماز اور خطبے میں خاموش رہیں

حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتاویٰ میں اور حافظ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ نے ''المغنی'' میں اور یہ دونوں حنبلی بزرگ ہیں، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد ہیں، دونوں نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ لوگوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ یہ قرآن کریم کی آیت نماز اور خطبے دونوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے، عام طور پر آدمی پڑھتا ہو تو پڑھنے والے کے ذمہ واجب نہیں ہے کہ وہ دوسروں کا سنے بلکہ وہاں یہ فرمایا گیا ہے کہ ایک دوسرے پر آواز بلند نہ کیا کرو، قرآن کریم دوسروں کے سامنے اونچی آواز سے پڑھنے کا حکم نہیں ہے، اور یہ آیت شریفہ نازل ہوئی ہے نماز اور خطبے کے بارے میں، جب نماز میں قرآن کریم کی تلاوت کی جائے تو مکمل سناٹا ہونا چاہئے اور پوری طرح لوگ قرآن کریم کی طرف متوجہ ہوں تاکہ تم پر رحم کیا جائے، اسی طرح خطبے کے اندر قرآن کریم کی تلاوت کی جاتی ہے تو پورے خطبے کا بھی یہی حکم ہے، حتیٰ کہ جب خطیب یہ کہے:

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا [1]

ہمارے امام صاحب فرماتے ہیں کہ اس وقت درود شریف پڑھنا بھی جائز نہیں ہے، جب خطبہ ہو رہا ہو اور درود شریف پڑھنا ہو تو دل میں پڑھو، نماز میں اور خطبے میں مکمل طور پر خاموشی کا اور قرآن کریم کے استماع کا یعنی کان دھرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

امام کے پیچھے خاموش رہنا چاہئے

اسی لئے ہمارے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا جائز نہیں ہے، مکروہ تحریمی ہے، صحیح مسلم میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، لمبا قصہ ہے، اس قصے میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ دیا اور ہمیں نماز کا طریقہ بتایا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] الاحزاب: ۵۶۔

Marfat.com

"اِذَا کَبَّرَ الْاِمَامُ فَکَبِّرُوْا، وَاِذَا قَالَ: "غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ" فَقُوْلُوْا: "آمِیْن" یُحِبُّکُمُ اللّٰهُ، فَاِذَا کَبَّرَ وَرَکَعَ فَکَبِّرُوْا وَارْکَعُوْا، فَاِنَّ الْاِمَامَ یَرْکَعُ قَبْلَکُمْ وَیَرْفَعُ قَبْلَکُمْ .... وَاِذَا قَالَ: "سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ" فَقُوْلُوْا: "رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ"... وَاِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوْا" [1]

جب امام اللہ اکبر کہے تو تم بھی اللہ اکبر کہو، جب امام: غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ کہے تو تم آمین کہو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت فرمائیں گے، جب امام تکبیر کہے اور رکوع کرے تو تم بھی تکبیر کہو اور رکوع کرو (پہلے نہیں کرو) اس لئے کہ امام تم سے پہلے رکوع کرتا ہے اور تم سے پہلے سر اٹھاتا ہے، اور جب امام سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ کہے تو تم: رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کہو اور جب امام سجدہ کرے تو تم سجدہ کرو۔

مقتدی کو فاتحہ پڑھنے کا حکم نہیں دیا گیا

یہ تو کہیں نہیں فرمایا کہ جب سورۂ فاتحہ پڑھے تو تم بھی پڑھو، نماز کا پورا طریقہ اوّل سے آخر تک رسول اللہ ﷺ نے بتایا، بلکہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اسی حدیث میں سلیمان کی روایت قتادہ سے جو نقل کی ہے، اس میں یہ الفاظ ہیں کہ: وَاِذَا قَرَاَ فَاَنْصِتُوْا [2] اور جب امام قرأت کرے تو تم خاموش ہو جاؤ، جب تکبیر کہے تو تکبیر کہو، جب قرأت کرے خاموش ہو جاؤ اور جب وہ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ کہے تو آمین کہو، تو سورۂ فاتحہ پڑھنے کی گنجائش مقتدی کے لئے کہاں رہی؟

آمین کہنے والا گویا تلاوت میں شامل ہے

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے سورۂ یونس کی اس آیت:

وَقَالَ مُوْسٰی رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَیْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِیْنَةً وَّاَمْوَالًا فِی الْحَیٰوةِ

[1] مسلم، ج:۱، ص:۱۷۴۔ [2] مسلم، ج:۱، ص:۱۷۴۔

Marfat.com

الدُّنْيَا رَبَّنَا لِيُضِلُّوا عَنْ سَبِيلِكَ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلَىٰ أَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوا حَتَّىٰ يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ [1]

اور موسیٰ (علیہ السلام) نے عرض کیا کہ اے ہمارے رب! آپ نے فرعون کو اور اس کے سرداروں کو سامان تجمل اور طرح طرح کے مال دنیوی زندگی میں اسی واسطے دیئے ہیں کہ وہ آپ کی راہ سے گمراہ کریں، اے ہمارے رب! ان کے مال کو نیست و نابود کر دیجئے اور ان کے دلوں کو سخت کر دیجئے، سو یہ ایمان نہ لانے پائیں یہاں تک کہ عذاب الیم کو دیکھ لیں۔

کے متعلق فرمایا ہے کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: قَالَ قَدْ أُجِيبَتْ دَّعْوَتُكُمَا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم دونوں کی دعا قبول ہوگئی، کن دونوں کی؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کی، حالانکہ قرآن کریم کی اس آیت میں دعا صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نقل کی ہے، جیسے فرمایا: وَقَالَ مُوسَىٰ رَبَّنَا إِنَّكَ آتَيْتَ فِرْعَوْنَ ... الخ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ کہا، اور انہوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی، لیکن اس دعا کو نقل کر کے فرماتے ہیں: قَالَ قَدْ أُجِيبَتْ دَّعْوَتُكُمَا تم دونوں کی دعا قبول ہوگئی۔ [2]

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ روایت میں یوں آتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام دعا کر رہے تھے اور حضرت ہارون علیہ السلام آمین آمین کہہ رہے تھے، جب دعا مکمل ہو چکی تو اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ تم دونوں کی دعا قبول ہوگئی، یہ دعا صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نہیں تھی بلکہ حضرت ہارون علیہ السلام کی بھی تھی۔

سورۂ فاتحہ دعا ہے

سورۂ فاتحہ بھی سورۃ الدعا ہے، اس کے ناموں میں سے ایک سورۃ الدعا ہے، سورۃ المسئلۃ ہے، سوال کرنے

---

[1] الیونس: ۸۸۔ [2] الیونس: ۸۹۔

Marfat.com

کی سورۃ، اور اس سورۃ کے ختم پر شاہ عبدالقادر محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے موضح القرآن میں لکھا ہے کہ یہ سورۃ اللہ تعالیٰ نے بندوں کی زبان پر نازل فرمائی کہ یوں کہا کریں، ہمیں تعلیم دی ہے کہ ہم سے یوں مانگا کرو، امام پوری قوم کا نمائندہ ہے، وہ تمہاری درخواست بارگاہ رب العالمین میں پیش کر رہا ہے، جب اس نے: غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ وَلَا الضَّآلِّيۡنَ تک دعا مکمل کر لی تو تم کہو: آمین، تمہاری دعا بھی ہوگئی، وہ دعا کیلئے امام کی نہیں ہے بلکہ تمہاری بھی ہے، اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام دونوں کی دعا تھی تو امام کی دعا بھی تمہاری آمین کہنے کے بعد پوری جماعت کی دعا ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ یہ آیت حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کی دلیل ہے، حالانکہ وہ خود شافعی المذہب ہیں اور وہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ کے پڑھنے کے قائل ہیں، لیکن فرماتے ہیں کہ یہ آیت دلیل ہے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کی کہ جب مقتدی امام کی فاتحہ پر آمین کہہ دیتے ہیں تو یہ دعا سب کی طرف سے ہو جاتی ہے۔

تلاوت پر خاموشی سے رحمت

بہرکیف قرآن کریم پڑھا جائے تو اس کو سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے، حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''اختلاف امت اور صراط مستقیم'' میں لکھا ہے کہ: ''لَعَلَّكُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ'' [1] کا لفظ اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ امام کے پیچھے استماع کرو گے یعنی کان دھرو گے تو تم پر رحم ہوگا ورنہ نہیں ہوگا، امام اپنی پڑھ رہا ہے اور تم اپنی پڑھ رہے ہو، تو تم پر رحم نہیں ہوگا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسئلہ فاتحہ خلف الامام پر مکالمہ

حضرت امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ نے واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک وفد حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے فاتحہ خلف الامام کے مسئلے پر بحث کرنے کے لئے آیا، حضرت نے فرمایا کہ بھائی تم اتنے آدمی ہو، میں اکیلا ہوں، تم اپنا ایک نمائندہ

---

[1] الاعراف: ۲۰۴۔

Marfat.com

مقرر کرلو، وہ مجھ سے بات کرے، انہوں نے اپنی جماعت میں جو سب سے زیادہ زبان آور تھا اس کو منتخب کرلیا، حضرت امام صاحب نے فرمایا کہ یہ تمہارا نمائندہ ہے؟ کہا کہ جی ہاں! حضرت امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ: اس کی فتح تمہاری فتح اور اس کی شکست تمہاری شکست سمجھی جائے گی؟ کہا: جی ہاں! فرمایا: پھر مسئلہ تو حل ہو گیا، امام پوری قوم کا نمائندہ ہے، اگر اس کی دعا قبول ہو گئی تو پوری جماعت کی قبول ہو گئی اور اگر امام کی نہیں ہوئی تو تم کیا قبول کرواؤ گے؟ پھر تمہیں تو اس کی فاتحہ پر آمین کہنے کا حکم دیا گیا ہے، صحیح بخاری کتاب الدعوات میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

فَاِذَا اَمَّنَ الْقَارِی فَاَمِّنُوْا جب قاری آمین کہے تو تم آمین کہو۔ [1]

قاری امام کو فرمایا، تمہیں نہیں قاری فرمایا، قاری کہتے ہیں پڑھنے والے کو، تمہیں قاری کی فاتحہ پر آمین کہنے کا حکم دیا ہے اور اس پر مغفرت کا وعدہ فرمایا ہے، تم خود قاری (تلاوت کرنے والے) نہیں ہو، اتنی واضح بات میں لوگ خواہ مخواہ الجھتے ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قرآن سیکھنا اور اس پر عمل کرنا

بہر حال بات چل رہی تھی قرآن پاک کے سیکھنے کی، حدیث شریف میں ہے:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: لَقَدْ عِشْنَا بُرْهَةً مِّنْ دَهْرِنَا وَ اِنَّ اَحَدَنَا یُؤْتَی الْاِیْمَانَ قَبْلَ الْقُرْاٰنِ وَتَنْزِلُ السُّوْرَةُ عَلٰی مُحَمَّدٍ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَنَتَعَلَّمُ حَلَالَهَا وَحَرَامَهَا وَمَا یَنْبَغِیْ اَنْ یَّقِفَ عِنْدَهٗ مِنْهَا کَمَا تَعَلَّمُوْنَ اَنْتُمُ الْیَوْمَ الْقُرْاٰنَ. ثُمَّ لَقَدْ رَأَیْتُ الْیَوْمَ رِجَالًا یُؤْتَی اَحَدُهُمُ الْقُرْاٰنَ قَبْلَ الْاِیْمَانِ فَیَقْرَأُ مَابَیْنَ فَاتِحَتِهٖ اِلٰی خَاتِمَتِهٖ، مَایَدْرِیْ مَآ اٰمِرُهٗ وَلَا زَاجِرُهٗ، وَلَا مَا یَنْبَغِیْ اَنْ یَّقِفَ عِنْدَهٗ مِنْهُ فَیَنْثُرُهٗ نَثْرَ الدَّقَلِ"۔ [2]

[1] صحیح بخاری، ج:۲،ص:۹۴۷۔ [2] السنن الکبریٰ للبیہقی، ج:۳،ص:۱۷۰۔

Marfat.com

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم پر ایک طویل زمانہ گزرا، ہم لوگ پہلے ایمان سیکھتے تھے پھر قرآن سیکھتے تھے، پہلے ایمان سیکھا اور اس کے بعد قرآن سیکھا، قرآن کریم کی سورتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوتی تھیں تو ہم ان کے حلال وحرام کو بھی جانتے تھے، اور ہم یہ بھی جانتے تھے کہ اس آیت پر یہاں وقف کرنا چاہئے، لیکن اس کے بعد کچھ لوگ آئے ہیں جنہوں نے ایمان تو سیکھا نہیں، قرآن سیکھ لیا اور وہ سورۂ فاتحہ سے لیکر آخر تک پڑھتے ہیں، اور پڑھتے بھی دھڑا دھڑ ہیں، ان کو یہ معلوم نہیں کہ اس آیت میں کہاں وقف کرنا ہے؟ کہاں ٹھہرنا ہے؟ کیا اس کے احکام ہیں؟ سورۂ فاتحہ میں کیا احکام ہیں؟ اور اس طرح دوسری سورتوں میں کیا احکام ہیں؟ بس جس طرح کہ ردّی کھجوروں کو چن کر آدمی الگ کر لیتا ہے، اسی طرح ہم قرآن پڑھ رہے ہیں۔

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اور بعد کے لوگوں کے قرآن سیکھنے میں فرق!

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنے زمانہ کی بات کر رہے تھے، وہ فرماتے تھے کہ ہم پہلے ایمان سیکھتے تھے، اور ایمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت میں بیٹھ کر دل کی گہرائیوں میں اُتر جاتا تھا، ایک صحابی فرماتے ہیں:

''ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بیٹھتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے تھے تو ہمیں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا ہم اللہ کو دیکھ رہے ہیں''۔

یہ تو اپنے زمانے کی بات ہے کہ ہم نے سب سے پہلے ایمان سیکھا، اور اس کے بعد قرآن سیکھا، پھر جب قرآن نازل ہوتا تھا، یعنی کبھی ایک چھوٹی سورت، کبھی ایک آیت، کبھی دو آیتیں، کبھی چند آیتیں، تو ایمان کو سیکھنے کے بعد پھر ہم قرآن کو سیکھتے تھے اور قرآن اس طرح سیکھتے تھے کہ اس کے حلال کو، حرام کو، جائز کو، ناجائز کو، ہر چیز کو جانتے تھے، اور اب کچھ لوگ آئے ہیں یا آئیں گے کہ وہ دھڑا دھڑ قرآن مجید

Marfat.com

پڑھنا شروع کر دیں گے، ان کو یہ تک معلوم نہیں کہ قرآن مجید ہم سے کیا مطالبہ کرتا ہے؟ ہم سے کیا تقاضا کرتا ہے؟ سورۂ فاتحہ سے لے کر سورۂ والناس تک وہ قرآن مجید سارا حفظ سنا دیں گے، لیکن قرآن مجید ان کے حلق سے نیچے نہیں اُترے گا، ہنسلی سے نیچے نہیں اُترے گا، اور قرآن مجید کو اس طرح فرفر پڑھیں گے گویا کہ ردّی کھجوروں کو چھانٹ رہے ہیں، الگ کر رہے ہیں۔

یہی فرق ہے ہمارے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان، ان کے اندر خشیت تھی، خشوع تھا، قرآن مجید ان کے ظاہر اور باطن پر اثر کرتا تھا، اور ہم قرآن مجید پڑھتے ہیں لیکن قرآن کوئی اثر نہیں کرتا، حلال کیا ہے؟ حرام کیا ہے؟ اس کو سیکھتے ہی نہیں کہ جائز کیا ہے؟ ناجائز کیا ہے؟ کوئی پرواہ ہی نہیں، اناللہ وانا الیہ راجعون!۔

ابن ماجہ کی روایت میں حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں:

كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ فِتْيَانٌ حَزَاوِرَةٌ فَتَعَلَّمْنَا الْإِيمَانَ قَبْلَ أَنْ نَتَعَلَّمَ الْقُرْآنَ، ثُمَّ تَعَلَّمْنَا الْقُرْآنَ فَازْدَدْنَا بِهِ إِيمَانًا [1]

''ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہوتے تھے، اور ہم ابھی لڑکے سے تھے، کہنا چاہئے کہ جوان بھی نہیں ہوئے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں تعلیم فرماتے تھے تو ہم نے سب سے پہلے ایمان سیکھا، اس کے بعد قرآن مجید سیکھا، اور پھر قرآن مجید کے سیکھنے کی برکت یہ ہوئی کہ قرآن مجید کے سیکھنے کے بعد ہمارے ایمان میں اضافہ ہو گیا''۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کے استاذ و معلم؟

یہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے، جن کے معلم، معلمِ انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے، قرآن کریم میں ارشاد باری ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ آيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ، وَإِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ [2]

[1] ابن ماجہ، ج:۱، ص:۲۳۔ [2] آل عمران: ۱۶۴۔

Marfat.com

بے شک اللہ تعالیٰ نے احسان فرمایا ہے اہل ایمان پر کہ اللہ تعالیٰ نے ایک عظیم الشان رسول انہی میں سے بھیج دیا، جو ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھتا ہے، اوران کا تزکیہ کرتا ہے، اوران کو کتاب اور دانائی کی باتوں کی تعلیم دیتا ہے، بے شک وہ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے (لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل وہ تمام انسانوں کے معلم بن گئے)۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تو بہت تھوڑے لوگ آئے، کوئی ایک لاکھ آدمی بھی نہیں ہوگا، جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست تعلیم پائی، باقی جتنی دنیا تھی ان کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے شاگردوں نے پڑھایا اور یہ اللہ تعالیٰ کا اتنا بڑا احسان ہے، ان حضرات پر اوران کے طفیل آنے والی امت پر، جس کی کوئی نہایت اور حد نہیں ہے۔

قرآن سے ایمان کی زیادتی

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

"قَالَ: كَانَتِ السُّوْرَةُ إِذَا نَزَلَتْ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوِ الْاٰيَةُ اَوْ اَكْثَرُ زَادَتِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا وَّخُشُوْعًا وَنَهَتْهُمْ فَانْتَهَوْا" [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک سورۃ نازل ہوتی یا ایک آیت یا زیادہ تو مسلمانوں کے ایمان اور خشوع میں اضافہ ہوجاتا، جس آیت نے جس چیز سے روکا ہوتا اس سے وہ رُک جاتے اور جس چیز کا حکم فرمایا ہوتا اس پر وہ جم جاتے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قرآن پر عمل کرنا

ابوعبدالرحمن سلمی رحمۃ اللہ علیہ قرآن مجید کے بہت بڑے قاری ہیں، لیکن تابعی ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں، وہ فرماتے ہیں:

---

[1] کنز العمال، ج:۱،ص:۲۳۲۔

Marfat.com

حَدَّثَنَا مَنْ كَانَ يُقْرِئُنَا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُمْ كَانُوا يَقْتَرِءُونَ مِنْ رَّسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرَ آيَاتٍ فَلَا يَأْخُذُونَ فِي الْعَشْرِ الْأُخْرَى حَتّٰى يَعْلَمُوا مَا فِي هٰذِهٖ مِنَ الْعِلْمِ وَالْعَمَلِ، قَالَ: فَعَلَّمَنَا الْعِلْمَ وَالْعَمَلَ [1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابہ میں سے جو حضرات ہمیں قرآن مجید پڑھایا کرتے تھے، انہوں نے ہمیں بتایا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے قرآن کریم کی دس آیتیں سیکھا کرتے تھے، جب یہ دس آیتیں یاد ہو جاتیں، ان آیات پر ان کا علم اور عمل جب دل میں راسخ ہو جاتا، پھر عرض کرتے کہ اب اگلا سبق بھی دیں، یعنی اس طرح انہوں نے قرآن کریم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پڑھا کہ دس آیتیں حفظ بھی کرتے اور ان کے علم اور عمل کو بھی از بر کرتے اور اس کی تعمیل بھی کرتے، چنانچہ وہ صحابی فرماتے ہیں جن سے یہ ابو عبدالرحمن سلمی نقل کرتے ہیں کہ: ہم نے علم اور عمل دونوں اکٹھے سیکھے تھے، صرف علم نہیں سیکھا بلکہ عمل بھی سیکھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرمایا کرتے تھے:

اِسْتَقْرِءُوا الْقُرْاٰنَ مِنْ أَرْبَعَةٍ: مِنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ فَبَدَأَ بِهٖ، وَسَالِمٍ مَوْلٰى أَبِيْ حُذَيْفَةَ، وَأُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ، وَمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ۔ [2]

قرآن کریم چار آدمیوں سے پڑھو! سب سے پہلے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا نام لیا، دوسرے نمبر پر سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ، (حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے غلام تھے)، تیسرے نمبر پر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، اور چوتھے نمبر پر حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ۔

---

[1] مسند احمد، ج:۵، ص:۴۱۰۔ [2] مشکوٰۃ، ص:۵۷۴۔

Marfat.com

بہر کیف حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم دس دس آیتیں سیکھتے تھے اور جب تک کہ ان کے علم کو، عمل کو ہر طرح سے ان کے احکام کو معلوم نہیں کر لیتے تھے، اس وقت تک آگے نہیں بڑھتے تھے، اس طرح پورا قرآن مجید پڑھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہر سال سنایا بھی کرتے تھے، قرآن مجید کے حافظ تھے، اور جس سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہوا اس رمضان کو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دو مرتبہ سنایا، اسی لئے فرماتے تھے کہ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ کوئی قرآن مجید مجھ سے بھی زیادہ جانتا ہے تو میں اس کی بھی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے تیار ہوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان دونوں بزرگوں سے یہ بات منقول ہے، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ اگر مجھے کوئی ایسا آدمی معلوم ہو جو مجھ سے زیادہ قرآن مجید جانتا ہے، تو میں اس کے پاس جا کر قرآن مجید سیکھتا ہوں، اور وہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی قسم! قرآن کریم کی کوئی ایسی آیت نہیں مگر میں جانتا ہوں کہ رات میں نازل ہوئی ہے یا دن میں؟ سفر میں نازل ہوئی ہے یا حضر میں؟

ایک روایت میں ہے:

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كُنَّا إِذَا تَعَلَّمْنَا مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشَرَ اٰيَاتٍ مِنَ الْقُرْاٰنِ لَمْ نَتَعَلَّمِ الْعَشَرَ الَّتِيْ بَعْدَهَا حَتّٰى نَعْلَمَ مَا فِيْهِ. فَقِيْلَ لِشَرِيْكٍ: مِنَ الْعَمَلِ؟ قَالَ: نَعَمْ!» [1]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جب تک ہم اس قرآن مجید کی دس آیات کے احکام کو نہیں سیکھ لیتے تھے، آگے نہیں بڑھتے تھے، شریک جو اس حدیث کے راوی ہیں، ان سے کسی نے پوچھا: عمل مراد ہے؟ یعنی احکام پر عمل کرنا؟ کہنے لگے: جی ہاں! یہی مراد ہے۔

[1] کنز العمال، ج:۱، ص:۲۳۲۔

Marfat.com

عمل کی اہمیت

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے دوستی تھی، (حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ وہ صحابی ہیں جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے راز کی باتیں بتائی تھیں اور منافقوں کے بارے میں بتایا تھا، جب کوئی جنازہ آتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے کہ دیکھو حذیفہ رضی اللہ عنہ ان میں یعنی جنازہ پڑھنے والوں میں موجود ہے یا نہیں؟ اگر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ شریک ہوتے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس جنازہ میں شرکت کرتے، اور اگر معلوم ہوتا کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اس میں شریک نہیں ہیں، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ شریک نہیں ہوتے تھے) حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کرتے تھے:

يَا اَخَا بَنِيْ عَبَسٍ! اِنَّ الْعِلْمَ كَثِيْرٌ وَالْعُمْرَ قَلِيْلٌ ! فَخُذْ مِنَ الْعِلْمِ مَاتَحْتَاجُ اِلَيْهِ فِيْ اَمْرِ دِيْنِكَ، وَدَعْ مَا سِوَاهُ فَلَا تُعَانِهِ [1]

میاں! عمر بہت تھوڑی ہے اور علم بہت زیادہ ہے، اگر تم سارے قصّے کہانیاں پڑھنے لگو گے تو عمر ختم ہوجائے گی، بس ضرورت کی باتیں معلوم کرو اور اپنے عمل میں لگو۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی چار نصیحتیں

ایک سائل نے کسی مسئلہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو خط لکھا، تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا:

اِنَّكَ كَتَبْتَ تَسْأَلُنِيْ عَنِ الْعِلْمِ . فَالْعِلْمُ اَكْبَرُ مِنْ اَنْ اَكْتُبَ بِهٖ اِلَيْكَ ، وَلٰكِنِ اِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَلْقَى اللهَ كَافَّ اللِّسَانِ عَنْ اَعْرَاضِ الْمُسْلِمِيْنَ ، خَفِيْفَ الظَّهْرِ مِنْ دِمَائِهِمْ ، خَمِيْصَ الْبَطْنِ مِنْ اَمْوَالِهِمْ ، لَازِمًا لِّجَمَاعَتِهِمْ فَافْعَلْ! [2]

تو نے مجھے علم کے بارہ میں خط لکھا ہے، مگر علم اتنی بڑی چیز ہے کہ میں اس کی تشریح نہیں کرسکتا، لیکن چار باتوں کی میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں:

---

[1] حلیۃ الاولیاء، ج:۱،ص:۱۸۹۔ [2] کنز العمال، ج:۵،ص:۲۳۰۔

Marfat.com

(۱) پہلی بات یہ ہے کہ اگر تجھ سے ہو سکے تو یہ کر کہ تو اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے اس حال میں کہ مسلمانوں کی عزت اور آبرو سے تیری زبان محفوظ ہو، اور کسی مسلمان کا تمہارے ذمہ یہ مطالبہ نہ ہو کہ اس نے فلاں جگہ میری غیبت کی، اس نے برائی کے ساتھ میرا تذکرہ کیا۔

(۲) دوسری بات یہ کہ مسلمانوں کے جو خون ہو رہے ہیں، قیامت کے دن تیرے ذمہ ان میں سے کوئی چیز نہ ہو، تیری پشت مسلمانوں کے خون سے ہلکی پھلکی ہو۔

قرآن مجید میں ہے کہ جس نے ایک جان کو قتل کر دیا فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا[1] گویا اس نے سارے انسانوں کو قتل کر دیا، نعوذ باللہ! قیامت کے دن کسی آدمی کے ذمہ یہ مطالبہ نہ ہو کہ اس نے کسی مسلمان کو قتل کیا۔

(۳) تیسری بات یہ کہ مسلمانوں کے مالوں سے تیرا پیٹ بھوکا ہو، یعنی کسی مسلمان کا مال تیرے پیٹ میں نہ جائے، یعنی ناجائز طور پر تیرے پیٹ میں نہ جائے۔

(۴) چوتھی بات یہ ہے کہ مسلمانوں کی جماعت سے الگ تھلگ نہ ہو، بلکہ ان کے ساتھ لازم رہو، یعنی ان کے ساتھ مل کر رہو۔ بس یہ چار نصیحتیں یاد رکھو!

اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہٗ ہمیں بھی قرآن پاک کو دیکھ کر پڑھنے، عمل کرنے اور آگے پہنچانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆

---

[1] المائدہ: ۳۲۔

Marfat.com

تلاوتِ قرآن کے متعلق چند مسائل

مسئلہ: قرآن کریم کا نماز میں پڑھنا فرض ہے، نماز سے باہر تلاوت کرنا فضیلت، برکت اور نور ہے۔

مسئلہ: تلاوت کرنے لئے جب قرآن مجید کو اُٹھاتے ہیں، اس وقت اور تلاوت کے بعد چومنا جائز ہے۔

مسئلہ: انگوٹھی پر آیت یا قرآنی کلمات کندہ ہوں تو ان کو بیت الخلاء میں لے جانا مکروہ ہے، اُتار کر جانا چاہئے۔

مسئلہ: قرآن پاک کے بوسیدہ اوراق کو بہتر یہ ہے کہ دریا میں یا کسی غیر آباد کنویں میں ڈال دیا جائے، یا زمین میں دفن کر دیا جائے، اور بصورت مجبوری ان کو جلا کر خاکستر (راکھ) میں پانی ملا کر کسی پاک جگہ جہاں پاؤں نہ پڑتے ہوں، ڈال دیا جائے مگر ایسا کرنا مکروہ ہے۔

مسئلہ: چھوٹے نابالغ بچوں پر وضو فرض نہیں، ان کا بلاوضو قرآن مجید کو ہاتھ لگانا درست ہے۔

مسئلہ: اکثر لوگ جو قرآن شریف کی ہر سطر پر ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' پڑھتے ہیں، کہتے ہیں کہ اس طرح دو قرآن ختم کرنے سے ایک قرآن ختم کرنے کا ثواب ملتا ہے، یہ کہنا غلط ہے، اس سے قرآن کریم کی تلاوت کا ثواب نہیں ملتا، اور قرآن مجید پر بلاوجہ انگلی پھیرنا فضول حرکت ہے، صرف بسم اللہ پڑھنے کا ثواب مل جائے گا۔

مسئلہ: قرآن مجید کے الفاظ کو بغیر معنیٰ سمجھے ہوئے پڑھنا بھی باعثِ اجر و ثواب ہے، اس لئے کہ قرآن مجید کے الفاظ کی تلاوت ایک مستقل وظیفہ ہے، جس کی قرآن کریم اور حدیث نبوی میں ترغیب دی گئی ہے، اور اس کو مقاصد نبوت محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں سے ایک مستقل مقصد قرار دیا گیا ہے، اور قرآن کریم کے الفاظ کو رٹنے، حفظ کرنے اور اس کی تلاوت کرنے کا اجر و ثواب بیان فرمایا

Marfat.com

گیا ہے، اور اس کے معنی و مفہوم کو سمجھنا ایک مستقل وظیفہ ہے، اس کا الگ اجر و ثواب ہے، اور سمجھ کر اس کے احکام پر عمل کرنا یہ سب سے اہم تر مقصد ہے، اور ایک مسلمان کو اپنی ہمت و بساط کے مطابق کلام اللہ کی تلاوت بھی کرنی چاہئے، اس کے الفاظ بھی یاد کرنے چاہئیں، اس کے معنی و مفہوم کو بھی ضرور سمجھنا چاہئے، اور ارشاداتِ خداوندی پر عمل بھی کرنا چاہئے، مگر بے سمجھے پڑھنے کو بے فائدہ کہنا درست نہیں، بلکہ گستاخی و بے ادبی ہے جس سے توبہ کرنا واجب ہے۔

مسئلہ: بعض لوگ قرآن فہمی کے متعلق سورۃ القمر کی اس آیت سے دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں، جس میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ [1] ہم نے اس قرآن کو نصیحت کے لئے آسان ذریعہ بنادیا ہے، پھر کیا ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا؟ اس سے وہ یہ مطلب نکالتے ہیں کہ جو بھی قرآن کا ترجمہ کرنا چاہے کرسکتا ہے، اس کے لئے عربی علوم کا جاننا ضروری نہیں۔ یہ بہت بڑا دھوکہ ہے، قرآن کریم عربی زبان میں ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے تو عربی مادری زبان تھی، وہ تو قرآن کریم کو سنتے ہی نصیحت حاصل کرسکتے تھے، اور کرتے تھے، مگر جس شخص کو عربی زبان پر عبور نہ ہو، وہ اگر بے سمجھے قرآن کریم کے معنی گھڑے گا، خود بھی گمراہ ہوگا دوسروں کو بھی کرے گا، قرآن کریم بلاشبہ آسان ہے، مگر اس کے لئے جو علوم قرآن سے واقف ہو۔

مسئلہ: دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ عربی زبان سے نابلد افراد اگر ترجمہ پڑھنا چاہیں تو بندش تو نہیں صرف اتنا ضرور ہے کہ ترجمہ بھی صحیح ہو، اور اس کا سمجھنا بھی صحیح ہو، اس کی کسی ماہر سے تصحیح کرالینی لازم ہے۔

مسئلہ: بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ علماء نے قرآن پر اجارہ داری قائم کر رکھی ہے، تو اچھی طرح سمجھ لیں کہ قرآن کریم کے فہم پر الحمد للہ کسی کی اجارہ داری ہے ہی نہیں، کسی ملک کا، کسی قوم کا، کسی خاندان کا شخص قرآن کریم کے علوم پر مہارت حاصل کرنا چاہے، اس کے لئے چاروں دروازے کھلے ہیں، جیسا کہ سب لوگوں کو اس کا علم ہے، پھر اجارہ داری کیسے ہوئی؟ صرف اتنی گزارش کی جاتی ہے کہ جو شخص علوم

[1] القمر: ۱۷۔

Marfat.com

قرآن کا ماہر نہیں، وہ اپنے فہم کے بجائے ماہرین کے فہم پر اعتماد کرے، مثلاً: میں رائج الوقت قانون کا ماہر نہیں ہوں، بلکہ جس زبان میں قانون لکھا گیا ہے، اس کو بھی نہیں سمجھتا، میں نے قانون کی کتاب کا ترجمہ پڑھ لیا، اس کا نام اور مفہوم اپنے ذہن میں جما لیا، تو ضروری نہیں کہ میں نے صحیح سمجھا ہو، اب اگر میں اصرار کروں کہ چونکہ قانون پر کسی کی اجارہ داری نہیں، اس لئے میں جو مفہوم اس قانون کا بیان کرتا ہوں، وہ تو صحیح ہے، اور ''بار ایٹ لا'' قسم کے لوگ جو مفہوم بیان کرتے پھرتے ہیں، یا اعلیٰ عدالتوں نے اس قانون کی جو تشریح کی ہے، وہ غلط ہے، میں اس کو نہیں مانتا، کیونکہ قانون پر کسی کی اجارہ داری نہیں، ظاہر ہے کہ آپ مجھ سے فرمائیں گے کہ مولوی صاحب! آپ نے اجارہ داری کا مطلب نہیں سمجھا۔

اسی طرح اگر کوئی مجھے اس پر ٹوکے، استاد سے پڑھنے کا، اور باقاعدہ امتحان دینے کا مشورہ دے، اور میں اس کے جواب میں گزارش کروں کہ طب پر کسی کی اجارہ داری نہیں، مجھے کسی سے پڑھنے کی ضرورت نہیں، نہ امتحان کی حاجت! ظاہر ہے کہ آپ میری اس منطق کو قبول نہیں فرمائیں گے۔

یہی بات قرآن کریم کے بارے میں ہے، قرآن کریم پر بحمداللہ! کسی کی اجارہ داری نہیں، ہر مسلمان کے گھر میں یہ کتاب مقدس موجود ہے، مسلمان ہی نہیں، غیر مسلم بھی اس کا مطالعہ کرتے ہیں، کبھی کسی نے کسی کو اس کے پڑھنے سے نہیں روکا، نہ کسی کو اپنی اجارہ داری کا پروانہ دکھایا، بس اتنی سی گزارش کی ہے کہ قرآن کریم کے کسی ماہر سے مشورہ کر لیجئے کہ یہ ترجمہ صحیح اور مستند بھی ہے یا نہیں؟ اور پھر کسی آیت کا جو مفہوم آپ نے ترجمے کے ذریعے سمجھا، اس کو حرفِ آخر قرار نہ دیجئے، بلکہ ماہرین علوم قرآن اگر اس آیت کا مفہوم کچھ اور بتاتے ہیں، تو اپنے فہم پر اعتماد کر کے لوگوں کے ''ایمان'' سے نہ کھیلئے، اپنے قصورِ فہم کا اعتراف کر کے ماہرین کے فہم کی پیروی کیجئے۔

مسئلہ: قرآن اور حدیث میں جو دعائیں آئی ہیں، موقع کی مناسبت سے ان دعاؤں میں واحد متکلم کی جگہ

Marfat.com

جمع متکلم اور جمع متکلم کی جگہ واحد متکلم کے ساتھ ردّ و بدل کے متعلق مناسب تو یہ ہے کہ جو دعا جن الفاظ میں منقول ہے، ان کو اسی طرح رکھا جائے، تاہم اگر واحد، جمع کے صیغے بدل لیے جائیں تب بھی کوئی حرج نہیں۔

قرآن کریم دعا کی نیت سے پڑھا جائے تو اس سے مقصود قرآنِ کریم کے الفاظ کی حکایت نہیں ہوتی، یہی وجہ ہے کہ جنبی اور حائضہ کو قرآنی دعائیں، دعا کی نیت سے پڑھنے کی اجازت ہے، اسلئے دعا میں قرآنی الفاظ تبدیل کرنے سے تحریف لازم نہیں آئے گی، لیکن قرآنِ کریم کے مبارک الفاظ زیادہ بہتر ہیں۔

تلاوتِ قرآن مجید پر چند سوالات مع جواب

سوال: بعض لوگوں کی طرف سے یہ سوال کیا جاتا ہے کہ ہم قرآن شریف کو عربی میں کیوں پڑھتے ہیں جبکہ ہم عربی نہیں سمجھتے؟

جواب

تمہیداً پہلے دو مسئلے سمجھ لیجئے! ایک یہ کہ قرآن کریم کی تلاوت نماز میں تو فرض ہے کہ اس کے بغیر نماز ہی نہیں ہوتی، لیکن نماز سے باہر قرآن کریم کی تلاوت فرض و واجب نہیں، البتہ ایک عمدہ ترین عبادت ہے، اس لئے اگر کوئی شخص نماز سے باہر ساری عمر تلاوت نہ کرے تو کسی فریضے کا تارک اور گنہگار نہیں ہوگا، البتہ ایک بہترین عبادت سے محروم رہے گا، ایسی عبادت جو اس کی روح و قلب کو منور کر کے رشکِ آفتاب بنا سکتی ہے، ایسی عبادت جو اس کی قبر کے لئے روشنی ہے، اور ایسی عبادت جو حق تعالیٰ شانہ سے تعلق و محبت کا قوی ترین ذریعہ ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ کہ جس شخص کو قرآن کریم کی تلاوت کرنی ہے، خواہ وہ نماز کے اندر تلاوت کرے یا نماز سے باہر، اس کو قرآن کریم کے اصل عربی متن کی تلاوت لازم ہے، تلاوتِ قرآن کی فضیلت صرف عربی متن کی

Marfat.com

تلاوت پر حاصل ہوگی، وہ اس کی اردو، انگریزی یا کسی اور زبان کے ترجمہ پڑھنے پر حاصل نہیں ہوگی، اس لئے مسلمان قرآن کریم کے عربی متن ہی کی تلاوت کو لازم سمجھتے ہیں، ترجمہ پڑھنے کو تلاوت کا بدل نہیں سمجھتے اور اس کی چند وجوہات ہیں:

پہلی وجہ: قرآن کریم ان مقدس الفاظ کا نام ہے جو کلام الٰہی کی حیثیت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئے، گویا قرآن کریم حقیقت میں وہ خاص عربی الفاظ ہیں جن کو قرآن کہا جاتا ہے، چنانچہ متعدد آیات کریمہ میں قرآن کریم کا تعارف قرآن عربی یا لسانِ عربی کی حیثیت سے کرایا گیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

۱۔ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا [۱] ۲۔ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ [۲] ۳۔ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ [۳] ۴۔ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا [۴] ۵۔ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا [۵]

اور جب یہ معلوم ہوا کہ قرآن کریم، عربی کے ان مخصوص الفاظ کا نام ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئے تو اس سے خود بخود یہ بات واضح ہوگئی کہ اگر قرآنِ کریم کے کسی لفظ کی تشریح متبادل عربی لفظ سے بھی کر دی جائے تو وہ متبادل لفظ قرآن نہیں کہلائے گا، کیونکہ وہ متبادل لفظ منزل من اللہ نہیں، جبکہ قرآن وہ کلام الٰہی ہے جو جبرائیل امین علیہ السلام کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا، مثلاً: سورۂ بقرہ کی پہلی آیت میں: "لَارَيْبَ فِيْهِ" کے بجائے اگر "لَاشَكَّ فِيْهِ" کے الفاظ رکھ دیئے جائیں تو یہ قرآن کی آیت نہیں رہے گی۔

الغرض جن متبادل الفاظ سے قرآن کریم کی تشریح یا ترجمانی کی گئی ہے وہ چونکہ وحی قرآن کے الفاظ نہیں، اس لئے ان کو قرآن نہیں کہا جائے گا، ہاں! قرآن کریم کا ترجمہ یا تشریح وتفسیر ان کو کہہ سکتے ہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ہر شخص اپنے فہم کے مطابق ترجمہ وتشریح کیا کرتا ہے، پس جس طرح غالب کے اشعار کا مفہوم کوئی شخص اپنے الفاظ میں بیان کر دے تو وہ غالب کا کلام نہیں بلکہ غالب کے کلام کی ترجمانی ہے، اسی طرح قرآن کریم کا ترجمہ، خواہ کسی زبان میں ہو، وہ کلام الٰہی نہیں، بلکہ کلام الٰہی کی تشریح وترجمانی ہے،

---

[۱] طٰہٰ: ۱۱۳۔ [۲] الزمر: ۲۸۔ [۳] الیوسف: ۲۔ [۴] حٰم السجدہ: ۳۔ [۵] الشوریٰ: ۷۔

Marfat.com

اب اگر کوئی شخص اس ترجمہ وتشریح کا مطالعہ کرے تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس نے کلام الٰہی کو پڑھا، بلکہ یہ کہا جائے گا کہ اس نے قرآن کریم کا ترجمہ پڑھا۔

اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے درمیان جو فرق ہے، وہی فرق اس کے اپنے کلام اور مخلوق کی طرف سے کی گئی ترجمانی کے درمیان ہے، اب جو شخص حق تعالیٰ شانہ سے براہ راست ہم کلامی چاہتا ہو، اس کے لئے صرف مخلوق کے کئے ہوئے ترجمہ وتفسیر کا دیکھ لینا کافی نہیں ہوگا، بلکہ اس کے لئے براہِ راست کلامِ الٰہی کی تلاوت لازم ہوگی، ہر مسلمان کی کوشش یہی ہونی چاہئے کہ وہ قرآن کریم کا مفہوم خود اس کے الفاظ سے سمجھنے کی صلاحیت واستعداد پیدا کرے، لیکن اگر کسی میں یہ صلاحیت پیدا نہ ہو تب بھی قرآن کریم کی تلاوت کے انوار وتجلیات اسے حاصل ہوں گے، اور وہ تلاوت کے ثواب و برکات سے محروم نہیں رہے گا، خواہ معنی و مفہوم کو وہ سمجھتا ہو یا نہ سمجھتا ہو، اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ آپ ایک پھل یا مٹھائی لاتے ہیں، مجھے نہ تو اس کا نام معلوم ہے، نہ میں اس کے خواص وتاثیرات سے واقف ہوں، اس لاعلمی کے باوجود اگر میں اس پھل یا شیرینی کو کھاتا ہوں تو اس کی حلاوت وشیرینی اور اس کے ظاہری وباطنی فوائد سے محروم نہیں رہوں گا۔

دوسری وجہ: بعض لوگ جو کلام الٰہی کی لذت سے نا آشنا ہیں اور جنہیں کلام الٰہی اور مخلوق کے کلام کے درمیان فرق وامتیاز کی حس نہیں، ان کا کہنا ہے کہ قرآن کریم کے پڑھنے سے مقصود اس کے معنی ومفہوم کو سمجھنا اور اس کے احکام وفرامین کا معلوم کرنا ہے، اور یہ مقصود چونکہ کسی ترجمہ وتفسیر کے مطالعے سے بھی حاصل ہوسکتا ہے، لہٰذا کیوں نہ صرف ترجمہ وتفسیر پر اکتفاء کیا جائے؟ قرآن کریم کے الفاظ کے سیکھنے سکھانے اور پڑھنے پڑھانے پر کیوں وقت ضائع کیا جائے؟ مگر یہ ایک نہایت سنگین علمی غلطی ہے، اس لئے کہ جس طرح قرآن کریم کے معانی ومطالب مقصود ہیں، ٹھیک اسی طرح اس کے الفاظ کی تعلیم وتلاوت بھی ایک اہم مقصد ہے، اور یہ ایسا عظیم الشان مقصد ہے کہ قرآن کریم نے اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض نبوت میں اولین مقصد قرار دیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

Marfat.com

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ [۱]

اے ہمارے پروردگار! اور اس جماعت کے اندر انہیں میں سے ایک ایسا پیغمبر بھی مقرر کیجئے جو ان لوگوں کو آپ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سنایا کریں اور ان کو (آسمانی) کتاب کی اور خوش فہمی کی تعلیم دیا کریں، اور ان کو پاک کر دیں، بلاشبہ آپ ہی غالب القدرت کامل الانتظام ہیں۔[۲]

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ [۳]

جس طرح تم لوگوں میں ہم نے ایک (عظیم الشان) رسول کو بھیجا تمہیں میں سے، ہماری آیات (واحکام) پڑھ پڑھ کر تم کو سناتے ہیں، اور (جہالت سے) تمہاری صفائی کرتے رہتے ہیں، اور تم کو کتاب (الٰہی) اور فہم کی باتیں بتلاتے رہتے ہیں، اور تم کو ایسی (مفید) باتیں تعلیم کرتے رہتے ہیں جن کی تم کو خبر بھی نہ تھی۔[۴]

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ [۵]

حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر احسان کیا، جبکہ ان میں ان ہی کی جنس سے ایک ایسے پیغمبر کو بھیجا کہ وہ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان لوگوں کی صفائی کرتے رہتے ہیں، اور ان کو کتاب اور فہم کی باتیں بتلاتے رہتے ہیں، اور بالیقین یہ لوگ پہلے سے صریح غلطی میں تھے"۔[۶]

---

[۱] البقرۃ:۱۲۹۔[۲] ترجمہ: حضرت تھانویؒ۔ [۳] البقرۃ:۱۵۱۔[۴] ترجمہ: حضرت تھانویؒ۔[۵] آل عمران:۱۶۴۔[۶] ترجمہ: حضرت تھانویؒ۔

Marfat.com

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ۗ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ [1]

وہی ہے جس نے (عرب کے) ناخواندہ لوگوں میں ان ہی (کی قوم) میں سے (یعنی عرب میں سے) ایک پیغمبر بھیجا، جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں، اور ان کو (عقائدِ باطلہ اور اخلاقِ ذمیمہ سے) پاک کرتے ہیں، اور ان کو کتاب اور دانشمندی (کی باتیں) سکھلاتے ہیں، اور یہ لوگ (آپ کی بعثت سے) پہلے سے کھلی گمراہی میں تھے"۔ [2]

جس چیز کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائضِ نبوت میں سے اولین فریضہ قرار دیا گیا ہو، اُمت کا اس کے بارے میں یہ خیال کرنا کہ یہ غیرضروری ہے، کتنی بڑی جسارت اور کس قدر سوءِ ادب ہے۔

تیسری وجہ: قرآن کریم میں ارشاد ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ [3] "یعنی ہم نے ہی یہ قرآن نازل کیا ہے، اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں"، قرآن کریم کی حفاظت کے وعدے میں اس کے الفاظ کی حفاظت، اس کے معنی کی حفاظت، اس کی زبان ولغت کی حفاظت سب ہی کچھ شامل ہے، اور عالمِ اسباب میں حفاظت کا یہ وعدہ اس طرح پورا ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے لے کر آج تک جماعتوں کی جماعتیں قرآن کریم کی خدمت میں مشغول ہیں، اور ان شاء اللہ قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

گویا حفاظتِ قرآن کے ضمن میں ان تمام لوگوں کی حفاظت کا بھی وعدہ ہے جو قرآن کریم کی خدمت کے کسی نہ کسی شعبے سے منسلک ہیں، ان خدامِ قرآن میں سرفہرست ان حضرات کا نام ہے جو قرآن کریم کے الفاظ کی حفاظت میں مشغول ہیں، اور قرآن کریم کے الفاظ کی تعلیم وتعلّم میں لگے ہوئے ہیں، خواہ حفظ کر رہے ہوں یا ناظرہ پڑھتے پڑھاتے ہوں، اور اسی وعدۂ حفاظت کی کارفرمائی ہے کہ آج کے گئے گزرے زمانے میں لاکھوں حافظِ قرآن موجود ہیں، جن میں چھ سات سال تک کے بچے بھی شامل ہیں، اب اگر الفاظِ قرآن کی

---

[1] الجمعۃ:۲۔ [2] ترجمہ: حضرت تھانویؒ۔ [3] الحجر:۹۔

Marfat.com

تلاوت کو غیر ضروری قرار دے کر امت اس کے پڑھنے پڑھانے کا شغل ترک کر دے تو گویا قرآن کریم کا وعدہ حفاظت نعوذ باللہ غلط ٹھہرا، مگر اس وعدۂ محکم کا غلط قرار پانا تو محال ہے، ہاں! یہ ہوگا کہ اگر بالفرض امت قرآن کریم کے الفاظ کی تلاوت اور اس کے پڑھنے پڑھانے کو ترک کر دے تو حق تعالیٰ شانہٗ ان کی جگہ ایسے لوگوں کو بروئے کار لائیں گے جو اس وعدہ الٰہی کی تکمیل میں بسروچشم اپنی جانیں کھپائیں گے، گویا امت کا امت کی حیثیت سے باقی رہنا موقوف ہے، قرآن کریم کے الفاظ کی تلاوت اور تعلیم و تعلّم پر، اگر امت اس فریضے سے منحرف ہو جائے تو اسے صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے گا، جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ [1]

اور اگر تم روگردانی کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری جگہ دوسری قوم پیدا کر دے گا، پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے۔

یہاں یہ نکتہ بھی ذہن میں رکھنا چاہئے کہ حق تعالیٰ شانہ نے جہاں قرآن کریم کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے، وہاں اسی حفاظت قرآن کے ضمن میں ان تمام علوم کی حفاظت کا بھی وعدہ ہے جو قرآن کریم کے خادم ہیں، ان علوم قرآن کی فہرست پر ایک نظر ڈالیں تو ان میں بہت سے علوم ایسے نظر آئیں گے جن کا تعلق الفاظ قرآن سے ہے، ان علوم کا اجمالی تعارف حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ''الاتقان فی علوم القرآن'' میں پیش کیا ہے، موصوف رحمۃ اللہ علیہ نے علوم قرآن کو بڑی بڑی ۱۰۸، انواع میں تقسیم کیا ہے، اور ہر نوع کے ذیل میں متعدد انواع درج کی ہیں، مثلاً ایک نوع کا عنوان ہے: ''بدائع القرآن'' اس کے ذیل میں حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

۸۵ ویں نوع ''بدائع القرآن'' میں اس موضوع پر ابنِ ابی الاصبع (عبدالعظیم بن عبدالواحد بن ظافر المعروف بابن ابی الاصبع المصری المتوفی ۶۵۴ھ) نے مستقل کتاب لکھی ہے، اور اس میں تقریباً ایک سو انواع ذکر کی ہیں۔ [2]

الغرض قرآن کریم کے مقدس الفاظ ہی ان تمام علوم کا سرچشمہ ہیں، قرآن کریم کے معنی و مفہوم کا سمندر بھی

---

[1] محمد: ۳۸۔ [2] الاتقان، ج:۲، ص: ۳۸۰۔

Marfat.com

انہی الفاظ میں موجزن ہے، اگر خدانخواستہ امت کے ہاتھ سے الفاظ قرآن کا رشتہ چھوٹ جائے تو ان تمام علوم کے سوتے خشک ہوجائیں گے اور امت نہ صرف کلام الٰہی کی لذت وحلاوت سے محروم ہوجائے گی، بلکہ قرآن کریم کے علوم ومعارف سے بھی تہی دامن ہوجائے گی۔

چوتھی وجہ: کلام الٰہی کی تلاوت سے جو انوار وتجلیات اہل ایمان کو نصیب ہوتی ہیں، ان کا احاطہ اس تحریر میں ممکن نہیں، یہ حدیث تو آپ نے بھی سنی ہوگی کہ قرآن کریم کے ایک حرف کی تلاوت پر دس نیکیاں ملتی ہیں، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

"جس نے کتاب اللہ کا ایک حرف پڑھا اس کے لئے اس کے بدلے میں ایک نیکی ہے، اور ہر نیکی دس گنا ملتی ہے (پس ہر حرف پر دس نیکیاں ہوئیں)، اور میں یہ نہیں کہتا کہ الٓمٓ ایک حرف ہے، نہیں! بلکہ الف ایک حرف ہے، لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے (پس الٓمٓ پڑھنے پر تیس نیکیاں ملیں)"۔ [1]

قرآن کریم کی تلاوت کے بے شمار فضائل ہیں، جو شخص تلاوت قرآن کے فضائل وبرکات کا کچھ اندازہ کرنا چاہے، وہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے رسالہ "فضائل قرآن" کا مطالعہ کرے۔ اب ظاہر ہے کہ قرآن کریم کے ایک ایک حرف پر دس دس نیکیوں کا جو وعدہ ہے، یہ تمام اجر وثواب اور یہ ساری فضیلت وبرکت قرآن کریم کے الفاظ کے تلاوت پر ہی ہے، محض انگریزی، اردو ترجمہ پڑھ لینے سے یہ اجر حاصل نہیں ہوگا، پس جو شخص اس اجر وثواب، اس برکت وفضیلت اور اس نور کو حاصل کرنا چاہتا ہے، اسے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ قرآن کریم کے الفاظ کی تلاوت کرے، جن سے یہ تمام وعدے وابستہ ہیں، وَاللّٰہُ الْمُوَفِّقُ لِکُلِّ خَیْرٍ وَّ سَعَادَۃٍ!۔

جہاں تک قرآن کریم کے ترجمہ وتفسیر کے مطالعے کا تعلق ہے! قرآن کریم کا مفہوم سمجھنے کے لئے ترجمہ وتفسیر کا مطالعہ بہت اچھی بات ہے، ترجمہ خواہ اردو میں ہو، انگریزی میں ہو، یا کسی اور زبان میں ہو، البتہ اس سلسلے میں چند امور کی رعایت رکھنا ضروری ہے:

---

[1] مشکوٰۃ ص:۱۸۶۔

Marfat.com

اوّل: وہ ترجمہ وتفسیر مستند ہو اور کسی محقق عالم ربانی کے قلم سے ہو، جس طرح شاہی فرامین کی ترجمانی کے لئے ترجمان کا لائق اعتماد اور ماہر ہونا شرط ہے، ورنہ وہ ترجمانی کا اہل نہیں سمجھا جاتا، اسی طرح احکم الحاکمین کے مقدس کلام کی ترجمانی کے لئے بھی شرط ہے کہ ترجمہ کرنے والا دینی علوم کا ماہر، مستند اور لائق اعتماد ہو، آج کل بہت سے غیر مسلموں، بے دینوں اور کچے پکے لوگوں کے تراجم بھی بازار میں دستیاب ہیں، خصوصاً انگریزی زبان میں تو ایسے ترجموں کی بھرمار ہے جن میں حق تعالیٰ شانہ کے کلام کی ترجمانی کی بجائے قرآن کریم کے نام سے خود اپنے افکار وخیالات کی ترجمانی کی گئی ہے، ظاہر ہے کہ جس شخص کے دین ودیانت پر ہمیں اعتماد نہ ہو، اس کے ترجمہ قرآن پر کیسے اعتماد کیا جاسکتا ہے؟ اس لئے جو حضرات ترجمہ وتفسیر کے مطالعے کا شوق رکھتے ہوں، ان کا فرض ہے کہ وہ کسی لائق اعتماد عالم کے مشورے سے ترجمہ وتفسیر کا انتخاب کریں، اور ہر غلط سلط ترجمہ اٹھا کر پڑھنا شروع نہ کردیں۔

دوم: ترجمہ وتفسیر کی مدد سے آدمی نے جو کچھ سمجھا ہو اس کو قطعیت کے ساتھ قرآن کریم کی طرف منسوب نہ کیا جائے، بلکہ یہ کہا جائے کہ میں نے فلاں ترجمہ وتفسیر سے یہ مفہوم سمجھا ہے، ایسا نہ ہو کہ غلط فہمی کی وجہ سے ایک غلط بات کو قرآن کریم کی طرف منسوب کرنے کا وبال اس کے سر آجائے، کیونکہ منشائے الٰہی کے خلاف کوئی بات قرآن کریم کی طرف منسوب کرنا اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھنا ہے، جس کا وبال بہت ہی سخت ہے۔

سوم: قرآن کریم کے بعض مقامات ایسے دقیق ہیں کہ بعض اوقات ترجمہ وتفسیر کی مدد سے بھی آدمی ان کا احاطہ نہیں کرسکتا، ایسے مقامات پر نشان لگا کر اہل علم سے زبانی سمجھ لیا جائے، اور اگر اس کے باوجود وہ مضمون اپنے فہم سے اونچا ہو تو اس میں زیادہ کاوش نہ کی جائے۔

دوسرا سوال

کون سا طریقہ بہتر ہے، عربی میں قرآن شریف کی تلاوت کرنا یا اس کا انگریزی ترجمہ پڑھنا؟

Marfat.com

جواب

ترجمہ پڑھنے کی شرائط تو ابھی ماقبل میں ذکر ہو چکی ہیں، اور یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ ترجمہ پڑھنا قرآن کریم کی تلاوت کا بدل نہیں، اگر دو چیزیں متبادل ہوں یعنی ایک چیز دوسری کا بدل بن سکتی ہو، وہاں تو یہ سوال ہو سکتا ہے کہ ان میں سے کون سی چیز بہتر ہے؟ جب ترجمہ پڑھنا قرآن کریم کی تلاوت کا بدل ہی نہیں، نہ اس کی جگہ لے سکتا ہے تو یہی عرض کیا جا سکتا ہے کہ قرآن کریم کے اجر و ثواب اور انوارات و تجلیات کے لئے تو مسلمانوں کو قرآن ہی کی تلاوت کرنی چاہئے، اگر معنی و مفہوم کو سمجھنے کا شوق ہو تو اس کے لئے ترجمہ و تفسیر سے بھی مدد لی جا سکتی ہے، اور اگر دونوں کو جمع کرنے کی فرصت نہ ہو تو بہتر صورت یہ ہے کہ ترجمہ کی بجائے قرآن کریم کی تلاوت کرتا رہے اور دین کے مسائل اہل علم سے پوچھ پوچھ کر ان پر عمل کرتا رہے، اس صورت میں قرآن کریم کی تلاوت کا اجر و ثواب بھی حاصل ہوتا رہے گا، اور قرآن کریم کے مقاصد یعنی دینی مسائل پر عمل کرنے کی بھی توفیق ہوتی رہے گی، لیکن اگر تلاوت کو چھوڑ کر ترجمہ خوانی شروع کر دی تو تلاوت قرآن سے تو یہ شخص پہلے دن ہی محروم ہو گیا، اور ظاہر ہے کہ صرف ترجمہ پڑھ کر یہ شخص قرآن کریم کا ماہر نہیں بن سکتا، نہ دینی مسائل اخذ کر سکتا ہے، اس طرح یہ شخص دین پر عمل کرنے کی توفیق سے بھی محروم رہے گا، اور یہ سراسر خسارے کا سودا ہے۔!

تیسرا سوال

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ زندگی بہت مصروف ہے اور لوگوں کے پاس بہت سارے کام کرنے کا وقت نہیں، لہٰذا ہم قرآن نہیں پڑھ سکتے جو ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔

جواب

آپ غور کریں تو اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ ہماری ان بے پناہ مصروفیات کے دو بڑے سبب ہیں: ایک یہ کہ آج کے مشینی دور نے خود انسان کو بھی ایک خودکار مشین بنا دیا ہے، مشینوں کی ایجاد تو اس لئے ہوئی تھی کہ ان کی وجہ سے انسان کو فرصت کے لمحات میسر آسکیں گے، لیکن مشین کی برق رفتاری کا ساتھ دینے کے لئے خود انسان

Marfat.com

کو بھی مشین کا کردار ادا کرنا پڑا۔

دوم: یہ کہ ہم نے بہت سی غیر ضروری چیزوں کا بوجھ اپنے اوپر لاد لیا ہے، آدمی کی بنیادی ضرورت صرف اتنی تھی کہ بھوک مٹانے کے لئے اسے پیٹ بھر کر روٹی میسر آجائے، تن ڈھانکنے کیلئے اس کو کپڑا میسر ہو، اور سردی گرمی سے بچاؤ کے لئے جھونپڑا ہو، لیکن ہم میں سے ہر شخص قیصر و کسریٰ کے سے ٹھاٹھ باٹھ سے رہنے کا متمنی ہے، اور وہ ہر چیز میں دوسروں سے گویا سبقت لے جانا چاہتا ہے، وہ لادین اور بے خدا قومیں جن کے سامنے آخرت کا کوئی تصور نہیں، جن کے نزدیک زندگی بس یہی دنیا کی زندگی ہے، اور جن کے بارے میں قرآن کریم نے فرمایا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ. اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ [1]

”البتہ جو لوگ امید نہیں رکھتے ہمارے ملنے کی، اور خوش ہوئے دنیا کی زندگی پر اور اسی پر مطمئن ہو گئے، اور جو لوگ ہماری نشانیوں سے بے خبر ہیں، ایسوں کا ٹھکانہ ہے آگ، بدلہ اس کا جو کماتے تھے“۔

وہ اگر دُنیوی مسابقت کے مرض میں مبتلا ہوتیں اور دنیوی کرّ و فرّ اور شان و شوکت ہی کو معراجِ کمال سمجھتیں، تو جائے تعجب نہ تھی، لیکن امت محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) جن کے دل میں عقیدۂ آخرت کا یقین ہے اور جن کے سر پر آخرت کے محاسبہ کی، وہاں کی جزا و سزا کی اور وہاں کی کامیابی و ناکامی کی تلوار ہر وقت لٹکتی رہتی ہے، ان کی یہ آخرت فراموشی بہت ہی افسوسناک بھی ہے اور حیرت افزا بھی!

ہم نے غیروں کی تقلید و نقالی میں اپنا معیارِ زندگی بلند کرنا شروع کر دیا، ہمارے سامنے ہمارے محبوب ﷺ کا نقشِ زندگی موجود تھا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی کے نمونے موجود تھے، اکابر اولیاء اللہ اور بزرگانِ دین کی مثالیں موجود تھیں، مگر ہم نے ان کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھنا بھی پسند نہ کیا، بلکہ اس کی دعوت دینے والوں کو احمق

---

[1] الیونس: ۷، ۸۔

Marfat.com

وکو دن سمجھا، اور معیارِ زندگی بلند کرنے کے شوق میں زندگی کی گاڑی پر اتنا نمائشی سامان لاد لیا کہ اب اس کا کھینچنا محال ہو گیا، گھر کے سارے مرد و زن، چھوٹے بڑے اس بوجھ کے کھینچنے میں دن رات ہلکان ہو رہے ہیں، رات کی نیند اور دن کا سکون غارت ہو کر رہ گیا ہے، ہمارے اعصاب جواب دے رہے ہیں، نفسیاتی امراض میں اضافہ ہو رہا ہے، علاج معالجے میں ۷۵ فیصد مسکن دوائیاں استعمال ہو رہی ہیں، خواب آور دوائیں خوراک کی طرح کھائی جا رہی ہیں، ناگہانی اموات کی شرح حیرت ناک حد تک بڑھ رہی ہے، لیکن کسی بندۂ خدا کو یہ عقل نہیں آتی کہ ہم نے نمود و نمائش کا یہ بارِ گراں آخر کس مقصد کے لئے لاد رکھا ہے؟ نہ یہی خیال آتا ہے کہ اگر موت اور موت کے بعد کی زندگی برحق ہے، اگر قبر کا سوال و جواب اور ثواب و عذاب برحق ہے، اگر حشر و نشر، قیامت کے دن کی ہولناکیاں اور جنت و دوزخ برحق ہیں، تو ہم نمود و نمائش کا جو بوجھ لادے پھر رہے ہیں، اور جس کی وجہ سے اب ہمیں قرآن کریم کی تلاوت کی بھی فرصت نہیں رہی، یہ قبر و حشر میں ہمارے کس کام آئے گا؟

''سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا جب لاد چلے گا بنجارا'' کا تماشا شب و روز ہماری آنکھوں کے سامنے ہے، نمود و نمائش اور بلند معیارِ زندگی کے خبطی مریضوں کو ہم خالی ہاتھ جاتے ہوئے دن رات دیکھتے ہیں، لیکن ہماری چشمِ عبرت نہیں کھلتی، ایک حدیث شریف کا مضمون ہے:

آدمی جب مرتا ہے تو فرشتے پوچھتے ہیں کہ: اس نے آگے کیا بھیجا؟ اور لوگ کہتے ہیں کہ: اس نے پیچھے کیا چھوڑا؟[1]

اب جب ہمارا انتقال ہوگا، جب ہمیں قبر کے تاریک خلوت خانے میں رکھ دیا جائے گا اور فرشتے پوچھیں گے کہ یہاں کے اندھیرے کی روشنی قرآن کریم کی تلاوت ہے، یہاں کی تاریکی دور کرنے کے لئے تم کیا لائے ہو؟ تو وہاں کہہ دیجئے گا کہ ہماری زندگی بڑی مصروف تھی، اتنا وقت کہاں تھا کہ وضو کر کے ایک کونے میں بیٹھ کر قرآن کریم پڑھیں۔

اور جب میدانِ حشر میں بارگاہِ خداوندی میں سوال ہوگا کہ جنت کی قیمت ادا کرنے کے لئے کیا لائے؟ تو

[1] مشکوٰۃ ص:۴۴۵۔

Marfat.com

وہاں کہہ دیجئے کہ میں نے بڑی سے بڑی ڈگریاں حاصل کی تھیں، امریکہ جیسے ترقی یافتہ ملک میں اتنے بڑے عہدوں پر فائز تھا، میں نے فلاں فلاں چیزوں میں نام پیدا کیا تھا، بہترین سوٹ زیب تن کرتا تھا، شاندار بنگلے میں رہتا تھا، کاریں تھیں، بینک بیلنس تھا، میرے پاس اتنی فرصت کہاں تھی کہ آخرت کی تیاری کروں، پانچ وقت مسجد میں جایا کروں، روزانہ کم سے کم ایک پارہ قرآن کریم کی تلاوت کیا کروں، تسبیحات پڑھوں، درود شریف پڑھوں، خود دین کی محنت میں لگوں اور اپنی اولاد کو قرآن مجید حفظ کراؤں۔۔۔؟

مجھے بتایئے! کہ کیا مرنے کے بعد بھی قبر اور حشر میں بھی ہم اور آپ یہی جواب دیں گے کہ: جناب! ہمارے پاس اتنی فرصت کہاں تھی کہ باوضو ایک کونے میں بیٹھ کر قرآن کی تلاوت کیا کریں؟ نہیں! وہاں یہ جواب نہیں ہوگا، وہاں وہ جواب ہوگا جو قرآن کریم نے نقل کیا ہے:

اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِىْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ [1]

"کبھی (کل قیامت کو) کوئی شخص کہنے لگے کہ: افسوس میری اس کوتاہی پر جو میں نے اللہ کی جناب میں کی ہے، اور میں تو (احکام خداوندی پر) ہنستا ہی رہا"۔

جب مرنے کے بعد ہمارا جواب وہ ہوگا جو قرآن کریم نے نقل کیا ہے تو یہاں یہ عذر کرنا کہ فرصت نہیں، محض فریب نفس نہیں تو اور کیا ہے؟ حدیث شریف میں ہے:

اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهٗ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ، وَالْعَاجِزُ مَنْ اَتْبَعَ نَفْسَهٗ هَوَاهَا وَتَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ [2]

"دانشمند وہ ہے جس نے اپنے نفس کو رام کرلیا اور موت کے بعد کی زندگی کے لئے محنت کی، اور احمق ہے وہ شخص جس نے اپنے نفس کو خواہشات کے پیچھے لگادیا اور اللہ تعالیٰ پر آرزوئیں دھرتا رہا"۔

---

[1] الزمر:۵۶۔ [2] مشکوٰۃ،ص:۱۵۴۔

Marfat.com

ان تمام امور سے بھی قطع نظر کر لیجئے! ہماری مصروف زندگی میں ہمارے پاس اور بہت سی چیزوں کے لئے وقت ہے، ہم اخبار پڑھتے ہیں، ریڈیو سنتے ہیں اور ٹیلی ویژن دیکھتے ہیں، دوست احباب کے ساتھ گپ شپ کرتے، سیر وتفریح کے لئے جاتے ہیں، تقریبات میں شرکت کرتے ہیں، ان تمام چیزوں کے لئے ہمارے پاس فالتو وقت ہے، اور ان موقعوں پر ہمیں کبھی عدیم الفرصتی کا عذر پیش نہیں آتا، لیکن جب نماز، روزہ، ذکر و اذکار اور تلاوت قرآن کا سوال سامنے آئے تو ہم فوراً عدیم الفرصتی کی شکایت کا دفتر کھول کر بیٹھ جاتے ہیں۔

بہت سے ممالک میں ہفتے میں دو دن کی تعطیل ہوتی ہے، ہفتے کے ان دو دنوں کے مشاغل کا نظام ہم پہلے سے مرتب کر لیتے ہیں، اور اگر کوئی کام نہ ہو تب بھی وقت پاس کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی مشغلہ ضرور تجویز کر لیا جاتا ہے، لیکن تلاوت قرآن کی فرصت ہمیں چھٹی کے ان دنوں میں بھی نہیں ہوتی۔

اس سے معلوم ہوا کہ فرصت نہ ہونے کا عذر محض نفس کا دھوکہ ہے، اس کا اصل سبب یہ ہے کہ دنیا ہماری نظر کے سامنے ہے، اس لئے ہم اس کے مشاغل میں منہمک رہتے ہیں، موت اور آخرت کا دھیان نہیں، اس لئے موت کے بعد کی طویل زندگی سے غفلت ہے، نہ اس کی تیاری ہے، اور نہ تیاری کا فکر واہتمام، اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ عذر تراشی کے بجائے اس مرض غفلت کا علاج کیا جائے، قیامت کے دن یہ عذر نہیں چلے گا کہ ہماری مصروفیت بہت تھی، ان کو ذکر وتلاوت کی فرصت کہاں تھی؟

چوتھا سوال

جو ہمارے مسلمان بھائی دیارِ غیر میں رہتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ کافر ہمارا مذاق اڑاتے ہیں کہ صرف ایک قرآن پڑھنے کے لئے کتنے کام کرنے پڑتے ہیں، یعنی تلاوت کے آداب کا خیال رکھنا پڑتا ہے، یہ مانتے ہیں کہ وہ ایک مقدس کتاب ہے لیکن بائبل بھی مقدس کتاب ہے، اور ہم وہ کتاب کسی بھی وقت پڑھتے ہیں، ہم زیادہ تر رات کو سوتے وقت بستر میں پڑھ سکتے ہیں، کیا قرآن بھی اس طریقہ سے پڑھا جا سکتا ہے؟ اگر نہیں تو کیا وجہ ہے؟

Marfat.com

جواب

کافروں کے مذاق اڑانے کا جو ذکر کیا جاتا ہے اس پر ایک کہاوت سنیں!

کہتے ہیں کہ ایک ناک والا شخص نکٹوں کے دیس چلا گیا، وہ ''نکو آیا، نکو آیا'' کہہ کر اس کا مذاق اڑانے لگے، چونکہ یہ پورا ملک نکٹوں کا تھا، اس لئے اس غریب کی زندگی دوبھر ہو گئی اور اسے اپنی ناک سے شرم آنے لگی، وہیں سے ہمارے یہاں ''نکو بنانے'' کا محاورہ رائج ہوا۔ آپ کی مشکل یہ ہے کہ آپ نکٹوں کے دیس میں رہتے ہیں، اس لئے آپ کو اپنی ناک سے شرم آنے لگی ہے، اگر آپ کو یہ احساس ہوتا کہ عیب آپ کی ناک کا نہیں، بلکہ ان نکٹوں کی ناک کے غائب ہونے کا ہے، تو آپ کو ان کے مذاق اڑانے سے شرمندگی نہ ہوتی۔

جس بائبل کو وہ مقدس کلام کہتے ہیں، وہ کلام الٰہی نہیں، بلکہ انسانوں کے ہاتھوں کی تصنیفات ہیں، مثلاً: ''عہد نامہ جدید'' میں ''متی کی انجیل''، ''مرقس کی انجیل''، ''لوقا کی انجیل''، ''یوحنا کی انجیل'' کے نام سے جو کتابیں شامل ہیں، یہ وہ کلام الٰہی نہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے نازل ہوا تھا، بلکہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی چار سوانح عمریاں ہیں، جو مختلف اوقات میں ان چار حضرات نے تصنیف فرمائی تھیں، لطف یہ ہے کہ ان کی تصنیف کا اصل نسخہ بھی کہیں دنیا میں موجود نہیں، ان بے چاروں کے ہاتھ میں جو کچھ ہے وہ محض ترجمہ ہی ترجمہ ہے، اصل متن غائب ہے، یہی وجہ ہے آئے دن تراجم میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ ۱۸۸۰ء میں جو نسخہ شائع ہوا تھا اس کا مقابلہ ۱۹۸۰ء کے نسخے سے کر کے دیکھئے، دونوں کا فرق کھل کر سامنے آجائے گا۔

ان چار انجیلوں کے بعد اس مجموعے میں ''رسولوں کے اعمال'' کی کتاب شامل ہے، یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کے حالات پر مشتمل ہے، اس کے بعد چودہ خطوط جناب پولوس کے ہیں، جو انہوں نے مختلف شہروں کے باشندوں کو لکھے تھے، اس کے بعد یعقوب، پطرس، یوحنا اور یہودا کے خطوط ہیں، اور آخر میں یوحنا

Marfat.com

عارف کا مکاشفہ ہے۔ اب غور فرمائیے! کہ اس مجموعے میں وہ کونسی چیز ہے جس کے ایک ایک حرف کو کلامِ الٰہی کہا جائے؟ اور وہ ٹھیک اسی زبان میں محفوظ ہو، جس زبان میں وہ نازل ہوا تھا؟

ان حضرات نے انسانوں کی لکھی ہوئی تحریروں کو کلام مقدس کا نام دے رکھا ہے، مگر چونکہ وہ کلام الٰہی نہیں ہے، اس لئے وہ واقعی اس لائق ہیں کہ ان کو بغیر طہارت کے لیٹ کر پڑھا جائے، لیکن آپ کے ہاتھ میں وہ کلام الٰہی ہے جس کے ایک حرف میں بھی کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی، اور وہ آج ٹھیک اسی طرح تروتازہ حالت میں موجود ہے، جس طرح کہ وہ حضرت خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا تھا، اس نکتے پر دنیا کے تمام اہل عقل متفق ہیں کہ یہ ٹھیک وہی کلام ہے جس کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کلام الٰہی کی حیثیت سے دنیا کے سامنے پیش کیا تھا، اور اس میں ایک حرف کا بھی تغیر وتبدل نہیں ہوا، چنانچہ انگریزی دور میں صوبہ متحدہ کے لیفٹیننٹ گورنر سرولیم میور، اپنی کتاب ''لائف آف محمد'' (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ''Life of Muhammad'' میں لکھتے ہیں:

> ''یہ بالکل صحیح اور کامل قرآن ہے، اور اس میں ایک حرف کی بھی تحریف نہیں ہوئی، ہم ایک بڑی مضبوط بنا پر دعویٰ کر سکتے ہیں کہ قرآن کی ہر آیت خالص اور غیر متغیر صورت میں ہے۔ اور آخر کار ہم اپنی بحث کو ''ون ہیم'' صاحب کے فیصلے پر ختم کرتے ہیں، وہ فیصلہ یہ ہے کہ ہمارے پاس جو قرآن ہے، ہم کامل طور پر اس میں ہر لفظ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا سمجھتے ہیں، جیسا کہ مسلمان اس کے ہر لفظ کو اللہ کا لفظ خیال کرتے ہیں''۔ [1]

الغرض مسلمانوں کے پاس الحمد للہ کلامِ الٰہی عین اصل حالت میں اور انہی الفاظ میں موجود ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئے تھے، اس لئے مسلمان جس ادب وتعظیم کے ساتھ کلام اللہ کی تلاوت کریں بجا ہے، ایک بزرگ مسلمانوں کی ترجمانی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

هزار بار بشویم دهن به مشک و گلاب
هنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی ست

---

[1] ماخوذ از تنبیہ الحائرین، ص: ۱۴، از مولانا عبدالشکور لکھنویؒ۔

Marfat.com

آپ کا پاک نام اس قدر مقدس ہے کہ میں اگر ہزار مرتبہ منہ کو
مشک وگلاب کے ساتھ دھوؤں تب بھی آپ کا نام لینا بے ادبی ہے۔

اس لئے اگر کافر طعنہ دیتے ہیں تو ان کے طعنے کی کوئی پرواہ نہ کیجئے، ان کے یہاں طہارت کا کوئی تصور ہی نہیں، وہ ظاہری ٹیپ ٹاپ اور صفائی کا تو بہت اہتمام کرتے ہیں، مگر نہ انہیں کبھی پانی سے استنجا کرنے اور گندگی کی جگہ کو پاک کرنے کی توفیق ہوئی ہے، اور نہ انہوں نے کبھی غسلِ جنابت کیا، جب طہارت، وضو اور غسل ان کے مذہب ہی میں نہیں تو باوضو ہو کر وہ اپنی کتاب کو کیسے پڑھیں گے؟ یہ امت محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کی خصوصیت ہے کہ ان کو قدم قدم پر پاک اور باوضو رہنے کی تعلیم دی گئی ہے، اور یہ اس امت کا وہ امتیازی وصف ہے جس کے ساتھ قیامت کے دن اس امت کی شناخت ہوگی کہ جن اعضاء کو وضو میں دھویا جاتا ہے وہ قیامت کے دن چمک رہے ہوں گے۔

کتاب اللہ نور ہے، اور وضو بھی نور ہے، اس لئے کتاب اللہ کا ادب یہی ہے کہ اس کو باوضو اور باادب پڑھا جائے، تاہم اگر کسی کو قرآن کریم کی کچھ آیات یا سورتیں زبانی یاد ہوں، ان کو بے وضو بھی پڑھنا جائز ہے، اور بستر پر بھی پڑھ سکتے ہیں، البتہ اگر غسل فرض ہو تو غسل کئے بغیر قرآن کریم کی تلاوت زبانی بھی جائز نہیں، اسی طرح حیض ونفاس کی حالت میں بھی عورت تلاوت نہیں کرسکتی اور اگر آدمی کو غسل کی حاجت تو نہ ہو لیکن وضو کا موقع نہ ہو، تو یہ بھی جائز ہے کہ قرآن مجید کے اوراق کسی کپڑے وغیرہ سے الٹتا رہے اور دیکھ کر تلاوت کرتا رہے۔ الغرض بڑی ناپاکی کی حالت میں تو قرآن کریم کی تلاوت جائز نہیں، لیکن وضو نہ ہونے کی حالت میں تلاوت جائز ہے، البتہ قرآن کریم کو بے پردہ ہاتھ لگانا، بے وضو جائز نہیں۔

ختمِ قرآن پر کھانا کھلانا

مسئلہ: ختم قرآن کی خوشی میں کھانا کھلانے میں کوئی حرج نہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب سورۃ البقرہ ختم کی

Marfat.com

تھی تو اونٹ ذبح کیا تھا، لیکن ہمارے یہاں اکثر تکلفات خلافِ شرع کئے جاتے ہیں، اور ان میں اخلاص ومحبت کے بجائے ریاکاری اور رسم پرستی کا پہلو ہی نمایاں ہوتا ہے۔

نوافل کی جماعت کے ساتھ شبینہ

مسئلہ: حضراتِ فقہاء رحمہم اللہ نے تین سے زیادہ افراد کا جماعت کے ساتھ نوافل پڑھنا مکروہ لکھا ہے، پس اگر امام تراویح پڑھائے تو یہ شبینہ صحیح ہے، اور اگر امام نفل کی جماعت کراتا ہے تو یہ شبینہ جائز نہیں۔

ٹیپ ریکارڈر سے تلاوتِ قرآن

مسئلہ: ٹیپ ریکارڈر سے قرآن کریم کی آواز سننے کا ثواب ملتا ہے، مگر تلاوت کا ثواب نہیں ملتا، اس لئے کہ ٹیپ ریکارڈ کی تلاوت کو اکثر علماء نے تلاوت میں شمار نہیں کیا ہے۔ اور گانے کی کیسٹ سننے سے گانے کی آواز سننے کا گناہ ملتا ہے، اور گانے کی آواز سننا بھی حرام ہے۔

مسئلہ: ٹیپ ریکارڈر آواز محفوظ کرنے کا آلہ ہے، اس کا صحیح استعمال صحیح ہے، اور غلط، غلط ہے، جو آلہ گانے کے لئے استعمال ہوتا ہے، اس سے تلاوت سننا خلافِ ادب ہے۔

ٹیپ ریکارڈ کی تلاوت کا ثواب نہیں، تو پھر گانوں کا گناہ کیوں؟

سوال: بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ جب ٹیپ ریکارڈ کی تلاوت واقعتاً تلاوت نہیں ہے، اس سے سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوتا، نہ تلاوت کا ثواب ملتا ہے، اگر یہ واقعتاً تلاوت نہیں ہے تو پھر ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے تلاوت کا جواز ختم ہو جائے گا، یہی نہیں جب اس کا ثواب بھی نہیں ہے تو پھر ٹیپ ریکارڈ سے فحش گانے سننا بھی باعث عذاب نہیں ہوگا اور پھر فلمیں دیکھنے میں کیا برائی ہے؟

جواب

پاکستان کے مفتی اعظم مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ ''آلاتِ جدیدہ'' میں تحریر فرماتے ہیں:

Marfat.com

ٹیپ ریکارڈ کے ذریعہ جو آیت سجدہ سنی جائے اس کا وہی حکم ہے جو گراموفون کے ریکارڈ کا ہے کہ اس کے سننے سے سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوتا، کیونکہ سجدۂ تلاوت کے وجوب کے لئے تلاوتِ صحیحہ شرط ہے، اور آلہ بے جان، بے شعور سے تلاوت متصور نہیں۔ [۱]

رہا یہ سوال کہ ''اگر یہ تلاوت نہیں تو ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے تلاوت کا جواز ختم ہو جائے گا''۔ ریڈیو پر جو تلاوت نشر ہوتی ہے، وہ عموماً پہلے ریکارڈ کر لی جاتی ہے، بعد میں نشر کی جاتی ہے، اس لئے اس کا حکم وہی ہے جو ٹیپ ریکارڈ کی آواز کا ہے کہ وہ تلاوت صحیحہ نہیں، مگر ریکارڈ کرانا جائز ہے۔ حضرت مفتی صاحب ''آلاتِ جدیدہ'' میں لکھتے ہیں: ''اس مشین پر تلاوتِ قرآن پاک اور دوسرے مضامین کا پڑھنا اور اس میں محفوظ کرانا جائز ہے''۔ [۲]

پس اس کے تلاوتِ صحیحہ نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر تلاوت کرنا ہی ناجائز ہو جائے، البتہ کسی اور سبب سے ممانعت ہو تو دوسری بات ہے، مثلاً: ٹیلی ویژن پر تصویر بھی آتی ہے، اور یہ شرعاً حرام ہے، اور جو چیز حرام اور ملعون ہو اس کو قرآن مجید کے لئے استعمال کرنا بھی حرام ہے، اور ریڈیو کا استعمال اکثر گانے بجانے کے لئے ہوتا ہے، اس لئے بعض اہلِ علم نے اس پر تلاوت کو بے ادبی قرار دیا ہے، اور اس کی مثال ایسی ہے کہ جو برتن نجاست کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، اس میں کھانا کھاتے ہوئے ایک سلیم الفطرت شخص کو گھن آئے گی، چنانچہ حضرت مفتی صاحبؒ لکھتے ہیں:

> ''اگرچہ ریڈیو کے استعمال کرنے والوں کی بدمذاقی نے زیادہ تر گانے بجانے اور بدمذاقی میں لگا رکھا ہے، اسی وجہ سے بعض علماء نے اس پر تلاوتِ قرآن کو درست نہیں سمجھا، لیکن دوسرے مفید مضامین کی بھی اس میں خاصی اہمیت پائی جاتی ہے، اس لئے یہ صحیح ہے کہ اس کو آلاتِ لہو و طرب کے حکم میں داخل نہیں کیا جا سکتا، اور ریڈیو کی جس مجلس میں تلاوت ہوتی ہے، وہ مجلس بھی لہو و لعب اور لغو باتوں سے الگ ہوتی ہے''۔ [۳]

---

[۱] ص:۲۰۷۔ [۲] ایضاً۔ [۳] ص:۲۶۱۔

Marfat.com

یہ اعتراض بھی صحیح نہیں ہے کہ اگر ٹیپ ریکارڈر کی تلاوت، تلاوتِ صحیحہ نہیں، نہ اس سے تلاوت سننے کا ثواب ہے، تو گانے سننے کا گناہ بھی نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ تلاوت کے خاص شرعی احکام ہیں، جو تلاوتِ صحیحہ پر مرتب ہوتے ہیں، ٹیپ ریکارڈ کی آواز تلاوتِ صحیحہ نہیں، محض تلاوت کی آواز ہے۔ چنانچہ اگر اذان ٹیپ کرلی جائے تو مؤذن کی جگہ پانچوں وقت ٹیپ ریکارڈ بجادینے سے گو اذان کی آواز تو آجائے گی، لیکن اس کو اذان نہیں کہا جائے گا، نہ اس سے اذان کی سنت ادا ہوگی، اسی طرح ٹیپ کی ہوئی تلاوت بھی تلاوت کے قائم مقام نہیں، لیکن شریعت نے گانے کی آواز سننے کو مطلقاً حرام قرار دیا ہے، چنانچہ ایک حدیث میں ہے:

> دو آوازیں ایسی ہیں کہ دُنیا و آخرت میں ملعون ہیں، ایک خوشی کے موقع پر باجے تاشے کی آواز، دوسری مصیبت کے موقع پر نوحے کی آواز۔

اس لئے گانے کی آواز خواہ کسی ذریعے سے بھی سنی جائے اس کا سننا حرام ہے، لہٰذا تلاوت پر گانے کی آواز کو قیاس کرنا صحیح نہیں۔

یہ کہنا کہ قرآن مجید کی آیتِ سجدہ خواہ کسی بھی ذریعے سے کسی مسلمان کے کانوں تک پہنچے یا وہ خود تلاوت کرے، اس پر سجدۂ تلاوت واجب ہوجائے گا، تلاوتِ صحیحہ کی حد تک تو صحیح ہے، مطلقاً صحیح نہیں، مثلاً: کسی سوئے ہوئے شخص نے آیت سجدہ تلاوت کی، نہ اس پر سجدہ واجب ہے نہ اس کے سننے والے پر، کیونکہ سونے والے کی تلاوت، تلاوتِ صحیحہ نہیں، اسی طرح اگر کسی پرندے کو آیتِ سجدہ رٹادی گئی تو اس کے پڑھنے سے بھی سننے والوں پر سجدۂ تلاوت واجب نہیں، چونکہ پرندے کا پڑھنا تلاوت صحیحہ نہیں، اسی طرح اگر کسی نے آیت سجدہ تلاوت کی، کسی شخص نے خود اس کی تلاوت تو نہیں سنی، مگر اس کی آواز پہاڑ یا دیوار یا گنبد سے ٹکرا کر اس کے کان میں پڑی تو اس صدائے بازگشت کے سننے سے بھی سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوگا۔ الغرض اصول یہ ہے کہ تلاوتِ صحیحہ کے سننے سے سجدۂ تلاوت واجب ہوتا ہے، ٹیپ ریکارڈ کی آواز تلاوت صحیحہ نہیں، اس لئے اس

Marfat.com

کے سننے سے سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوتا ہے۔

بعض حضرات عیدین اور جمعہ کی نماز میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کو ٹیپ ریکارڈر پر قیاس کرتے ہیں، وہ بھی یہاں بے محل ہے، کیونکہ لاؤڈ اسپیکر آواز کو دُور تک پہنچاتا ہے، اور مقتدیوں تک جو آواز پہنچتی ہے وہ بعینہٖ امام کی تلاوت و تکبیر کی آواز ہوتی ہے۔ ٹیپ ریکارڈر اس آواز کو محفوظ کرلیتا ہے، اب جو ٹیپ ریکارڈ بجایا جائے گا وہ اس تلاوت کا عکس ہوگا جو اس پر کی گئی، وہ بذاتِ خود تلاوت نہیں، اس لئے ایک کو دُوسرے پر قیاس کرنا صحیح نہیں۔

نامحرم حافظِ قرآن سے قرآن پڑھنا

مسئلہ: نامحرم حافظ سے قرآنِ کریم یاد کرنا، پردہ کے ساتھ ہو تو گنجائش ہے، بشرطیکہ کسی فتنے کا اندیشہ نہ ہو، مثلاً: دونوں کے درمیان تنہائی نہ ہو، اگر فتنے کا احتمال ہو تو جائز نہیں۔

مسئلہ: قریب البلوغ لڑکی کا حکم جوان ہی کا ہے، بغیر پردے کے پڑھانا موجبِ فتنہ ہے۔

سینماؤں میں قرآن خوانی اور سیرت کے جلسے

مسئلہ: سینماؤں میں قرآن خوانی اور سیرت کے جلسے کرنا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مذاق اُڑانے کے مترادف ہے۔

مسئلہ: کسی گناہ کے کام کو قرآن کریم کی تلاوت سے شروع کرنا گستاخی ہے، اور گناہ کے کام میں برکت کا تصور بھی عجیب و غریب ہے۔

مردے کے ساتھ قبر میں قرآن یا مقدس کلمات رکھنا

مسئلہ: قبر میں مردے کے ساتھ قرآن مجید یا اس کا کچھ حصہ دفن کرنا ناجائز ہے، کیونکہ مردہ قبر میں

Marfat.com

پھول پھٹ جاتا ہے، قرآن مجید ایسی جگہ رکھنا بے ادبی ہے، یہی حکم مقدس کلمات کا ہے، سلف صالحین کے یہاں اس کا تعامل نہیں تھا۔

ایک مسجد کے قرآن دوسری مسجد میں لے جانا

مسئلہ: مسجد میں رکھے ہوئے قرآن مجید کے نسخے اگر مسجد کی ضرورت سے زیادہ ہوں تو کسی اور مسجد یا مدرسہ میں منتقل کر دیئے جائیں، ان کو گھر لے جانا درست نہیں۔ [1]

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆

[1] ۔

Marfat.com

ختمِ قرآن کے بارے میں

دن رات میں قرآن کریم کی کتنی مقدار تلاوت کی جائے؟

۱۔ صحیحین میں یہ وارد ہوا ہے کہ نبی کریم ﷺ کو جب عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی بابت یہ خبر پہنچی کہ وہ ہر رات کو ایک پورا قرآن تلاوت کرتے ہیں تو اُن سے فرمایا:

ہر مہینہ میں ایک قرآن پڑھا کرو، انہوں نے عرض کیا یا نبی اللہ! میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں ،فرمایا اچھا تو پھر ہر بیس دن میں ایک قرآن پڑھا کرو، انہوں نے دوبارہ عرض کیا یا نبی اللہ! مجھ میں اس سے بھی زائد کی طاقت ہے، فرمایا تو پھر چلو دس دن میں ایک ختم کیا کرو۔ انہوں نے سہ بارہ عرض کیا یا نبی اللہ! میرے اندر اس سے بھی زیادہ کی ہمت ہے، فرمایا تو پھر سات دن میں ایک قرآن پڑھا کرو اور اس پر زیادتی نہ کیا کرو، کیونکہ تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے، تمہارے مہمان کا اور خود تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے۔ [۱]

۲۔ سعد بن منذر انصاری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اُن سے ارشاد فرمایا:

اگر تمہارے اندر طاقت و وسعت ہو تو تین دن میں پورے قرآن کریم کی تلاوت کر لیا کرو (چنانچہ موصوف نے تا وفات اپنا یہی معمول جاری رکھا)۔ [۲]

۳۔ جن حضرات نے ایک رکعت میں قرآن مجید کو ختم کیا ہے ان کی تعداد شمار سے زیادہ ہے، متقدمین میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ اور سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کا کعبہ کے اندر ایک رکعت میں قرآن پڑھنا ثابت ہے۔

۴۔ اور جن بزرگوں نے سات دنوں میں ختم کیا ہے ان کی تعداد تو بہت ہے مثلاً حضرت عثمان بن عفان،

---

[۱] بخاری و مسلم۔ [۲] مسند احمد و طبرانی کبیر۔

Marfat.com

حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہم اور تابعین میں عبدالرحمٰن بن یزید، علقمہ اور ابراہیم رحمہم اللہ ہیں۔

سات راتوں میں ختم قرآن کا معمول

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اکثر وبیشتر شب جمعہ کو شروع فرما کر شب جمعرات کو بتفصیلِ ذیل ختمِ قرآن فرماتے تھے:

بقرہ تا مائدہ، انعام تا ہود، یوسف تا مریم، طٰہٰ تا قصص، عنکبوت تا صٓ، زمر تا رحمن اور واقعہ تا آخر قرآن۔[1]

بعض ایسے نیک بخت ہیں کہ رمضان المبارک میں بھی قرآن کریم ختم نہیں کرتے، تھوڑا بہت پڑھ لیتے ہیں۔ قرآن کریم کے ساتھ سب مسلمانوں کو محبت تو ہے، کوئی مسلمان ایسا نہیں کہ جس کے دل میں قرآن کریم کی عظمت نہ ہو، کوئی مسلمان ایسا نہیں جس کے دل میں قرآن کریم کی محبت نہ ہو، قرآن کریم سے تعلق نہ ہو، کوئی مسلمان ایسا نہیں جس کو کچھ تھوڑا بہت بھی یاد نہیں، لیکن پھر محبت کی مختلف منزلیں ہیں۔ ہمارے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ رمضان المبارک میں اِکسٹھ قرآن پڑھتے تھے، ایک قرآن دن کا، ایک رات کا، اور ایک تراویح کا، اور یہی معمول امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا گیا ہے اور یہی معمول امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے، اور یہ معمول تو بہت سے اکابر کا رہا ہے کہ رمضان میں روزانہ کا ایک قرآن۔

میرے بھائی! قیامت کے دن تمہارے درجے اسی سے متعین ہوں گے، جن کے اندر جو محبت چھپی ہوئی ہے، سو چھپی ہوئی ہے، اس کا تو کسی کو پتہ چلتا نہیں، لیکن کتنی طاقتور محبت ہے، کتنے درجے کی محبت ہے، اس کا اندازہ تو ان کے اعمال سے ہوگا، یوں کسی کو تعلق نہ ہو اور کہے کہ مجھے بہت محبت ہے، اب محبت کا کوئی پتہ، نشان نہیں ہوتا، وہ تو دل میں چھپی ہوتی ہے، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ اس محبت کا مظاہرہ کیسے ہوتا ہے؟

ایک آیت کا سوچ کر پڑھنا دو ختموں سے بہتر ہے

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

---

[1] اخرجہ محمد بن نصر فی کتاب قیام اللیل، ص:۱۰۸۔

Marfat.com

اپنے آپ کو قرآن مجید کے ختموں کی گنتی پر فریفتہ نہ کرو، بلکہ ایک آیت کا سوچ کر پڑھنا ساری رات میں دو ختم کرنے سے بہتر ہے۔

سب سے افضل قرأت

سب سے افضل قرأتِ قرآن، نماز میں ہے، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک طول قیام کثرت سجود سے افضل ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ نماز میں طول قیام سجدہ میں طول دینے سے افضل ہے، ہاں غیر نماز میں قرأت قرآن سب سے افضل رات کو پڑھنا ہے، رات میں نصف اخیر افضل ہے اوّل شب سے اور مغرب وعشاء کے درمیان قرآن پڑھنا پسندیدہ ومحبوب ہے اور دن میں سب سے افضل قرأتِ قرآن نماز صبح کے بعد ہے۔

بہر کیف کسی وقت قرأت قرآن میں کراہیت نہیں ہے اور یہ جو بعض مشائخ سے منقول ہے کہ بعد عصر یہود سے مشابہت ہے، اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ اس کے بعد رمضان کے آخری دس دن، اور ذی الحجہ کے دس دن اور پورا رمضان المبارک سب سے افضل ہے، اور علماء نے پیر، جمعرات اور یومِ عرفہ میں قرأت قرآن کو بھی پسند کیا ہے۔

قرآن مجید ختم کرنے کا بہترین وقت

قاری کا تنہا، نماز میں ختم کرنا بہترین ختموں میں سے ہے، بعض سنت فجر اور سنت مغرب میں استحباب کے قائل ہیں، مگر سنت فجر کو افضل مانتے ہیں، بعض کہتے ہیں کہ اوّل دن میں شروع کرے اور آخر دن کے وقت میں ختم کرنا مستحب ہے، لیکن جو شخص نماز سے باہر ختم کرے اور لوگ جمع ہوں تو مستحب یہ ہے کہ اول النہار یا اول اللیل میں ختم کرے، بعض علماء کے نزدیک دن کے اول حصہ میں ختم کرنا افضل ہے۔

قرآن کا ختم کرنا دن یا رات کے ابتدائی حصہ میں افضل ہے۔ اس لئے کہ دارمی نے سند حسن کے ساتھ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا "اگر قرآن کا ختم آغاز شب میں ہوتا ہے تو ملائکہ ختم

Marfat.com

قرآن کرنے والے کے واسطے صبح تک دعائے رحمت کرتے رہتے ہیں اور اگر وہ دِن کے پہلے حصہ میں قرآن ختم کرتا ہے تو شام تک فرشتے اس کے حق میں رحمت کی دعائیں مانگتے رہتے ہیں۔

احیاء العلوم میں ہے کہ دن کے آغاز کا ختم قرآن، نماز فجر کے فرض کی دو رکعتوں میں ہونا چاہیے اور شب کے ابتدائی حصہ میں قرآن ختم کرنے کی صورت یہ ہے کہ نماز مغرب کی دوسنتوں کی رکعتوں میں ختم کیا جائے اور ابن المبارک رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ وہ جاڑوں کے موسم میں آغاز شب اور گرمیوں کے ایام میں فجر کا وقت ختم قرآن کے لئے پسند کیا کرتے تھے۔

ختم قرآن کے دن روزہ رکھنا مستحب وافضل ہے بشرطیکہ وہ دن ایسا نہ ہو کہ اُس دن روزہ رکھنے کی ممانعت ہو، ابن ابی داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ طلحہ بن مطرف رحمۃ اللہ علیہ اور حبیب بن ابی ثابت رحمۃ اللہ علیہ اور مسیب بن رافع کوفی رحمۃ اللہ علیہ تابعین جس روز قرآن ختم کرنا ہوتا توصبح کو روزہ سے ہوتے۔

ختم قرآن کرنیوالے بزرگوں کے چار گروہ

۱۔ وہ حضرات جو ختم کے بعد شرمساری وحیاء سمیت استغفار میں لگ جاتے ہیں (یوسف بن اسباط وغیرہ)۔ یہ وہ قوم ہے جس کو حق تعالیٰ کے رعب وجلال ودبدبہ اور ان کی انتہائی ہیبت کی معرفت حاصل ہے اور جو شانِ ربوبیّت کی نسبت کے لحاظ سے اپنے اعمال کی تقصیر و کوتاہی کے سبب انہیں عقوبت وسزا کے زیادہ قریب جانتی ہے، ان حضرات پر خوفِ خداوندی اور مناقشۂ حساب غالب ہے، اسی بنا پر انہوں نے یقین کرلیا کہ ہمیں استغفار کے علاوہ کوئی چیز لائق نہیں، تاکہ فقر وفاقہ اور اعتذار کا اظہار ہو جائے، نیز ان حضرات نے ثواب کی طلب سے کنارہ کش ہو کر اسی بات کو غنیمت جان لیا کہ وہ اپنے عمل سے برابر ہی چھوٹ جائیں کہ نہ انہیں نفع ہو نہ نقصان۔

۲۔ وہ حضرات جو دعا واستغفار کے بغیر اپنے پہلے ختم کے ساتھ دوسرے ختم کو ملا دیتے ہیں، جس کی چار وجوہ ہیں: (۱) حق تعالیٰ کی محبوب چیز کو اپنی محبوب چیز پر ترجیح دینا۔ (۲) اس بات کا

Marfat.com

اندیشہ کرنا کہ ختم میں نفس کے حظوظ اور اس کی خواہشات کا دخل ہو جائے۔ (۳) حدیث پر عمل کرنا کہ ختم کے بعد فوری دوسرا قرآن شروع کر دینا افضل الاعمال ہے۔ (۴) اِس حدیث قدسی پر عمل کرنا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں جس کو قرآن کی تلاوت کی وجہ سے میرے ذکر کی اور مجھ سے سوال کرنیکی فرصت نہ ملے، اس کو میں اُن سب کے ثواب سے بڑھ کر ثواب دوں گا جو سوال کرنیوالوں کو دوں گا اور اللہ کے کلام کی بڑائی تمام کلاموں پر ایسی ہے جیسے تمام مخلوق کے مقابلہ میں رب تعالیٰ کی بڑائی ہے۔ [1]

اور "مُستخرجہ" میں ابن قاسم سے جو یہ منقول ہے کہ "امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے اُس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو ختم کے بعد دعا کرے، آپ نے جواب دیا کہ نہ تو میں نے ختم کے وقت کوئی دعا سنی ہے اور نہ ہی یہ پہلے لوگوں کا عمل ہے وہ بھی اسی پر محمول ہے۔

۳۔ اکثر حضرات (ابن مسعود رضی اللہ عنہ، ابن عمر رضی اللہ عنہ، انس رضی اللہ عنہ) ختم کے بعد اپنے نیک مقاصد و منافع کے حصول کے لئے خوب الحاح وزاری سے دعا کرتے تھے، یہ وہ لوگ ہیں جن پر حق تعالیٰ کی ربوبیت کا اور ذاتِ اِلٰہ کے لئے اپنے نُفوس کی عُبودیت کا مشاہدہ غالب ہے اور انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ اللہ کی رحمت وسیع اور اُن کا فضل وانعام، نیک وبد، مطیع وعاصی سب ہی کے لئے عام ہے، اس بنا پر حق تعالیٰ کے متعلق اُن کی امید قوی و پختہ ہوگئی اور انہوں نے جان لیا کہ قرآن کریم ایسا سفارشی ہے جس کی سفارش مقبول ہے، پس انہوں نے اپنے گناہوں کی زیادتی کے باوجود سوال کا ہاتھ جناب باری میں دراز کر دیا اور یہ سمجھ لیا کہ وہی ہمارا ٹھکانہ ہیں، نیز انہوں نے اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (مجھ سے مانگو تمہاری دعا قبول کروں گا) کے امر کا بھی لحاظ رکھا گویا ان کی دعا اللہ کی عُبودیت ہے۔

۴۔ جو ختمِ قرآن کے موقع پر شکرِ نعمت کے طور پر صدقہ وخیرات کرتے ہیں، بہتر یہ ہے کہ ختم کے

[1] ترمذی عن ابی سعیدؓ۔

Marfat.com

مبارک موقع پر استغفار بھی کیا جائے، دعا بھی مانگی جائے، دوسرا قرآن بھی شروع کر دیا جائے، نیز بطور شکر نعمت کے کچھ تقسیم بھی کر دیا جائے لیکن یہ پوری باقاعدگی و پابندی کے طور پر نہ ہو، بلکہ کبھی کر لیا جائے اور کبھی چھوڑ دیا جائے، کیونکہ التزام و دوام، اہلِ بدعت کا طریقہ ہے لہٰذا اس سے بچنا چاہئے۔

ختمِ قرآن کے متعلق چند اہم مسائل

مسئلہ: ختم قرآن کے دِن روزہ رکھنا مسنون ہے، اس بات کو ابن ابی داوٗد رحمۃ اللہ علیہ نے تابعین کی ایک جماعت سے روایت کیا ہے (جیسا کہ ماقبل میں گزر چکا ہے) اور یہ بھی چاہیے کہ ختم قرآن میں اپنے گھر والوں اور دوستوں کو شریک کرے۔ طبرانی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی نسبت روایت کی ہے کہ جس دن وہ قرآن ختم کیا کرتے تو اپنے کنبہ والوں کو جمع کر کے اللہ جل جلالہ سے دعا مانگا کرتے تھے۔

ابن ابی داوٗد رحمۃ اللہ علیہ نے حکم بن عتیبہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا:

مجھ کو مجاہد نے بلوا بھیجا اور میں گیا تو ان کے پاس ابن ابی امامہ بھی موجود تھے۔ مجاہد اور ابن ابی اُمامہ، دونوں نے مجھ سے کہا کہ ہم نے تم کو اس لئے بلوایا ہے کہ ہم قرآن ختم کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور ختم قرآن کے وقت دعا قبول کی جاتی ہے۔ اور مجاہد ہی سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا ''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ختم قرآن کے وقت اکٹھا ہو جایا کرتے تھے'' اور مجاہد کہتا ہے کہ ختم قرآن کے وقت رحمت کا نزول ہوتا ہے۔

مسئلہ: سورۃ والضحیٰ سے آخر قرآن تک ہر سورۃ کے بعد تکبیر کہنا مستحب ہے اور یہ دستور مکہ والوں کی قرأت کا ہے۔

مسئلہ: ختم قرآن کے بعد دعا مانگنا بھی سنت ہے اور اس کا ثبوت طبرانی وغیرہ کی اس حدیث سے ہوتا ہے جو عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً آئی ہے: جس شخص نے قرآن ختم کیا اس کے لئے ایک قبول

Marfat.com

ہونے والی دعا ہے۔

اور شعب الایمان میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے مرفوعاً مروی ہے:

جس شخص نے قرآن ختم کر کے اللہ جل جلالہ کی حمد کہی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجا اور اپنے پروردگار سے مغفرت مانگی تو بے شک اس نے اچھے موقع پر اپنی بہتری طلب کی۔

مسئلہ: ایک ختم سے فارغ ہوتے ہی دوسرا ختم شروع کر دینا مسنون ہے اور اس کی بابت ترمذی وغیرہ کی یہ حدیث سند قرار دی گئی ہے:

اَحَبُّ الْاَعْمَالِ اِلَى اللهِ تَعَالٰى الْحَالُّ الْمُرْتَحِلُ الَّذِىْ يَضْرِبُ مِنْ اَوَّلِ الْقُرْاٰنِ اِلٰى اٰخِرِهٖ كُلَّمَا اَحَلَّ ارْتَحَلَ۔[1]

''اللہ کے نزدیک سب سے بڑھ کر قابل پسند کام اس شخص کا ہے جو قرآن کو شروع کر کے اُسے پڑھتا ہے، اور جب اس کے خاتمہ پر پہنچتا ہے تو پھر اُس کا آغاز کر دیتا ہے''۔

اور دارمی نے سند حسن کے ساتھ بواسطہ ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس وقت قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھ چکتے تو اَلْحَمْدُ سے پھر شروع کر دیتے اور اس کو پڑھ لینے کے بعد سورۃ البقرہ میں سے بھی اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ تک قرأت فرماتے اور اس کے بعد ختم قرآن کی دعا فرما کر اُٹھتے تھے۔

کیا ختم قرآن کے موقع پر سورۃ الاخلاص کو تین دفعہ پڑھا جائے؟

مسئلہ: امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ختم قرآن کے وقت سورۃ الاخلاص کے تکرار سے منع کیا ہے۔ صحیح وہی ہے جس پر سلف ہیں، تاکہ کوئی اس تکرار کے عمل کے مسنون ہونے کا اعتقاد نہ کر لے اور اسی لئے حنبلی اماموں نے تصریح کی ہے کہ سورۂ صمد (اخلاص) کو ایک مرتبہ سے زیادہ نہ پڑھا جائے اور یہ بھی کہا ہے کہ

---

[1] ترمذی، رقم الحدیث: ۲۹۴۸

Marfat.com

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ بھی اس کو جائز نہیں بتاتے تھے۔

نیز ''نشر کبیر'' میں ہے کہ ''میرے علم میں ہمارے اصحاب میں سے کسی نے بھی اس تکرار کی تصریح نہیں کی ہے، عام ہے کہ وہ قُراء میں سے ہوں یا فقہاء میں سے، البتہ صرف ابوالفخر حامد بن علی بن حسنو یہ قزوینی نے اپنی کتاب حلیۃ القراء میں یہ بیان کیا ہے کہ جملہ قراء نے سورۂ اخلاص کو ایک ہی بار پڑھا ہے بجز ہَرَوانی کے، انہوں نے اعشی سے نقل کرکے اس کے تین بار پڑھنے کو پسند کیا ہے، لیکن منقول ایک ہی بار ہے، یہی اقرب الی السنۃ ہے۔

غرض یہ کہ تکرارِ اِخلاص کا ثبوت، قُرُوْنِ مَشْهُوْدلَهَا بِالْخَیْرِ سے قطعًا نہیں، اس لئے اس کا ترک ہی ضروری ہے، خصوصاً جبکہ اس کا التزام بھی ہو رہا ہو۔ اگرچہ نوافل وسنن میں تکرارِ آیت راجح قول کی بناء پر مکروہ تنزیہی بھی نہیں ہے۔[1]

اور مہذبہ، شرحِ تنویر اور شرح المنیہ میں ہے:

''قرآن کے ختم کے موقع پر سورۂ اخلاص کے تین مرتبہ پڑھنے کو بعض مشائخ نے پسندیدہ نہیں قرار دیا، ان سب کے خلاف فقیہ ابواللّیث کہتے ہیں یہ ایک ایسی چیز ہے جس کو اہلِ قُرآن اور ائمہ اَمصار نے پسندیدہ قرار دیا ہے، لہٰذا اس میں چنداں مضائقہ نہیں، لیکن جب ختم قرآن فرض نماز میں ہو تو ہرگز ایک مرتبہ سے زیادہ نہ پڑھے''۔

مُنیہ میں یہ بھی ہے کہ فرض میں تو کسی سورت کی قرأت کا تکرار مکروہ ہے لیکن نوافل میں مکروہ نہیں، کیونکہ نوافل کا باب فرائض سے وسیع تر ہے۔

ختمِ قرآن میں معمولی اجتماع

ختم قرآن کے موقع پر لوگوں کا موجود ہونا مستحبات میں سے ہے جیسا کہ صحیحین وغیرہ کی روایت سے ثابت

[1] شامیہ، ج:۱،ص:۵۱۔

Marfat.com

ہوتا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ حائضہ عورت تک کو عیدین میں نکلنے کا حکم فرماتے تھے، تاکہ وہ اس خیر و برکت کے موقع پر حاضر ہو کر مسلمانوں کی دعاؤں وغیرہ میں شریک ہوں۔

دارمی شریف میں ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما آدمی کو مقرر کر دیتے تھے تاکہ وہ دوسرے کے ختم قرآن سے آگاہ کرے، چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کو مطلع کیا جاتا تھا اور آپ تشریف لا کر دعا میں شریک ہوتے، اسی طرح قتادہ رحمۃ اللہ علیہ جو جلیل القدر تابعی ہیں وہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ جب ختم قرآن کرتے تو گھر کے تمام لوگوں کو اکٹھا کر کے دعا کرتے، اسی طرح بروایت صحیحہ حکم بن عیینہ تابعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اور عتبہ بن لبابہ رحمۃ اللہ علیہ میرے پاس آئے اور دونوں نے فرمایا کہ ہم کو آپ کے پاس اس لئے بھیجا گیا ہے کہ قرآن مجید کے ختم کا ارادہ کر رہے ہیں اور ختم کے وقت دعا کرنا مستحب ہے اور مستجاب ہے بلکہ نزول رحمت ہوتا ہے، اسی طرح مجاہد رحمۃ اللہ علیہ ختم کے وقت لوگوں کو جمع کیا کرتے تھے اور فرماتے کہ رحمت کا نزول ہو رہا ہے۔

ختمِ قرآن کی دعا

ختمِ قرآن کے بعد دعا کا کرنا مستحب ہے جیسا کہ معلوم ہوا، دارمی میں حمید اعرج سے روایت ہے کہ جس نے قرآن پڑھا اور پھر دعا کی، اس کی دعا کی حفاظت پر چار ہزار فرشتے مقرر کر دیئے جاتے ہیں، اس لئے چاہئے کہ دعا انتہائی سرگرمی سے کی جائے اور امور مہمہ کو خصوصی طور پر دعا میں لایا جائے، مسلمانوں اور بادشاہوں کی خیر خواہی میں دعا کی جائے، جیسے درج ذیل دعا ہے:

اَللّٰهُمَّ اَصْلِحْ قُلُوْبَنَا وَاَزِلْ عُيُوْبَنَا وَتَوَلَّنَا بِالْحُسْنٰى وَ زَيِّنَّا بِالتَّقْوٰى وَاجْمَعْ لَنَا خَيْرَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى وَارْزُقْنَا طَاعَتَكَ مَا اَبْقَيْتَنَا۔ اَللّٰهُمَّ يَسِّرْنَا لِلْيُسْرٰى وَجَنِّبْنَا الْعُسْرٰى وَاَعِذْنَا مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا وَاَعِذْنَا مِنْ عَذَابِ النَّارِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ وَفِتْنَةِ الْمَحْيَا وَ

Marfat.com

الْمَمَاتِ وَفِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ الْهُدٰى وَالتُّقٰى وَالْعَفَافَ وَالْغِنٰى ۔اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَوْدِعُكَ اَدْيَانَنَا وَاَبْدَانَنَا وَخَوَاتِيْمَ اَعْمَالِنَا وَاَنْفُسَنَا وَاَهْلِيْنَا وَاَحْبَابَنَا وَسَآئِرَ الْمُسْلِمِيْنَ وَجَمِيْعَ مَآ اَنْعَمْتَ عَلَيْنَا وَعَلَيْهِمْ مِنْ اُمُوْرِ الْاٰخِرَةِ وَالدُّنْيَا۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِى الدِّيْنِ وَالدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاجْمَعْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ اَحْبَابِنَا فِىْ دَارِ كَرَامَتِكَ بِفَضْلِكَ وَرَحْمَتِكَ۔

اَللّٰهُمَّ اَصْلِحْ وُلَاةَ الْمُسْلِمِيْنَ وَوَفِّقْهُمْ لِلْعَدْلِ فِىْ رِعَايَاهُمْ وَالْاِحْسَانِ عَلَيْهِمْ وَالشَّفْقَةِ عَلَيْهِمْ وَالرِّفْقِ بِهِمْ وَالْاِعْتِنَاءِ بِمَصَالِحِهِمْ وَحَبِّبْهُمْ اِلَى الرَّعِيَّةِ وَحَبِّبِ الرَّعِيَّةَ اِلَيْهِمْ، وَوَفِّقْهُمْ لِصِرَاطِكَ الْمُسْتَقِيْمِ وَالْعَمَلِ بِوَظَائِفِ دِيْنِكَ الْقَوِيْمِ۔ اَللّٰهُمَّ الْطُفْ بِعَبْدِكَ سُلْطَانِنَا وَوَفِّقْهُ لِمَصَالِحِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَحَبِّبْهُ اِلٰى رَعِيَّتِهٖ وَحَبِّبِ الرَّعِيَّةَ اِلَيْهِ۔ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْ نَفْسَهٗ وَبِلَادَهٗ وَانْصُرْهُ عَلٰى اَعْدَآءِ الدِّيْنِ وَسَآئِرِ الْمُخَالِفِيْنَ۔ وَوَفِّقْهُ لِاِزَالَةِ الْمُنْكَرَاتِ وَاِظْهَارِ الْمَحَاسِنِ وَاَنْوَاعِ الْخَيْرَاتِ وَزِدِ الْاِسْلَامَ بِسَبَبِهٖ ظُهُوْرًا وَاَعِزَّهٗ وَرَعِيَّتَهٗ اِعْزَازًا بَاهِرًا۔

اَللّٰهُمَّ اَصْلِحْ اَحْوَالَ الْمُسْلِمِيْنَ وَارْخِصْ اَسْعَارَهُمْ وَاٰمِنْهُمْ فِىْ اَوْطَانِهِمْ وَاقْضِ دُيُوْنَهُمْ وَعَافِ مَرْضَاهُمْ ۔وَانْصُرْ جُيُوْشَهُمْ وَسَلِّمْ غِيَابَهُمْ وَفُكَّ اُسَرَاهُمْ، وَاشْفِ صُدُوْرَهُمْ وَاذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ وَاَلِّفْ بَيْنَهُمْ وَاجْعَلْ فِىْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَالْحِكْمَةَ وَثَبِّتْهُمْ عَلٰى مِلَّةِ

Marfat.com

رَسُوْلِكَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَوْزِعْهُمْ اَنْ يُّوْفُوْا بِعَهْدِكَ الَّذِيْ عَاهَدْتَّهُمْ عَلَيْهِ، وَانْصُرْهُمْ عَلٰى عَدُوِّكَ وَعَدُوِّهِمْ اِلٰهَ الْحَقِّ وَاجْعَلْنَا مِنْهُمْ۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُمْ اٰمِرِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ فَاعِلِيْنَ بِهٖ نَاهِيْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ مُجْتَنِبِيْنَ لَهٗ مُحَافِظِيْنَ عَلٰى عَدُوِّكَ قَآئِمِيْنَ عَلٰى طَاعَتِكَ مُتَنَاصِفِيْنَ مُتَنَاصِحِيْنَ۔ اَللّٰهُمَّ صُنْهُمْ فِيْ اَقْوَالِهِمْ وَاَفْعَالِهِمْ وَبَارِكْ لَهُمْ فِيْ جَمِيْعِ اَحْوَالِهِمْ۔

اور اپنی دعا کے آغاز اور اختتام پر یہ کہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ حَمْدًا يُّوَافِيْ نِعَمَهٗ وَيُكَافِيْ مَزِيْدَهٗ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ فِي الْعَالَمِيْنَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

ختمِ قرآن کی ایک اور دعا اور اس کی وضاحت

یہ دعا قرآن کے آخر میں سورۃ الناس کے بعد لکھی ہوتی ہے، دعا یہ ہے:

''اَللّٰهُمَّ اٰنِسْ وَحْشَتِيْ فِيْ قَبْرِيْ'' ''اے اللہ! میری قبر میں وحشت کو اُنس سے تبدیل کردے''۔ ''وحشت'' کہتے ہیں کہ کوئی پاس نہیں ہے، اکیلا تنہا ہے، اکیلا حیران پریشان ہے، یا اللہ! قبر کی تنہائی کو اور وحشت کو اُنس سے بدل دے، کہ کوئی دوست احباب وہاں بھی بات چیت کرنے والے ہوں، یہاں سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ اللہ والے وہاں اکیلے نہیں رہتے، وہاں بھی ان کے ساتھ بہت سے لوگ ہوتے ہیں۔

''اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِيْ بِالْقُرْاٰنِ الْعَظِيْمِ'' ''یا اللہ! مجھ پر رحم فرما عظمت والے قرآن کریم کے ذریعے سے''۔ ''وَاجْعَلْهُ لِيْ اِمَامًا وَّنُوْرًا وَّهُدًى وَّرَحْمَةً'' یا اللہ! بنادے اس کو میرے لئے امام، (امام آگے ہوتا ہے، مقتدی پیچھے ہوتے ہیں یعنی قرآن آگے آگے

Marfat.com

چلے اور ہم اس کے پیچھے پیچھے چلیں) اور اس کو ہمارے لئے نور بنادے اور اس کو ہمارے لئے ہدایت کا ذریعہ بنادے اور اس کو ہمارے لئے رحمت بنادے۔

"اَللّٰهُمَّ ذَكِّرْنِيْ مِنْهُ مَانَسِيْتُ وَعَلِّمْنِيْ مِنْهُ مَا جَهِلْتُ" ''یا اللہ! یاد کرادے مجھے اس میں سے جو کچھ میں بھول گیا ہوں، اور سکھادے مجھے اس میں سے جو کچھ میں نہیں جانتا''۔

"وَارْزُقْنِيْ تِلَاوَتَهٗ اٰنَآءَ اللَّيْلِ وَاٰنَآءَ النَّهَارِ وَاجْعَلْهُ لِيْ حُجَّةً يَارَبَّ الْعَالَمِيْنَ" ''اور مجھ کو نصیب فرما اس کی تلاوت دن کی گھڑیوں میں، اور رات کی گھڑیوں میں، (دن اور رات تلاوت کیا کروں، یہ نصیب فرما) اور بنادے اس کو میرے لئے حجت قیامت کے دن''۔

حدیث شریف میں ہے کہ:

اَلْقُرْاٰنُ حُجَّةٌ لَّكَ اَوْعَلَيْكَ ''قرآن حجت ہوگا تیرے لئے، یا تیرے خلاف''۔ [1]

ختمِ قرآن کی ایک جامع دعا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ ، صَدَقَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ ، صَدَقَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْمُتَوَحِّدُ فِي الْجَلَالِ بِكَمَالِ الْجَمَالِ تَعْظِيْمًا وَّتَكْبِيْرًا ، اَلْمُتَفَرِّدُ بِتَصْرِيْفِ الْاَحْوَالِ عَلَى التَّفْصِيْلِ وَالْاِجْمَالِ تَقْدِيْرًا وَّتَدْبِيْرًا ، اَلْمُتَعَالِيْ بِعَظْمَتِهٖ وَمَجْدِهٖ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعَالَمِيْنَ نَذِيْرًا۔

صَدَقَ اللّٰهُ التَّوَّابُ الْغَفُوْرُ الْوَهَّابُ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ الَّذِيْ خَضَعَتْ لِعَظْمَتِهٖ

[1] مشکوٰۃ، ص:۳۸۔

Marfat.com

الرِّقَابُ ، وَذَلَّتْ لِجَبَرُوْتِهِ الصِّعَابُ وَاسْتَدَلَّتْ عَلٰى حِكْمَتِهِ بِصَنْعَتِهِ أُولُوا لْأَلْبَابِ ، وَلَانَتْ لِقُدْرَتِهِ الشَّدَآئِدُ الصِّلَابُ ، غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِى الطَّوْلِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابُ-

صَدَقَ مَنْ لَّمْ يَزَلْ جَلِيْلًا، صَدَقَ مَنْ حَسْبِىْ بِهٖ كَفِيْلًا ـ صَدَقَ الْهَادِىْ اِلَيْهِ سَبِيْلًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا-

صَدَقَ اللّٰهُ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ الْجَبَّارُ الَّذِىْ لَا يُرَامُ ـ وَالْعِزِيْزُ الَّذِىْ لَا يُضَامُ، اَلْقَيُّوْمُ الَّذِىْ لَا يَنَامُ ـ لَهُ الْاَسْمَاءُ الْعِظَامُ وَالْاَفْعَالُ الْكِرَامُ ، وَالْمَوَاهِبُ الْجِسَامُ وَالْاَفْضَالُ وَالْاَنْعَامُ ، وَالضِّيَآءُ وَالظَّلَامُ ، تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَ مَنْ فِيْهِنَّ ، وَاِنْ مِّنْ شَىْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ، لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ-

اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كَمَا هَدَيْتَنَا لِلْاِسْلَامِ وَعَلَّمْتَنَا الْحِكْمَةَ وَالْقُرْآنَ ، وَلَكَ الْحَمْدُ عَلٰى مَا اَنْعَمْتَ بِهٖ عَلَيْنَا مِنْ نِعَمِكَ الْعَظِيْمَةِ وَآلَائِكَ الْجَسِيْمَةِ حَيْثُ أَنْزَلْتَ إِلَيْنَا خَيْرَ كُتُبِكَ وَاَرْسَلْتَ إِلَيْنَآ اَفْضَلَ رُسُلِكَ وَشَرَعْتَ لَنَا اَفْضَلَ شَرَآئِعِ دِيْنِكَ ، وَجَعَلْتَنَا مِنْ خَيْرِ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ، وَهَدَيْتَنَا لِمَعَالِمِ دِيْنِكَ الَّذِىْ لَيْسَ بِهِ الْتِبَاسٌ وَخَلَعْتَ الْاِسْلَامَ خَيْرَ لِبَاسٍ ،وَلَكَ الْحَمْدُ عَلٰى تَتَابُعِ إِحْسَانِكَ وَتَرَادُفِ إِمْتِنَانِكَ وَلَكَ الْحَمْدُ عَلٰى مَا يَسَّرْتَهُ مِنْ صِيَامِ رَمَضَانَ وَ قِيَامِهٖ وَتِلَاوَةِ كِتَابِكَ الْعَزِيْزِ الَّذِىْ لَا يَأْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ

Marfat.com

خَلْفِهٖ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا لِكِتَابِكَ مِنَ التَّالِيْنَ ، وَلَكَ بِهٖ مِنَ الْعَامِلِيْنَ ، وَبِالْاَعْمَالِ مُخْلِصِيْنَ ، وَ بِالْقِسْطِ قَآئِمِيْنَ وَعَنِ النِّيْرَانِ مُزَحْزِحِيْنَ وَفِي الْجِنَانِ مُنَعَّمِيْنَ ،وَاِلٰى وَجْهِكَ الْكَرِيْمِ نَاظِرِيْنَ۔

اَللّٰهُمَّ انْفَعْنَا بِمَاصَرَّفْتَ فِيْهِ مِنَ الْاٰيَاتِ ، وَكَفِّرْ عَنَّا بِهٖ السَّيِّئَاتِ ،وَهَوِّنْ عَلَيْنَا بِهٖ السَّكَرَاتِ عِنْدَ الْمَمَاتِ۔

اَللّٰهُمَّ وَ كَمَا جَعَلْتَنَا بِهٖ مِنَ الْمُصَدِّقِيْنَ فَاجْعَلْنَا فِيْهِ مُعْتَبِرِيْنَ ، وَاِلٰى لَذِيْذِ خِطَابِهٖ مُسْتَمِعِيْنَ ، وَلِاَوَامِرِهٖ وَ نَوَاهِيْهِ خَاضِعِيْنَ ، وَعِنْدَ خَتْمِهٖ مِنَ الْفَآئِزِيْنَ ، اَللّٰهُمَّ ،وَاَوْجِبْ لَنَا بِهٖ الشَّرَفَ وَ الْمَزِيْدَ ،وَاَلْحِقْنَا بِكُلِّ بِرٍّ سَعِيْدٍ وَ وَفِّقْنَا لِلْعَمَلِ الصَّالِحِ الرَّشِيْدِ -

اَللّٰهُمَّ اِنَّا عَبِيْدُكَ بَنُوْ عَبِيْدِكَ بَنُوْ اِمَآئِكَ ،نَوَاصِيْنَا بِيَدِكَ ،مَاضٍ فِيْنَا حُكْمُكَ عَدْلٌ فِيْنَا قَضَاؤُكَ ، نَسْأَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَ لَكَ سَمَّيْتَ بِهٖ نَفْسَكَ اَوْ اَنْزَلْتَهٗ فِيْ كِتَابِكَ اَوْ عَلَّمْتَهٗ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ اَوِاسْتَأْثَرْتَ بِهٖ فِي الْعِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ ، اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْآنَ الْعَظِيْمَ رَبِيْعَ قُلُوْبِنَا ، وَنُوْرَ صُدُوْرِنَا،وَجِلَآءَ اَحْزَانِنَا ،وَذِهَابَ هُمُوْمِنَا وَ غُمُوْمِنَا ،وَسَائِقَنَا وَدَلِيْلَنَا اِلٰى جَنَّاتِكَ جَنَّاتِ النَّعِيْمِ -

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِمَّنْ يُّقِيْمُ حُدُوْدَهٗ وَحُرُوْفَهٗ ، اَللّٰهُمَّ وَاجْعَلْنَا لِاَوَامِرِهٖ وَ نَوَاهِيْهِ خَاضِعِيْنَ ، وَعِنْدَ خَتْمِهٖ مِنَ الْفَائِزِيْنَ وَلِثَوَابِهٖ حَآئِزِيْنَ ،وَلَكَ فِيْ جَمِيْعِ شُهُوْدِنَا ذَاكِرِيْنَ ،وَاِلَيْكَ فِيْ جَمِيْعِ اُمُوْرِنَا رَاجِعِيْنَ -

Marfat.com

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنَ الَّذِيْنَ حَفِظُوْا لِلْقُرْآنِ حُرْمَتَهٗ لَمَّا حَفِظُوْهُ ، وَعَظَّمُوْا مَنْزِلَتَهٗ لَمَّا سَمِعُوْهُ ، وَتَأَدَّبُوْا بِآدَابِهٖ لَمَّا خَطَرُوْهُ ، وَالْتَزَمُوْا حُكْمَهٗ وَمَا فَارَقُوْهُ وَاَرَادَ بِتِلَاوَتِهٖ وَجْهَكَ الْكَرِيْمَ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَقَبِلْتَ مِنْهُمْ ذٰلِكَ وَاَوْرَثْتَهُمُ الْمَنَازِلَ الْفَاخِرَةَ ۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلِ الْقُرْآنَ لِقُلُوْبِنَا ضِيَاءً وَلِاَبْصَارِنَا جَلَاءً وَلِذُنُوْبِنَا مُمَحِّصًا وَمِنَ النَّارِ مُخَلِّصًا ۔ اَللّٰهُمَّ هَبْ لَنَا رِعَايَةَ حَقِّهٖ ، وَحِفْظَ آيَاتِهٖ ، وَعَمَلًا بِمُحْكَمِهٖ وَاِيْمَانًا بِمُتَشَابِهِهٖ ، وَهُدًى فِيْ تَدَبُّرِهٖ ، وَتَفَكُّرًا فِيْ اَمْثَالِهٖ وَمُعْجِزِهٖ وَتَبَصُّرًا فِيْ نُوْرِ حِكَمِهٖ ، لَا تُعَارِضُنَا الشُّكُوْكُ فِيْ تَصْدِيْقِهٖ وَلَا يَخْتَلِجُنَا الزَّيْغُ فِيْ قَصْدِهٖ ، وَاجْعَلْنَا مِمَّنْ يَعْتَصِمُ بِحَبْلِهٖ ، وَيَأْوِيْ مِنَ الْمُتَشَابِهِ اِلٰى مُحْكَمِهٖ ، وَيَهْتَدِيْ بِضَوْءِ صَبَاحِهٖ ، وَلَا يَلْتَمِسُ الْهُدٰى مِنْ غَيْرِهٖ ۔

اَللّٰهُمَّ اَلْبِسْنَا بِهِ الْحُلَلَ ، وَاَسْكِنَّا بِهِ الظُّلَلَ ، وَاَسْبِغْ عَلَيْنَا بِهِ النِّعَمَ ، وَادْفَعْ عَنَّا بِهِ النِّقَمَ وَاجْعَلْنَا بِهٖ عِنْدَ الْجَزَاءِ مِنَ الْفَائِزِيْنَ وَعِنْدَ النَّعْمَاءِ مِنَ الشَّاكِرِيْنَ ، وَعِنْدَ الْبَلَاءِ مِنَ الصَّابِرِيْنَ ، وَلَا تَجْعَلْنَا مِمَّنِ اسْتَهْوَتْهُ الشَّيَاطِيْنُ فَشَغَلَتْهُ بِالدُّنْيَا عَنِ الدِّيْنِ فَاَصْبَحَ مِنَ النَّادِمِيْنَ وَفِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ ۔

اَللّٰهُمَّ ذَكِّرْنَا مِنْهُ مَا نَسِيْنَا ، وَعَلِّمْنَا مِنْهُ مَا جَهِلْنَا ، وَارْزُقْنَا تِلَاوَتَهٗ عَلَى الْوَجْهِ الَّذِيْ يُرْضِيْكَ عَنَّا ۔

اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلِ الْقُرْآنَ لَنَا مَاحِلًا ، وَلَا الصِّرَاطَ بِنَا زَائِلًا ، وَلَا مُحَمَّدًا عَنَّا مُعْرِضًا وَلَا مُوَلِّيًا ، وَاجْعَلْهُ لَنَا شَافِعًا مُشَفَّعًا مَشْرَبًا رَوِيًّا سَائِغًا

Marfat.com

هَنِيًّا لَا نَظْمَأُ بَعْدَهَا اَبَدًا۔

اَللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ ، اِنَّا نَعْهَدُ اِلَيْكَ فِي هٰذِهِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَنُشْهِدُكَ وَكَفٰى بِكَ شَهِيْدًا اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ ،لَكَ الْمُلْكُ ، وَلَكَ الْحَمْدُ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔

وَنَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُوْلُكَ ، وَنَشْهَدُ اَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا وَاَنَّكَ اِنْ تَكِلْنَا اِلٰى اَنْفُسِنَا تَكِلْنَا اِلٰى ضَعْفٍ وَعَوْرَةٍ وَ ذَنْبٍ وَخَطِيْئَةٍ وَاِنَّا لَا نَثِقُ اِلَّا بِرَحْمَتِكَ ، فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا اِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۔

اَللّٰهُمَّ يَا سَامِعَ الصَّوْتِ وَيَا سَابِقَ الْفَوْتِ وَيَا كَاسِيَ الْعَظْمِ لَحْمًا بَعْدَ الْمَوْتِ ، لَا تَدَعْ لَنَا ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَهٗ وَلَا هَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَهٗ ، وَلَا غَمًّا اِلَّا كَشَفْتَهٗ ، وَلَا سُوْءًا اِلَّا فَرَّجْتَهٗ وَلَا حَاجَةً مِّنْ حَوَائِجِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اِلَّا اَعَنْتَنَا عَلٰى قَضَائِهَا بِيُسْرٍ مِّنْكَ وَعَافِيَةٍ مَعَ الْمَغْفِرَةِ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُبِكَ مِنْ عِلْمٍ لَّا يَنْفَعُ وَقَلْبٍ لَّا يَخْشَعُ وَعَيْنٍ لَّا تَدْمَعُ ، وَنَفْسٍ لَّا تَشْبَعُ وَدَعْوَةٍ لَّا يُسْتَجَابُ لَهَا۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُّحِبُّكَ وَحُبَّ الْعَمَلِ الَّذِيْ يُقَرِّبُنَا اِلٰى حُبِّكَ ، اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُبِكَ مِنَ الْهَمِّ ، وَالْحُزْنِ وَالْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَالْبُخْلِ وَالْجُبْنِ وَضَلَعِ الدَّيْنِ وَغَلَبَةِ الرِّجَالِ۔

Marfat.com

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْأَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ، وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ، وَالْعَزِيْمَةَ عَلَى الرُّشْدِ، وَالْغَنِيْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ وَالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ، وَنَسْأَلُكَ الْفَوْزَ بِالْجَنَّةِ وَالنَّجَاةَ مِنَ النَّارِ -

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ وَلِيُّنَا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ وَاَلْحِقْنَا بِالصَّالِحِيْنَ -

اَللّٰهُمَّ اهْدِنَا لِصَالِحِ الْاَعْمَالِ وَالْاَخْلَاقِ لَا يَهْدِيْ لِاَحْسَنِهَا اِلَّا اَنْتَ وَاصْرِفْ عَنَّا سَيِّئَهَا لَا يَصْرِفُ عَنَّا سَيِّئَهَا اِلَّا اَنْتَ -

اَللّٰهُمَّ اَصْلِحْ لَنَا دِيْنَنَا الَّذِيْ هُوَ عِصْمَةُ اَمْرِنَا وَاَصْلِحْ لَنَا دُنْيَانَا الَّتِيْ فِيْهَا مَعَاشُنَا، وَاَصْلِحْ لَنَا اٰخِرَتَنَا الَّتِيْ اِلَيْهَا مَعَادُنَا وَاجْعَلِ الْحَيَاةَ زِيَادَةً لَّنَا فِيْ كُلِّ خَيْرٍ وَالْمَوْتَ رَاحَةً لَّنَا مِنْ كُلِّ شَرٍّ -

اَللّٰهُمَّ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ يَا بَدِيْعَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، فَالِقَ الْحَبِّ وَالنَّوٰى، فَالِقَ الْاِصْبَاحِ، نَسْأَلُكَ بِعِزَّتِكَ الَّذِيْ لَا يُرَامُ وَمُلْكِكَ الَّذِيْ لَا يُضَامُ اَنْ تَكْفِيَنَا مَا اَهَمَّنَا وَمَا لَا نَهْتَمُّ بِهٖ، اِلٰهَنَا وَسَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا نَسْأَلُكَ اِيْمَانًا دَائِمًا وَقَلْبًا خَاشِعًا وَبَدَنًا عَلٰى طَاعَتِكَ صَابِرًا، وَلِسَانًا صَادِقًا ذَاكِرًا -

اَللّٰهُمَّ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ يَا بَدِيْعَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، نَسْأَلُكَ اَنْ تَرْحَمَ غُرْبَتَنَا فِي الْقُبُوْرِ وَتُؤْمِنَنَا يَوْمَ الْبَعْثِ وَالنُّشُوْرِ -

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْأَلُكَ بِاَنَّكَ اَنْتَ اللّٰهُ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِيْ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ

Marfat.com

وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ. اَنْ تُطَهِّرَ قُلُوْبَنَا مِنَ النِّفَاقِ وَعَمَلَنَا مِنَ الرِّيَاءِ، وَاَلْسِنَتَنَا مِنَ الْكِذْبِ وَاَعْيُنَنَا مِنَ الْخِيَانَةِ. اِنَّكَ تَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ -

اَللّٰهُمَّ يَا اَوَّلُ يَا آخِرُ يَاظَاهِرُ يَابَاطِنُ يَاعَلِيْمُ يَاذَاالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ. نَسْأَلُكَ رِضَاكَ وَالْجَنَّةَ، وَنَعُوْذُبِكَ مِنْ سَخَطِكَ وَالنَّارِ. وَاَنْ لَّا تَكِلْنَا اِلٰى اَنْفُسِنَا طَرْفَةَ عَيْنٍ، وَاَنْ تُصْلِحَ لَنَا شَانَنَا كُلَّهٗ. وَنَسْأَلُكَ الثُّبَاتَ فِي الْاَمْرِ وَالْعَزِيْمَةَ عَلَى الرُّشْدِ. وَنَسْأَلُكَ شُكْرَ نِعْمَتِكَ، وَحُسْنَ عِبَادَتِكَ. وَنَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا تَعْلَمُ وَنَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا تَعْلَمُ. وَنَسْتَغْفِرُكَ لِمَا تَعْلَمُ. اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ -

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ. وَاَلِّفْ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ. وَاَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِهِمْ. وَاهْدِهِمْ سُبُلَ السَّلَامِ. وَجَنِّبْهُمُ الْفَوَاحِشَ مَاظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ، وَاجْعَلْهُمْ شَاكِرِيْنَ لِنِعْمَتِكَ مُثْنِيْنَ عَلَيْكَ قَابِلِيْهَا، وَاَتِمَّهَا عَلَيْنَا وَعَلَيْهِمْ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ -

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِجَمِيْعِ مَوْتَى الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ الَّذِيْنَ شَهِدُوْا لَكَ بِالْوَاحْدَانِيَّةِ، وَلِنَبِيِّكَ بِالرِّسَالَةِ. وَمَاتُوْا عَلٰى ذٰلِكَ. اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُمْ وَارْحَمْهُمْ وَعَافِهِمْ. وَاعْفُ عَنْهُمْ وَاَكْرِمْ نُزُلَهُمْ. وَوَسِّعْ مَدْخَلَهُمْ وَاغْسِلْهُمْ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرْدِ. وَنَقِّهِمْ مِنَ الذُّنُوْبِ كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْاَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ، وَارْحَمْنَا يَارَحْمٰنُ اِذَاصِرْنَا اِلٰى مَا صَارُوْا اِلَيْهِ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ -

Marfat.com

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْأَلُكَ اَنْ تَجْعَلَ خَيْرَ اَعْمَارِنَا اٰخِرَهَا، وَخَيْرَ اَعْمَالِنَا خَوَاتِمَهَا، وَخَيْرَ اَيَّامِنَا يَوْمَ لِقَائِكَ، وَاجْعَلِ الْقُبُوْرَ بَعْدَ فِرَاقِ الدُّنْيَا خَيْرَ مَنَازِلِنَا، وَافْسَحْ بِهَا ضِيْقَ مُلَاحِدِنَا، وَارْحَمْ فِيْ مَوْقِفِ الْعَرْضِ عَلَيْكَ ذُلَّ مَقَامِنَا، وَثَبِّتْ عَلَى الصِّرَاطِ اَقْدَامَنَا وَنَجِّنَا مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَبَيِّضْ وُجُوْهَنَا اِذَا اسْوَدَّتْ وُجُوْهُ الْعُصَاةِ يَوْمَ الْحَسْرَةِ وَالنَّدَامَةِ۔

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ فِيْ اَنْفُسِنَا وَفِيْ اَسْمَاعِنَا وَفِيْ اَبْصَارِنَا وَفِيْ خُلُقِنَا وَفِيْ مَحْيَانَا وَفِيْ عَمَلِنَا۔

اَللّٰهُمَّ بِعِلْمِكَ الْغَيْبَ وَ قُدْرَتِكَ عَلَى الْخَلْقِ اَحْيِنَا اِذَا عَلِمْتَ الْحَيَاةَ خَيْرًا لَّنَا، وَتَوَفَّنَا اِذَا عَلِمْتَ الْوَفَاةَ خَيْرًا لَّنَا، وَنَسْأَلُكَ خَشْيَتَكَ فِي الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ وَ كَلِمَةَ الْحَقِّ فِي الْغَضَبِ وَ الرِّضَا، وَنَسْأَلُكَ الْقَصْدَ فِي الْفَقْرِ وَالْغِنٰى، وَنَسْأَلُكَ نَعِيْمًا لَّا يَنْفَدُ، وَقُرَّةَ عَيْنٍ لَّا تَنْقَطِعُ، وَنَسْأَلُكَ النَّظَرَ اِلٰى وَجْهِكَ، وَالشَّوْقَ اِلٰى لِقَائِكَ فِيْ غَيْرِ ضَرَّاءَ مُضِرَّةٍ وَلَا فِتْنَةٍ مُّضِلَّةٍ۔

اَللّٰهُمَّ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ، زَيِّنَا بِزِيْنَةِ الْاِيْمَانِ، وَاجْعَلْنَا هُدَاةً مُّهْتَدِيْنَ۔

اَللّٰهُمَّ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ، نَسْأَلُكَ اَنْ تُوَفِّقَنَا لِفِعْلِ الْخَيْرَاتِ وَتَرْكِ الْمُنْكَرَاتِ، وَحُبَّ الْمَسَاكِيْنِ، وَاَنْ تَغْفِرَ لَنَا وَتَرْحَمَنَا، وَاِذَا اَرَدْتَّ بِعِبَادِكَ فِتْنَةً فَاقْبِضْنَا اِلَيْكَ غَيْرَ مَفْتُوْنِيْنَ۔

اَللّٰهُمَّ يَا عَزِيْزُ يَا حَكِيْمُ يَا وَدُوْدُ يَا رَحِيْمُ، نَسْأَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِيْ دِيْنِنَا وَدُنْيَانَا وَاَهْلِنَا وَمَالِنَا۔

Marfat.com

اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا، وَآمِنْ رَوْعَاتِنَا وَاحْفَظْنَا مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْنَا وَمِنْ خَلْفِنَا وَعَنْ شَمَائِلِنَا وَمِنْ فَوْقِنَا، وَنَعُوْذُ بِعِصْمَتِكَ اَنْ نُّغْتَالَ مِنْ تَحْتِنَا اِلٰهَنَا زَلَّتْ بِنَا عَنْ مَهْيَعِ نَجَاتِنَا الْاَقْدَامُ ، وَغَرِقْنَا فِي لُجَجِ الْمَعَاصِيْ وَالْاٰثَامِ -

وَاِنَّا مُقِرُّوْنَ بِالْاِسَاءَةِ عَلٰى اَنْفُسِنَا، نَرْجُوْ عَظِيْمَ عَفْوِكَ الَّذِيْ عَفَوْتَ بِهٖ عَنِ الْخَاطِئِيْنَ ، وَهَا نَحْنُ بِبَابِكَ وَاقِفُوْنَ ، وَمِنْ عَذَابِكَ خَائِفُوْنَ ، وَلِثَوَابِكَ مُؤَمِّلُوْنَ، وَقَدْ تَعَرَّضْنَا لِعَفْوِكَ وَ ثَوَابِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ -

اَللّٰهُمَّ يَا قَوِيُّ يَا عَزِيْزُ يَا وَدُوْدُ يَا ذَا الْعَرْشِ الْمَجِيْدِ ، نَسْأَلُكَ اَنْ تُطَهِّرَ بِالتَّوْبَةِ النَّصُوْحِ فَسَادَ قُلُوْبِنَا، وَاَنْ تَجْمَعَ قُلُوْبَنَا عَلٰى خَشْيَتِكَ ، وَاَنْ تَهْدِيَنَا اِلٰى اَقْرَبِ الطُّرُقِ اِلَيْكَ ، وَتَهَبَ لَنَا فِي هٰذِهِ السَّاعَةِ مِنْ مَّوَاهِبِكَ الْجِسَامِ مَا يَكُوْنُ وَسِيْلَةً اِلٰى حُلُوْلِ دَارِ السَّلَامِ -

اِلٰهَنَا وَسَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا اِلَيْكَ قَصَدْنَا بِحَاجَتِنَا ، وَبِكَ اَنْزَلْنَا فَقْرَنَا وَفَاقَتَنَا، فَارْحَمْنَا بِرَحْمَتِكَ الَّتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ يَا مَنْ لَّا يُحْفِيْهِ سَائِلٌ، وَلَا يَنْقُصُهٗ نَائِلٌ ، فَاِنَّا مُقِرُّوْن بِالْاِسَاءَةِ نَرْجُوْ عَظِيْمَ عَفْوِكَ الَّذِيْ عَفَوْتَ بِهٖ عَنِ الْخَاطِئِيْنَ -

اَللّٰهُمَّ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ يَا مَنْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ، نَسْأَلُكَ اَنْ تُجِيْرَنَا مِنَ النَّارِ وَاَنْ تَجْعَلَنَا مِنْ عِبَادِكَ الْاَبْرَارِ ، وَاَنْ تُسْكِنَنَا الْجَنَّةَ مَعَ عِبَادِكَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ -

اَللّٰهُمَّ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ يَا لَطِيْفُ يَا غَفَّارُ ، نَسْأَلُكَ اَنْ تَغْفِرَ لَنَا وَلِوَالِدَيْنَا

Marfat.com

وَاَقَارِبِنَا وَاَحبَابِنَا وَمُعَلِّمِيْنَا وَمَنْ لَّهٗ حَقٌّ عَلَيْنَا وَجَمِيْعِ الْمُسْلِمِيْنَ يَااَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ-

اَللّٰهُمَّ اَحْسِنْ عَاقِبَتَنَا فِي الْاُمُوْرِ كُلِّهَا ، وَاَجِرْنَا مِنْ خِزْيِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْاٰخِرَةِ-

اَللّٰهُمَّ اِنَّا قَدْ تَوَلَّيْنَا صَوْمَ شَهْرِنَا وَقِيَامَهٗ عَلٰى تَقْصِيْرٍ مِّنَّا وَقَدْ اَدَّيْنَا فِيْهِ مِنْ حَقِّكَ قَلِيْلًا مِّنْ كَثِيْرٍ، وَقَدْ لَجَأْنَا بِبَابِكَ سَائِلِيْنَ وَلِمَعْرُوْفِكَ طَالِبِيْنَ ، فَلَا تَرُدَّنَا خَائِبِيْنَ وَلَا مِنْ رَّحْمَتِكَ آيِسِيْنَ ، نَحْنُ الْفُقَرَاءُ اِلَيْكَ الْاُسَرَاءُ بَيْنَ يَدَيْكَ اِلَيْكَ تَعَرَّضْنَا وَلِمَعْرُوْفِكَ سَأَلْنَا، وَلِبَابِكَ قَرَعْنَا فَارْحَمْ خُضُوْعَنَا وَاجْبُرْ قُلُوْبَنَا ، وَاَقْبِلْ صِيَامَنَا وَقِيَامَنَا وَاَسْعِدْنَا بِطَاعَتِكَ لِلْاِسْتِعْدَادِ لِمَا اَمَامَنَا، وَاجْعَلْ عَمَلَنَا مَقْبُوْلًا وَسَعْيَنَا مَشْكُوْرًا، وَذَنْبَنَا مَغْفُوْرًا-

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ شَهْرَنَا شَاهِدًا لَّنَا بِاَدَاءِ فَرْضِكَ ، وَلَا تَجْعَلْنَا مِمَّنْ تَعَبَ وَاجْتَهَدَ وَلَمْ يُرْضِيْكَ -

اَللّٰهُمَّ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ يَا مَنْ لَّهٗ خَزَائِنُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ، نَسْأَلُكَ اَنْ تَجْعَلَ اَوْسَعَ رِزْقِكَ عَلَيْنَا عِنْدَ كِبَرِ اَسْنَانِنَا، وَانْقِطَاعِ اَعْمَارِنَا، وَاكْفِنَا بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ ، وَبِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ -

اَللّٰهُمَّ اَلْهِمْنَا الشُّكْرَ عَلٰى صِيَامِ الْاَيَّامِ الْمَاضِيَةِ ، وَاَعِدْ رَمَضَانَ عَلَيْنَا اَعْوَامًا مُّتَتَابِعَةً، وَارْزُقْنَا الزَّهَادَةَ فِي الدَّارِ الْفَانِيَةِ ، وَارْفَعْ مَنَازِلَنَا فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ -

اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ فِيْ سَابِقِ عِلْمِكَ اَنْ تَجْمَعَنَا فِيْ مِثْلِهٖ فَبَارِكْ لَنَا فِيْهِ، وَاِنْ

Marfat.com

قَضَيْتَ بِقَطْعِ اٰجَالِنَا وَمَا يَحُوْلُ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُ فَاَحْسِنِ الْخِلَافَةَ عَلٰى بَاقِيْنَا، وَاَوْسِعِ الرَّحْمَةَ عَلٰى مَاضِيْنَا، وَعُمَّنَا جَمِيْعًا بِرَحْمَتِكَ، وَغُفْرَانِكَ، وَاجْعَلِ الْمَوْعِدَ بِحُبُوْبَةِ جَنَّتِكَ-

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ اِجْتِمَاعَنَا اِجْتِمَاعًا مَرْحُوْمًا وَّتَفَرُّقَنَا تَفَرُّقًا مَّعْصُوْمًا، وَلَا تَجْعَلْ فِيْنَا شَقِيًّا وَلَا مَحْرُوْمًا-

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَنَا فِيْ هٰذِهِ السَّاعَةِ اَجْمَعِيْنَ، وَهَبِ الْمُسِيْئِيْنَ مِنَّا لِلْمُحْسِنِيْنَ

اَللّٰهُمَّ اَصْلِحْ قُلُوْبَنَا، وَاَزِلْ عُيُوْبَنَا، وَزَيِّنَّا بِالتَّقْوٰى، وَاجْمَعْ لَنَا خَيْرَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى، وَارْزُقْنَا طَاعَتَكَ مَا اَبْقَيْتَنَا وَيَسِّرْنَا لِلْيُسْرٰى، وَجَنِّبْنَا الْعُسْرٰى وَاَعِذْنَا مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَسَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، وَاَعِذْنَا مِنْ عَذَابِ النَّارِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ وَفِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ وَفِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ-

اَللّٰهُمَّ وَاَبْرِمْ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ اَمْرَ رُشْدٍ يَعِزُّ فِيْهِ اَهْلُ طَاعَتِكَ، وَيَذِلُّ فِيْهِ اَهْلُ مَعْصِيَتِكَ، وَيُؤْمَرُ فِيْهِ بِالْمَعْرُوْفِ وَيُنْهٰى فِيْهِ عَنِ الْمُنْكَرِ، اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ-

اَللّٰهُمَّ اَصْلِحْ وُلَاةَ الْمُسْلِمِيْنَ، وَوَفِّقْهُمْ لِلْعَدْلِ فِيْ رِعَايَاهُمْ، وَالْاِحْسَانِ اِلَيْهِمْ، وَالشَّفَقَةِ عَلَيْهِمْ، وَالرِّفْقِ بِهِمْ، وَالْاِعْتِنَاءِ بِمَصَالِحِهِمْ، وَحَبِّبْهُمْ اِلَى الرَّعِيَّةِ، وَحَبِّبِ الرَّعِيَّةَ اِلَيْهِمْ، وَوَفِّقْهُمْ لِصِرَاطِكَ الْمُسْتَقِيْمِ وَالْعَمَلِ بِوَصَائِفِ دِيْنِكَ الْقَوِيْمِ-

اَللّٰهُمَّ وَفِّقْ وُلَاتَنَا لِاِزَالَةِ الْمُنْكَرَاتِ وَاِظْهَارِ الْمَحَاسِنِ وَاَنْوَاعِ الْخَيْرَاتِ-

Marfat.com

اَللّٰهُمَّ اَصْلِحْ اَحْوَالَ الْمُسْلِمِيْنَ ، وَارْخُصْ اَسْعَارَهُمْ، وَاٰمِنْهُمْ فِيْ اَوْطَانِهِمْ، وَاقْضِ دُيُوْنَهُمْ، وَعَافِ مَرْضَاهُمْ، وَانْصُرْ جُيُوْشَهُمْ، وَسَلِّمْ غِيَابَهُمْ، وَفُكَّ اُسَرَاهُمْ، وَاشْفِ صُدُوْرَهُمْ، وَاذْهَبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ، وَاَلِّفْ بَيْنَهُمْ، وَاجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَالْحِكْمَةَ، وَثَبِّتْهُمْ عَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِكَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَانْصُرْهُمْ عَلٰى عَدُوِّكَ وَعَدُوِّهِمْ -

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُمْ اٰمِرِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ فَاعِلِيْنَ لَهُ ، نَاهِيْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ مُجْتَنِبِيْنَ عَنْهُ، مُحَافِظِيْنَ عَلٰى حُدُوْدِكَ، قَائِمِيْنَ عَلٰى طَاعَتِكَ، مُتَنَاصِفِيْنَ مُتَنَاصِحِيْنَ -

اَللّٰهُمَّ دَمِّرِ الْمُنَافِقِيْنَ وَالْكَافِرِيْنَ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِكَ ، وَيُبَدِّلُوْنَ دِيْنَكَ، وَيُعَادُوْنَ اَوْلِيَاءَكَ الْمُوَحِّدِيْنَ -

اَللّٰهُمَّ خَالِفْ بَيْنَ كَلِمَتِهِمْ، وَشَتِّتْ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ، وَاجْعَلْ تَدْمِيْرَهُمْ فِيْ تَدْبِيْرِهِمْ، وَاَدِرْ عَلَيْهِمْ دَائِرَةَ السَّوْءِ ، وَاَنْزِلْ عَلَيْهِمْ بَأْسَكَ الَّذِيْ لَا يُرَدُّ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ -

اَللّٰهُمَّ شَدِّدْ عَلَيْهِمْ وَطْأَتَكَ، وَارْفَعْ عَنْهُمْ عَافِيَتَكَ، وَمَزِّقْهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ، وَدَمِّرْهُمْ تَدْمِيْرًا -

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ خَتْمَتَنَا مُبَارَكَةً عَلٰى مَنْ قَرَأَهَا وَحَضَرَنَا وَجَمَعَهَا، وَاٰمَنَ عَلٰى دُعَائِهَا، وَاَنْزِلْ اَللّٰهُمَّ مِنْ بَرَكَاتِهَا عَلٰى اَهْلِ الْقُبُوْرِ فِيْ قُبُوْرِهِمْ، وَعَلٰى اَهْلِ الدُّوْرِ فِيْ دُوْرِهِمْ -

Marfat.com

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْأَلُكَ مِنَ الْخَيْرِ كُلِّهٖ عَاجِلِهٖ وَاٰجِلِهٖ مَا عَلِمْنَا مِنْهُ وَمَا لَمْ نَعْلَمْ، وَنَسْأَلُكَ الْجَنَّةَ وَمَا قَرَّبَ اِلَيْهَا مِنْ قَوْلٍ اَوْ عَمَلٍ، وَنَعُوْذُبِكَ مِنَ النَّارِ وَمَا قَرَّبَ اِلَيْهَا مِنْ قَوْلٍ اَوْ عَمَلٍ، وَنَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا سَأَلَكَ مِنْهُ عَبْدُكَ وَنَبِيُّكَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، وَنَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا اسْتَعَاذَ مِنْهُ عَبْدُكَ وَنَبِيُّكَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -

اَللّٰهُمَّ اخْتِمْ لَنَا بِخَاتِمَةِ السَّعَادَةِ ، وَاجْعَلْنَا مِمَّنْ كَتَبْتَ لَهُمُ الْحُسْنٰى وَزِيَادَةً -

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ حَبَّبْتَ الْقُرْبَ اِلَيْكَ بِعِتْقِ مَامَلَكَتْ اَيْمَانُنَا وَنَحْنُ عَبِيْدُكَ وَاَنْتَ اَوْلٰى بِالتَّفَضُّلِ، فَاَعْتِقْنَا، وَاَنْتَ اَمَرْتَنَا اَنْ نَّتَصَدَّقَ عَلٰى فُقَرَائِنَا، وَنَحْنُ فُقَرَاؤُكَ وَاَنْتَ اَحَقُّ بِالتَّطَوُّلِ فَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ، وَوَصَّيْتَنَا بِالْعَفْوِ عَمَّنْ ظَلَمَنَا وَقَدْ ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاَنْتَ اَحَقُّ بِالْعَفْوِ وَالْكَرَمِ فَاعْفُ عَنَّا وَارْحَمْنَا -

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ عَمَلَنَا صَالِحًا مُؤْنِسًا لَّنَا فِي الْخَلْوَةِ اِذَا اَوْحَشَنَا الْمَكَانُ ، وَلَفَظَتْنَا الْاَوْطَانُ ، وَفَارَقْنَا الْاَهْلُ وَالْجِيْرَانُ ، وَانْفَرَدْنَا فِيْ مَحَلٍّ ضَنْكٍ قَصِيْرِ السَّمَكِ عَلٰى غَيْرِ مِهَادٍ وَلَا وِسَادٍ، وَلَا تَقَدَّمَهٗ زَادٍ وَلَا اعْتِدَادٍ ، فَتَدَارَكْنَا هُنَالِكَ بِرَحْمَتِكَ الْوَاسِعَةِ، وَاذْهَبْ عَنَّا ظُلْمَتَهٗ بِالْاَنْوَارِ السَّاطِعَةِ-

اَللّٰهُمَّ يَاحَيُّ يَاقَيُّوْمُ مَالِكَ الْمُلْكِ بَدِيْعَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَالِقَ الْحَبِّ وَالنَّوٰى مُحْيِيَ الْعِظَامِ وَهِيَ رَمِيْمٌ، يَاوَاحِدُ اَحَدُ فَرْدُ صَمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ

Marfat.com

يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ كُفُوًا اَحَدٌ. فَارِجَ الْهَمِّ وَكَاشِفَ الْغَمِّ وَمُجِيبَ دَعْوَةِ الْمُضْطَرِّيْنَ رَحْمٰنَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ رَحِيْمَهُمَا. اِرْحَمْنَا بِرَحْمَتِكَ الَّتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ وَّجَمِيْعَ الْمُسْلِمِيْنَ-

اَللّٰهُمَّ اِنَّا دَعَوْنَاكَ دُعَاءَ مَنْ يَّرْجُوْكَ وَيَخْشَاكَ وَيَبْتَهِلُ اِلَيْكَ ابْتِهَالَ مَنْ لَّمْ يَخْطُرْ بِبَالِهٖ سِوَاكَ ، وَرَحْمَتَكَ تَسَعُ مَنْ اَطَاعَكَ مِنَّا، وَمَنْ عَصَاكَ. فَاَمَّا مُحْسِنٌ فَقَبِلْتَهٗ وَاَمَّا مُسِيْءٌ فَرَحِمْتَهٗ. يَامَنْ اَدْنَى الْمُنْقَطِعِيْنَ اِلَيْهِ وَاَغْنَى الْمُتَوَكِّلِيْنَ عَلَيْهِ-

اَللّٰهُمَّ يَاحَيُّ يَاقَيُّوْمُ يَاوَدُوْدُ يَاذَاالْعَرْشِ الْمَجِيْدُ، نَسْأَلُكَ اَنْ تُعِيْذَنَا مِنْ جَهْدِ الْبَلَاءِ، وَدَرْكِ الشَّقَاءِ، وَسُوْءِ الْقَضَاءِ، وَشَمَاتَةِ الْأَعْدَاءِ، وَاَنْ تَنْصُرَ الْاِسْلَامَ وَالْمُسْلِمِيْنَ، وَتُعْلِيَ كَلِمَتَهُمْ وَتُشَيِّدَ دَوْلَتَهُمْ، وَتَجْمَعَ شَمْلَهُمْ، وَتُؤَيِّدَهُمْ بِتَأْيِيْدِكَ، وَتُعْطِيَهُمْ مِنَ الْخَيْرِ، فَوْقَ مَا يَرْجُوْنَ وَتَصْرِفَ عَنْهُمْ مِنَ السُّوْءِ فَوْقَ مَا يَحْذَرُوْنَ، فَاِنَّكَ تَمْحُوْ مَاتَشَاءُ وَتُثْبِتُ وَعِنْدَكَ اُمُّ الْكِتَابِ-

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَّسِيْنَا أَوْ أَخْطَأْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ. رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ. رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ -

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ قُلْتَ وَقَوْلُكَ الْحَقُّ: اُدْعُوْنِيْ أَسْتَجِبْ لَكُمْ ، اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ . قَدْ دَعَوْنَاكَ كَمَا اَمَرْتَنَا فَاسْتَجِبْ لَنَا كَمَا وَعَدْتَّنَا. فَهٰذَا الدُّعَاءُ وَمِنْكَ الْاِجَابَةُ ، وَهٰذَا الْجُهْدُ وَعَلَيْكَ التُّكْلَانُ. اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ

Marfat.com

لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهُ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ، سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ، وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ، وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ -

دعاءِ قنوت

اَللّٰهُمَّ اهْدِنَا فِيْمَنْ هَدَيْتَ ، وَعَافِنَا فِيْمَنْ عَافَيْتَ ، وَتَوَلَّنَا فِيْمَنْ تَوَلَّيْتَ ، وَبَارِكْ لَنَا فِيْمَا اَعْطَيْتَ ، وَقِنَا شَرَّ مَا قَضَيْتَ ، فَإِنَّكَ تَقْضِيْ وَلَا يُقْضٰى عَلَيْكَ ، إِنَّهٗ لَا يَذِلُّ مَنْ وَّالَيْتَ ، وَلَا يَعِزُّ مَنْ عَادَيْتَ ، تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ ، فَلَكَ الْحَمْدُ عَلٰى مَا قَضَيْتَ ، نَسْتَغْفِرُكَ وَنَتُوْبُ اِلَيْكَ ، وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ -

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆

Marfat.com

حضرت مولانا کریم بخش صاحب کی دیگر کتب

① تفسیر هٰذَا بَلَاغٌ لِّلنَّاسِ (جلد اوّل):

اصولِ تفسیر، قرآنی حقائق و دلائل اور تفسیرِ قرآن سے متعلقہ ضروری علوم کو احسن انداز سے پیش کیا گیا ہے۔

② خلاصۃ القرآن (تراویح کے بعد کے دروس القرآن):

اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ پیغام کو مختصر طور پر سمجھنے اور سمجھانے کیلئے لاجواب ذخیرہ، بیسیوں تفسیروں کا نچوڑ، اور بے مثال خلاصہ۔

③ سیرت سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام:

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے خاندانی حالات سے لے کر ذبحِ اسماعیلؑ و تاریخ بنائے بیت اللہ تک، اور عشرہ ذی الحجہ اور قربانی کے فضائل و مسائل کا حسین گلدستہ۔

④ خطباتِ کریم (جلد اوّل، دوم):

"اللہ تعالیٰ کی شفقت و محبت، حضراتِ انبیاء کرامؑ، نبی کریم ﷺ کا حلیہ مبارک، خاندانِ نبوت، معجزات رسول ﷺ، فضائلِ مدینہ، شان صدیق اکبرؓ، تاریخ فقہاء و محدثین، ظالموں اور ظلم کا انجام"۔ جبکہ خطباتِ کریم جلد دوم "شب برأت سے لے کر شب قدر تک" کے بیانات کا حسین گلدستہ ہے۔

⑥ مواعظِ جمعہ (جلد اوّل، دوم، سوم):

جمعہ کے خطبات کا مجموعہ، جس میں "رسول اللہ ﷺ کی ازواجِ مطہرات، صاحبزادوں، صاحبزادیوں اور نواسوں، نواسیوں کی پاکیزہ سیرت و کردار" کا ذکر، محرم الحرام کے فضائل و احکام، اظہارِ غم کا مسنون طریقہ، مسائل زیارتِ قبور، اسلام میں نحوست کا تصور، توہم پرستی سے اجتناب اور مشورہ و استخارہ کی اہمیت، رسول اللہ ﷺ کے شمائل و خصائل، اخلاق و عادات، عفو و کرم، قدرت الٰہی کے مظاہر، فضائلِ درود شریف، فضائلِ اذان، مؤذنین کا مقام و مرتبہ، اور دعوت و تبلیغ کی اہمیت و ضرورت" جیسے عظیم مضامین ہیں۔

⑦ مواعظِ رمضان المبارک (جلد اوّل، دوم، سوم):

رمضان المبارک کے خطبات جمعہ، جلد دوم میں رمضان المبارک میں نمازِ فجر کے بعد کے دروسِ احادیث، جبکہ جلد سوم میں روزہ، تراویح، اعتکاف، زکوٰۃ، صدقہ فطر، مصارفِ زکوٰۃ، بیس تراویح کی مدلل تحقیق، اور عید الفطر کے فضائل و احکام۔

Marfat.com

المعروف
جواہر قرآنیہ

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ (القرآن)

الیواقیت الحسان فی علوم القرآن

علوم قرآنیہ کا نایاب تحفہ

جلد اول

حضرت مولانا کریم بخش صاحب مدظلہ
مدرس جامعہ عمر بن الخطاب ملتان

مکتبہ عمر بن الخطاب
نئی چوک شاہ رکن عالم کالونی ملتان موبائل: 0301-7574977

Marfat.com